وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

سورۃ النحل :44

اور (اے نبی مکرم) ہم نے آپ کی طرف ذکر عظیم (قرآن) نازل فرمایا تا کہ آپ لوگوں کے لیے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تا کہ وہ غور و فکر کریں۔

اصحاب قرآن و تشنگانِ علوم کے لیے سرکار حافظ محمد حامد چشتی صابری
کے درسِ قرآن کا بیش بہا تحفہ

خطباتِ حامد

(جلد دوم)

علامہ حافظ
محمد حامد چشتی صابری
مدظلہ العالیٰ

سجادہ نشین آستانہ عالیہ تنگل شریف پسرور

ترتیب: زوار حیدر اور محمد امجد اسلام امجد

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (النحل:44)

اور (اے نبی مکرم!) ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ غور و فکر کریں

اصحابِ قرآن و تشنگان علوم کیلئے سرکار حافظ محمد حامد چشتی صابری صاحب کے درسِ قرآن کا بیش بہا تحفہ

خُطباتِ حامِد

(جلد دوم)

از

علامہ حافظ محمد حامد چشتی صابری مدظلہ العالی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ ننگل شریف پسرور

ترتیب:- زوار حیدر اور محمد امجد اسلام امجد



کتاب کا نام: خطباتِ حامد (جلد دوم)

مصنف و پبلشر: محمد حامد چشتی صاحب

ترتیب: زوار حیدر اور محمد امجد اسلام امجد

پروف ریڈنگ: علامہ سعید احمد صاحب اور خالد محمود آسی پسرور

سال اشاعت: 2024

ISBN 978-969-23915-3-5

9 789692 391535

انتساب

امام العاشقین زین الصابرین مخدوم اولیاء حضرت

علاؤالدین **علی احمد صابر** کلئیری رحمۃ اللہ علیہ

﴾ترتیب﴿

تمہید

اَعُوذُ بِاللہ مِنَ الشَّیطٰنِ الَّرجِیمِ ۔ بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ۔ متعلقہ آیت۔ امنت باللہ صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبی الامی الکریم۔ ونحن علی ذلک من الشاہدین والشاکرین و الحمدللہ رب العالمین۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی شان حبیبہ مخبرا و امرا، ان للہ وملائکتہ یصلون علی النبی، یا ایھاالنبی صلو علیہ وسلموا تسلیما۔ الصلاۃ والسلام علیک یا سیدی یارسول اللہ، وعلی آلک واصحابک یا سیدی یا حبیب اللہ، الصلاۃ والسلام علیک یا سیدی یا رحمتہ اللعالمین، وعلی آلک واصحابک یا سیدی یا شفیع المذنبین۔

اللہ رب العزت کی حمد وثناء کے بعد کہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے اور صفات کے اعتبار سے بھی؛ اللہ کا کوئی شریک نہیں؛ وہی اس کائنات کا خالق اور معبود برحق ہے۔ اس نے ہی انسان کو اَشرف المخلوقات بنایا اور ہم سب نے پلٹ کر اسی اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ بے حد وبے انتہا درود وسلام امام الانبیاء، حبیب کبریاء، شفیع المذنبین، رحمت اللعالمین، تاجدار سلطنتِ دنیا و دین، آمنہ کے لال باعثِ تخلیق کائنات، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس پر کہ جنکے صدقے ہمیں اللہ نے ایمان کی دولت سے مالامال فرمایا۔ نہایت ہی واجب الاحترام معزز بزرگو، دوستو، عزیز بھائیو! السلام علیکم!

مقدمہ

میری انتہائے نگارش یہی کہ تیرے نام سے ابتداء کر رہا ہوں

ہر انسان اس دنیا میں کامیاب ہونا چاہتا ہے۔ اور کسی بھی صورت گھاٹے کا سودہ نہیں کرنا چاہتا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ اس کامیابی کے حصول کے لیے کون سا رستہ اختیار کرتا ہے۔ یہ اختیار کی جو قوت اس کو دی گئی ہے اسی اختیار کا امتحان بھی ہے اور کل قیامت کے روز اسی کا حساب بھی لیا جائے گا۔ یہاں ایک بات جو انتہائی غور طلب ہے کہ ہمیں اپنے اللہ کا کیا تعارف حاصل ہے؟ انسان شاید اسی غلط فہمی میں ہے کہ اللہ نے اسے دوزخ میں پھینکنے کے لیے بنایا ہے۔ نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ جو نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے ناں وہ اسی لیے تو دیتا ہے کہ وہ ہمیں کامیاب دیکھنا چاہتا ہے۔ یعنی تم ایک گناہ "کرو" تو ایک ہی لکھا جائے جبکہ دوسری طرف تم نیکی کا "سوچو" تو لکھ دے اور اگر ایک کرو تو دس لکھ دے، ستر لکھ دے، سو لکھ دے، سات سو لکھ دے، اب یہاں ہی نہیں روکا بلکہ فرمایا کہ وہ چاہے تو اس سے بھی بڑھا سکتا ہے اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے اب اللہ کی انسان سے کمال محبت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اس نے اپنے محبوب ﷺ کو رحمت اللعالمین کا مصداق بنا کر ہمیں عطا کیا اور قرآنِ حکیم میں ارشاد فرما دیا کہ " اگر تم اپنی جانوں پہ ظلم کر لو تو چلے آؤ میرے محبوب ﷺ کے در پر، اور آکر معافی مانگو اور میرا محبوب تمہاری سفارش کرے تو تم اللہ کو بخشنے والا مہربان پاؤ گے "۔ اللہ نے اپنا محبوب ہمیں ایسے ہی عطا نہیں کیا۔ ہمارے معافی مانگنے سے جو بات نہ بنی وہ محبوب ﷺ کی سفارش سے بن گئی۔ اب یہ کام قیامت تک محبوبِ کریم ﷺ کے در اقدس سے فیض یاب ہونے والے کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے یعنی "اولیاء اللہ"۔

زیرِ نظر کتاب "خطباتِ حامد" جلد دوم اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں اپنے اللہ کی معرفت بھی دینے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بھی سمجھانے کی سعی ہے کہ اپنے اللہ کے متعلق بدگمانیوں کو اپنے ذہن سے نکالو اور اس کی کمال رحمتوں پہ بھی کبھی غور کرو، مغفرت کے اتنے انتظامات کے باوجود کوئی دوزخ میں کیوں چلا جائے۔ اور دوسرا اس اختیار کے متعلق انسانوں کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس اختیار کا اصل مالک تو اللہ ہے۔ ہمیں تو بس عارضی طور پر دیا گیا ہے۔ مگر انسان اِس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ شاید وہ اس کا مالک ہے اور اِس غلط فہمی کا شکار وہ ہوتا ہے جو نفسانی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے۔ ان خواہشات کو پورا کرنے کے لیے وہ پھر کسی بھی حد تک جا

تا ہے۔اس کے لیے "واقعہ کربلا" سے بڑھ کر کوئی اور مثال نہیں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ اپنے گردوپیش میں اس بات کا بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ اس دنیا میں جب بھی مسائل پیدا ہوئے ہیں ظلم و بربریت کا بازار گرم ہوا ہے تو انھی لوگوں کے ہاتھوں ہوا ہے جن کا مقصد دنیا میں کوئی منصب حاصل کرنا یا کوئی عہدہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔

صابری سلسلہ کے سرخیل میری مراد "جناب پروفیسر، عظیم مذہبی سکالر، فخر اسلام، صوفیِ باصفا، عالمِ با عمل، عصرِ حاضر کے درخشاں ستارے، صاحبزادہ، پیرزادہ، پیر حافظ محمد حامد چشتی صابری قادری صاحب آستانہ عالیہ ننگل شریف اس پُر فتن دور میں اُس مشن کے لیے شبانہ روز دوڑ دھوپ کر رہے ہیں جس کی ذمہ داری انکے پیشوا جناب صوفی باصفا، یوسفِ زماں، پیرِ طریقت صوفی محمد یوسف صاحب رحمت اللہ علیہ دے کر گئے تھے۔ آج زمانہ اس بات کا عینی شاہد ہے کہ آپ اس ذمہ داری کو کس احسن انداز سے پورا کر رہے ہیں۔ یہ میرے مرشدِ کریم کی دعاؤں کا ثمر، آقا کریم کا فیضانِ نظر اور میرے اللہ کریم کا خاص فضل و کرم ہے کہ آج ہر مکتبہء فکر آپ سے حصولِ فیض کے لیے سرگرداں ہے۔

ان خطبات کو کتابی شکل میں تحریر کرنے کا مقصد آپ کی تعلیمات اور ملفوظات کو نہ صرف محفوظ کرنا ہے بلکہ علم کے اس خزینے کو باحسن و خوبی آنے والی نسلوں تک پہنچانا بھی ہے تاکہ ان کی تشنہ روحوں کو سیر ابی نصیب ہو۔ ویسے تو سوشل میڈیا پر تمام خطبات ہمارے چینل پر بھی پر موجود ہیں۔ اس کتاب سے فیضان اسی کو نصیب ہو گا جو حق کا متلاشی ہو گا۔ اور انکے لیے بھی جو سوشل میڈیا سے کوسوں دور ہیں کیونکہ یہ میرے اللہ کریم کا قرآنِ کریم میں وعدہ ہے "لیس للانسان الا ما سعیٰ" انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے"۔ بات تو ہے احساس اور ذمہ داری کی۔ آقا کریم ﷺ کی امت کی رہبری و رہنمائی اب قیامت تک اولیاء کاملین و علمائے حق کی ہے اس ذمہ داری سے وہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو صاحبِ علم ہو، معرفت کا نور رکھتا ہو اور با عمل بھی ہو۔ تب وہ دوسروں کی رہنمائی کرنے کا اہل ہے۔ آپ کا اندازِ بیان اتنا شیریں، دلپزیر، دلنشیں، پُر مغز اور حکمت سے بھرا ہوتا ہے کہ سننے والا نہ صرف متاثر ہوتا ہے بلکہ سوچنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ کے خطاب کی حکمتوں کا میں خود بھی عینی شاہد ہوں۔

اب ظاہر ہے کہ آپ کے خطاب کی جھلک پیش کرنی ضروری ہے تو ایک جگہ خطاب میں آپ نے سوال پوچھا" ادنیٰ کو اعلیٰ کا احترام کرنا چاہیے یا اعلیٰ کو ادنیٰ کا احترام کرنا چاہیے ؟ تو جواب دیا گیا کہ ادنیٰ کو جھکنا چاہیے۔ آپ فرماتے ہیں کہ نہیں، اعلیٰ کو ادنیٰ کا احترام کرنا چاہیے۔ اب جو پیر خالی ظرف ہیں جن کا مقصود دنیا کا حصول ہے اور پیر بنے بیٹھے ہیں وہ تو جھک کر بھی کسی کو کچھ نہیں دے سکتے وہ سوائے غصہ کے اور کر بھی کیا سکتے ہیں خالی جو ہوئے کیونکہ جو فیض سے مالامال ہو گا وہی خود کو جھکا کر دوسروں کو فیض دے گا۔ یہ ہیں میرے پاک پیغمبر ﷺ کے سچے نمائندے۔ جو معراج پہ جا کر بھی امت کی بھلائی کے لیے ہم گناہ گاروں کی طرف لوٹ آئے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ، ہمیشہ جھک کہ ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر، بھرا کرتی ہے پیمانہ

اس کتاب میں 47 بیانات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ جن میں توحید، رسالت، آخرت کے عقائد اور دور حاضر کے فتنوں کے سوالات کو قرآن کریم کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حق و باطل کے کرداروں کا موازنہ کرتے ہوئے اللہ کے احکامات کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قرآنِ کریم چونکہ احکامات کی کتاب ہے اور ان احکام کے نتیجہ میں دو قسم کے افراد سامنے آتے ہیں، ایک احکام کی پیروی کرنے والے اور دوسرا احکام سے بغاوت کرنے والے۔ میرے اللہ نے اپنی لاریب کتاب میں دونوں کردار بیان کر کے ہمیں جھنجھوڑا ہے کہ فیصلہ خود کر لو کہ تم کون سا کردار ادا کر رہے ہو۔ قبلہ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ہدایت تو اللہ نے ہر ذی روح کو دے کر بھیجا ہے ہمارا کام اس ہدایت کی یاد دہانی کروانا، اسے بھولا ہوا سبق یاد کروانا ہے۔ اور انسان کو اُس کی اصل منزل آخرت کی کامیابی کے رستے پر پھر سے گامزن کرنا ہے جو وہ بھول چکا تھا۔ یہ وہ روشنی ہے جو سامعین کے قلوب و اذہان کو منور کرتی ہے اور دلوں کی دنیا بدل دیتی ہے۔ آج اگر خرافات سے پاک دین میسر ہے تو وہ یہیں ہے۔

جہاں تک بات ہے رہنمائی کی، تو ہم بلا شبہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے کمال مہارت سے اپنے سامعین و سائلین کی تربیت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی ہے۔ باقی بات ہے عمل کی تو وہ ہر شخص کی اپنی اپنی بساط کی بات ہے۔ مگر ایک بات ضرور ہے کہ انسان کا دل اس بات کی گواہی ضرور دیتا ہے کہ آپ نے تربیت کا حق ادا کر دیا ہے۔ جب عصرِ حاضر کے علماء سے آپ کے حوالے سے بات کی جاتی ہے کہ آپ کی گفتگو کمال درجہ کی ہوتی ہے تو وہ برملا کہہ

اٹھتے ہیں کہ قبلہ حافظ صاحب پر اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاص عنایات ہیں کہ آپ جس موضوع کو بھی بیان فرماتے ہیں کمال کرتے ہیں۔ میرے خیال میں قارئین کو ان جواہرات سے ضرور فیض حاصل کرنا چاہیے یہ کتاب آپ کو کبھی بھی مایوس نہیں کرے گی۔

اس کتاب کو تحریر میں لانے کا جو اعزاز ہمیں حاصل ہوا ہے اس پر بلاشبہ رشک کیا جاسکتا ہے۔ ویسے تو یہ بادشاہ کی مرضی ہے جس سے چاہے کام لے لے۔ ہم اپنے مربی، اپنے مرشد قبلہ حافظ صاحب کے تہہ دل سے مشکور ہیں کہ اس مشن میں ہمیں شامل فرمایا۔ باقی ہم ان تمام احباب کے ممنون ہیں جنھوں نے جس طرح بھی ہماری معاونت فرمائی۔ امید ہے کہ یہ کتاب طالبانِ حق کے لیے گم کردہ راہ پر پھر سے گامزن کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو گی۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد بلاشبہ انسان اپنے رب کی کریمی اور رحیمی کو نہ صرف پہچانے گا بلکہ اس کے انوار و تجلیات سے فیض یاب ہو کر اپنی کامیابی کو یقینی بنالے گا۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

محمد امجد اسلام امجد

خادم آستانہ عالیہ ننگل شریف، پسرور (سیالکوٹ)

https://www.youtube.com/@hafizm.hamidchishtisb43

شجرہ شریف (سلسلہ چشتیہ، صابریہ، قادریہ)

1۔ حضرت محمد ﷺ

2۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم

3۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ

4۔ حضرت عبدالواحد بن زید مربیؒ

5۔ حضرت خواجہ فضیل مراتبؒ

6۔ حضرت ابراہیم ادھمیؒ

7۔ حضرت شاہ حذیفۃ المرعشیؒ

8۔ حضرت خواجہ محمد امین الدینؒ

9۔ حضرت علوی ممشاد دینوریؒ

10۔ حضرت ابو اسحاق چشتی شامیؒ

11۔ حضرت ابو احمد ابدالؒ

12۔ حضرت شیخ ابو محمد خواجہؒ ؒ

13۔ حضرت ابو یوسف ناصر الدینؒ

14۔ حضرت خواجہ ابو مودودؒ

15۔ حضرت حاجی پاک شریفؒ

16۔ حضرت عثمان ہارونیؒ

17۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

18۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

19۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ

20۔ حضرت علی احمد صابر کلیریؒ

21۔ حضرت شمس الدین شاہ جگتؒ

22۔ حضرت شاہ جلال الدینؒ

23۔ حضرت احمد عبد الحق مخدومؒ

24۔ حضرت شیخ محمد عارفؒ

25۔ حضرت شیخ محمد جیو عالیؒ

26۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوئیؒ

27۔ حضرت جلال الدین دھینسرؒ

28۔ حضرت شاہ نظام الدینؒ

29۔ حضرت ابو سعیدؒ

30۔ حضرت شیخ صادق فتح اللہ حنفیؒ

31۔ حضرت شاہ داؤد گنگوئیؒ

32۔ حضرت بھیکھ حسینی جانیؒ

33۔ حضرت شاہ عنایتؒ

34۔ حضرت عبد الکریمؒ

35۔ حضرت میاں غلام شاہؒ

36۔ حضرت شاہ محمد امیر حق شناس

37۔ حضرت شاہ محمد حسنؒ، رامپورہ

38۔ حضرت شاہ محمد حسینؒ، پاکپتن

39۔ حضرت شاہ محمد نظام الدینؒ، دولیتہ

40۔ حضرت شاہ محمد پیر شاہ رہبرؒ، دوسوہہ

41۔ حضرت شاہ محمد حسینؒ باغبانپورہ

42۔ حضرت صوفی محمد صادقؒ باغبانپورہ

43۔ حضرت صوفی محمد یوسفؒ ننگل شریف

44۔ حضرت حافظ محمد حامد چشتی مدظلہ العالی

ننگل شریف پسرور

1۔ عمارت کی بنیاد تقویٰ پر رکھو

قرآن: اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ ھَارٍ فَانْہَارَ بِہٖ فِیْ نَارِ جَہَنَّمَ-وَ اللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ(سورۃ توبہ: 109)

ترجمہ: "بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضامندی پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اس کو دوزخ کی آگ میں لے گری اور خدا ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا "

خاکہ:
1) یہ آیت ایمان والوں کیلئے اہمیت کی حامل ہے۔
2) ہم مسلمان کب ہوئے تھے؟
3) منزل اور اس تک پہنچنے کا راستہ تقویٰ کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔
4) تقویٰ کا پہلا قدم ہے کہ اللہ کے حرام کو حرام سمجھو۔
5) تقویٰ اسلیے اختیار کرنا ہے کہ اللہ مل جائے۔
6) جو مسجد ضد اور تفرقہ کی بنیاد پر بنائی جائے وہ جہنم میں گر جائے گی۔
7) مسجد قبا اور مسجد نبوی کے متعلق روایتیں۔
8) آیات کا سبب نزول۔
9) فیصلہ کرلو کہ عمارت کی بنیاد کیا رکھنی ہے؟
10) سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی عمارت۔
11) سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نفس کے خلاف قدم۔
12) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا حضور داتا صاحب کی خدمت میں خراج عقیدت۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!　　　السلام علیکم!

یہ سورۃ توبہ کی آیۃ مبارکہ ایمان والوں کیلئے بہت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى جس نے اپنی زندگی کی بنیاد خوف خدا پر رکھی، آپ کوئی بھی عمارت بناتے ہیں تو بنیاد رکھتے ہیں، ظاہر ہے اس عمارت کی بنیاد تو اینٹ اور سریا ہے لیکن جہاں تقویٰ کی بات آئے گی تو وہ زندگی کی عمارت ہے۔ آگے ارشاد فرمایا مِنَ اللّٰهِ اللہ کیلئے،وَ رِضْوَانٍ اور اسکی رضا پر رکھی،خَيْرٌ وہ بہتر ہے،اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ اس شخص سے جس نے اپنی زندگی کی بنیاد، اپنی عمارت کی بنیاد ایک کھائی کے کنارے پر رکھی، شفا کہتے ہیں کنارے کو، ہونٹ کو بھی شفا اسلیے کہتے ہیں کہ یہ ہمارے منہ کا کنارہ ہے۔ اب اللہ فرماتا ہے،فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وہ اپنی اس عمارت سمیت جہنم کے گھڑے میں گر گیا۔وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

کیا کسی کو یاد ہے کہ آپ مسلمان کب ہوئے تھے؟ کیا یاد ہے کسی کو تاریخ؟ کیا کسی کو یاد ہے کہ میں نے اپنی زندگی کی جو عمارت ہے اس کی بنیاد شعوری طور پر کب رکھی تھی۔ کسی بندے کو یاد نہیں؟ اسی لیے ہمارے پاس جب کوئی بیعت ہونے آتا ہے تو ہم اُسے بیعت بعد میں کرتے ہیں پہلے اُسے کہتے ہیں کہ اس جسم پر تم نے اللہ اور اسکے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے احکامات کو نافذ کرنا ہے۔ شعوری طور پر، لوگ سوال کرتے ہیں کہ اب جب قرآن میں حکم آیا ہے جگہ جگہ کہ ایمان والو! روزے رکھو، ایمان والو! زکوٰۃ دو، ایمان والو! نماز قائم کرو، تو کسی پر اثر کیوں نہیں ہوتا؟ بھائی اثر اس پر ہونا ہے جس نے اپنی زندگی کی بنیاد ایمان پر رکھی ہے۔ جس نے ابھی تک بنیاد ہی نہیں رکھی تو اس پر اثر کیا ہونا ہے۔ یہ تو نہیں ہے کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گیا ہوں تو مسلمان ہوں، اگر میں عیسائیوں کے گھر پیدا ہوتا تو میں عیسائی ہوتا، ہندوؤں کے گھر پیدا ہوتا تو ہندو ہوتا، تو اللہ کہہ رہا ہے کہ یہ ایمان نہیں جو تُو لیے پھرتا ہے۔ تو کہیں بیٹھ اور اللہ سے عہد کر کہ میں تیرے حکم کے مطابق زندگی بسر کرونگا، تو وہ ہے اصل میں ایمان۔ تو ابھی تو بنیاد ہی نہیں رکھی گئی تو آگے اعمال کیا کرنے ہیں اور اس کے اوپر عمارت کی تعمیر کرنی ہے۔ تو اگر نہیں بنیاد رکھی تو اب رکھ لے، اپنے اللہ سے یہ عہد کر لے کہ مولا میں اپنی زندگی کی بنیاد تقویٰ پر اور تیری رضا پر رکھ رہا ہوں۔ پہلی اینٹ تو رکھو ناں۔

تین چیزیں یہاں ہم discuss کرینگے، ایک تو بنیاد ہے جسے ہم منزل کہتے ہیں، دوسرا منزل تک پہنچنے کی کوشش اور وہ بھی تقویٰ کی بنیاد پر ہو، اور تیسرا اس منزل تک پہنچنے کیلئے جو ذرائع استعمال کرنے ہیں وہ بھی حلال کے ہوں۔ آپکی جو منزل ہے وہ تقویٰ ہے، وہ پرہیز گاری اور اللہ کی رضا ہے۔ اس تقویٰ تک پہنچنے کی جو کوشش کرنی ہے وہ بھی اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ہو اور آخر میں جو ذرائع استعمال کرنے ہیں وہ بھی اللہ رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ہوں۔

تقویٰ پر بات ہم نے رمضان المبارک میں بھی کی تھی۔ تقویٰ کی جو پہلی سیڑھی وہ یہ ہے کہ اللہ کے حلال کو حلال سمجھنا اور اللہ کے حرام کو حرام سمجھنا۔ یہاں سے تقویٰ شروع ہوتا ہے۔ جو میں نے آپ سے سوال پوچھا تھا کہ کیا کسی کو یاد ہے کہ وہ مسلمان کب ہوا تھا؟ کیا کسی کو یاد ہے کہ اس نے کب اللہ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تیرے حلال کو حلال سمجھوں گا اور تیرے حرام کو حرام سمجھوں گا؟ اور یہ کام کیوں کرنا ہے؟ اسلیے کہ مولا تو راضی ہو جائے، اسلیے کہ اللہ کی رضا مل جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہا ہے کہ یہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد تقویٰ پر رکھ دی اس شخص سے، جس نے اپنی زندگی کی بنیاد کھائی کے کنارے رکھ دی۔ تقویٰ پر جس نے بنیاد رکھی وہ بہتر ہے اس سے جس نے گڑھے کے کنارے بنیاد رکھی، کفر اور شرک پر رکھی، وسوسہ اور شک پر ایمان کی بنیاد رکھی، جھوٹ اور بدیانتی پر رکھی۔ اب یہ معاملہ بڑا عجیب ہے، اللہ یہ نہیں فرماتا کہ عمارت اسکی نہیں بنے گی۔ عمارت دونوں کی بنے گی۔ بھائی جس نے سچ پر بنیاد رکھی اسکی بھی عمارت بنے گی اور جس نے جھوٹ پر رکھی تو عمارت اسکی بھی بنے گی۔ لیکن یہ عمارت تقویٰ والی قائم رہے گی اور وہ اپنی عمارت سمیت جہنم کے گھڑے میں چلا جائیگا۔ بس یہ فرق ہے، اسکی عمارت قائم نہیں رہے گی۔

ہم نے بات کی ہے منزل کی، تو یہ بات ذہن میں رہے کہ تقویٰ کیوں اختیار کرنا ہے کہ اللہ کی رضا مل جائے، تو میری منزل اور مقصود میرے اللہ کی ذات ہے۔ اور اس منزل اور مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔ یہ عقیدہ بالکل واضح ہونا چاہئے۔

ان پچھلی دو آیات میں ہم دیکھ لیں تاکہ اس آیت کی وضاحت ہو جائے۔ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی ضد کی بنیاد پہ، بھائی مسجد بنانا تو اچھا کام ہے ناں؟ بلکہ اتنا اچھا کام ہے کہ

نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ مسجد سے محبت کرے اسکے ایمان کی گواہی دے دیا کرو۔ بھائی قرآن کہہ رہا ہے کہ یہی مسجد، اتنا بڑا نیکی کا کام اگر کوئی ضد کی وجہ سے کرتا ہے، وَّ کُفْرًا حق کو چھپانے کیلیۓ کرتا ہے، وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور مومنوں میں تفرقہ ڈالنے کیلیۓ کرتا ہے۔ یہ مسجد، اگر کسی نے ان مقاصد کیلیۓ بنائی مثلاً کسی برادری کی ضد میں، کسی مسلک کی ضد میں، کسی پیر اور مولوی کی ضد میں، تو جو ضد میں بنائی ہے وہ عمارت بھی جہنم میں چلی جائیگی۔ اس لیے کہ بنیاد ضد اور کفر ہے، بنیاد یہ ہے کہ مومنوں میں تفرقہ ڈالا جائے۔ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ اور ان لوگوں کو پناہ دینے کیلیۓ یہ مسجد بنائی گئی جو پہلے ہی اللہ اور اسکے رسول کے دشمن تھے۔ تو قرآن کہہ رہا ہے کہ کچھ مسجدیں اس لیے بھی بنائی جائیں گی کہ لوگ تو سمجھیں کہ یہ اللہ کا گھر ہے لیکن وہاں پر دہشتگرد بن رہے ہونگے۔ اللہ اور اسکے رسول کے دشمنوں کی وہ پناہ گاہ ہوگی۔ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى اور حلف دینگے کہ ہمارا ارادہ تو نیکی کا ہے، یہ جو لوگ ضد اور تفرقہ کی بنیاد پر مسجد بنائیں گے وہ قسمیں اٹھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو نیکی کا ہے۔ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ[1] اور اللہ گواہی دے رہا ہے کہ بے شک یہ جھوٹے ہیں، انکی قسموں پر نہ جانا، انکی پگڑیاں اور داڑھیاں نہ دیکھنا، انکے ظاہری مذہب پر نہ جانا، کیونکہ اب یہ گواہی بندہ نہیں خالق دے رہا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ اب آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا، لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا اے میرے محبوب، یہ جو مسجد بنائی گئی ضد کی بناء پر، کفر کی بناء پر، مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کیلیۓ اور اللہ رسول کے دشمنوں کو پناہ دینے کیلیۓ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا، اَبَدًا ہمیشہ کیلیۓ حکم دے دیا، اردو میں بھی آپ یہ لفظ استعمال کرتے ہیں ازل سے ابد تک۔ تو "ابدا" کا مطلب ہے ہمیشہ۔ اللہ نے فرمایا، لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا اے محبوب ﷺ کبھی بھی آپ نے ایسی مسجد میں کھڑے نہیں ہونا، ایسی مسجد میں نہیں جانا۔ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ آپ ﷺ نے اس مسجد میں جانا ہے، وہاں قیام فرمانا ہے جو مسجد پہلے دن سے ہی تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی ہو۔ اب سمجھ آئی کہ کچھ مساجد تقویٰ کی بنیاد پر بنتی ہیں اور کچھ تفرقہ کی بنیاد پر بنتی ہیں۔ اور اللہ کے رسول ﷺ اس مسجد میں آتے ہیں جو تقویٰ کی بنیاد پر بنتی ہے۔ اسلیے تو ساری مساجد میں اللہ کے نبی کا فیض نہیں ہوتا ناں۔ اگر اللہ کا نور چاہیۓ، رسول اللہ کی رحمت

---

[1] سورۃ التوبہ:107

چاہیئے تو اللہ فرما رہا ہے کہ میں دیکھوں گا کہ پہلے دن سے یہ مسجد بنائی کس لیے گئی تھی۔ خالد صاحب جب میرے پاس آئے کہ یہاں مسجد کی جگہ ہے اور فرد نکلوا کے لائے تو میں نے کہا اگر مسجد بنانی ہے تو پہلے دن سے ہی یہ نیت کرو کہ یہ مسجد مسلمانوں کیلیئے ہو گی، کسی فرقہ کیلیئے نہیں ہو گی۔ کیونکہ اللہ کو مسجد قبول ہی وہی ہے جو تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی ہو۔ دوسری مسجد تو اللہ کو قبول ہی نہیں۔ اور اللہ اپنے نبی کو ابدا کہہ کر حکم دے کہ قیامت تک جو بھی مسجد بنے گی ضد اور تفرقہ کی بنیاد پہ تو میرا رسول وہاں نہیں جائیگا۔ اللہ کے رسول اس مسجد میں ہونگے جو تقویٰ کی بنیاد پر بنے گی۔ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا یہاں دو باتیں قرآن نے ارشاد فرمائی ہیں کہ یہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی ہے تقویٰ کی بنیاد پر فِیْهِ رِجَالٌ اس مسجد کے لوگ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا یہ محبت کرتے ہیں پاکیزگی کیساتھ۔ انہوں نے کیوں تقویٰ کی بنیاد پر مسجد بنائی؟ اسلیے کہ یہ پاکیزگی کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ[1] اور اللہ بھی پاکوں سے ہی محبت کرتا ہے، اللہ بھی پلیدوں سے محبت نہیں کرتا۔ ظاہری طور پر بھی یہ پاک رہنا چاہتے ہیں اور فکری طور پر بھی یہ پاک رہنا چاہتے ہیں۔ تقویٰ اختیار ہی وہی کریگا جسکی یہ خواہش ہو کہ میں ظاہری طور پر بھی پاک رہوں اور فکری طور پر بھی پاک رہوں۔ ایک محقق کا بڑا جملہ، ہے وہ کوئی نشئی آدمی تھا جس کو لوگ کوئی بھی اتنا بڑا مسلمان نہیں سمجھتے، ایک دن کسی نے پوچھا تھا کہ مسلمان کسے کہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ مسلمان وہ ہیں جن کی گلیاں بھی صاف ہوں اور جنکے ذہن بھی صاف ہوں۔ جنکی گلیاں بازار گندے ہوں وہ بھی مسلمان نہیں ہوتے۔ اللہ کیا ارشاد فرمارہا ہے فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ کہ اے محبوبؐ یہ جو تقویٰ والے لوگ ہیں اللہ کو انکی طہارت بڑی پسند ہے۔

یہاں دو روایات ہیں کہ یہاں جو پہلی مسجد جسکا ذکر ہو رہا ہے وہ مسجد قبا ہے اور زیادہ روایات میں ہے کہ یہ نبی پاکؐ نے فرمایا کہ یہ میری مسجد، مسجد نبوی ﷺ کی ہیں۔ مسجد قبا کی روایت جو بیان کرتے ہیں وہ اس روایت کی طرف جاتے ہیں کہ اہل قبا سے نبی ﷺ نے پوچھا کہ اللہ نے تمہیں بہت بڑی سند دی ہے کہ تم طہارت کو پسند کرتے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ یارسول اللہ ﷺ پہلے ہم ڈھیلے سے پیشاب والی جگہ صاف کرتے تھے تو

[1] سورۃ التوبہ:108

ہمارا اندر مطمئن نہیں ہوتا تھا تو اب ہم پانی سے صاف کرتے ہیں۔ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسکرائے اور فرمایا کہ تمہاری ظاہری طہارت بھی اللہ کو پسند آئی اور تمہاری باطنی طہارت بھی پسند آئی [1]۔

ان آیات کا جو سبب نزول ہے وہ ایک راہب ابو عامر جو کہ مدینہ میں تھا، اس کی ادھر بڑی عزت تھی؛ شروع سے ہی لوگ مذہبی رہنماؤں کو عزت اور تکریم دیتے ہیں۔ ایک بات آپکو بتاؤں کہ جب بھی اللہ کے نبی تشریف لائے تو نورِ نبوت کے سامنے جن لوگوں کے راز فاش ہوئے اور سب سے زیادہ جن لوگوں کو تکلیف ہوئی، وہ یہ مذہبی رہنما تھے جو کہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کے لوگوں کو اللہ سے دور کر رہے تھے۔ اب یہ بھی اپنے آپکو راہب کہتا تھا لیکن جب سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تشریف لائے تو اسکے بھی راز کھلنے شروع ہوگئے۔ یہ بات یاد رکھنا کہ جہالت میں طاقت نہیں ہوتی، طاقت ہمیشہ نور میں ہوتی ہے، علم میں ہوتی ہے۔ جاہل چند منٹ بکواس کرکے چپ کر جائیگا، سب سے بڑا یہی مسئلہ ہوتا ہے کہ اسکے پاس طاقت نہیں ہوتی۔ اب یہ ابو عامر بھی بے بس ہو گیا۔ اب اس نے مخالفت شروع کر دی، پہلے غزوہ احد میں مسلمانوں کے خلاف لڑا، پھر ہر جنگ میں مخالفت کرتا رہا۔ یہ جو مسجد ضرار جسکا ذکر ہے، نبی پاکؐ کے پاس منافقین آئے، اس نے خط لکھا تھا ملک شام سے کہ اب ہم مسلمانوں کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے، ایسا کرو کہ ایک مسجد بنالو قبا کے پاس، میری خط و کتابت تمہارے ساتھ اسی مسجد میں ہوا کریگی، اب یہ جو اللہ نے ارشاد فرمایاوَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ کہ وہ جو پہلے دن سے اللہ اور رسولؐ کے دشمن ہیں ان کو پناہ دینے کیلئے یہ مسجد بنائی گئی، ابو عامر نے کہا کہ میں بھی اور میرے نمائندے بھی تمہیں اسی مسجد میں ملا کرینگے۔ اب یہ منافقین آگئے نبی پاکؐ کے پاس اور وہ جو ارشاد ہواوَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰیؕ قسمیں اٹھانے لگ گئے کہ یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہماری نیت تو بڑی اچھی ہے، یہ جو دور سے صحابی آتے ہیں، یہ جو بیمار اور بزرگ صحابی ہیں یہ اتنی دور نہیں آسکتے، یہ قریب ہی نماز پڑھ لیں گے۔ اگر آپ تشریف لے آئیں، ایک نماز پڑھادیں تو برکت ہو جائیگی۔ او بھائی! کبھی اس دھوکے میں بھی نہ آنا، قسمیں اٹھائینگے یہ لوگ۔ واللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ اور اللہ

---

[1] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آیت «فيه رجال يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين» “اس میں (قباء میں) وہ لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک رہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے“ (التوبہ: ۱۰۸)، اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کی عادت تھی کہ وہ استنجاء پانی سے کرتے تھے، تو ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

گواہی دے رہا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ سرکارؐ نے فرمایا کہ ابھی تو میں غزوہ تبوک پر جارہا ہوں، واپسی پر دیکھوں گا۔ واپسی پر پھر یہ آیت نازل ہوگئی لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا اے محبوبؐ! آپ نے کبھی بھی ایسی مسجد میں قیام نہیں فرمانا، نماز نہیں پڑھنی، تو پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ یہ مسجد کو گرادو۔ پہلی چھڑی پاک پیغمبر ﷺ نے مسجد کو لگائی۔ تو کہیں مسجدیں بنانا ثواب کا کام ہے اور کہیں مسجدیں گرانا ثواب کا کام ہے۔

بنیادی نقطہ اگر آپکو سمجھ آجائے کہ عمارت چاہے مسجد ہی کیوں نہ ہو، وہ عمارت تمہاری زندگی کی ہی کیوں نہ ہو، پہلے یہ دیکھو کہ تم نے فیصلہ کیا کیا ہے کہ کوئی بھی عمارت بناؤ اور خصوصاً جب اپنی زندگی کی عمارت کھڑی کر رہے ہو تو اسکی بنیاد خوف خدا اور اللہ کی رضا پر رکھو۔ اور جنہوں نے شرارتوں پہ، جھوٹ پہ اور بددیانتی پر بنیاد رکھی وہ عمارت تو بن جائے گی لیکن وہ عمارت سمیت جہنم کے گھڑے میں چلے جائینگے۔

ایسی ہی ایک عمارت جو تقویٰ کی بنیاد پہ بنائی گئی، یہاں بھی ایک بڑا مذہبی رہنما تھا، پورا لاہور اسکی عزت کرتا تھا لیکن جب علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو سب جھوٹے نورِ نبوت کے فیض کے سامنے بے نقاب ہوگئے۔ جھوٹ نورِ نبوت کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تو حضور سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، یہ بات یاد رکھنا کہ نبیوں کا ذکر عبادت ہے اور اللہ کے ولیوں کا ذکر نزول رحمت ہے۔ جہاں اللہ کے ولیوں کا ذکر ہوتا ہے وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ حضور داتا صاحب بھی تشریف لائے تو مسجد کی بنیاد رکھی، یہاں ایک جوگی تھا جو ہوا میں اڑا کرتا تھا جو اسکو نذر نیاز نہیں دیتا تھا اسکے جانوروں کے دودھ کی جگہ خون آنا شروع ہوجاتا تھا۔ یہ شیطانی طاقت جب سامنے آتی ہے تو بندے کا امتحان ہوتا ہے۔ ہمارے مسلمان بھی اس ہندو کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ تو حضور سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو جو نورِ نبوت عطا ہوا تھا جسکے فیض سے یہ پورا پنجاب روشن ہوا اور اسلام کی روشنی پھیلی۔ انہوں نے لوگوں کو یہی بتایا کہ ہوا میں اڑنے سے کوئی ولی نہیں ہوتا، پانی پر چلنے سے، آگ کو کھانے سے ولایت نہیں ملتی۔ اللہ کا دوست تو وہ ہوتا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوتا ہے، جو موحد ہوتا ہے، توحید پرست ہوتا ہے۔ دیکھئے جو مسجد بنی تقویٰ کی بنیاد پر، دس سو سال ہوگئے، اب بھی قائم ہے۔ بھائی اللہ کا وعدہ ہے ناں کہ جو تقویٰ کی بنیاد پر بنے گی وہ قائم رہے گی۔ ہندو اور کچھ مسلمان بھی ہندوؤں کی باتوں میں آکر کہنے لگے کہ دیکھو جی یہ تو مسجد ہی ٹیڑھی ہے۔ اسکا تو قبلہ ہی درست نہیں۔ وہ جگہ آج بھی موجود ہے، آپ

زیارت کریں جاکر اس جگہ کی۔ آپ نے فرمایا کہ اچھاپھر کل صبح کی نماز ہماری مسجد میں آکر ادا کرنا۔ وہ بڑے بڑے مولوی آ گئے، تو جب حضور داتا صاحبؒ کے پیچھے فجر کی نیت کی تو خانہ کعبہ سامنے نظر آیا۔ فرمایا کہ تمہارا قبلہ غلط ہے یا میرا قبلہ غلط ہے۔ بھائی جسکا قبلہ تقویٰ اور پرہیز گاری ہو اسکا قبلہ غلط نہیں ہوتا۔ وہ تو خواہشِ نفس میں بھی نہیں آتے۔

ایک وقت حضور داتا صاحبؒ پر ایسا آیا کہ انہوں نے اپنا مدرسہ بند کر دیا، کچھ لوگوں نے آکر کہا کہ حضور یہاں لوگ استفادہ کرتے تھے، علم حاصل کرتے تھے، آپ نے اپنا ادارہ بند کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ آج کل میرا نفس مجھے کہہ رہا تھا کہ تیری کیا بات ہے، تیرے اتنے شاگرد ہیں، اتنے مرید ہیں تو میں نے اپنے نفس کے علاج کیلئے یہ بند کر دیا ہے کہ نہیں، جو کچھ بھی ہے یہ میرے اللہ کی عطا ہے۔ بھائی میں (حافظ محمد حامد چشتی صاحب) بھی اسی در کا فقیر ہوں، آپ بھی اُسی در کے فقیر ہیں۔ میں کوئی استاد نہیں ہوں۔ میں کوئی معلم تو نہیں ہوں، بس ایک فقیر کی ڈیوٹی لگ گئی کہ باقی فقیروں کو یہ آیت پڑھ کے سنادے۔

علامہ اقبالؒ نے حضور سید علی ہجویریؒ کی خدمت میں جو خراجِ عقیدت پیش کیا وہ بہت کمال کا کیا۔

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

آپ نے فرمایا کہ اے علی ہجویریؒ! پنجاب کی زمین اگر زندہ ہے تو آپ کے نام سے ہے۔ یہاں کے سورج، چاند اور ستارے آپ ہی کی وجہ سے روشن ہیں۔ کیوں؟ یہ نبی پاک ﷺ کا نور آپ ہی یہاں لیکر آئے ہیں۔

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم

اے ہجویر کے سید، آپ امت کے مخدوم ہیں۔ نبی پاک ﷺ کی حدیث پاک پتہ ہے کیا ہے؟ من خَادَمَ، خُدِمَا۔ جس نے خدمت کی وہی مخدوم ہوا۔ مخدوم وہ ہوتا ہے جسکی خدمت کی جائے۔ اور اللہ کے پیغمبر ﷺ فرما رہے ہیں کہ مخدوم بعد میں ہوتا ہے، پہلے خادم ہوتا ہے۔ مرقد او پیر سنجر را حرم، علامہ اقبالؒ فرما رہے ہیں کہ تیری قبر کی میں

کیا تعریف کروں، تیری قبر کو تو وہ سنجر کا بادشاہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، جس نے لاکھوں لوگوں کو مسلمان کیا، وہ تیری قبر کو اپنا حرم سمجھتا ہے اور کہتا ہے،

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب ہے جمال الاولیاء، اس میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ یہ جو شعر خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ،گنج بخشِ فیض عالم مظہر نورِ خدا، یہ عالم کو خزانے بانٹنے والا اللہ کے نور کا مظہر ہے۔ بھائی نور تو اللہ کا ہی ہے ناں، بات صرف اتنی سی ہے کہ اللہ کے نور کا جلوہ یا محمد ﷺ میں نظر آئے گا یا محمد ﷺ کے غلاموں میں نظر آئے گا۔ بھائی جلوہ تو ظاہر ہے انہیں میں سے ہی دیکھنا ہے۔ تو یہ مظہرِ نور خدا، آج بھی خزانے تقسیم کر رہا ہے۔ تو مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے فرمایا کہ جتنی جلدی فیض میں نے داتا صاحب کی قبر سے لیا ہے کسی اور جگہ سے لیا ہی نہیں۔

بھائی جہاں سے میں نے بات شروع کی تھی کہ قرآن کی آیت تو اُسی کو سمجھ آئے گی ناں جس نے اللہ سے وعدہ کیا ہے کہ مولا آج کے بعد میں تقویٰ پر زندگی گزاروں گا۔ اور یہ میرا سوال گھر جا کر سوچنا کہ کسی کو یاد ہے کہ میں مسلمان کب ہوا تھا؟ مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے سے نہیں، بلکہ جس دن میں نے اپنے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ مولا کریم آج کے بعد میری یہ ساری زندگی تیرے اور تیرے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق گزر بسر ہو گی، وہ تھا میری مسلمانی کا پہلا دن۔ جس دن میں نے یہ کہا تھا کہ مولا آج کے بعد تیرے حلال کو حلال سمجھوں گا اور تیرے حرام کو حرام سمجھوں گا۔ یا اللہ میں پلیدی کو نہ اپنے ظاہر میں داخل ہونے دوں گا نہ اپنی سوچ میں داخل ہونے دوں گا۔ جو کام کروں گا تیری رضا کیلئے کروں گا، وہ تھا میری مسلمانی کا پہلا دن۔ اور اگر ابھی تک میں نے اپنے اللہ سے یہ وعدے ہی نہیں کیے تو میں نے تو بنیاد رکھی ہی نہیں۔ یہ تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو جس کو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے فیض ملا، یہ تو خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو جن کو یہاں سے فیض ملا اور کہا کہ گنج بخش فیض عالم۔ علامہ اقبالؒ کا آخری شعر، کسی دور میں یہ شعر وہاں لکھا ہوتا تھا اور اشارہ قبر کی طرف ہوتا تھا،

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے

علامہ اقبال فرماتے تھے کہ اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے ہاتھ کو مٹی لگے اور سونا بن جائے تو آ اس کامل کے در پر بوسہ دے اللہ تجھے یہ طاقت بھی عطا کر دے گا۔ اس کے بعد پھر علامہ اقبالؒ نے سید علی ہجویریؒ کی قبر انور کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا،

کون اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

او جس کی نگاہ نے برصغیر کو اللہ کے نور سے، ایمان کی روشنی سے منور کر دیا اسکے بازو کی طاقت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ جنہوں نے اپنی زندگی کی بنیاد تقویٰ کی بنیاد پر رکھی۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

2۔ عمل کے بغیر عشقِ محمد ﷺ کا دعویٰ بے بنیاد ہے

قرآن: اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ(سورۃ توبہ: 109)

ترجمہ: "بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضامندی پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اس کو دوزخ کی آگ میں لے گری اور خدا ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا "

خاکہ:

1) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا شکوہ۔
2) نبوت سے پہلے کے چالیس سال۔
3) زمانہ جاہلیت میں عدل اور علم کا جھنڈا۔
4) عیب بتا کر چیز بیچنا اور ذخیرہ اندوزی
5) دین کی بنیاد: اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر لینا
6) عائلی زندگی کا تصور۔
7) شہد کی مکھی کی مثال۔
8) نیت دل کی ہوتی ہے، زبان سے نہیں۔
9) اپنی انا کو لا الہ کی تلوار سے ذبح کر دے۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

ہماری گفتگو اللہ کی رضا پہ زندگی کی عمارت کی بنیاد رکھنے پہ چل رہی تھی۔ اس دنیا میں دو طرح کے انسان ہیں: ایک وہ ہیں جو اللہ کے خوف اور اسکی رضا پر اپنی زندگی استوار کرتے ہیں، دوسرے وہ ہیں جو اسکی مخالفت میں زندگی گزارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو اس لیے مبعوث فرماتا ہے تاکہ لوگ اللہ کی رضا پہ زندگی بسر کریں۔ اس حوالے سے علامہ اقبالؒ کا جب جوابِ شکوہ پڑھیں تو وہ مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں لکھتے ہیں کہ

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیغام محمد کا تجھے پاس نہیں

اور نثر میں جو انکے ارشادات ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو تُو محبت رسول ﷺ گلی گلی لیکر پھر رہا ہے ناں، اس محبت کے پیچھے عمل موجود نہیں، کیا تو اس محبتِ رسول ﷺ کو دین کی دعوت کیلئے پیش کر سکتا ہے؟ کیا اس کا مقصد یہ ہے جو تو گلیوں میں یا رسول اللہ ﷺ کے نعرے اور پتہ نہیں کیا میرے پاس محبت آ گئی۔ اور ایک جملہ جو وہ ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ وہ ایمان برباد ہو جاتا ہے جسکے پیچھے عمل کھڑا نہ ہو۔ وہ تو پھر منافقت ہو جاتی ہے ناں کہ زبان سے میں رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویدار ہوں اور عمل میرا شیطانی ہو۔

نبی پاک ﷺ نے چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت فرمایا۔ اس پہ بڑی بحث چلتی ہے کہ چالیس سال بعد پتہ چلا نبوت کا، یا پہلے ہی پتہ تھا کہ میں نبی ہوں؟ یہ بڑی عجیب قسم کی بحثیں چلتی رہتی ہیں۔ اس پہ میں نے ایک دو جملے عرض کیے تھے کہ یہودی اور عیسائی علماء کو تو پتہ ہے آپؐ کے بچپن میں ہی کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ بچپن کے آپ نے کئی واقعات سنے ہیں۔ تو کیا نبی پاک ﷺ کو نہیں پتہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ نبی پاک ﷺ تو دور کی بات ہے آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی کئی واقعات ہیں۔ جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی ہے، وہ واقعہ بھی بڑا عجیب ہے اور تمام سیرت کی کتب میں لکھا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے والدِ محترم جنگل میں موجود تھے تو یہودیوں نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ پہ حملہ کر دیا، تو جو وجہ بنی آپکی حضرت آمنہ سے شادی کی، آپکے والد

حضرت عبد اللہ کو بچانے کیلئے آگے بڑھے تو پتھر سے ٹھوکر لگی تو زخمی ہو گئے لیکن اسکے باوجود اُٹھے، پھر آگے ایک اژدھا آگیا اور اس نے راستہ روک لیا، آپ نے بولنا چاہا لیکن کسی نے گلا پکڑ لیا، اتنے میں آپ نے دیکھا کہ آسمان سے فرشتوں کی فوج اتری اور ان ستر یہودیوں کو قتل کر دیا اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بچ گئے۔ یہ پھر گھر آکر آپ نے ذکر کیا اور پھر حضرت عبد اللہ کی شادی حضرت آمنہ سے ہوئی۔ یعنی یہودی علماء کو تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کی پیشانی پہ نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نظر آگیا اور انہوں نے آپ کے باپ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اسلیے خدارا یہ بحثیں چھوڑ دیں۔ پھر یہ بھی بیان کرینگے کہ وہ عورت حضرت عبد اللہ کو شادی کی دعوت دیتی تھی، ایک دن آپ نے اباجان سے ذکر فرمایا، جب اجازت ملی تو آپ نے اس عورت سے فرمایا کہ ٹھیک ہے میں تیرے ساتھ شادی کرلونگا تو اس نے کہا کہ نہیں، وہ نور جو تیری پیشانی پہ پہلے نظر آتا تھا ناں وہ اب نظر نہیں آرہا۔ لیکن میں جو جملہ نذر کرنا چاہتا ہوں، آپ یہ بحث جاری رکھیں کہ نبوت کا چالیس سال کے بعد پتہ چلا کہ پہلے چلا لیکن تاریخ یہ کہتی ہے کہ اعلانِ نبوت سے جو پہلے چالیس سال ہیں وہ کیا نبی پاکؐ نے کام نبیوں والے کیے یا غیر نبیوں والے کیے؟ مثلاً چالیس سال کی زندگی میں وہ صادق و امین کہلائے یا بعد میں؟ اور وہ جو میں نے حلف الفضول کی بات کی تھی کہ جب زمانہ جاہلیت میں ایک تاجر سے سامان خرید لیا مکہ والوں نے اور اس کو پیسے نہ دیئے تو اس وقت کچھ لوگ کھڑے ہوئے اور ایک معاہدہ ہوا حلف الفضول کے نام سے، کہ ہم حق دلوایا کرینگے اور ظلم نہیں ہونے دینگے، ان میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے۔ تو کیا ان چالیس سال میں آپ نے حق کا ساتھ دیا یا ظلم کا ساتھ دیا؟ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد بھی فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدے کے تحت آج بھی کوئی میرے سے کوئی چیز ڈیمانڈ کریگا تو میں دونگا۔

دیکھئے کیا عجیب منظر ہے مکہ کا، ظلم ہے، بچیوں کو زندہ در گور کر دیا جاتا ہے، ایک دوسرے کا مال چھین لیا جاتا ہے، قتل و غارت ہے، جہالت ہے اور اس دور میں میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عدل اور علم کا جھنڈا لیکر کھڑے ہوئے ہیں اس معاشرے میں۔ یعنی جہالت کے خلاف علم ہونا چاہئے اور ظلم کے خلاف عدل ہونا چاہئے۔ ہمارے ہاں یہ بھی بحث چلتی ہے کہ جب معاشرہ گندا ہو، ماحول گندا ہو تو اس کے اثرات تو پڑتے ہیں۔ تو یہ ہستی جو ہے وہ کیا بتا رہی ہے کہ معاشرہ جتنا جی چاہے گندا ہو، تو جھوٹے معاشرے میں رہ کر سچائی کی شمع روشن کر، تو خائن معاشرے میں امانتدار بن کر رہ۔ جب سب لوگوں کی تجارت بد دیانتی پہ تھی تو پہلا ہی شام کا سفر تجارت بتا رہا ہے کہ نفع جھوٹ میں

نہیں ہے بلکہ سچائی میں ہے۔ ظالموں میں رہ لیکن ان ظالموں کے ظلم کے چھینٹے تیرے دامن پہ نہیں پڑنے چاہیئے۔ معاشرہ تیرے اوپر اثرانداز نہ ہو بلکہ تجھے معاشرے پہ اثرانداز ہونا چاہیئے۔ لیکن ہم نے سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کو اس بات میں ہی الجھا دیا کہ نبی پاکؐ کو چالیس سال پہلے نبوت کا پتہ تھا کہ نہیں۔ تو کیا چالیس سال پہلے والے کام نبیوں والے ہیں کہ غیر نبیوں والے ہیں؟ تو انسان کبھی بھی انسانی اقدار اور اخلاقیات پہ compromise نہیں کرتا، جو انسان ہوتا ہے۔ اسکو ختم نبوت پہ بھی اسی لیے دلیل بنایا گیا ہے کہ نبی پاکؐ کی جو نبوت ہے اس نے انسانی ذہن کو وہ ارتقاء بخشا کہ اب اگر کوئی نبی نہیں بھی آئے گا تو انسان اس قابل ہوگئے ہیں کہ ہم نے اللہ کی رضا کیلئے فیصلہ کرنا ہے۔ وہ کربلا کا واقعہ ہو، وہ امام مالک کیساتھ ظلم ہو، وہ امامِ اعظم ابو حنیفہ کو کوڑے پڑ رہے ہوں، حضور مجدد الف ثانی اکبر کے سامنے کھڑے ہوں، یعنی اب انسانی ذہن کا جو ارتقاء ہے وہ میرے محمدؐ نے اس جگہ پہنچا دیا ہے کہ اب کوئی معصوم نبی نہ بھی ہو گا تو میرے امتی حق کیلئے کھڑے ہو سکیں۔ پہلے تو یہی تھا ناں کہ جو نہی انسان کی ضروریات بدلتی تھی تو نئی شریعت لیکر نیا نبی آجاتا تھا۔

دیکھیئے آجکل بھی یہی باتیں ہیں کہ جھوٹ نہ بولیں تو کاروبار نہیں چلتا۔ کیوں؟ نبی پاکؐ دورِ جہالت میں لوگوں کو یہ بات بتا رہے ہیں، میسرہ نے آخر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آکر کیا کہا کہ جب شام میں سارے تاجر جھوٹ بول رہے تھے، بد دیانتی کر رہے تھے، ملاوٹ کر رہے تھے لیکن یہ بھی ایک تاجر تھا جو مکہ سے گیا تھا، ایک بنیادی اصول جو اس وقت بتایا، چوبیس سال کا نوجوان بتا رہا ہے کہ جب چیز بیچنی ہے تو اسکا عیب بتا کہ بیچو۔ آج بھی ملٹی نیشنل کمپنیاں جن کی تجارت چھائی ہوئی ہے، انکا بھی یہی اصول ہے کہ ہم نے اپنی چیز کا عیب بتانا ہے۔ اب دیکھیئے ایک بندہ ہے جس نے چیزیں STOCK کرلیں، مارکیٹ میں چیزوں کی کمی ہو جائیگی تو میں نفع زیادہ لونگا۔ اس نفع نقصان کے تصور کو تو میرے پیغمبرؐ نے اعلان نبوت سے پہلے ہی تقسیم کر دیا تھا۔ بھائی تم جسے نفع سمجھ رہے ہو وہ تو اصل میں نقصان ہے۔ عملی طور پہ بھی تجارت میں اُسی کو فائدہ ہوتا ہے جو سچ بولتا ہے، جو دیانتداری سے کام کرتا ہے۔ بد دیانت کا تو اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔ یہ جو لوگ چیزیں STOCK (ذخیرہ اندوزی) کرلیتے ہیں ناں تو اسکو نبی

پاک ﷺ نے حرام کی کمائی کہا ہے[1]۔ اسکی ساری کمائی حرام کی ہو جاتی ہے۔ تو یہ اس دورِ جہالت میں میرے پیغمبر ﷺ نے علم کی شمع روشن کی، دیانتداری کی، صداقت، امانت، فکری، عملی شمع روشن کی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے بات شروع کی تھی تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہوا، کیا اکبر اور جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی گردن جھکالی؟ یہ نہیں ہوسکتا، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اسلیے علامہ اقبالؒ فرمارہے ہیں کہ کیا یہ تو محبتِ رسولؐ لیے پھرتا ہے جسکے پیچھے عمل موجود نہیں۔ جسکے پیچھے جھوٹ اور بد دیانتی ہے، خیانت ہے، ظلم ہے۔ اور تُو کہہ رہا ہے کہ میں محبت رسول ﷺ سے سرشار ہوں۔ تو جو محبت تو لوگوں کے سامنے دعوت کے طور پہ نہیں پیش کر سکتا تو وہ کیسی محبت ہے۔ جہالت کبھی بھی دعوت کے طور پہ پیش نہیں کی جاسکتی۔

یہ جو آیت ہے جسکو ہم سیکھ رہے ہیں کہ اپنی زندگی کی جو عمارت ہے اسکی بنیاد اللہ کی رضا پہ رکھنی ہے۔ یعنی دوطرح کے انسان ہیں: ایک وہ ہیں جو اپنی زندگی کی عمارت کی بنیاد اللہ کی رضا پہ رکھتے ہیں، یعنی اسکی بنیاد یہ ہوتی ہے۔ اسلامی اصول ہوں، فروع ہوں، احکام ہوں، عبادات ہوں، معاملات ہوں، اخلاقیات ہوں، تو پتہ ہے آپ کو کہ سارے دین کی عمارت کس بات پہ کھڑی ہے؟ مثلاً آپ جمعہ پڑھنے آتے ہیں دور دراز سے سفر کر کے تشریف لاتے ہیں، ہم کوئی میلاد کی محفل کرواتے ہیں، اس دن میں نے یہ بتایا تھاناں کہ یہ جو بدعت بدعت کرتے ہیں ناں انکو یہ نہیں پتہ کہ یہ خطبہ جمعہ سب سے بڑی بدعت ہے، نبی پاک ﷺ نے تو اذان کے بعد والا ہی خطبہ دیا ہے، اذان سے پہلے والا تو تھا ہی نہیں، لیکن یہ چونکہ سارے کرتے ہیں اسلیے اس پہ تو کوئی بات نہیں کرتا۔ سارے دین کی عمارت صرف اس بات پہ کھڑی ہے کہ میں نے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ عقائد، معاملات، عبادات، سب میں یہی ہے کہ میں نے اللہ کے سامنے surrender کرنا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں کیا ایسی بات تھی

---

[1] عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”« جلب » کرنے والا روزی پاتا ہے اور (ذخیرہ اندوزی) کرنے والا ملعون ہے“ « جلب »: یہ ہے کہ شہر میں بیچنے کے لئے دوسرے علاقہ سے مال لے کر آئے۔ سنن ابن ماجہ: 2153

-عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ”جو مسلمانوں کے کھانے کی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے جذام (کوڑھ) یا افلاس (فقر) میں مبتلا کر دے گا“۔ سنن ابن ماجہ: 2155

کہ جو صادق و امین کہتے تھے، جو ادب کیلئے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے تھے، جو امانتیں پاس رکھواتے تھے وہ پتھر مارنے پر آ گئے، ظلم کرنے پہ آ گئے، حتیٰ کہ قتل کرنے پہ آ گئے۔ اسی لیے مولا علی کرم اللہ وجہہ کا یہ جملہ ہے کہ منافق ہوتا ہی وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھے مسلمان بھی اچھا کہیں اور مجھے کافر بھی اچھا کہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تُو حق بات کہے گا تو سارے تیری تعریف کرینگے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر کوئی اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اور تُو اگر مخلص ہے اللہ اور رسول ﷺ سے تو تُو پھر بھی اس سے تعلق استوار رکھے۔ تو دین کی بنیاد ہی یہی ہے کہ میں نے اللہ کے سامنے سر جھکا دینا ہے۔ مسلمان کہتے ہی اُسے ہیں جو سَر تسلیم کرلے اللہ کے سامنے۔ بھائی 360 بتوں کی وہ پہلے پوجا کرتے تھے اور اگر ایک اللہ کو اور سجدہ کر لیتے تو انکو کیا فرق پڑنا تھا، بلکہ قرآن نے تو کہہ دیا کہ انکو تو مسئلہ تھا ہی نہیں، انہوں نے تو نبی پاک ﷺ کو کہہ دیا کہ ایک سال تم ہمارے بتوں کی پوجا کرلیا کرو اور ایک سال ہم تمہارے خدا کی عبادت کرلیا کرینگے۔ انکو تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَۙ، میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ میں تو اسکی عبادت نہیں کر سکتا جسکی تم عبادت کرتے ہو، وہ تو تیار تھے عبادت کیلئے، لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَ لِیَ دِیْنِ، تمہارا دین تمہارے لیے، ہمارا دین ہمارے لیے۔ ہم اپنے اللہ کی ذات میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ ہم اللہ کی صفات میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ کیوں؟ وہ جو بات میں آپکو اکثر عرض کرتا ہوں کہ وہ الٰہ کا معنیٰ سمجھتے تھے کہ الٰہ کا معنیٰ حاکم ہے۔ اگر آپکی طرح انہوں نے بھی ترجمہ کیا ہوتا ناں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو پھر انکو ماننے میں کوئی پریشانی نہیں تھی۔ وہ تو اللہ کو سجدہ کرنے کیلئے تیار تھے۔ لیکن چونکہ انکو الٰہ کا معنیٰ آتا تھا کہ جب کہہ دیا ناں کہ لا الٰہ الا اللہ تو پھر میری مرضی نہیں اللہ کی مرضی۔ میری مرضی اللہ کی مرضی کے تابع ہو جائے گی۔ میرا ارادہ اسکے ارادے کے تابع ہو جائیگا۔ تو یہ انکو قابلِ قبول نہیں تھا کہ ہماری مرضی ختم ہو جائے۔ تو جب تک انسان اللہ کی مرضی پر اپنی مرضی کو ترجیح دیتا ہے تو اس نے کلمہ نہیں پڑھا شعوری طور پہ۔ اگر اللہ کی پسند اور میری پسند میں جھگڑا ہو جائے تو ابھی میں نے کلمہ نہیں پڑھا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک طرف اللہ کی پسند ہو اور ایک طرف میری پسند ہو۔ یہ اصل میں جھوٹے مولویوں اور پیروں نے اس معاشرے کا بیڑا غرق کیا کہ دین کی مخالفت کرتے ہو تو کرتے جاؤ بس ہم نے

جو تمہیں دین بتایا ہے وہ کرلو، کہیں محفل سجالو، تبلیغی جماعت کے ساتھ دس دن لگالو، کہیں امام حسین کی مجلس کرالو، باقی اپنی مرضی کرتے جاؤ۔ یہ ہے وہ چیز کہ ہم اس محبتِ رسولؐ کو کافروں کے سامنے پیش نہیں کرسکتے۔

ایک روایت ہے بخاری شریف سے کہ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے عائلی نظام پہ ایک بات کی، یہ جو ہمارا خاندانی نظام ہے، صحابی آئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ جب سے آپ نے حکم دیا ہے کہ اپنے خاوندوں سے اچھا سلوک کرو تو میری بیوی جب میں صبح کام پہ جاتا ہوں تو دروازے تک مجھے چھوڑنے آتی ہے، جب میں کام سے واپس آتا ہوں تو دروازے پہ میرا اچھے سے استقبال کرتی ہے، کوئی غم کی خبر نہیں دیتی بلکہ میری خدمت کیلئے تیار رہتی ہے، جب میں کبھی گھر میں پریشان بیٹھا ہوتا ہوں تو میرے پاس آکر بیٹھ جاتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر تو آخرت کیلئے پریشان ہے تو وہ ہر انسان کو ہونا چاہیئے،(دیکھیئے کیا معاشرہ میرے پیغمبرؐ نے تشکیل دیا، کیسی گفتگو ہورہی ہے میاں بیوی میں)، اور اگر تو روزی روٹی کیلئے پریشان ہوتا ہے تو اسکا تو میرے اللہ نے وعدہ کیا ہوا ہے، ہاں اسکی تلاش کرنا، محنت کرنا، ہمارا تو اتنا کام ہے باقی تو اللہ نے وعدہ کیا ہوا ہے۔ یہ اکثر جو میں بات کرتا ہوں، قرآن کہتا ہے کہ کیا تمہارے گھر میں کبھی آخرت پہ گفتگو ہوئی ہے؟ اپنے بیوی بچوں میں بیٹھ کہ کبھی تم نے آخرت پہ گفتگو کی ہے والاخرۃ خیر و ابقی، کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ کتنے گھر ہیں جن میں کبھی قبر پہ بات ہوئی ہو؟ اب دیکھیئے کتنا اعزاز ہے شہید کا کہ قرآن کہتا ہے کہ وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًاؕ- بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَۙ[1]، "اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں"۔ اور تمہیں بھی جو رزق ملتا ہے وہ انہیں کیوجہ سے ہی ملتا ہے۔ میرے پاک پیغمبرؐ نے فرمایا کہ تیری بیوی کو اللہ نے آدھے شہید کا اجر عطا کردیا۔ دیکھیئے یہ ہے وہ عملی زندگی، اگر کوئی عورت روز ختم پڑھتی رہے، محفلیں کرواتی رہے لیکن اگر وہ اپنے خاوند سے بدتمیزی کرتی ہے تو کیا حاصل ہوگا؟ کیوں ہم نے قوم کو اس طرف لگادیا؟ اب دیکھیئے دوسری طرف خاوند سے فرمایا کہ اگر تو اپنی بیوی سے حسن سلوک اور محبت سے پیش آئے تو پتہ ہے کتنا ثواب ملیگا، جتنا میری مسجد نبوی میں اعتکاف کرنے کا ثواب ہے۔ کیا خوبصورت گھر میرے

[1] سورۃ آل عمران:169

پیغمبر ﷺ نے بنایا۔ اب دیکھئے وہ گھر تو اس دین کی دعوت کسی کے سامنے بھی پیش کر سکتا ہے کہ یہ ہے میرے پیغمبرؐ کا دیا ہوا دین۔

میرے مولا علی سرکار کی اسی حدیث کے حوالے سے ایک مثال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اپنا گھر اچھا رکھنا چاہتا ہے تو شہد کی مکھی کیطرح رہا کر۔ اس نے فرمایا کہ حضور شہد کی مکھی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں شہد کی مکھی، شہد کی مکھی گند نہیں کھاتی، اگر تیرے گھر میں رزقِ حرام آرہا ہے تو تیرا گھر ٹھیک کیسے ہو گا، گھر ٹھیک کرنا چاہتا ہے تو جو رسول اللہ ﷺ نے پاکیزگی دی ہے وہ پاکیزہ رزق گھر میں لیکر آ۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو نے کبھی غور نہیں کیا کہ شہد کی مکھی اگر کھاتی پاکیزہ ہے تو نکالتی بھی پاکیزہ ہے۔ تو اگر پیغمبرؐ سے تو نے فیض لینا ہے تو جب تک input پاکیزہ نہیں آئیگی تو output پاکیزہ کیسے آئیگی؟ پھر آپ نے فرمایا کہ جب پاکیزہ رزق تو گھر میں لاتا ہے تو اس سے پھر پاکیزگی ہی نکلتی ہے تو پتہ ہے کیوں نکلتی ہے؟ فرمایا کہ پھول سب سے نازک چیز ہے۔ کسی کی نزاکت کی مثال بھائی پھول سے دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ شہد کی مکھی پھول سے غذا تو حاصل کرتی ہے لیکن جب اُڑ کے جائے تو دیکھنا کہ کسی پتی کو اس نے زخمی تو نہیں کیا۔ تو پاکیزہ رزق گھر میں لا ہی وہی سکتا ہے جو خیال کرے کہ میں نے کسی کو نقصان نہیں پہنچانا۔ اب ہم نے جو لوگوں کو دین بتایا ہوا تھا کہ اتنی محفلیں کروالو، چاہے رزق حرام سے کروالو تو یہ سب جھوٹ ہے۔ اسی لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عمل کے بغیر کیا تُو اس محبتِ رسول ﷺ کو کافروں کے سامنے دعوت کیلئے پیش کر سکتا ہے؟ اور وہ ایمان تو برباد ہو جاتا ہے جسکے پیچھے عمل کھڑا نہ ہو۔ اسی لیے قرآن میں جہاں بھی الا لذین امنو آیا ہے وہاں ساتھ ہی عملو الصلحت بھی آیا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ دل میں بیج ایمان کا ہو اور پھل اسکو گند الگ جائے، اسکو عمل صالح کا پھل لگے گا۔ اور اگر تیرے درخت پہ عمل صالح کا پھل نہیں ہے تو پھر تیرے سینے میں بیج ہی ایمان والا نہیں ہے۔ یہ تو تیرا بھی یقین ہے کہ سیب کے پودے کو سیب ہی لگے گا، انگور نہیں لگے گا۔ اسی لیے اللہ نے یہ لائن لگا دی کہ اصل میں یہ انسان ہیں جو فیصلہ کرتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی کی بنیاد اپنی مرضی پہ رکھنی ہے یا پھر اللہ کی مرضی پہ رکھنی ہے۔ اور اگر اسکی مرضی اللہ کی مرضی پہ غالب آجائے تو پھر یہ ایمان والا کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

یہ جو اکثر علماء گفتگو کرتے ہیں کہ اس نے نماز پڑھی اور نماز نے اس کو ہدایت نہیں دی، اس نے قرآن پڑھا لیکن اس کو قرآن نے ہدایت نہیں دی، تو میں ان سے تھوڑا سا اختلاف کر کے کہتا ہوں کہ ایسا کہا کرو کہ اس نے قرآن پڑھا اور قرآن سے ہدایت نہیں لی، اس نے نماز پڑھی اور نماز سے ہدایت نہیں لی۔ ہمارے فقہاء نے کہا ہے کہ یہ جو زبان سے نیت ہوتی ہے یہ مکروہ ہے۔ یہ جو زبان سے ہم نماز کی نیت کرتے ہیں ناں تو اس کو مکروہ لکھا ہے ہمارے فقہاء نے۔ کیونکہ زبان کا کام نیت کرنا ہے ہی نہیں۔ نیت کرنا تو دل کا کام ہے۔ ناک کا کام سونگھنا ہے، قرآن کی تلاوت کرنا نہیں ہے۔ کانوں کا کام سننا ہے۔ او بھائی جس جس چیز کا کام جو ہے وہ اس کو کرنے دو۔ جب سے ہم نے زبان سے نیت کرنی شروع کی ہے، ہماری نمازیں ہمیں فائدہ نہیں دے رہیں۔ اور جنہوں نے دل سے نیت کی اللہ کو سجدہ کرنے کی فیض تو انکو ملا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ، تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلمان نہیں، تو کچھ بھی نہیں

تو جو جس کا کام ہے اسکو کرنے دو۔ دل غافل رہتا ہے، زبان نیت کر رہی ہے۔ بھائی نیت کی تو تعریف ہی یہی ہے کہ دل کے ارادے کو نیت کہتے ہیں۔ ہم کیا کر رہے ہیں کہ چار رکعت نماز فرض اللہ تعالیٰ دے۔ او بھائی یہ کیفیت دل کی ہے، دل کہے کہ میں نے اپنے اللہ کے قرب کیلئے یہ سجدہ کرنا ہے۔ دل کسی اور طرف، زبان کسی اور طرف۔ نبی پاک ﷺ نے کوئی تیس ہزار کے قریب نمازیں ادا کی ہیں تو کسی ایک نماز میں بھی نبی پاک ﷺ نے زبان سے نیت نہیں کی۔ اور اسکے لیے ہمارے فقہاء نے ایک اور بات لکھی ہے کہ اگر آپ ظہر کی نماز ادا کرنے لگے ہیں اور نیت کر رہے ہیں کہ وقت نماز عصر، تو اللہ تمہاری زبان کے الفاظ کو نہیں دیکھے گا، اللہ تو تمہارے ارادے کو دیکھے گا کہ جب گھر سے آیا تھا تو ظہر پڑھنے آیا تھا یا عصر پڑھنے آیا تھا۔ زبان کے الفاظ کے تو کوئی معنی نہیں ہیں، تم چاہے عصر کو مغرب کہہ دو، مغرب کو عشاء کہہ دو، اللہ نے تو تمہارا دل دیکھنا ہے۔ إن الله لا ينظر إلى صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم[1] "بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے"۔ تو آدھے شہید کا ثواب تو آپ اپنے گھر میں بیٹھ کے حاصل کر سکتے

[1] صحیح مسلم:6543

ہیں، مسجد نبوی شریف میں اعتکاف کا ثواب گھر میں بیوی سے حسن سلوک کرنے سے پاسکتے ہیں۔ بات تو صرف اتنی سی ہے کہ اللہ، رسول ﷺ کی پسند تیری پسند پہ غالب رہے۔ اللہ رسول کی مرضی تیری مرضی پہ غالب رہے۔

وہ تصور جو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا کہ دل سے لا الہ کہہ۔ اسی کو انا کہتے ہیں، لا الہ سے آپ نے اپنی انا کو ذبح کرنا ہے۔ انا یہ ہوتی ہے کہ ایک طرف اللہ کا حکم ہے کہ میری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں پردہ کر کے باہر نکلیں یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ[1]۔ اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دو کہ جب یہ باہر نکلیں تو اپنے جسم کو لپیٹ کر نکلیں، ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ تا کہ یہ باہر نکلیں تو پہچانی جائیں کہ یہ رسول اللہ کی امتی ہیں، اس کا فائدہ کیا ہو گا کہ یہ اذیت سے بچ جائیں گی، کوئی گندی نگاہ ان پہ نہیں پڑے گی، کوئی گندے قدم انکی طرف نہیں آئیں گے۔ اب میری پسند کیا ہے کہ میری ماں بہن کو ایسا لباس پہن کر نکلنا چاہئے کہ جس میں انکا جسم نظر آئے۔ جب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا جنازہ اٹھا تھا تو آپ نے مولا علی کرم اللہ وجہہ سے کیا فرمایا تھا کہ میرا جنازہ عشاء کے بعد اندھیرے میں اٹھانا، کسی کی نگاہ بھی میرے کفن پہ نہ پڑے۔ یہ کن نگاہوں سے کفن کو بچانا تھا؟ وہ نگاہیں کہ جنکی قرآن نے تصدیق کی ہے کہ ان نگاہوں کو میرے پیغمبر ﷺ نے ویزکیکم پاکیزہ کر دیا ہے۔ اگر پاکیزہ نگاہوں سے بچنے کا اتنا حکم ہے تو پھر گندی نگاہوں سے بچنے کا کتنا حکم ہو گا۔ سیدہ فاطمہ کوئی گندی نگاہوں سے بچنے کی بات نہیں کر رہی تھیں؛ اس کائنات کی سب سے پاکیزہ نگاہیں صحابہ کی نگاہیں ہیں۔ ان نگاہوں سے بھی اگر پرہیز ہے تو پھر گندی نگاہوں کا کیا عالم ہو گا۔ لیکن یہ پسند اور ناپسند کی بات ہے۔ یہ مرضی اور غیر مرضی کی بات ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میری پسند اللہ کی پسند پہ غالب آجائے اور میں کہوں کہ میں لا الہ الا اللہ بھی پڑھتا ہوں۔ میں نے ابھی تک کلمہ پڑھا ہی نہیں ہے۔ پھر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اس کلمہ سے تیری انا ذبح ہو جاتی ہے تو پھر تیرے اندر وہ خودی پیدا ہوتی ہے جو تجھے اللہ کے سوا کسی کے سامنے جھکنے نہیں دیتی۔ پھر تجھے پلید نہیں ہونے دیتی۔ ورنہ اگر عمل صالح موجود نہیں ہے تو تیرا ایمان تو کسی وقت بھی فنا ہو سکتا ہے۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] سورۃ الاحزاب:59

3۔ مال و جان کے عوض جنت کا سودا

قرآن: اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ-یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ۔ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَ الْاِنْجِیْلِ وَ الْقُرْاٰنِ-وَ مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ-وَ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (سورۃ التوبہ: 111)

ترجمہ: بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں۔ اس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ توریت اور انجیل اور قرآن میں۔ اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون؟ تو خوشیاں مناؤ اپنے سودے کی جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

خاکہ:

1) اللہ کا سودا۔
2) اللہ کی راہ میں نکلنے پہ دنیا اور آخرت کی بھلائیاں۔
3) اللہ کی بیعت پہ خوش ہو جاؤ۔
4) بیعت عقبیٰ ثانی کی شرط
5) اللہ تعالیٰ مالک بھی خود ہے اور خریدار بھی خود۔
6) جان اور مال وہی ہے جو اللہ کی راہ میں قربان ہو جائے۔
7) جو پیغمبر ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا اس نے بیعت توڑ دی
8) سب کچھ مانگ لیا تجھ سے لیکن تجھے نہ مانگا۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

دو طبقات پہ بات ہوئی تھی: ایک وہ جو اللہ کی رضا پہ اپنی زندگی کی بنیاد رکھتے ہیں اور دوسرا وہ جو اللہ کی مخالفت میں اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ انسان شعوری طور پر تب ہی مسلمان ہوتا ہے جس دن وہ عہد کرتا ہے کہ میں اپنی زندگی اللہ کے حکم کے مطابق گزاروں گا۔ تو دونوں طبقات کا ذکر گزر گیا، آج اس طبقہ کا ذکر ہے جس نے فیصلہ کیا اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا۔ ارشاد ہوا، اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لیے مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مومنین سے اَنۡفُسَہُمۡ ان کی جانیں بھی وَ اَمۡوَالَہُمۡ اور انکے مال بھی بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ جنت کے عوض، اللہ تعالیٰ نے مومنین کے جان اور مال جنت کے عوض ان سے خرید لیے ہیں۔ آپ منڈی جاتے ہیں، بازار جاتے ہیں تو کہتے ہیں مشتری، یہاں یہ جو لفظ ہے اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی اسی سے لفظ ہے مشتری (خریدار buyer)۔ تو اللہ مشتری ہے، اللہ خریدار ہے۔ یہ بڑی عزت دی اللہ نے ایمان والوں کو۔ تو جب آپ خرید و فروخت کرتے ہیں ناں تو آپ اپنی ملکیت کسی کو دے دیتے ہیں اور اس کے عوض کچھ لے لیتے ہیں۔ مثلاً آپ نے کوئی جانور بیچا ہے اپنی ملکیت دی ہے تو اسکے عوض پیسے لے لیے یا پھر کوئی اور چیز لے لی۔ اسی طرح آپ زمین فروخت کرتے ہیں۔ پورا نظام اس آیت کے اندر ہے کہ مومنین سے خرید لیے انکے جان بھی اور مال بھی، اور اس کے عوض اللہ نے انکو جنت دی۔ اس میں جو اصل چیز ہے وہ یہ ہے کہ جب تم آپس میں خرید و فروخت کرتے ہو تو برابر کی کرتے ہو۔ کوشش میں یہی کرتا ہوں کہ جو میں چیز بیچ رہا ہوں اسکے برابر کی چیز مجھے ملے۔ آپ کا اصول یہ ہے۔ لیکن اللہ چونکہ کریم ہے تو اللہ نے تمہارے ناقص مال جان کے بدلے تمہیں کوئی ناقص چیز نہیں دی، یعنی تم سے ناقص لیکر تمہیں اعلیٰ دیا ہے۔ یہ ہے اللہ سے سودا۔

یہ پچھلی آیات میں صحابہ سے منافقین کہہ رہے تھے کہ دیکھو ہم نے مال اور جانیں دونوں بچالیں۔ تو یہ اصل میں دو نظریات ہیں انسانوں کے جو کہ ہم نے پہلے سیکھ لیے تھے۔ کچھ وہ ہیں جو کہ دنیا کی کامیابی کو کامیابی سمجھتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو آخرت کی کامیابی کو کامیابی سمجھتے ہیں۔ یہ دو سوچیں ہیں اصل میں۔ تو اللہ تعالیٰ ان منافقین کو یہ جواب دے رہا ہے کہ تم نے کیا بچایا کہ اگر تم میدانِ جہاد سے واپس آگئے تو کیا تمہیں اب موت نہیں آئیگی؟ موت

تو پھر بھی آئی، مال تو پھر بھی ضائع ہو گیا۔ اب دیکھو یہ ایمان والوں نے اگر اللہ سے سودا کیا تو اللہ نے انکو ناقص کے بدلے اعلیٰ دیا۔ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، یہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، کوشش کرتے ہیں، گھر سے نکلتے ہیں تو کلمہ حق کی بلندی کیلئے۔ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ یہ نہیں کہ یہ اللہ سے زبانی زبانی مال جان کا سودا کرتے ہیں، وہ پھر جان قربان کرنے کیلئے نکلتے ہیں۔ اگر اس نقطہ نظر سے دیکھ لو تو جان قربان ہوگئی تو جنت کا وعدہ ہے وہ مل گئی اور اگر یہ کافروں کو قتل کر کے واپس آگئے تو اللہ نے ایسے ہی واپس نہیں بھیجا بلکہ مالِ غنیمت کیساتھ دنیا دیکر بھیجا ہے۔ یعنی آخرت کی بھلائی تو ہے ہی ہے دنیا کا مال و متاع بھی دیا۔ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا اللہ کا وعدہ حق ہے۔ اللہ کے وعدے سے بڑا وعدہ کس کا ہو سکتا ہے۔ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ یہ حق کا وعدہ تورات میں بھی ہے، انجیل میں بھی ہے اور قرآن میں بھی۔ جو اس کے راستے پر چلے گا۔

ہم یہ دعا مانگتے ہیں نا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ[1] " اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے" تو اس میں پہلے ایمان والوں سے مراد صرف اس امت کی بات نہیں ہوتی بلکہ آدم علیہ السلام سے لیکر جو بھی ایمان والے ہیں وہ سارے اس میں شامل ہیں۔ اس لیے یہ کہتے ہیں کہ یہ حق کا وعدہ تورات میں بھی کیا گیا تھا، انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی۔ فرق اصل میں بس یہ ہے کہ انسانی زندگی کے ارتقاء کے ساتھ جب انسانی ضروریات بدلتی تھیں تو نیا نبی آجاتا تھا۔ تو ارتقاء میں ضرورتیں بدلتی ہیں، اس کو سمجھانے کیلئے میں یہ مثال دیا کرتا ہوں کہ اگر اب آپ چاہیں بھی تو پیدل حج نہیں کر سکتے، یہ ارتقاء کیساتھ تبدیلی آگئی ناں حالانکہ پہلے زمانے میں لوگ پیدل حج کرنے جاتے تھے۔ تو پہلی امتوں میں جب ضرورت بدلتی تھی تو امت کو اختیار نہیں تھا کہ اس ضرورت کا فیصلہ کرے، تو جب ضرورت بدلتی تھی تو نبی بدلتا تھا کہ وہ نیا نبی آکر اس امت کی ضرورت پوری کرے۔ لیکن اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی یہ شان ہے کہ قیامت تک انکی ضروریات بدلے گی تو انکے علماء اور اولیاء اس ضرورت کو پورا کر دینگے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ تم بہترین امت ہو ہی اسلیے اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم نکلتے ہو انسانوں کیلئے تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[2] نیکی کا حکم دینے کیلئے اور برائی سے روکنے کیلئے۔ تو پہلی امت کے ایمان والوں کیلئے بھی اللہ کا یہی وعدہ تھا۔ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ اب ایک دفعہ پھر وہی بات کی کہ اللہ سے

---

[1] سورۃ الحشر:10

[2] سورۃ آل عمران:110

بہتر اپنا وعدہ پورا کرنیوالا کون ہو سکتا ہے۔ جو اپنا وعدہ پورا کرتا ہے وہ کریم ہوتا ہے اور اللہ سے بڑا کریم کون ہے؟ یہ ان منافقوں کو اصل میں جواب دیا جا رہا ہے کہ ایمان والوں نے اللہ سے جو سودا کیا ہے تو پھر اللہ کریم سے کیا ہے۔ اب اگلا جملہ کمال کا ارشاد فرمایافَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ خوش ہو جاؤ جو تم نے اللہ سے بیع کی ہے، یہ جو خرید و فروخت تم نے اللہ سے کی ہے ناں اس پہ خوش ہو جاؤ۔وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے کہ کوئی بندہ اللہ سے سودا کرے۔

اس آیت کا شانِ نزول جو ہے وہ ایک تو یہ بیان کیا جاتا ہے جو میں نے پہلے بیان کر دیا۔ ایک یہ ہے کہ 13 سنِ نبوت میں جب بیعت عقبہ ثانی ہوئی۔ مدینہ شریف سے کچھ لوگ آئے تھے مکہ مکرمہ میں۔ اس بیعت کے بعد نبی پاک ﷺ نے پھر ہجرت فرمائی تھی۔ تو مدینہ شریف سے جو لوگ آئے تھے انکی تعداد 70 تھی۔ حج پہ آئے تھے، نبی پاک ﷺ سے ملاقات کی، اسلام قبول کیا اور ساتھ نبی پاک ﷺ کو مدینہ شریف آنے کی دعوت پیش کی۔ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ پہلے مؤرخ ہیں ہمارے، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ انہوں نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ، سرکار آپ اللہ کیلئے اور اپنے لیے جو شرط بھی لگانا چاہتے ہیں لگالیں۔ یہ انہوں نے پیش کش کی جب مدینہ شریف آنے کی دعوت دی۔ تو پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کیلئے شرط تو یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کرنی ہے معبود صرف اللہ ہے، اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا۔ یارسول اللہ ﷺ اپنے لیے بھی بیان فرمادیں۔ تو نبی پاک ﷺ کا حق ایمان والوں پہ انکی جانوں سے زیادہ ہے۔ یہ بات اللہ نے کی ہے اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ[1] " یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ اولیٰ ہے"۔ تو نبی پاک ﷺ نے اس کو آسان کر کے حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ جیسے تم اپنی جان اور اپنے مال کی حفاظت کرتے ہو ویسے ہی تم نے اللہ کے نبی کی حفاظت کرنی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بدلے ہمیں کیا ملیگا تو فرمایا کہ اس کے بدلے تمہیں جنت ملے گی۔ اب یہ گفتگو ہے بیعت عقبہؔ ثانی کی اور یہ گفتگو مکہ میں ہو رہی ہے۔ اس گفتگو کو اللہ تعالیٰ سورۃ توبہ میں بیان فرما رہا ہے اور ویسے ہی بیان فرما رہا ہے۔ انہوں نے جان اور مال کس کو دیے؟ اللہ کے نبیؐ کو دیے، ہماری جانیں بھی آپ پر قربان اور ہمارا مال بھی آپ پر قربان اور یہ جو بات ہے ناں یہ وجد والی بات ہے،

---

[1] سورۃ الاحزاب:6

یہ بات ہے کیفیت والی کہ دے وہ رہے ہیں جان و مال نبی کو اور اللہ فرمار ہا ہے کہ تم نے مجھے ہی دے دیے۔ اللہ نے ہی خرید لیے ہیں تمہارے جان و مال، اللہ خریدار بن گیا۔

اب جو اگلی بات بیان ہو رہی ہے کہ کیوں نہیں دریغ کرتے یہ جان اور مال دینے سے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ ارشاد فرمارہاہےالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَۙ[1] یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی بات کی ہے۔ اللہ ! بھئی بے ایمانوں سے سودا نہیں کرتا، اللہ کوئی پلید چیز نہیں خریدتا۔ اس آیت میں کیا فرمایا کہ یہ غیب پہ ایمان لاتے ہیں، جنت انہوں نے دیکھی ہوئی نہیں ہے، جان اور مال تو ظاہراً دے رہے ہیں لیکن ایمان غیب پہ رکھتے ہیں، اعتبار ہے اپنے نبی پہ۔ یار بن دیکھے سودا کیا ہے۔ ایمان والے سودا کرتے ہیں تو غیب پہ ہی کرتے ہیں، اپنے پیغمبر ﷺ پہ اعتبار کرتے ہیں۔ آگے کیا ارشاد فرمایا کہ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہاں میں آپکو ایک بات بتاؤں، قرآن کریم میں ایمان والوں کی جہاں بھی یہ صفت بیان کی تو کسی ایک جگہ پہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ مومن مال جمع کرنیوالا ہوتا۔ جہاں بھی مومنوں کی بات کی تو یہی فرمایا کہ یہ مال خرچ کرنیوالے ہوتے ہیں۔ کیوں ؟مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اسی لیے کہ جو خرچ کرتے ہیں وہ دیا ہوا تو اللہ ہی کا ہے۔ اسکے دیے ہوئے میں سے کرتے ہیں۔ میں نے کئی دفعہ یہ بات آپ سے کی ہے کہ میں اگر کوئی علم کی بات آپ تک بتاتا ہوں تو اللہ کے دیے ہوئے میں سے ہی دے رہا ہوں ناں۔ اگر کوئی کسی کو وقت دے رہا ہے تو وہ اللہ کے دیے ہوئے میں سے ہی دے رہا ہے۔ لیکن بات بڑی عجیب ہے کہ اگر اللہ نہ بھی خریدے تو مالک تو اللہ ہی ہے، اسکی اطاعت اور عبادت تو ہم پہ واجب ہے۔ دوسری طرف جو مال جمع کرتے ہیں انکے لیے کیا فرمایاوَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ بربادی ہے انکے لیے جو منہ پہ طنز کرے اور پیٹھ پیچھے برائی کرےالَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ اور بربادی ہے انکے لیے جو مال جمع کرتے ہیں اور گنتے رہتے ہیںیَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ مال انہیں بچالیگا۔ تو ایمان والے کی یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ایمان والے کے پاس اللہ کا دیا جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ خرچ کرنیوالا ہوتا ہے، جمع کرنیوالا نہیں ہوتا۔ تو اس جان کا اصل مالک تو اللہ ہے، اس مال کا اصل مالک تو اللہ ہے لیکن پھر وہ یہ کہے کہ نہیں یہ جان بھی تیری اور یہ مال بھی تیرا، اس خالق کی مہربانی تو دیکھئے کہ اسکو میری ملکیت ظاہر کرکے خریدتا ہے۔ یہ مال اور جان اسکی راہ میں قربان کرنا ویسے بھی واجب ہے لیکن یہ صرف اسکی محبت ہے، اس کا کرم و فضل ہے اور اسکے محبوب کے ساتھ والہانہ محبت

[1] سورۃ البقرۃ:3

کا اجر ہے۔ مالک بھی خود ہے، خریدار بھی خود ہے اور پھر کہے کہ یہ خرچ تو نے کیا ہے۔ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا[1] تم خرچ کر دو تو وہ کہتا ہے کہ تو نے اللہ کو قرض دیا۔ میں نے اپنی زندگی کی بنیاد شاید اللہ کی رضا پہ رکھی ہی نہیں ہے۔

تو یہ منافقین کو اللہ تعالیٰ جواب دے رہا ہے کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ تم نے جان اور مال بچا لیا ہے۔ جان تو وہی ہے جو اللہ کی راہ میں قربان ہو جائے، مال وہ ہے جو اللہ کی راہ میں قربان ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نکلے تو اللہ کی راہ میں تھے یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں، کوشش کرتے ہیں۔ انکو کوئی لالچ نہیں ہے فی سبیل اللہ کرتے ہیں۔ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَ الْاِنْجِیْلِ وَ الْقُرْاٰنِ یہ حق وعدہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں بھی کیا ہے اور انجیل میں بھی کیا ہے۔ جتنی جی چاہے تورات اور انجیل میں تحریف ہو گئی لیکن پھر بھی اس طرف اشارے دونوں کتابوں میں ملتے ہیں۔ وَ مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ اللہ سے بہتر وعدہ پورا کرنیوالا کون ہے۔ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ جب اللہ فرماتا ہے ناں کہ اس بیع پہ خوش ہو جاؤ، جشن مناؤ، حدیبیہ کے مقام پہ بھی جب بیعت ہوئی تھی، موت پہ بیعت ہوئی تھی تو اس پہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ خوشی مناؤ، تو یہاں بھی یہی حکم ہے کہ خوش ہو جاؤ۔ امام حسن بصری اس جملے کے بارے میں فرماتے ہیں، مولا علی سرکار کرم اللہ وجہہ کے شاگرد فرماتے ہیں کہ اس بیع میں اب صرف صحابہ نہیں ہیں بلکہ یہ وعدہ قیامت تک آنیوالے مومنین کیلئے ہے۔ جو بھی اس بیع میں شریک ہو گا، ہر اس بندے کیلئے یہ خوش خبری ہے۔ آپ سے بھی یہی بات کہی جاتی ہے کہ جب آپ نے بھی حضرت صاحب قبلہؒ کے ہاتھ پہ بیعت کی تو کس بات پہ کی، توحید اور رسالت پہ کی۔ چوری نہیں کرینگے، بدکاری نہیں کرینگے، جھوٹ نہیں بولینگے۔ یہ جہاد ہے اللہ کی راہ میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اس بیعت پہ۔ جس جس نے یہ بیعت کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بیعت پہ خوش ہو جائے۔ میں یہ بات امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی کر رہا ہوں کوئی چودھویں صدی کے مولوی کی نہیں کر رہا۔ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے، جس نے یہ بیعت کر لی ناں تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔

---

[1] سورۃ التغابن:18

جو بات آپکو عرض کرنا چاہتا ہوں، اس بیعت کے بعد، اس معاہدے کے بعد جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا۔ عقبہ ثانی میں آخری بات جو تھی وہ اللہ کی مہربانی سے یاد آگئی، آخری جملہ جو حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کا تھا وہ یہ تھا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم اپنی جان اور مال سے آپ کی حفاظت کرینگے اور اب اس بیعت کو نہیں توڑیں گے۔ اب اس بیعت کو کبھی نہیں توڑیں گے بلکہ توڑنے کا کبھی ارادہ بھی نہیں کرینگے۔ اس پہ اللہ نے فرمایا کہ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے جو اس بیعت پہ قائم رہا۔ اب اگر کوئی اطاعت نہیں کرتا تو حقیقتاً اس نے بیعت توڑدی۔ اب اگر کوئی اللہ کی فرمانبرداری نہیں کرتا، یہ سورۃ فتح میں ہے حدیبیہ کی بیعت پہ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ[1] بے شک جنہوں نے آپکی بیعت کی انہوں نے اللہ کی بیعت کی۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ[1] انکے ہاتھوں پہ جو رحمت کا ہاتھ تھا وہ بھی اللہ کا تھا۔ تو وہاں بھی یہ بات ارشاد ہوئی فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ[1] اب اگر اس بیعت کو کسی نے توڑا تو اس سے بڑا ناقص کام کس نے کیا؟ اب اگر کوئی جھوٹ بولتا ہے تو اس نے بیعت توڑ دی ہے۔ اگر کوئی حرام کیطرف جاتا ہے تو اس نے بیعت توڑدی ہے۔ اگر اجر یہ ہے کہ خوش ہو جاؤ تو نافرمانی کی سزا بھی اُتنی ہی بڑی ہے۔ اسلیے جو پچھلی آیت ہم نے سیکھی تھی کہ جس نے اسکی رضا پر بنیاد رکھی اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے لیکن جس نے زندگی کی بنیاد خواہشِ نفس پہ رکھی اور اس دنیاوی زندگی کی کامیابی پہ رکھی ہے اس کے لیے بربادی ہے۔ تو یہ دونوں سوچیں ہیں کہ آخرت کی کامیابی کو کامیابی سمجھنا یا دنیا کی کامیابی کو، سودا اللہ کیساتھ کرنا یا پھر اپنے نفس کے ساتھ کرنا۔ تو ایمان والا تو بڑا خوش قسمت ہے، اسکا تو سب کچھ اللہ نے خرید لیا، اب جب وہ مالک ہی نہیں تو اس کا اختیار کیسا؟ جب میں اپنی جان اور مال کا مالک ہی نہیں ہوں تو میرا اختیار کیا؟ اختیار تو ختم ہو گیا۔

ربیع الثانی کا مہینہ چل رہا ہے۔ بڑی گیارھویں شریف کا مہینہ، شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کا مہینہ، دو جملے، یقین جانیے میری زندگی میں تو بڑی تبدیلی آئی ان سے۔ فتوح الغیب میں، میں نے پڑھا تھا، آپ نے فرمایا کہ جس کو تو حاصل کرنا چاہتا ہے وہی تیرا الہ (معبود) ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی زندگی پہ غور کر کہ تو حاصل کسے کرنا چاہتا ہے۔ اس آیت کو ایک جملہ میں بیان فرمادیا۔ اگر تو اللہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر لا الہ الا اللہ پڑھ لیا کر اور اگر تو اللہ کو نہیں کسی اور کو پانا چاہتا ہے تو پھر تیرا الہ اللہ نہیں ہے۔ یہ آیت بتارہی ہے کہ مال بھی دے دیا، جان بھی دے دی کہ ہمیں اللہ مل جائے۔ ایمان والا وہ ہے جو اللہ کو پانا چاہتا ہے، پر وہ بے ادبی نہیں کرتا، گستاخی

[1] سورۃ الفتح:10

نہیں کرتا۔ دوسری بات جو حضور غوث پاک سرکار نے ارشاد فرمائی۔ میں نے پہلے بھی یہ بات عرض کی تھی کہ ہم جب دعا مانگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یا اللہ اولاد دے دے، کاروبار بہتر ہو جائے، شفاء مل جائے، سارے جہان کی چیزیں مانگنے لگ جاتے ہیں۔ کیا کبھی میں نے یہ بھی دعا مانگی ہے کہ مولا مجھے تو ہی مل جا، میرے لیے تو بس تُو ہی کافی ہے؟ کبھی میں رات اس لیے جاگا ہوں کہ مولا تو مل جا۔ ہے یاد کسی کو؟ اللہ بھی کہتا کہ عجیب بندہ ہے میرے سے سب کچھ ہی مانگتا رہتا ہے لیکن کبھی اس نے مجھ سے یہ نہیں مانگا کہ مولا تو مل جا۔ یہ آیت یہ بتا رہی ہے کہ ایمان والا تو صرف اللہ کو پانا چاہتا ہے تو اس پہ پھر اللہ فرما رہا ہے کہ اس پہ خوش ہو جا۔ جشن منا اس پہ کہ کیا سودا کیا ہے تو نے کریم سے۔

سب مانگ لیا تجھ سے مگر تُجھ کو نہ مانگا،

حد ہے کہ توہین دعا ہوئی ہم سے۔

یہ دعا کی توہین ہوتی ہے کہ اللہ سے سب کچھ مانگتے رہیں لیکن اللہ سے اللہ کو نہ مانگے۔ کبھی تو کوئی لمحہ آجائے کہ انسان اللہ سے اللہ کو مانگے۔ تو سرکار غوث پاک کا وہ جملہ آپکو سنانا تھا، آپ فرماتے تھے کہ محبوب سے محبوب کے سوا کچھ مانگنا ہی تو شرک ہے۔ محبوب سامنے ہو تو بندہ پھر محبوب کے سوا چیزیں مانگتا پھرے۔ یہ تھا صحابہ کا طریقہ،

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی ساری کائنات

اتنا شعور تو ایاز کو بھی تھا، محمود غزنوی کے کتنے وزراء تھے لیکن کسی کا نام بھی کسی کو یاد نہیں لیکن ایاز کو قیامت تک لوگ جانتے رہیں گے۔ اس نے یہی ایک کام کیا تھا، بادشاہ نے امتحان لیا، گھوڑے پہ سوار ہو کر ہیرے جواہرات پھینکنے شروع کر دیے۔ سب وزراء بھی ان کو چننے میں شامل ہو گئے، بھائی قیمتی ہیرے جواہرات، سب وہ چن رہے ہیں اور ایاز ہاتھ باندھ کر بادشاہ کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔ بادشاہ نے پلٹ کے دیکھا کہ سب ہیرے جواہرات چن رہے ہیں۔ بادشاہ کہنے لگا، ایاز تجھے نہیں انکی ضرورت؟ تو نے تو انکی طرف پلٹ کے دیکھا بھی نہیں۔ ایاز نے کمال کا جملہ کہا، کہنے لگا جو ہیروں کا مالک ہے میں اسکے ساتھ جو جا رہا ہوں۔ جو مالک کیساتھ ہو اسے ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔ تو یہی تو غوث پاک سرکار فرما رہے ہیں کہ جب تو اللہ کو پالیگا تو باقی تو سب کچھ اللہ کا ہے وہ تو تجھے خود بخود ہی مل جائیگا۔ یہ ہے وہ سودا جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

4۔ بہادر وہ ہے جو نفس امارہ کو ہرا دے

قرآن: اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَؕ-یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ۔ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ وَ الْقُرْاٰنِؕ-وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖؕ-وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (سورة التوبہ: 111)

ترجمہ: بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں اس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ توریت اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون تو خوشیاں مناؤ اپنے سودے کی جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

خاکہ:

1) دینے والا بھی اللہ اور خریدنے والا بھی۔
2) نبی پستی سے اٹھا کر پھر بلند کر دیتے ہیں۔
3) جان اور مال بیچا تو اپنا اختیار ختم ہو گیا۔
4) سب سے بڑا موذی ہمارا نفس ہے۔
5) میں ختم، فساد ختم۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

ہماری گفتگو اس بیع کے متعلق چل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے انکے جان اور مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔ اب وہ اللہ کی راہ میں کوشش کرتے ہیں قتل کرتے بھی ہیں اور شہید ہوتے بھی ہیں۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں، انجیل میں اور قرآن میں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس خرید و فرخت پہ خوش ہو جاؤ۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ یہ ہم نے پچھلے جمعہ سیکھ لیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کمال مہربانی ہے کہ اس نے خود ہی ہمیں سب کچھ عطا کیا اور پھر خود ہی خریدار بن گیا۔ یہ اس کا لطف و کرم ہے، اس کی مہربانی ہے۔ لیکن یہ بات جو آخر میں میں نے عرض کی تھی کہ اب اگر کوئی انسان معصیت کی، نافرمانی کی راہ اختیار کرتا ہے تو اسکا مطلب ہے کہ اس نے اللہ کیساتھ جو سودا کیا ہے اس کو قبول نہیں کیا، وہ اللہ تعالیٰ کی اس خرید و فروخت پہ خوش نہیں ہے۔ اگر وہ راضی ہوتا تو اپنی جان اور مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا کیونکہ وہ اس کے اپنے نہیں ہیں، انکا مالک اللہ ہے۔

یہ بات کئی دفعہ ذہن میں آتی ہے کہ انسان کو جب اللہ تعالیٰ تخلیق کرتا ہے تو وہ اس وقت کتنے اعلیٰ مقام پہ ہوتا ہے۔ یعنی اسکو اللہ نے گنہگار اور پلید پیدا نہیں کیا، انسان خود ہی اپنے آپ کو گراتا ہے۔ ورنہ جب انسان کو دنیا میں بھیجا ہے تو مسجودِ ملائک بنا کر بھیجا ہے۔ فرشتوں نے اسے سجدہ کیا ہے۔ پھر اس عظمت کیساتھ پیدا ہونیوالا انسان اپنے آپ کو کیسے ذلت کی گہرائیوں میں گرالیتا ہے؟ اور پھر جب یہ ذلت کی گہرائی میں چلا جاتا ہے تو پھر یہ اسکا لطف و کرم ہے کہ وہ اپنے انبیاء اکرام کو بھیجتا ہے اور کتابیں نازل کرتا ہے کہ اگر تو پستیوں میں گر گیا ہے تو میرے نبی کا دامن پکڑ کر پھر بلندیوں کیطرف آجا، پھر کامیابی کی طرف آجا۔

انسان کی جو سب سے بڑی گمراہی ہے نا اس آیت میں جو آپ نے سیکھا تھا۔ دیکھئے بیعت عقبہ ثانی میں ایک تو بات پچھلے جمعہ ہم نے آپ سے کہی تھی کہ جیسے ہم اپنے مال اور جان کی حفاظت کرتے ہیں ویسے ہی ہم اللہ کے نبی کی حفاظت کرینگے۔ دوسری بات جو انہوں نے کہی تھی، یہ رہ گئی تھی پچھلے جمعہ کہ جیسے ہم اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں ویسے ہی آپکی حفاظت کرینگے۔ دنیا میں یہ چار چیزیں ہی انسان کو پیاری ہوتی ہیں تو یا رسول اللہ ﷺ یہ چاروں چیزیں آپ پر ہم قربان کرتے ہیں۔ اب آپکی ذاتِ عالی جو ہے وہ ہمارے لیے مقصدِ حیات ہے۔

تو اللہ فرمارہاہے کہ یہ چیزیں تم نے نبی کو نہیں دیں بلکہ اللہ نے خرید لی ہیں۔ کیا منزل اور مقام ہو گا وہ؟ تو فساد انسان اس وقت کرتا ہے جب وہ اپنے آپ کو مالک سمجھتا ہے، یعنی اس زمین پہ فساد کی جو بنیاد ہے ناں وہ "میں" ہے، میں مالک ہوں۔ تو اس آیت میں یہ بات ہی ختم کر دی گئی،اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ اور آگے اس آیت میں لفظِ بیع استعمال کیا کہ جب میں اپنا پلاٹ بیچ دیتا ہوں تو میری ملکیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اب جس نے وہ خرید اہے تو اس کو جیسے جی چاہے استعمال کرے۔ جب جان بھی بیچ دی، مال بھی بیچ دیا تو میں مالک کیسے رہا؟ اختیار ہی ختم ہو گیا۔

ایک دفعہ میرے پاک پیغمبر ﷺ کہیں جارہے تھے تو رستے میں کچھ نوجوان کھیل تماشے میں مصروف تھے تو پوچھا کہ یہ نوجوان کیا کر رہے ہیں؟ تو عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ زور آزمائی کر رہے ہیں۔ ایک پتھر ہے اسکو اٹھا کہ بلند جگہ پہ رکھنا ہے تو دیکھ رہے ہیں کہ کون زیادہ طاقتور ہے اور ابھی یہ پتھر کسی سے اٹھایا نہیں جارہا۔ میرے پاک پیغمبرؐ ان کے قریب گئے اور سرکارؐ نے وہ پتھر اٹھایا اور جہاں وہ رکھنا چاہتے تھے وہاں وہ رکھ دیا۔ پتھر بہت بھاری تھا۔ تو سب نے کہا کہ اللہ کے نبیؐ کی کیا طاقت ہے کہ جو پتھر کسی سے نہیں تھا اٹھایا جارہا تو انہوں نے آرام سے اٹھا کر بلندی پہ رکھ دیا ہے۔ تو میرے پاک پیغمبر ﷺ ان سے مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے کہ تمہارے نزدیک یہ طاقت کی نشانی ہے کہ کوئی پتھر نہیں اٹھایا جاتا تو کوئی اٹھالے تو وہ طاقتور ہے۔ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہی زور آزمائی۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں، اصل طاقتور انسان وہ ہوتا ہے جو اپنی خواہش کو دبا کر اللہ کا حکم مانتا ہے۔ وہ ہے اصل طاقتور[1]۔ یہ بھائی تم کسی پہلوان کو پچھاڑ دو گے، کسی شیر کو مار دو گے، یہ کوئی طاقت کی علامت نہیں ہے۔ طاقت یہ ہے کہ جب صبح تیرا نفس کہے بڑے مزے کی نیند آئی ہے اور اس خواہش کو دبا کر جب تو نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ ہے اصل طاقت۔ تیرا نفس کہے کہ میں نے نامحرم عورتوں کو بری نگاہ سے دیکھنا ہے اور تُو اللہ کے حکم پہ اپنی نگاہ نیچی کرلے، اپنے نفس کی مخالفت کرے۔ اسکو ابراہیم ذوق صاحب نے کیا خوب لکھاہے،

[1] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"پہلوان وہ نہیں ہے جو کشتی لڑنے میں غالب ہو جائے بلکہ اصلی پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پائے بے قابو نہ ہو جائے۔" صحیح بخاری:6114

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا

نہنگ کہتے ہیں مگرمچھ کو تو شاعر کہہ رہا ہے کہ کسی بڑے مگرمچھ کو مارا تو کیا مارا؟ کسی اژدھا کو مارا تو کیا طاقت؟ اصل پہلوان تو وہ ہے جو اپنی خواہشِ نفس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ میں مالک نہیں، اللہ مالک ہے۔ جب اس جان کا اللہ مالک ہے تو اس جان پہ اسی کا حکم چلے گا۔ جب اس مال کا مالک اللہ ہے تو اس مال پہ اب میری مرضی نہیں چلے گی۔

مجھے تو وہ امام زین العابدین کی دعا جو کہ صحیفہ سجادیہ میں لکھی ہے، آجکل تو ظاہر ہے حالات ہی کچھ اور ہیں ہم وہ دعائیں بھی نہیں سیکھتے، امام جب اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے تو فرماتے کہ مولا میں تیرے سامنے شکایت لیکر آیا ہوں تو لوگ سمجھتے کہ شاید یہ شکایت کرنا کہ کاروبار نہیں چل رہا یا کوئی بیماری ہے، ہمارے پاس تو یہی شکایتیں ہوتی ہیں۔ تو لوگ حیران رہ جاتے جب آپ دعا کرتے اور فرماتے کہ مولا میں شکایت لیکر آیا ہوں اپنے نفس کی، یہ رکاوٹ بن جاتا ہے تیری راہ میں اور پھر تیرھویں پارے کی پہلی آیت تلاوت فرماتے وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ[1] یہ یوسف علیہ السلام کا جملہ ہے جو قرآن کریم میں لکھا ہے کہ میں اپنے نفس کو بری الذمہ نہیں سمجھتا، یہ نفس امارہ تو ہمیشہ برائی ہی کی دعوت دیتا ہے۔ تو امام زین العابدین دعا کر رہے ہیں کہ مولا کریم میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور ان لوگوں کی محبت کا جِن سے تو محبت کرتا ہے اور ان اعمال کا سوال کرتا ہوں جو اعمال مجھے تیرے قریب کرتے ہیں۔ اسی ایک دعا میں دیکھئے کہ نفس کی شکایت کر رہے ہیں اور اللہ کی محبت مانگ رہے ہیں اور اللہ کے محبوب کی محبت مانگ رہے ہیں اور ان اعمال کی محبت جو اعمال اللہ کے قریب کرتے ہیں اور وہ اعمال جو تجھ سے دور کرتے ہیں ان سے پناہ چاہتا ہوں، بغض سے، حسد سے، کینہ سے، جھوٹ سے، رزق حرام سے، یہ چالیس چیزوں کا ذکر کیا آپ نے۔ تو جب یہ آپ آیت پڑھیں ناں کہ جان اور مال اللہ نے خرید لیے تو پھر اس نفس کی مت ماری جاتی ہے۔ کیونکہ جب ہر چیز بیچ دی اور بندہ فارغ ہو گیا تو "میں" والا سلسلہ ہی ختم ہو گیا۔ اس لیے زمین سے فساد ہی ختم ہو جائے گا۔ بھائی آسمانوں پہ بھی جو فساد ہوا تھا وہ بھی انا کی وجہ سے ہی ہوا تھا، ابلیس نے یہی کہا

[1] سورۃ یوسف:53

تھاناں کہ انا خیر منہ کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ بیو قوف جس کو اللہ کہہ رہا ہے کہ سجدہ کر، تو تُو اس سے بہتر کیسے ہو سکتا ہے؟ یعنی اللہ کہے کہ اس کو سجدہ کر تو تُو آگے سے کہے کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ جسے اللہ سجدے کا حکم دیتا ہے، بہتر وہی ہو تا ہے۔ اس نے بھی انا خیر منہ کہہ کر اپنا بیڑا غرق کر دیا۔

یقین جانیے جو پاک پیغمبر ﷺ نے آخری جمعہ پڑھایاناں وہ رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ اور اس جمعہ کا جو آخری جملہ کہ لوگوں! اگر میں بھی اللہ کی نافرمانی کرونگا تو کسی جگہ کا نہیں رہونگا[1]۔ یہ جملے تھے میرے پاک پیغمبر ﷺ کے۔ پتہ نہیں ہم کیسے اللہ کی نافرمانی کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم بچ جائیں گے۔ اس سے بڑا درس اور میرے پیغمبر ﷺ دے سکتے تھے۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

[1] سورۃ الانعام: 15 " فرماؤ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے "

5۔ منافقین کے لیے دو عذاب ہیں

قرآن: وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۔ وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (سورة التوبہ:103-101)

ترجمہ: اور آپ کے گرد ونواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں۔ اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں آپ انہیں نہیں جانتے۔ ہم جانتے ہیں۔ ہم ان کو دوہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور کچھ اور لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا (صاف) اقرار کرتے ہیں انہوں نے اچھے برے عملوں کو ملا جلا دیا تھا۔ قریب ہے کہ خدا ان پر مہربانی سے توجہ فرمائے۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے ۔اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے آپ انھیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو، بیشک آپکی دعا ان کے دلوں کا چین ہے، اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

خاکہ:-

1) مومنین اور منافقین کا تضاد۔
2) غزوہ تبوک کا پسِ منظر۔
3) 12 منافقین اور حضرت حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ۔
4) چھپ کر نیکی کرنا۔
5) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت
6) قیامت والے دن عذاب عظیم کی وعید
7) غزوہ تبوک میں جو پیچھے رہ گئے تھے
8) قرآن، فرقان ہے۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

گفتگو تو ہماری ان ایمان والوں کے حوالے سے چل رہی تھی کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کے مال بھی اور جانیں بھی خرید لیں، جنت کے عوض۔ لیکن جو قرآن پاک کا ایک اسلوب ہے، طریقہ کار ہے وہ میں آپ کو پہلے عرض کر دوں کہ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ یہ واحد کتاب ہے اس دنیا کی کہ اگر اللہ نے اپنے انبیاء کا ذکر کیا ہے تو انکے مخالفین کا بھی کیا ہے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ کتاب لکھنے والے صرف اپنی بات کرتے ہیں۔ تو اس کتاب میں یہ بات نہیں ہے، یہ بات آپ کے ذہن میں ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جہاں بھی کوئی بات بیان فرماتا ہے تو اسکی ضد بھی ساتھ ہی بیان فرماتا ہے تاکہ انسان کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ یعنی دونوں موقف سامنے ہوں، یہ نہیں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے تو فرعون کا نہیں کیا، ابراہیم علیہ السلام کا کیا ہے تو نمرود کا نہیں کیا، مومنوں کا کیا ہے تو کفار کا نہیں کیا۔ فرمایا وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ-يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[1]، "اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں" اور ساتھ ہی یہ فرمایا اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ-يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ[2]، "منافق مرد اور منافق عورتیں ایک تھیلی کے چٹے بٹے (ایک جیسے) ہیں برائی کا حکم دیں اور بھلائی سے منع کریں"۔ تو یہ جو بات ہو رہی تھی کہ ایمان والوں سے اللہ نے انکی جانیں بھی خرید لیں اور مال بھی، تو اصل میں ذکر ان کا ہو رہا تھا، یہ میں نے پچھلی آیات تلاوت کی ہیں کہ وہ بھی لوگ تھے ادھر جو اللہ کے نبی ﷺ کو ترجیح نہیں تھے دیتے بلکہ اپنی جان اور مال کو ترجیح دیتے تھے۔ ایک بات ذہن میں رکھنا، کسی دن تفصیل سے اس پہ بات ہو گی کہ اس زمین پہ اللہ کا نمائندہ نبی ہوتا ہے تو اب اس نبی کیساتھ تمہارا جو معاملہ ہے ناں تو وہ اللہ فرماتا ہے کہ اصل میں میرے ساتھ ہی ہے۔ اگر تم نے پیغمبر ﷺ پہ جان و مال قربان کیا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ میں نے خرید لیے ہیں اور اگر تم نبی سے دور ہو گئے تو اللہ فرماتا ہے کہ تم مجھ سے دور ہو گئے۔ تو پیچھے اصل میں ذکر یہ تھا کہ اللہ فرماتا ہے وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ اے پیغمبر ﷺ آپ کے ارد گرد یہ جو اعرابی ہیں، اعرابی کا معنی دیہاتی بھی لیا جاتا ہے، وہ جو

---

[1] سورۃ التوبہ:71

[2] سورۃ التوبہ:67

اعرابی ہیں ان میں سے کچھ منافق ہیں یعنی اوپر اوپر سے تو آپکے ساتھی ہیں لیکن دل سے آپ کے دشمن ہیں۔وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ اور مدینہ شریف میں سے بھی کچھ منافق ہیں۔مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ یہ بات اللہ بیان اس لیے فرمارہاہے کہ وہ اب نفاق پر ڈٹ گئے ہیں۔ اب وہ اپنے نفاق سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔لَا تَعْلَمُهُمْ آپ انکو نہیں جانتے نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ہم انکو جانتے ہیں۔سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ اللہ تعالیٰ انکو دو عذاب دیگاثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ اور اسکے بعد پھر انہیں بڑے عذاب کیطرف لے جائیگا۔وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ اور دوسرے کچھ لوگ (یہ کچھ صحابہ کا ذکر ہے) وہ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا۔ پہلے وہ لوگ تھے جو اپنے نفاق پہ ڈٹے ہوئے تھے۔ اب اگلی آیت میں یہ بیان کیا جارہاہے کہ وہ جو ایمان والے تھے ان سے جو غلطی ہوئی وہ انہوں نے مان لیا۔خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا غلطی ان سے یہ ہوئی کہ انہوں نے نیک اعمال کو برے اعمال کو آپس میں ملالیا۔ یہ جو میں اکثر کہتاہوں ناں کہ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے تو سارے ہی ایک جیسے ہیں، پاکستان جیت جائے اور ہندوستان کو بھی فتح ہو جائے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ان سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے نیک اعمال کو برے اعمال سے خلط ملط کر دیا۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اللہ عنقریب انکی توبہ قبول فرمالیگا۔ یہ جو پچھلے جمعہ بات ہوئی تھی کہ غلطی کے بعد دل بے چین ہو جائے اور اس درجے پہ بے چین ہو جائے کہ انسان اپنے آپ سے نفرت کرنے لگ جائے۔ یہ توبہ کی ابتدا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بے شک اللہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً اب آپ ان سے انکے اموال لے لیں صدقہ کے طور پہ،تُطَهِّرُهُمْ انکو پاک کر دیں وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا اور انکا تذکیہ کر دیں وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اور انکے لیے دعا کریں۔ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ آپ کی دعا انکو سکون دے گی۔وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور اللہ سننے والا بھی ہے اور علم والا بھی ہے۔

اب آپ وہاں تک پہنچ گئے کہ ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنامال اور جان اللہ کو فروخت کر دی اور دوسری طرف یہ منافقین ہیں۔ یہ آیات اصل میں غزوہ تبوک کے موقع کی ہیں۔ اب اگلی بات ہم نے پہلے کرلی ہے تو میں نے کہا چونکہ قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ قرآن ہر چیز کی ضد ساتھ بیان کرتا ہے تو ہمیں بھی یہ ضد ساتھ بیان کرنی چاہئے تھی، اسلیے میں نے ان آیات کا انتخاب کیا۔ غزوہ تبوک، ان دنوں میں حکم ہوا، جب کھجوریں پکی ہوئی تھیں اور فصل بالکل تیار تھی۔ اب مدینہ والوں کی تجارت کا انحصار انہیں کھجوروں پر تھا، سارے سال کی معیشت کا دارومدار انہیں کھجوروں پر تھا اور عین اس وقت اللہ کا حکم آگیا کہ جہاد پہ نکلنا ہے۔ اب ایک طرف تو وہ

لوگ ہیں جنہوں نے مال اور جان کا سودا اللہ سے کر لیا اور ادھر یہ لوگ ہیں کہ یار اگر غزوہ پہ چلے گئے تو کھجوریں ضائع ہو جائیں گی۔ وسوسہ آ گیا اور خواہشِ نفس غالب آ گئی۔ اب یہاں پہ اللہ دو گروہوں کا ذکر کر رہا ہے کہ ایک تو منافقین تھے جو کہ اللہ کے نبی کے دشمن تھے لیکن کچھ مسلمان تھے جن سے ویسے غلطی ہو گئی۔ آگے جو توبہ کا ذکر ہے ناں وہ ان مسلمانوں کے لیے ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ جو لوگ آپ سے پیچھے رہ گئے وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ یہ جو اعرابی ہیں مدینہ کے ارد گرد، ان میں سے کچھ منافقین ہیں، یہ دل سے آپ کیساتھ ہی نہیں تو آپ کیلئے کیا قربانی پیش کرینگے۔ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ اور کچھ اہل مدینہ بھی نفاق میں شامل ہیں۔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ اور یہ ڈٹ گئے نفاق پہ۔ یہ جو میں اکثر کہتا ہوں کہ گناہ ہو جاتا ہے، غلطی ہو جاتی ہے لیکن جرم سب سے بڑا یہ ہے کہ انسان اپنی غلطی پہ ڈٹ جائے۔ یہ سب سے بڑا جرم ہے، اس سے بچنا ہے، یہ بربادی ہے انسان کیلئے۔ تو یہاں بھی وہی بات کہی جا رہی ہے کہ یہ اپنے نفاق پہ ڈٹ گئے ہیں، بڑے ماہر ہو گئے ہیں کہ ہمیں تو کوئی جانتا ہی نہیں۔ لَا تَعْلَمُهُمْ۔ آپ انہیں نہیں جانتے نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ہم انہیں جانتے ہیں، ہمیں علم ہے مدینہ کے ارد گرد جو منافقین ہیں انکا بھی اور جو مدینہ میں ہیں انکا بھی ہمیں علم ہے۔ اچھا اس پہ بڑی بحث ہوتی ہے کہ دیکھو جی نبی پاک ﷺ کو تو منافقین کا پتہ نہیں تھا، اللہ فرما رہا ہے کہ آپکو علم نہیں۔ وہ جو قرآن کریم کا اسلوب میں نے کئی دفعہ ذکر کیا ہے کہ آپ جس موضوع پہ گفتگو کر رہے ہوتے ہیں، جسکو آپ جاننا چاہتے ہیں، اسکے متعلق جتنی آیات ہیں وہ ساری آپ نے دیکھنی ہوتی ہیں، پھر آپ کسی نتیجے پہ پہنچ سکتے ہیں۔ اگر آپ ایک آدھی آیت لینگے تو پھر تو آپ کنفیوز ہو جائینگے، پھر تو آپ کسی نتیجے پہ نہیں پہنچ سکتے، موقع محل کا آپ کو پتہ نہیں لگے گا۔ سورۃ محمد میں اللہ فرماتا ہے، وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ اگر اللہ چاہتا تو آپکو منافقین دکھا دیتا، آگے کیا فرمایا فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ[1] آپ تو انکو دیکھ کر انکی شکلوں سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ منافقین ہیں۔ اب اگر کسی بندے نے یہ آیات نہیں پڑھیں تو وہ تو یہی کہے گا کہ نبی پاک ﷺ کو علم ہی نہیں ہے منافقین کا۔ یہ ہر چیز کا ایک درجہ ہوتا ہے جو چیز جہاں بیان کی جاتی ہے۔

فتوح الباری میں ایک روایت پڑھی، کمال کی لکھی ہے، یہ جو آگے ہے ناں سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ ایک عذاب اس دنیا کا ہو گا اور ایک قبر کا ہو گا لیکن کچھ مفسرین کا خیال ہے

[1] سورۃ محمد:30

کہ پہلا عذاب ان پہ اس وقت نازل ہوا جب نبی پاکؐ جمعہ پڑھانے کیلئے مسجد میں آئے اور سرکار جب منبر پہ تشریف فرما ہوئے تو فرمایا "اخرج یا فلان فانک منافق" "اوہ فلاں انسان اٹھ اور نکل جا مسجد سے تو منافق ہے۔ ایک مجلس سے 32 لوگوں کو نکالا۔ اس دن حضرت عمر فاروق ذرا دیر سے مسجد پہنچے تو یہ لوگ مسجد سے نکل رہے تھے تو انہوں نے اپنا آپ چھپانا شروع کر دیا۔ انکو تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چل گیا ہے ہمارا کہ ہم منافق ہیں تو یہ ہمیں ماریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب آئے تو پھر صحابہ نے انکو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلا عذاب ان پہ یہ نازل کیا ہے کہ ان کو دنیا میں ذلیل وخوار کر دیا ہے۔ ایک وقت تک مومن اور منافق اکٹھے رہے، اس میں کیا حکمت تھی، یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ لیکن ایک وقت آ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پاکوں اور پلیدوں کو علیحدہ علیحدہ کر دو۔ تو وہ جب آیت نازل ہوئی تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو ایسے اٹھا دیا۔ لیکن ایک بات اور بھی ہے، حضرت حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ کو جن 12 منافقین کے نام بتائے تھے، ان سے یہ عہد لیا تھا کہ ان کا نام کسی اور کو نہیں بتانا۔ ان 12 منافقین کا صرف حضرت حذیفہ یمانی کو پتہ تھا۔ یہ بھی غزوۂ تبوک کے موقع پہ ہی ہوا تھا، یہ بڑی عجیب بات ہے کہ یہ سارے معاملات ہوئے ہی اس وقت تھے۔ راستے میں ان منافقین نے چال چلی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پہ حملہ کرینگے غزوہ تبوک پہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینے چھوڑ گئے تھے۔ یہ بھی آپ کو پتہ ہونا چاہئے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی کو مدینہ چھوڑ گئے تھے تو حضرت علی تو رو پڑے کہ میں مجاہد آدمی ہوں یہاں میں عورتوں اور بچوں کی امامت کرونگا۔ اس موقع پہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ علی، میری اور تیری مثال ایسے ہی ہے جیسے موسیٰ اور ہارون تھے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پہ جاتے تھے تو پیچھے اپنا نائب ہارون علیہ السلام کو چھوڑ کر جاتے تھے لیکن فرق اتنا ہے کہ میرے بعد نبوت ختم ہوگئی۔ تو جب یہ 12 منافقین نے رات کی تاریکی میں حملہ کرنے کی کوشش کی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ تھے۔ تو بجلی کی چمک پڑی ناں تو نبی پاکؐ نے فرمایا کہ حذیفہ پہچانے ہیں یہ بندے۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندے تو نہیں پہچانے لیکن سواریاں پہچان لیں۔ پھر ان 12 منافقین کے نام جنابِ حذیفہ کو بتائے تھے۔ اب ایک اور محبت کی بات آپکو بتاؤں کہ جب حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو جب کوئی جنازے کیلئے بلاتا تھا ناں تو حضرت عمر مصلے پہ کھڑے ہو جاتے اور نمازیوں کیطرف دیکھتے، اگر حذیفہ اس جنازے میں ہوتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنازہ پڑھاتے تھے ورنہ نہیں پڑھاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ حذیفہ کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ لیکن خوف خدا کی جو بات میں کرنے لگا ہوں، خوفِ خدا کتنا تھا، کیونکہ

نبی پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان 12 لوگوں کے نام نہیں بتانے، تو فکر اتنی رہتی تھی، حذیفہ سے رو رو کہ یہ پوچھا کرتے تھے کہ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ہمیں نام بتاؤ لیکن صرف اتنا بتادو کہ کہیں ہمارا نام تو ان میں شامل نہیں۔ یہ خوفِ خدا کا عالم تھا۔

ایک مسند امام احمد میں جناب جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ یہ روایت اس لیے بتا رہا ہوں یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کو تو علم نہیں تھا منافقین کا، علم نہیں تھا تو 32 لوگوں کو کیسے مسجد سے نکالا اور یہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کیسے بتایا 12 لوگوں کا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ جب نام لے لیکر نبی پاک ﷺ نے مسجد سے نکالا کہ اٹھ جا فلاں بندے تو منافق ہے اور نکل جا یہاں سے تو کسی ایک بندے کی بھی یہ جرات نہیں ہوئی کہ وہ کہے کہ یارسول اللہ ﷺ کہ نفاق کا معاملہ تو دل کیساتھ ہے، آپ کو میرے دل کا کیا پتہ۔ کسی کی یہ جرات نہیں ہوئی کہ یہ جملہ میرے پیغمبر ﷺ سے کہتا۔ تو حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن کچھ لوگوں نے کہا کہ جو تم نے مکہ میں نیکیاں کی ہیں انکا تو تمہیں اجر ہی نہیں ملیگا۔ یہ وسوسے ہر دور میں ہوتے ہیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے نبی پاک ﷺ سے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہمیں کچھ لوگ یہ ستاتے رہتے ہیں کہ جو تم نے نیکیاں مکہ میں کی ہیں انکا تو تمہیں کوئی اجر نہیں، اجر تو صرف مدینہ میں ملیگا۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ میرے اللہ کا یہ قانون ہے کہ اگر تم لومڑی کے بِل میں چُھپ کر بھی کوئی نیکی کروگے تو میرا اللہ تو اس کو بھی جانتا ہے[1]۔ یہ اکثر ہمارے ہاں ہوتا ہے کہ اگر کسی کو آٹے کا تھیلا بھی دینا ہے تو اسکی تصویر بنا لینی ہے۔ اسلام اسکے خلاف اسی لیے ہے کہ تو جہاں بھی نیکی کریگا، تیرا اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ تجھے کیوں پریشانی ہوگئی کہ کسی کو نہیں پتہ لگے گا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ چٹان جسکا کوئی دروازہ نہ ہو، جس میں کوئی کھڑکی نہ ہو، وہاں بھی تم کوئی عمل کروگے تو اللہ تو اسکو بھی جانتا ہے۔ اس لیے اس پریشانی سے نکل جانا کہ یہ میں نے جو چھپ کے کسی کی خدمت کی ہے شاید کسی

[1] سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں بارگاہ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ!! کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ہمیں کوئی اجر نہیں ملا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ غلط کہتے ہیں، تمہیں تمہارا اجر و ثواب ضرور ملے گا خواہ تم لومڑی کے بل میں ہو۔ مسند احمد: 16759

کو پتہ لگتا ہے کہ نہیں[1]۔ یہ نہیں کرنا۔ تو حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ پھر نبی پاک ﷺ کی آواز ذرا آہستہ ہو گئی تو میں نے کان لگا کر۔۔ یہ تو مہربانی ہو گئی اللہ تعالیٰ کی، سورۃ مجادلہ اگر کبھی آپ پڑھیں ناں، اگر کسی نے نبی پاکؐ سے سرگوشی کرنا ہوتی تھی، کان میں بات کرنا ہوتی تھی یا کان آگے کر کے بات سننا ہوتی تھی تو حکم پتہ کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے صدقہ کر کے آؤ پھر میرے نبی ﷺ سے آکر سرگوشی کرو۔ یہ ادب تھا نبی پاک ﷺ سے سرگوشی کرنے کا۔ تو کہتے ہیں کہ جب میں نے کان آگے کیا ناں تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہاں بیٹھے سارے ایمان والے تھوڑے ہیں، کچھ منافق بھی ہیں۔ اسلیے وہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔

اب ابن عساکر نے ایک راویت لکھی، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک بندہ آگیا اور آکر کہنے لگا کہ یارسول اللہ ﷺ کہ ایمان یہاں ہے، اس نے اشارہ اپنی زبان کیطرف کیا، پھر اس نے اپنے دل کیطرف اشارہ کیا اور کہا کہ نفاق یہاں ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہم تیرے لیے دعا کرتے ہیں۔ دعا کیا کی؟ دعا یہ کی کہ مولا اس کی زبان کو ذکر کرنے والا بنا، اسکے دل کا شکر کرنے والا بنا دے۔ یہ مجھے کبھی یاد کروانا، اس پہ تفصیلاً بات ہو گی۔ جو بندہ شکر نہیں کرتا وہ مومن ہی نہیں ہوتا، چونکہ شکر وہ کرتا ہے جو اپنے محسن کو پہچانتا ہے اور یہ انسان کی فطرت کے اندر ہے کہ کوئی اس پہ احسان کرے اور وہ اس کا شکریہ ادا کرے۔ تو شکر اصل میں یہ ہوتا ہے کہ وہ بندہ اللہ کو پہچان رہا ہے، اللہ کی معرفت ہے اور اگر اللہ کی معرفت نہیں ہے تو ایمان ہی نہیں ہے۔ تو دل اصل میں ہوتا ہی شکر کرنیوالا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے دعا فرمائی، یا اللہ اسکی زبان کو ذکر کونیوالا بنا، اسکے دل کو شکر کرنیوالا بنا اور اسکو میری محبت عطا فرما، چوتھا جملہ، مولا اس کو ان لوگوں کی محبت دے جو میرے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ میری محبت بھی دے اور ان لوگوں کی محبت بھی دے جو میرے ساتھ محبت کرتے ہیں اور آخر میں فرمایا کہ مولا اسکے ساتھ خیر والا معاملہ فرما۔ اس نے کہا کہ سرکار ﷺ میں تو منافقین کا سردار تھا، اسکا نام بھی حرملہ لکھا ہے، (تبیان القرآن تفسیر میں یہ نام لکھا ہے)۔ اس نے کہا کہ میں تو منافقین کا سردار تھا، اللہ کے رسول ﷺ آپ نے میری لیے یہ دعا فرما دی۔ آگے آپ نے سنا ہے ناں کہ آپ ان کیلئے دعا کیجئے جو توبہ کر کے آئیں تو آپ کی دعا انکو سکون دے گی، اطمینان دے

---

[1] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں کوئی شخص کسی ایسی بند چٹان میں چھپ کر عمل کرے جس کا نہ کوئی دہانہ ہو اور نہ ہی کوئی روشندان، تب بھی اس کا وہ عمل لوگوں کے سامنے آکر رہے گا۔ خواہ کوئی بھی عمل ہو (اچھا یا برا)۔ مسند احمد:11230

گی۔ تو کہنے لگا کہ کیا میں اپنے قبیلے والوں کو بھی لے آؤں جو آپ سے منافقت کرتا ہے، تو میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ ہاں انکو بھی لے آ، میں انکے لیے بھی خیر کی ہی دعا کرونگا اور اگر پھر بھی وہ اپنے نفاق پر ڈٹے رہے تو میں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دونگا۔

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ دو عذاب انکو پہلے دینگے، ایک اس دنیا میں اور دوسرا قبر میں، ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ پھر عذابِ عظیم کیطرف انکو پلٹا دینگے۔ قرآنِ کریم میں اور بھی کئی مقامات پہ مثالیں ہیں، مثلاً سورۃ بقرہ میں ہے [1]، كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ، یہ اللہ کا انکار کیسے کرسکتے ہیں؟ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا حالانکہ تم مردہ تھے، جس نطفہ سے انسان پیدا ہوتا ہے نا، اس نطفہ کو مفسرین نے مردہ کہا ہے۔ فَاَحْيَاكُمْ اُس مردہ سے تمہیں زندہ کیا ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ پھر تمہیں موت دیتا ہے، یعنی اس زندگی کے بعد پھر مجھے موت آنی ہے ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ اور پھر اس کے بعد زندہ کرتا ہے ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اور پھر وہ آخرت کیطرف لوٹا دیتا ہے۔ یعنی اسکے بعد پھر موت کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں بھی یہی اسلوب ہے سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ہم انکو دو عذاب دینگے، ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ پھر عذابِ عظیم کیطرف لے جائینگے۔ یعنی اس دنیا میں بھی عذاب دینگے، قبر میں بھی دینگے اور آخرت کا عذاب تو پھر عذابِ عظیم ہے۔ جیسے منافقین کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا تھا ناں اور اس دنیا میں عذاب دیا تھا، اسی طرح ایمان والوں کی نیکیاں بھی اللہ تعالیٰ ظاہر کر دیتا ہے اور انہیں عزت عطا کرتا ہے۔ عمل آپ اچھا کریں یا بُرا کریں، اللہ تعالیٰ اسکو ظاہر ضرور کرتا ہے۔ اسلیے آپ اس پریشانی سے نکل جائیں کہ پتہ نہیں لوگوں کو میری اس نیکی کے کام کا پتہ لگنا ہے کہ نہیں لگنا۔ لیکن کریں صرف اللہ کیلئے، اسکے رسول ﷺ کیلئے۔

اگلی آیت میں دوسرے لوگوں کا ذکر ہے، جن کے دل میں نفاق نہیں تھا، نہ دشمنی تھی، بس یہی تھا کہ تھوڑا سا کام کرلیں تو مل جائیں گے، ہماری سواریاں تیز ہیں تو شامل ہو ہی جائینگے رستے میں۔ بس ایسے ہی وسوسے میں رہ گئے اور نبی پاک ﷺ کیساتھ شامل نہ ہوسکے۔ اس آیت میں انکی توبہ کا ذکر ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ جب نبی پاک ﷺ واپس تشریف لائے تو انھوں نے مسجدِ نبوی کے ستونوں کیساتھ خود ہی اپنے آپ کو باندھ لیا اور کہا کہ جب تک نبی پاک ﷺ ہمیں معاف نہیں کرینگے ہم اپنے آپکو آزاد نہیں کرینگے۔ صرف زبان سے ہی نہیں کہا کہ

[1] سورۃ البقرۃ:28

یارسول اللہ ﷺ غلطی ہوگئی ہے، بلکہ اپنے آپ کو باندھ لیا مسجد کے ستونوں کیساتھ۔ یہ سات لوگ تھے، باقی تین کا ذکر آگے چل کے آئے گا کیونکہ انکا معاملہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ پہ بیان کیا۔ یہ سات لوگ تھے کہ کل شامل ہو جائینگے، یہ کام کرلیں پھر شامل ہو جائینگے، اسی لیے سستی نہیں کرتے، غفلت نہیں کرتے۔ اور یہ بنیادی قانون ہمیشہ ذہن میں رہے کہ تمہارا مال اور تمہاری جان، تم خود اس پہ وہ اختیار نہیں رکھتے جو اللہ کا نبی اختیار رکھتا ہے۔ تم یہاں یہ بہانہ نہیں بنا سکتے کہ ہماری فصل تیار ہے، ہم فصل سنبھالیں یا اللہ کے نبی کے ساتھ جائیں۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جان کو خطرہ ہے، یہ جو اپاہج ہے تو وہ بھی آگیا ہے، جس کے پاس سواری نہیں ہے تو وہ بھی آگیا۔ اور اسی راستے میں میرے پیغمبر ﷺ نے یہ جملہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ میرے صحابہ کہ کچھ لوگ مدینے میں رہ گئے لیکن تم جس وادی میں سفر کرتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہیں، تم جہاں جہاں جارہے ہو وہ تمہارے ساتھ ہیں، جہاں لڑائی کر رہے ہو وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ ! وہ تو مدینے میں بیٹھے ہیں، فرمایا کہ رو رہے ہیں کہ اگر ہمارے پاس بھی سواریاں ہوتیں تو ہم بھی اپنے نبی کیساتھ جاتے۔ وہ مجبوری کیوجہ سے رہ گئے، وہ ساتھ نہیں بھی گئے تو میرے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ کبھی بھی اپنی جان اور مال پہ یہ نہیں کہنا کہ میرا حق ہے، یہ ان آیات میں ہے۔ اور آگے جو آیت ہم نے پہلے سیکھ لی ہے کہ مومنین کی جان اور مال کو تو اللہ نے خرید لیا ہے۔ تو یہ وہ لوگ تھے جو اس وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے کہ کل چلے جائینگے، کام نپٹا کے بس، قافلہ کے ساتھ مل جائینگے، ان کے دل میں نفاق نہیں تھا، تو ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اللہ عنقریب ان کی توبہ قبول کریگا۔ یہ چونکہ مال کیوجہ سے پیچھے رہ گئے تھے تو اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مال ان سے لیں اور انکو پاک کریں (خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ)۔ بھائی جو مال اللہ کے نبی سے وفا نہیں کرنے دیتا وہ پلید ہوتا ہے۔ تُطَهِّرُهُمۡ وہ مال ان سے لیں اور انکو پاک کر دیں، وَ تُزَكِّيۡهِمۡ اور انکو اندر سے بھی پاک کر دیں، تذکیہ، زکوۃ بھی اسی سے ہے۔ بھائی زکوۃ کا معنی بھی پاک کرنا ہے ناں، زکوۃ کا معنی صرف مال کو پاک کرنا نہیں ہوتا بلکہ اندر کو بھی پاک کرنا ہے۔

یہ انشاء اللہ اگر اللہ نے زندگی دی تو یہاں سے بات آگے لیکر چلیں گے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی ضد قرآن میں بیان کرتا ہے؛ اگر نبی کا ذکر کریگا تو نبی کے منکر کا بھی کریگا، مومن کا ذکر کریگا تو کافر اور منافق کا بھی کریگا، نیکی کا کریگا تو گناہ کا بھی کریگا، تاکہ ہر چیز جو ہے وہ واضح ہو جائے۔ اسی لیے قرآن، فرقان ہے، یہ لائن لگا دیتا ہے، یہ نہیں کہتا کہ میرے لیے سارے ہی اچھے ہیں، جھوٹے بھی چنگے ہیں اور سچے بھی، نہیں، بلکہ یہ

فرقان ہے۔ محدثین کے بارے یہ اعتراض اٹھتا ہے کہ کچھ احادیث لوگوں نے خود سے گھڑ لیں، انکو موضوع احادیث کہتے ہیں، جو وضع کردہ ہیں، خود سے گھڑ لی ہیں۔ تو جب محدثین کو پتہ تھا کہ یہ موضوع ہیں تو پھر انکو کیوں حدیث کی کتابوں میں شامل کیا گیا۔ تو اسکی بھی وجہ یہی ہے جو قرآن کا اسلوب ہے کہ کل کو کوئی یہ ناں کہے کہ تم لوگوں نے اپنی تو لکھ لیں لیکن اپنے مخالفین کی لکھی کوئی نہیں۔ ہم اپنی بھی لکھتے ہیں اور اپنے مخالفین کی بھی لکھتے ہیں اور پھر علم کی بنیاد پہ بتاتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور یہ نہیں۔ اب مصیبت یہ ہے کہ جس کو اصولِ حدیث نہیں پتہ وہ موضوع حدیث پڑھ کے بھی کہے گا کہ میں نے تو حدیث شریف پڑھی ہے۔ یہ جہالت یہاں سے پھیلتی ہے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ اگر کسی بات کا نہ پتہ ہو تو کسی جاننے والے سے پوچھ لیا کرو، فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ[1]۔ تو یہاں دونوں گروہوں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ کبھی بھی وہ مال جو آپ نے اللہ کے نبی سے بچایا ہو، آپکو پاک نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

[1] سورۃ النحل:43

6۔ جب نبی پاک ﷺ کا حکم آجائے تو کوئی عذر قابلِ قبول نہیں

قرآن: وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍۚ۔ وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (سورة التوبہ:103-101)

ترجمہ: اور آپ کے گردونواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں آپ انہیں نہیں جانتے۔ ہم جانتے ہیں۔ ہم ان کو دوہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور کچھ اور لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا (صاف) اقرار کرتے ہیں انہوں نے اچھے برے عملوں کو ملا دیا تھا۔ قریب ہے کہ خدا ان پر مہربانی سے توجہ فرمائے۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے ۔اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے آپ انھیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو، بیشک آپکی دعا ان کے دلوں کا چین ہے، اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

خاکہ:

1) نبی پاک ﷺ اذان کیوں نہیں دیتے تھے۔
2) چار قسم کے لوگ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے۔
3) دوسری قسم کے لوگ جو سستی کیوجہ سے رہ گئے۔
4) نابینہ صحابی کا باجماعت نماز ادا کرنا۔
5) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا غزوہ احد کا واقعہ۔
6) آج کے دور کے مسلمان نے نبی پاک ﷺ کو مانا ہی نہیں۔
7) سستی اور کاہلی سے اللہ کی پناہ مانگنا۔
8) غزوہ تبوک کا سفر۔
9) اللہ تعالیٰ ضرور آزما کے دیکھے گا۔
10) غزوہ خندق کا واقعہ۔
11) حدیبیہ کا منظر۔
12) پاک پیغمبر ﷺ کا استغفار کرنا
13) درس

اللہ کی حمد وثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

گفتگو ہماری غزوہ تبوک کے حوالے سے چل رہی تھی۔ پچھلے جمعہ ہم نے انہیں آیات کی تلاوت کی اور انہیں سمجھنے کی کوشش کی۔ ایک جملہ میں نے جو پچھلے جمعہ آپ کیلئے چھوڑا تھا کہ جب نبی پاک ﷺ کا حکم آجائے تو اس کے بعد پھر گنجائش باقی نہیں بچتی کسی عذر کی۔ اس کیلئے شاید میں نے کسی موقعہ پہ پہلے آپ سے بات کی ہے یا نہیں کہ نبی پاک ﷺ نے اذان نہیں دی۔ نماز کیلئے حضور ﷺ اذان نہیں دیتے تھے۔ اسکی وجہ کیا ہے؟ اذان کا معنی ہے بلاوا۔ آپ ﷺ اذان اس لیے نہیں دیتے تھے کہ حضور اذان دیں اور کوئی مسجد میں نہ آئے ، تو وہ صاحبِ ایمان نہیں رہے گا، اسکا ایمان ضائع ہو جائیگا۔ یعنی پیغمبر کے بلاوا پہ نہ آنا جو ہے اس پہ عذاب بڑا سخت ہے۔ اسلیے نبی پاک ﷺ اذان نہیں دیتے تھے۔ اس پہ جو بات سیکھی تھی ہم نے کہ غزوۃ تبوک کیلئے حکم ہوا۔ یہاں تک ہم پہنچے تھے کہ ایک گروہ نے اعترافِ جرم کر لیا اور انکا معاملہ توبہ تک کیسے پہنچا۔ یہ پچھلے جمعہ ہم نے گفتگو کر لی تھی۔

یہ چار قسم کے لوگ تھے جو شریک نہیں ہوئے غزوہ تبوک میں، جن کے متعلق ہماری گفتگو چل رہی تھی۔ ایک تو منافقین تھے جنہوں نے نقصان پہنچانے کی غرض سے نبی پاک ﷺ کا ساتھ نہیں دیا؛ جنکا ذکر آیت 101 سورۃ توبہ میں آیا ہے۔ وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ۔ ان اعرابیوں میں سے آپکے ارد گرد کچھ منافقین ہیں وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ اور مدینہ میں بھی کچھ منافق ہیں۔ یہ آیت ان کیلئے آئی تھی جنہوں نے نفاق کیوجہ سے نبی پاک ﷺ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ کہ میں ان کو دو عذاب دونگا ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ۔ ان دو عذابوں کے بعد پھر انکو عذابِ عظیم کی طرف پلٹا دونگا۔

اگلی آیت تھی وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ اور دوسرے وہ ہیں جنہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا، یعنی یہ وہ مومنین تھے جن میں نفاق تو نہیں تھے لیکن اپنی سستی کیوجہ سے کہ کل لشکر سے مل جائینگے، پرسوں مل جائینگے اور بلآخر رہ گئے۔ یہ دوسرا طبقہ تھا جو اپنی سستی کیوجہ سے رہ گئے تھے۔ ان کا پچھلے جمعہ ہم نے ذکر کیا تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسجدِ نبوی کے

ستونوں کیساتھ باندھ دیا تھا اور نبی پاک ﷺ نے بھی ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا تھا کہ اللہ کہے گا تو پھر ہی انکو کھولیں گے۔ وہ بھی روتے تھے اور انہوں نے بھی خود ہی اپنے آپ کو مقید کر لیا تھا۔ تیسرا گروہ بھی وہ تھا جنہوں نے سستی کی، دل میں محبت تو تھی لیکن انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف ذرا دیر سے کیا۔ یہ ٹوٹل دس لوگ تھے، سات کا ذکر اس آیت میں ہے اور تین کا بعد میں آئیگا۔ تو جو نبی ﷺ کی بارگاہ میں دیر سے پہنچے اس کیلئے بھی سزا بڑی ہے، یہ ان آیات میں بتایا جارہا ہے۔ تو یہ سات لوگ جو تھے جو فوری آگئے تھے، ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ لیکن وہ جو ہیں ناں۔ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا[1]۔ وہ جو پیچھے رہ گئے تھے تین، ان کیلئے جو سزا ہے وہ ہم تفصیل سے دیکھیں گے۔ اور چوتھے وہ لوگ تھے جو کمزور تھے، کچھ اپاہج تھے، کچھ نابینہ تھے، کچھ کے پاس سواریاں نہیں تھیں اور وہ روتے رہتے تھے کہ کاش ہمارے پاس بھی استطاعت ہوتی تو ہم بھی نبی پاک ﷺ کیساتھ جاتے۔ ان کے متعلق نبی پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ چاہے وہ مدینہ میں رہ گئے ہیں لیکن وہ سفر میں ہمارے ساتھ ہی ہیں۔ تو یہ چار گروہ ہیں جنکے متعلق اس رکوع میں بات ہورہی ہے۔

اب دیکھیئے ہم تو پتہ نہیں دن میں کتنی مرتبہ اپنے پیغمبر ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں اور قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ جب نبی پاک ﷺ کا حکم آجائے تو اب تم کوئی عذر پیش نہیں کرسکتے۔ اب دیکھیئے ناں کہ صحابی نابینا ہے، نابینے کے پاس تو عذر ہے ناں کہ میں مسجد میں کیسے آؤں۔ لیکن جب نبی پاک ﷺ نے فرمادیا کہ تیرے گھر میں اذان کی آواز آتی ہے، اس نے کہا کہ جی حضور آتی ہے آواز۔ مسجد کے قریب ہی گھر تھا، دور نہیں تھا۔ فرمایا کہ نہیں، چاہے تو نابینا ہے لیکن تو نے مسجد میں آنا ہے[2]۔ اب وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نابینا ہوں میں کیسے حکم پہ عمل کروں۔ نہیں، میرے پیغمبر ﷺ کا حکم آگیا ہے، اب چاہے تو نابینا ہے، تو نے مسجد میں آنا ہے۔ یہ قرآن کریم اصل میں اطاعت کی بات کر رہا ہے۔ اب اس نابینہ صحابی نے کیا کیا کہ ادھر اپنے دروازے کیساتھ رسّی باندھی اور ادھر مسجد کیساتھ رسّی باندھی۔ عذر پیش نہیں کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نابینا ہوں، میں کیسے آؤں۔ چونکہ نبی پاک ﷺ نے حکم دے دیا ہے تو آنے کا اہتمام کیا ہے، عذر پیش نہیں کیا۔ اگر آپ اس بات کو سمجھ سکیں کہ جب غزوۂ تبوک کے موقع پہ میرے پیغمبر ﷺ نے کہہ دیا تھا کہ نکلو تو اب کوئی سستی کی گنجائش نہیں۔ اب یہ نہیں ہے

[1] سورۃالتوبۃ:118

[2] سنن ابی داؤد:552

کہ ہمارے پھل پکے ہوئے ہیں تو ہم کیا کریں۔ ہماری سال کی معیشت تباہ ہو جائیگی، ہم بھوکے مر جائینگے۔ بڑے عذر تھے۔

غزوۃ احد کا ایک بڑا عجیب واقعہ، بڑا ہی عجیب واقعہ کہ جب ایک صحابی کو کہا کہ بازار میں آواز لگاؤ کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ غزوہ احد کیلئے بلا رہے ہیں تو جلدی جلدی لوگ، ان میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا بھی بڑا واقعہ ہے، تو آپکو پتہ ہے کہ غزوہ احد میں 70 شہید ہوئے، کافی نقصان ہوا، نبی پاک ﷺ بھی زخمی ہوئے، تو جب صحابہ dead bodies اکٹھی کر رہے تھے تو دیکھا کہ ایک dead body پہ پانی تھا۔ تو پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کہ یہ جو ہمارا بھائی ہے اس پہ پانی کہاں سے آگیا، ذرا دیکھئے کہ پیغمبر کا حکم کس درجے پہ ماننا ہے۔ تو میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نے میرا حکم بازار میں دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ بلا رہے ہیں تو اس وقت یہ اپنی بیوی کے پاس حالتِ جنابت میں تھا، اس نے غسل نہیں کیا تھا اور میرے حکم پہ لبیک کہا تھا، اب فرشتے اسے غسل دے رہے ہیں[1]۔ اس نے یہ بھی نہیں کہا کہ میں غسل کر لوں اور پھر نبی کا حکم مانوں۔

اس دن میں نے یہ بات کہی تھی کہ کفار ہم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم نے نبی پاک ﷺ کو اپنا رہبر اور رہنما مانا ہی نہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں مسلمان کہ ہم نبی پاک ﷺ کو مانتے ہیں۔ آج کے کفار یہ بات نہیں مانتے، جب بھی عیسائیوں، یہودیوں سے بات ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ آج کے دور کا جو مسلمان ہے اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مانا ہی نہیں۔ اور یہ بات کہتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی نبی پاک ﷺ کو اپنا رہبر مانے اور وہ ناکام ہو جائے۔ یہ ہو سکتا ہے؟ نہیں، یہ ممکن نہیں کہ کوئی انفرادی سطح پر یا اجتماعی سطح پر نبی پاک ﷺ کو اپنا رہنما مانے اور وہ ناکام ہو جائے۔ تو قرآن کریم آپکو یہاں لا کر کھڑا کر رہا ہے کہ آپ صاحبِ ایمان بھی ہیں لیکن پیغمبر کا حکم ماننے میں سستی کی اور اس سستی کے بعد توبہ فوری کی یا تاخیر کی تو اسکے عذاب میں بھی فرق ہے۔

میں حیران ہوتا ہوں کہ جب میرے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے تو پہلا جملہ یہ کہا کرتے تھے کہ مولا کریم میں اپنی سستی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ کاہلی، سستی، یہی بے ادبی کی طرف لیکر جاتی ہیں۔ بے ادبی کیطرف پہلا قدم یہی ہوتا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے بھی اسکی مثال دی کہ سورج ڈھلنا شروع کر دیتا ہے اور

[1] سلسلہ احادیث صحیحہ: 3426

بندہ کہتا ہے کہ کوئی نہیں ابھی بڑا وقت ہے، پڑھ لیتا ہوں نماز، ابھی بہت ٹائم ہے اور پھر جب سورج غروب ہونے لگتا ہے تو مرغے کیطرح آکر چند ٹھونگے مارتا اور کہتا ہے کہ میں نے سجدے کر لیے۔ یہ مثال دی نبی پاک ﷺ نے۔ اور اس دن کا جملہ اگر آپکو یاد ہو کہ توبہ کیا ہے کہ جب اللہ رسول کی نافرمانی ہو جائے تو اپنے جسم سے بھی نفرت کہ میرے جسم نے اللہ رسول کی نافرمانی کی ہے۔ دل میں وہ تڑپ پیدا ہو کہ میں اللہ اور رسول کا نافرمان ہوں۔

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تھا، آپ نے فرمایا کہ اتنا سخت سفر ہم نے زندگی بھر نہیں کیا، جتنا سخت سفر ہم نے غزوہ تبوک کے موقع پر کیا۔ نہ سواریاں تھیں، نہ زادِ راہ تھا، نہ پانی تھا۔ غزوہ بدر میں کیا تھا کہ تین بندوں کیلئے ایک سواری تھی؛ غزوہ تبوک میں یہ تھا کہ دس بندوں کیلئے ایک سواری تھی۔ اللہ یہ کہہ رہا ہے کہ اس حالت میں بھی تم نے نبی سے پیچھے نہیں ہٹنا۔ یہ دو رکوع ہم اس لیے سیکھ رہے ہیں۔ اب ایک اونٹ ہے اور دس بندے ہیں، کتنا پیدل چلنا پڑتا اور کتنا سواری کو استعمال کیا جاتا ہو گا اور کچھ رستے میں ذبح بھی ہو رہے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اونٹ کو ذبح کر کے اسکے اوجھڑی میں جو پانی ہوتا وہ استعمال کرتے۔ ایک وقت وہ آگیا کہ پیاس کے ساتھ ہماری گردنیں لٹک گئیں۔ یہ نہیں ہے کہ پیٹ بھر کے کھانا کھا کے ہی لبیک یارسول اللہ کہنا، قرآن کہہ رہا ہے کہ اس حالت میں بھی تم نبی کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ ایک کھجور کے دو حصے کیے جاتے، چوبیس گھنٹے کے بعد آدھی آدھی کھجور مجاہدین کو ملتی۔ اتنا سخت سفر کبھی نہیں ہوا جتنا غزوہ تبوک کے موقعہ پر ہوا اور شدید گرمی تھی۔ اور پھر آخر میں سرکار عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ایک وہ وقت بھی آگیا کہ آدھی کھجور بھی ختم ہو گئی۔ اب حکم ہوا کہ یہ جو گٹھلی ہے نا کھجور کی اسکو چوس لو اور اوپر سے پانی پی لو۔ اور وہ دس کا گروہ ایک گٹھلی کو باری باری چوستے اور پانی پیتے تھے اور پھر بھی اللہ کے نبی کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس حالت میں بھی تم نافرمانی نہیں کر سکتے کہ ہم کیا کریں۔ اب وہ آیت ذہن میں ہے کہ اللہ نے تمہاری جانیں بھی خرید لیں ہیں اور تمہارے مال بھی خرید لیے ہیں۔ اس جان کو بچا کے اب تم جا نہیں سکتے، یہ جان تو ہے ہی میرے نبی کی۔ ایک بڑھیا سوال، کسی نے پوچھا سرکار عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے، اس نے کہا کہ کیا گٹھلی چوسنے سے بھی کوئی غذائیت مل جاتی ہے؟ ایک گٹھلی سے کیا غذائیت اور پھر ایک گٹھلی کو دس بندوں نے چوسنا۔ بڑھیا جواب، کل میں یہ روایت پڑھ رہا تھا میں تفسیر تبیان القرآن سے، آپ نے فرمایا کہ ہاں تیری بات ٹھیک ہے لیکن تو یہ بھول گیا کہ حکم نبی کا تھا۔ حکم کس ہستی کا تھا، جب حضور فرمائیں کہ گٹھلی چوس لو تو اس سے غذائیت ہی ملتی ہے۔ پھر اپنی عقل کو استعمال نہ کر کہ گٹھلی سے بھی کوئی غذائیت ملتی ہے،

نہیں، پیچھے حکم دیکھ کہ کس ہستی کا ہے۔ اب آج کے مسلمان کہیں کہ دیکھو جی وہ دور تو اور تھا، آج کے کاروبار کے طریقے تو اور ہیں؛ اب تو جھوٹ اور فراڈ سے ہی کاروبار چلتا ہے۔ اعتبار ہی نہیں ہے اپنے پیغمبر ﷺ پہ۔ پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ ہم ساتھ تو ہیں لیکن پیدل چلنے کی ہمت نہیں رہی، گردنیں لٹک گئیں، میری سرکار نے فرمایا کہ جس جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آؤ۔ گھٹلیاں ہی زیادہ تھیں وہ لے آئے، ایک دو کے پاس کھجوریں تھیں وہ لے آئے اور اونٹ کی اوجھڑی سے جو پانی نچوڑا جاتا ہے وہ لے آئے۔ اب میرے پاک پیغمبر ﷺ کے ہاتھ اٹھے اور اللہ نے بارش نازل کی۔ اب ہمارے پاس اتنا زادِ راہ تھا اللہ نے اس میں اتنا اضافہ کیا کہ اب پورے سفر میں ہمیں ضرورت ہی نہ پڑی۔ ہم نے اپنے برتن بھی بھرے، ہمارے جانوروں نے بھی پانی پیا لیکن یہ ساری سہولت ملی اس آزمائش کے بعد۔

میں جب چھوٹا ہوتا تھا تو ماں جی ایک شعر سنایا کرتی تھیں لیکن اس کی اس وقت سمجھ نہیں آتی تھی۔ یہ پکی، دوسری میں جب میں سکول جایا کرتا تھا تو میری ماں اکثر یہ شعر پڑھتی تھیں۔ مجھے یہ آج تک بھولا نہیں تو جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتیں تو آبدیدہ ہو جاتیں اور پنجابی میں شعر پڑھتیں،

کوزہ مٹی دا غرض مندلین والا، نال ہتھی کھڑکا کے ویکھدا اے

غازی کچا تے نئیں بلال حبشی، میرا نبی آزما کے ویکھدا اے

یہ مت کہنا کہ ہم زبان سے ایمان لے آئے اور اللہ اسی بات پہ چھوڑ دے گا تمہیں، نہیں، اللہ تعالیٰ لائن لگائے گا کہ کون زبان سے میرے نبی کو مانتا تھا اور کون دل سے میرے نبی کو مانتا تھا۔ ہم اس کیفیت سے تمہیں گزاریں گے۔ وبشر الصابرین، اور پھر جب اللہ رسول کی رضا کیلئے کوئی اس صبر میں سے گزر جائے۔ یقین جانیے ابھی تو میں نے وہ روایت آپ کو سنائی نہیں، میرے سے پڑھی نہیں جا رہی تھی جب میں تفسیر کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اتنی شدت میں بھی جب لڑ کھڑا رہے تھے تو کہہ رہے تھے کہ مولا جیسے بھی ہیں ہماری جانیں تیرے نبی کیلئے حاضر ہیں۔ ہمارے مال تیرے پیغمبر ﷺ کیلئے حاضر ہیں۔ فرمایا کہ یہ کیفیتیں دو جگہ پہ ہم نے دیکھیں؛ ایک یہ غزوہ تبوک کے موقع پہ دیکھیں کہ نبی پاک ﷺ نے دعائے رحمت فرمائی اور پانی میں بھی اضافہ ہو گیا، رزق میں بھی اضافہ ہو گیا اور پھر پورے سفر میں ہمیں ضرورت ہی نہ پڑی اور یہ معجزہ تو صحابہ فخر سے بیان کرتے تھے کہ پیغمبر فرما دیں کہ گھٹلی

چوس لو تو اللہ اس سے بھی سکون عطا کر دیتا ہے۔ یہ ہم نے سیکھا تھا ناں اس آیت میں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ یہ پچھلے جمعہ ہم نے سیکھا تھا کہ محبوب ان کیلئے دعا کر وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ آپ دعا کرینگے، ان کے دل کو سکون ملے گا۔ آپکی دعا سے انکو اطمینانِ قلب نصیب ہو گا۔ لیکن یہ کیفیت لانا بھی تو مشکل کام ہے، ظاہر اًتو شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ کھجور کی گھٹلی سے کیا ملنا۔ آجکل یہ ہم کہیں ناں کہ میلاد شریف کی محفل ہے یا سیرت النبی کی محفل ہے تو دھیان اللہ رسول کی طرف نہیں جاتا بلکہ روٹی کیطرف جاتا ہے۔ گیارھویں ہے تو چاول کھائیں گے میلاد ہے تو لنگر کھائیں گے۔ صحابہ کرام جب ذکر کرتے تھے تو انکا دھیان اللہ رسول کیطرف جاتا تھا۔ میلاد کی محفل کرینگے تو ہمارے دل اللہ رسول کی یاد سے معطر ہونگے۔ اب تو قوم کا دھیان ہی کھانے پینے کی طرف ہو گیا۔

دوسرا غزوہ خندق کے موقع پہ جب صحابہ نے پتھر باندھے ہوئے تھے پیٹ پہ۔ اس وقت بھی آدھی کھجور ملتی تھی چوبیس گھنٹے بعد اور یہ نہیں تھا کہ آدھی کھجور کھا کے بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی چٹانیں تھیں جنکو توڑتے تھے؛ آدھی کھجور کھا کے سارا دن چٹانیں توڑتے تھے۔ ایک چٹان جب نہیں ٹوٹتی تو نبی پاک ﷺ سے جب کہا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ چٹان نہیں ٹوٹتی تو سرکار نے ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ٹوٹ گئی اور اس میں سے جو روشنی نکلی تو سرکار نے فرمایا کہ میں نے یمن کو دیکھ لیا۔ دوسری دفعہ پھر دمشق کا ذکر کیا اور پھر کسی اور شہر کا[1]۔ صحابہ فرماتے تھے کہ جس جس شہر کا حضور نے ذکر کیا وہ اللہ نے فتح کر دیا۔ آدھی کھجور کھا کے سارا دن محنت کرتے تھے، کدال مارتے تھے۔ اب دنیا کی کوئی سائنس کہتی ہے کہ آدھی کھجور سے وہ انرجی مل سکتی ہے کہ انسان سارا دن کدال مارے، چٹانیں توڑے اور چوبیس گھنٹے کے بعد آدھی کھجور ملے اور حالت یہ ہے کہ اپنی کمر سیدھی کرنے کیلئے پیٹ پہ پتھر باندھے۔ بھائی پیٹ پہ پتھر باندھنے کا مقصد یہ ہے کہ انکی کمر جھک گئی تھی بھوک کیوجہ سے؛ اب اپنی کمر سیدھی رکھنے کیلئے پیٹ پہ پتھر باندھا ہوا ہے اور یقین اس بات پہ ہے کہ اگر پیغمبر نے دعا کر دی تو آدھی کھجور ہی کافی ہے۔

حدیبیہ کے مقام پہ بھی 1500 صحابہ تھے اور پانی ختم ہو گیا تو وہ منظر بھی بڑا عجیب تھا۔ غزوہ تبوک پہ تو حضرت ابو بکر سے سفارش کروائی گئی اور نبی پاک ﷺ کی دعا پہ بارش نازل ہوئی لیکن یہاں پہ بارش نازل نہیں

[1] مسند احمد:18694

ہوئی۔ یہاں پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مشکیزے نچوڑ لو ایک برتن میں، جو بھی چند قطرے ہیں۔ پھر اس میں حضور نے اپنا دستِ مبارک رکھا۔ تو جب نبی پاک ﷺ نے اس برتن میں اپنا دستِ مبارک رکھا تو پانچوں انگلیوں سے چشمے جاری ہو گئے [1]۔ یہ فرق ہے ہمارے نبی پاک ﷺ کا اور موسیٰ علیہ السلام کا، یہ پہلے پارے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا [2] موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پہ اپنا عصا مارا تو بارہ چشمے پھوٹ پڑے، بارہ ہی قبیلے تھے۔ یہاں بھی بڑی عجیب بات ہے کہ اس پتھر کو وہ قوم جہاں بھی جاتی تھی ساتھ لیکر جاتی تھی۔ وہ پتھر صحرائے سینا میں بھی اس قوم کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ پیغمبر نے چھڑی ماری ہے ناں، اب جہاں جی چاہیں اس سے استفادہ کر لیں۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے، بس یہ قرآن کریم کا جملہ کہ بارہ چشمے اور ہر قبیلے کو اپنا اپنا گھاٹ عطا کر دیا گیا کہ یہاں سے پانی پیو۔ یہاں مفسرین کرام نے یہ لکھا ہے کہ یہ بہت بڑا معجزہ ہے، بھائی قرآن نے بیان کیا ہے کہ یہ بہت بڑا معجزہ ہے کہ پتھر پہ چھڑی مارنا اور وہاں سے چشمے پھوٹ پڑنا۔ لیکن پھر بھی یہ فطری معجزہ ہے کیونکہ پتھروں سے چشمے پھوٹا ہی کرتے ہیں۔ لیکن جب نبی پاک ﷺ نے پانی دیا تو اپنی انگلیوں سے عطا کیا۔ معجزہ بھی ہے اور موسیٰ علیہ السلام سے بڑا معجزہ ہے، کیونکہ انگلیوں سے چشمے نہیں پھوٹتے۔ یہ تمہارے نبی کی شان ہے کہ موسیٰ اگر چشمے دیتے تھے تو پتھروں سے دیتے تھے اور ہمارے نبی انگلیوں سے دیتے ہیں۔

آگے جو بات سیکھی تھی ہم نے بات خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ کہ جس مال کیوجہ سے سستی ہوئی ناں کہ کھجوریں پکی ہوئی ہیں۔ پورے سال کی معیشت ہے۔؛ ہم تو برباد ہو جائینگے۔ تو یہ مال کی وجہ سے سستی ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا کہ اب انکے ان سے مال لیں اور انکو پاک کر دیں۔ انکا تزکیہ کریں۔ پہلے تو نبی پاک ﷺ نے انکار کر دیا تھا لیکن پھر اللہ نے حکم کر دیا کہ انکا مال لیں، انکا مال پاک کر دیں اور ساتھ ہی ان کیلئے دعا کریں۔ آج یہ جو کہتے ہیں نا کہ ڈائریکٹ اللہ سے ہی مانگ لو۔ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان سے کہو کہ یہ اللہ سے دعا کر لیں، کہا محبوب آپ ان کیلئے دعا کریں۔ اس پہ بہت سی آیات ہیں، اب وقت ہو گیا ہے، اگر کسی کی یہ سمجھ میں یہ بات آجائے، آپ ان کیلئے دعا کریں، آپ ان کیلئے استغفار کریں، آپ کہیں کہ مولا انکو معاف کر دو۔ اس لیے ہم جب کہتے ہیں ناں "اللهم بحق محمدانت مغفرا" اے اللہ اپنے اس محبوب کے صدقے ہمیں معاف فرمادے جس

---

[1] صحیح البخاری:3576

[2] سورۃ البقرۃ:60

کے استغفار کو تو قبول فرماتا ہے، جسکی دعاؤں کو تو قبول فرماتا ہے۔ یہی حالیؔ نے کہا تھا جب استغاثہ قوم کا لکھا تھا، حالیؔ بہت روئے تھے 1857 کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا حال دیکھ کر، اس وقت یہ بات کہی تھی،

وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا حرم سے
پردیس میں آج وہ غریب الغرباء ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
اک تیری دعا ہے کہ مقبولِ خدا ہے

اے خاصہ ءِ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے
اُمت پہ تِری آکے عجب وقت پڑا ہے

جس دین نے دل آکے تھے غیروں کے ملائے
اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جُدا ہے

یہ سیکھا ہے ہم نے، پاک پیغمبر ﷺ نے تو غیروں کو محبت کا درس دیا تھا تو آج بھائی بھائی سے لڑ رہا ہے۔ یہ بات میں اکثر آپ سے کہتا ہوں کہ ہم نے ساری زندگی لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ وہابیوں کو ہرانا ہے، دیوبندیوں کو ہرانا ہے، شیعوں کو ہرانا ہے، اپنے کلمہ پڑھنے والوں کو شکست دینی ہے۔ جلسے ہورہے ہیں، فلاں مولوی بلایا تھا تو اس نے جی تہس نہس کر دیا ہے، اپنا کلمہ پڑھنے والوں کیساتھ لڑینگے، حضور کے غلاموں کیساتھ لڑینگے۔ نہیں، کبھی سوچیں کے ہندو ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہیں، عیسائی ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہیں یہودی ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہیں، کفار ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہیں، کبھی اپنی مسجدں سے یہ بھی پیغام دیں۔ تو یہ بات یاد رکھیں کہ جب نبی پاک ﷺ کا حکم آجائے تو کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا چاہے وہ اپاہج ہو، نابینا ہو، جنابت کی حالت میں ہے، بس وہ دوڑ لگادے کہ میرے نبی کا حکم ہے اور اگر کبھی سستی ہو جائے تو واپس آنے میں دیر نہیں کرنی۔ یہ اس آیت کا اصل تھا کہ حضور کی بارگاہ میں آنے میں دیر نہیں کرنی، غلطی ہو جائے تو فوری طور پہ میرے پیغمبر ﷺ کے پاس واپس آجاؤ۔فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ اللہ سے بخشش مانگو،وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ دیکھیئے قرآن کے جملے، حضور کی بارگاہ میں آکر اللہ سے بخشش مانگو، استغفار کرو وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ اور پھر اللہ کا رسول تمہارے لیے استغفار کرے، حضور کہیں

کہ یااللہ اسکو معاف کردے لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا[1] تو پھر اللہ کو آپ توبہ کرنیوالا بھی پاؤ گے اور رحم کرنیوالا بھی پاؤ گے۔ کبھی بھی توبہ کرنے کیلیے دیر نہیں کرنی، واپس آنے کیلئے دیر نہیں کرنی۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

[1] سورۃ النساء:64

7۔ تائب کون ہوتا ہے؟

قرآن: اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ-وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورة التوبہ: 112)

ترجمہ: توبہ والے، عبادت والے، سراہنے والے، روزے والے، رکوع والے، سجدہ والے، بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگاہ میں رکھنے والے اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو۔

خاکہ:

1) اللہ کے بندوں کی نشانیاں۔
2) گناہ کے بعد مذموم ہونا
3) مصمم ارادہ کرنا اور حق لوٹانا
4) اللہ کی رضا کیلئے توبہ کرنا
5) کفارہ اور سزا میں فرق

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

آگے یہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کی جو اپنا مال اور جان اللہ کی راہ میں بیچ دیتے ہیں۔ یہ جو لوگ اللہ کیساتھ سودا کر لیتے ہیں، اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں بیچ دیتے ہیں، ان سے اگر غلطی ہو جائے تو فوراً رجوع کر لیتے ہیں۔ پہلی نشانی اللہ نے یہ بیان کی۔ عابدون، اللہ کی بندگی کرنے والے ہوتے ہیں۔ حامدون، اللہ کا شکر ادا کرنیوالے ہوتے ہیں۔ سائحون، اسکا مفسرین نے صائمون لکھا ہے، اللہ کی خاطر سب کچھ چھوڑ دینے والے، جیسے روزہ رکھنے والا اللہ کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ راکعون، اللہ کی بارگاہ میں جھکنے والے ہوتے ہیں، ساجدون، سجدہ کرنیوالے، اُمرون بالمعروف، نیکی کا حکم کرنیوالے، وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، اور برائیوں کے سامنے ڈٹ جانیوالے ہوتے ہیں۔ والحافظون لحدود اللہ، اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنیوالے ہوتے ہیں، اللہ کی حدوں کو توڑنے والے نہیں ہوتے، اور پھر میرے اللہ نے میرے پاک پیغمبر ؐ کو فرمایا کہ نفس اور مال انہوں نے اللہ کو بیچ دیا اور یہ خوبیاں ان میں پیدا ہو گئیں۔ و بشر المومنین، اب ان ایمان والوں کیلئے بس خوشخبری ہے۔

پہلی نشانی، پہلے بھی اکثر میں آپ سے کہتا رہتا ہوں کہ خطا یا گناہ اتنا بڑا جُرم نہیں ہوتا ہے۔ ابن آدم سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں، بھول کر بھی ہو جاتی ہیں، نسیان کی وجہ سے ہو جاتی ہے اور کبھی جان بوجھ کر بھی کر لیتا ہے، نفس غالب آجاتا ہے، کبھی کسی بُری محفل میں بیٹھ جاتا ہے، کبھی شیطانی وسوسے میں آکر کر لیتا ہے۔ لیکن سب سے جو بڑا گناہ ہے وہ اس غلطی پہ ڈٹ جانا ہے۔ جھوٹ بولے اور اس پہ اڑ جائے، بددیانتی کرے اور اس پہ اڑ جائے۔ تو میرے اللہ نے فرمایا کہ ایمان والا ایسا نہیں کرتا، اس سے غلطی ہو جائے تو پلٹ کہ اللہ رسول ﷺ کی طرف آجاتا ہے۔ تائبون کو آپ یوں سمجھئے کہ اللہ کی نافرمانی کی جو حالت ہوتی ہے اسکو مذموم کہتے ہیں، مذمت والی حالت اور جو اطاعت اور فرمانبرداری والی حالت ہوتی ہے اُسے حالتِ محمود کہتے ہیں، تعریف والی حالت۔ تو جب آپ کوئی گناہ کرتے ہیں تو آپ حالتِ مذموم میں آجاتے ہیں۔ اور جونہی آپ اپنا رُخ اللہ، رسول ﷺ کی طرف کرتے ہیں تو حالتِ محمود میں آجاتے ہیں۔ اور اسکی چار کیفیات لکھی گئی ہیں۔ یہ کیفیات بھائی صرف ایمان والوں کیلئے ہیں۔ پہلی

کیفیت جو لکھی گئی اٹھائیسویں پارے میں تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا[1]، انسان نادم ہوتا ہے، یعنی غلطی ہو گئی تو انسان پہ فوری شرمندگی چھا جاتی ہے۔ توبہ، توبہ کہنا؟ نہیں اسکو شرمندگی نہیں کہا گیا۔ اسکا دل جلتا ہے اور اتنا جلتا ہے کہ اپنے آپ سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے کہ میرے جسم نے اللہ کی نافرمانی کی۔ میری زبان سے اللہ کی نافرمانی ہو گئی۔ میری آنکھوں نے اللہ کی نافرمانی کی۔ یہ ہے وہ کیفیت کہ اسکا دل بے چین ہو جائے اور وہ اپنے آپ سے نفرت کرنے لگ جائے کہ میرے جسم نے اللہ کی نافرمانی کی۔ یہ کیفیت جب آجائے تو انکو اللہ تائبون کہتا ہے۔ مثلاً کبھی آپ صبح سوئے رہے اور نماز رہ گئی، سورج چڑھ گیا، تو اُٹھ کے کیا یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اپنے آپ سے نفرت ہونے لگ جائے کہ اللہ کی نافرمانی کی کہ یا پھر خیر صلا اٹھے ہی دیر سے تھے؟ میں اپنے گھر کی مثال دینے لگا ہوں، میرے بچے بھی سکول جاتے ہیں تو جس دن کوئی بچہ صبح کی نماز کیلئے نہیں اٹھتا تو وہ سکول نہیں جاسکتا، یہ میں نے گھر سختی سے کہا ہوا ہے۔ اگر آپ اللہ کے ہاں کھڑے ہونے کیلئے نہیں اٹھ سکتے تو پھر دنیا کی تعلیم کیلئے بھی نہیں جاسکتے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ کسی بندے کی نماز رہ جائے اور اس بندے پہ بے چینی کی کیفت ہی نہ طاری ہو، اسکا دل ہی نہ جلے؟ کسی کی غیبت کی، کسی کے متعلق بدگمانی کی، کسی کے متعلق بُرا سوچا اور دل میں یہ کیفیت ہی نہ پیدا ہوئی؟ اور اپنے آپ سے نفرت ہی پیدا نہ ہوئی کہ یہ جسم اللہ کی نافرمانی میں چلا گیا۔ یہ سوچ اور فکر اللہ کی نافرمانی میں چلا گئی۔ تو تائب کی پہلی حالت قرآن یہ بیان کرتا ہے کہ وہ اپنے وجود سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے، اسکو اپنا وجود اچھا نہیں لگتا۔ پچھلی آیت ذہن میں رہے کہ اس نے اپنی جان اور مال اللہ کے سامنے بیچ دیا تو پھر یہ نافرمانی والی کیفیت کیوں آئی۔ تو یہ نہیں ہے کہ آپ نافرمانی بھی کریں اور پھر زبانی زبانی توبہ اور استغفار۔ یہ بھی بدمعاشی ہے۔ اس کیفیت کا آنا کہ یہ جسم آج قابلِ نفرت ہے جس سے اللہ کی نافرمانی ہوئی ہے۔ یہ جسم اس قابل نہیں ہے کہ اس کے ساتھ پیار سے پیش آیا جائے۔

توجب معصیت پہ آپ اپنے جسم سے اتنی نفرت کرینگے تو پھر گناہ کو کیسے قبول کر سکتے ہیں؟ اللہ کی نافرمانی کو کیسے قبول کر سکتے ہیں؟ یہ ہاتھ ظلم کیلئے اٹھے تو اپنے ہاتھ سے نفرت شروع ہو جائے۔ کیسے ممکن ہے یہ؟ توجب یہ کیفیت آتی ہے تو دوسری حالت یہ ہوتی ہے کہ بندہ پھر صدقِ دل سے اللہ سے وعدہ کرتا ہے کہ آئندہ وہ یہ غلطی نہیں کریگا کہ مجھے اپنے آپ سے ہی نفرت ہو جائے۔ اسکو مصمم ارادہ کہتے ہیں۔ عزم کہ مولا کریم اب یہ نافرمانی مجھ

---

[1] سورۃ التحریم:8

سے نہیں ہوگی۔ اب میں کبھی ملاوٹ نہیں کرونگا، اب میں جھوٹ نہیں بولونگا، اب میں رشوت نہیں لونگا۔ یہ ہم تائب کو سمجھ رہے ہیں۔ تائب کون ہوتا ہے؟ رجوع کرنیوالا، رخ دوسری طرف ہوگیا تھا تو اللہ، رسول کیطرف رُخ کرنیوالا۔ اب بھائی ان دونوں باتوں سے بھی تائب نہیں بنے گا۔ یہ اہم بات ہے اب۔ پہلے تو انتہائی شرمندگی کہ اپنے آپ سے نفرت، دوسرا عزم کرنا کہ مولا کریم آئندہ میں ایسا نہیں کرونگا۔ اب جو ہوا ہے اسکی تلافی کرنا۔ یہ ہے اصل بات۔ مثلاً نماز رہ گئی تھی۔ یہ میں نے اس دن بھی کہا تھا کہ جو نماز رہ گئی تھی وہ اب آپ نہیں پڑھ سکتے۔ یہ تو جب آپ روئے ہیں اسکی بارگاہ میں تو اس نے کہا ہے کہ قضا کے طور پہ یہ سجدے کرلو۔ اب اسکی تلافی، یہ نہیں ہے کہ بس روئے دھوئے تو بس ٹھیک ہے، نہیں، اب اسکو قضا ادا کر۔ کسی کا حق مارا ہے تو اسکا حق اسکو واپس کر یا اس سے معاف کروا۔ یہ بھی آج کل بڑا ٹرینڈ ہے کہ ساری زندگی رشوت لیتے رہے تو اب اس نے جی توبہ کرلی ہے، بھائی قرآن اسکو توبہ نہیں کہتا۔ قرآن کہتا ہے کہ جب تک حق دار کا حق واپس نہ ہو یا اس سے معاف نہ کروایا جائے، توبہ نہیں ہے۔ اگر کسی کی چغلی کھائی تھی اور وہ بندہ دنیا سے چلا گیا ہے، تو اس سے معاف نہیں کرواسکا تو اب اسکی طرف سے استغفار کیا کر۔ استغفار کر، اسکی طرف سے۔ جب تک آپ حق تلفی کی تلافی نہیں کرتے تب تک آپ تائب نہیں ہوسکتے۔

اور چوتھا درجہ جو اسکا لکھا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سارے کام تو نے اللہ کی رضا کیلئے کرنے ہیں۔ توبہ اللہ کو راضی کرنے کیلئے کرنی ہے۔ ایک ہی قرآن کریم نے واقعہ لکھا ہے کہ اللہ کا عذاب آیا اور ٹل گیا، وہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر۔ باقی کسی نبی کی قوم پہ جب عذاب آیا ہے تو ٹلا نہیں ہے۔ ٹلنے کی دو وجوہات تھیں، ایک تو حضرت یونس علیہ السلام چلے گئے اور وہ مچھلی والا واقعہ پیش آیا، وہ جو آیت کریمہ آپ پڑھتے ہیں، اور دوسرا یہ کہ جب عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو قوم نے رونا دھونا شروع کردیا۔ وہ بھی سترھویں پارے میں کسی دن ہم تفصیل سے دیکھیں گے۔ اگر کسی شخص نے اپنی دیوار کے اندر کسی کا ناحق پتھر لگایا ہوا تھا تو اس نے اپنی دیوار گرا کر وہ پتھر واپس کیا۔ ایک پتھر کسی کا ناحق اپنی دیوار میں لگایا ہوا تھا تو دیوار گرا کے وہ پتھر نکال کر واپس کیا، یہ توبہ کا عالم تھا انکا۔ تو یہ جو ہمیں بتایا جارہا ہے ناں کہ بس استغفار پڑھنے سے کام چل جائے گا، نہیں، پہلے تو شدت کی شرمندگی ہو اور اسکے بعد عزم ہو کہ آئندہ ایسا نہ ہو، اسکے بعد جو حق ہے وہ واپس کرو۔

اسلیے میں جب کسی ختم پہ جاتا ہوں ناں تو کہتا ہوں کہ دیگیں پکانے کی بجائے اگر آپ کے باپ کے ذمہ کوئی زکوۃ ہے تو وہ ادا کرو، اگر اسکی کوئی نماز رہتی ہے تو وہ اس کی طرف سے ادا کرو۔ وہ اللہ کا حق رہ گیا اسکے ذمے۔ اگر اسکا کوئی روزہ رہ گیا تو اسکا فدیہ دیں۔ اسکے حق پورے کریں۔ اگر حج اسکے اوپر واجب تھا، صاحبِ اسطاعت تھا تو اسکی طرف سے حج کریں۔ اس نے کسی کا حق مارا ہے چاہیے تو یہ تھا کہ اسکا حق واپس کریں۔ یہ سو دیگیں پکانے سے اس کی جان نہیں چھوٹے گی۔ اس پہ تو ہمارے فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ عصر کے وقت ایک بندہ فوت ہو گیا اور اتنا وقت تھا کہ ایک رکعت نماز ادا ہو سکتی تھی اور اس بندے کی عصر کی نماز رہ گئی اور اسکی وفات ہو گئی۔ اب حکم یہ ہے کہ اس کے بچے سب سے پہلا کام یہ کریں کہ اسکی طرف سے وہ نماز ادا کریں۔ یہ ہے اصل کام اولاد کا کرنے والا۔ جو حقوق ہیں وہ ادا کریں۔ جب تک آپ حق واپس نہیں کرتے، آپ تائب نہیں ہیں۔ اس پہ پھر پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی ایسے تائب ہوتا ہے تو پھر ایسے ہی ہے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں [1]۔ اگر یہ کیفیتیں آجائیں ناں تو پھر یہ گارنٹی پاک پیغمبر ﷺ نے دی۔ پھر اسکو یہ طعنہ نہیں دینا کہ دیکھا ہے تمہیں بڑے حاجی بنتے پھر رہے ہو۔ اور یہ اتنا سخت حکم ہے کہ ایک بندہ ان کیفیات میں سے گزر کر تائب ہو گیا، مثلاً کہ ایک بندہ شراب ہی پیتا تھا تو شرمندہ ہوا کہ میں اللہ کی نافرمانی کرتا تھا، رویا دھویا، اللہ سے وعدہ کیا کہ مولا آئندہ یہ کام نہیں کرونگا۔ تو اب اگر کسی نے اس کے پچھلے گناہ کا اس کو طعنہ دیا جس پہ اس نے توبہ کر لی ہے تو پاک پیغمبر ﷺ حالانکہ رحمت اللعالمین ہیں فرمایا کہ جب تک وہ اس گناہ میں مبتلا نہیں ہو گا اسکو موت نہیں آئیگی۔ اس لیے اس بات سے بھی ڈرا کریں کہ کسی تائب کو اسکو پچھلے گناہ کا طعنہ نہیں دینا۔

جہاں قسم کا کفارہ ہے ناں، کفارہ کہاں ہوتا ہے؟ میں صرف تائب کی تشریح آپ تک پہنچا دوں۔ اگر آپ نے قسم اٹھائی اور اس قسم سے کسی بندے کو نقصان پہنچا، آپ نے جھوٹی قسم اٹھائی کہ اس نے چوری کی ہے اور وہ چور نہیں تھا اور اسکی سزا ہو گئی، آپ نے جھوٹی قسم کھالی کہ اس نے بدکاری کی ہے، قتل کیا ہے، بات تو یہ ہے کہ کفارہ تو جھوٹی قسم پہ ہے ناں، تو وہ کفارہ صرف اس قسم پہ ہوتا ہے جس سے کسی بندے کو نقصان نہ پہنچے اور صرف اللہ سے بدعہدی ہو۔ اگر اس قسم سے کسی بندے کو نقصان پہنچا تو اس قسم کا کوئی کفارہ نہیں بلکہ سزا ہے۔ یہ چیز ذہن میں رکھیں۔ مثلاً آپ نے ایک پاک دامن عورت پہ تہمت لگا دی، اس کی عزت کو نقصان تو پہنچ گیا، اب یہ نہیں ہے

[1] سنن ابن ماجہ:4250

کہ آپ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دو اور کپڑے دے دو۔ قرآن کہتا ہے کہ نہیں، اسکو اسّی کوڑے لگاؤ۔ تو یہ ہے حق کو واپس کرنا، جو میں نے تیسری شرط بتائی کہ رونا دھونا اور عزم کرنے کے بعد حقوق واپس کرے اور یہ سارے کام اللہ کی رضا کیلئے کرے۔ اللہ کو راضی کرنے کیلئے کرے۔ یہ اللہ نے پہلی نشانی بیان کی ہے وہ جو اللہ کی راہ میں مال اور جان کا سودا کر لیتے ہیں۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

8۔ اسلام میں عقیدہ عبدیت

قرآن: وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ؔ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۔ وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (سورة التوبہ:103-101)

ترجمہ: " اور تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں اور کچھ مدینہ والے ان کی خو(عادت)ہو گئی ہے نفاق تم انہیں نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں جلد ہم انہیں دوبارہ عذاب کریں گے پھر بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔ اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مُقِر(اقراری)ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا بُرا قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل(وصول)کرو جس سے تم انھیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

خاکہ:

1) عبدیت کسے کہتے ہیں؟
2) نظریہ کیا ہوتا ہے؟
3) جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے
4) جو کرتا ہے بندہ کرتا ہے
5) اللہ نے نظام اپنے بندوں کے سپرد کر دیا
6) طاقت اللہ عطا کرتا ہے اور اختیار بندے کو دیتا ہے
7) عبد کون ہوتے ہیں؟
8) جبریہ نظریہ اور اسکی مثالیں
9) نیک کام اللہ کی توفیق سے اور گناہ نفس کیوجہ سے
10) تاثیر کا مالک اللہ تعالیٰ ہے
11) سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعا
12) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مشورہ

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

پیچھے جو بات ہم نے سیکھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں جنت کے عوض۔ اور آگے جو انکی نشانیاں تھیں، اس میں پہلی نشانی پہ گفتگو ہم نے کی تھی۔ التائبون کہ انکی پھر کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر ان سے کبھی غلطی ہو جائے تو انکو اپنی ذات سے ہی نفرت ہو جاتی ہے۔ انکا دل اتنا پریشان ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے ہی پریشان ہو جاتے ہیں اور اس کیفیت میں وہ پھر اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہیں، اسکو توبہ کہتے ہیں، وہ تائبون ہوتے ہیں۔ دوسری صفت، عابدون، یہ چونکہ معروف لفظ ہے؛ عبد اور معبود کا تعلق پرانا ہے۔ اس میں ایک خاص بات ہم نے سمجھنی ہے، عبدیت: اپنے مالک کے سامنے انتہائی ذلت کی حالت۔ ہمارے جسم کا جو سب سے اعلیٰ مقام ہے وہ یہ پیشانی ہے، سر ہے، تو جب ہم سب سے اعلیٰ اسکی بارگاہ میں جھکا کے ذلت کا اظہار کرتے ہیں تو اسکو عبدیت کہتے ہیں۔ اپنے مالک و مختار کے سامنے انتہائی ذلت کی حالت میں چلے جانا۔ معبود کے متعلق میں نے کئی دفعہ یہ بات کی ہے کہ کسی کو اپنا حاکم تسلیم کرنا اور یہ چونکہ مقصدِ حیات بھی ہے وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[1]۔

معبود کے متعلق لوگوں کے مختلف نظریات ہیں، پہلے وہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ جیسا نظریہ ہوگا ویسا ہی آپ اپنے معبود کی معرفت رکھتے ہونگے۔ ایک نظریہ اس دنیا میں یہ چلتا ہے کہ انسان اس دنیا میں مجبور ہے، جو کرتا ہے وہ اللہ کرتا ہے۔ اچھا نظریہ بھلا کسے کہتے ہیں؟ انگریزی میں اسکو theory کہتے ہیں۔ سائنسدان بھی اسکو reality یعنی حقیقت نہیں کہتے۔ نظریہ کو نظریہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جو سامنے چیز نظر آرہی ہے اسکو دیکھ کے میں بات کر رہا ہوں، حقیت کا مجھے علم نہیں ہے۔ مثلاً علامہ اقبالؒ نے نظریہ پاکستان دیا، تو ظاہراً تو نظر آرہا تھا کہ مسلمانوں کو جب ملک ملے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں زندگی گزاریں گے لیکن حقیقت تو یہ نہیں ہے۔ تو جو

[1] سورۃ الذٰریٰت:56

سامنے نظر آرہا ہوتا ہے اسکو نظریہ کہتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ اسکے مطابق ہی بات ہو۔ تو آپکے سامنے میں جو رکھ رہا ہوں وہ لوگوں کے نظریات رکھ رہا ہوں، یہ بات سمجھنے والی ہے۔

تو ایک نظریہ یہ ہے کہ جو کرتا ہے وہ اللہ کرتا ہے۔ اچھا مثال بھلا وہ کیا دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جیسے یہ قلم میرے ہاتھ میں ہے تو لکھنا تو قلم نے ہی ہے، چاہے جھوٹ لکھے یا سچ لکھے لیکن اصل تو جسکے ہاتھ میں ہے وہی ہے۔ قلم کا تو کوئی قصور نہیں ہے، جیسا ہاتھ نے لکھ دیا ویسا ہی قلم نے لکھ دیا۔ تو وہ یہ مثال دیتے ہیں کہ بندہ جو ہے وہ اس دنیا میں مجبورِ محض ہے جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے۔ وہ پھر یہاں تک بھی چلے جاتے ہیں کہ یہ بندے کو توہین کرنے کیلئے اللہ اسکو کٹہرے میں کھڑا کر دیتا ہے کہ تو نے یہ کیوں کیا ہے۔ تو یہ جبریہ فرقہ ہے، یہ تابعین کے دور میں آگیا تھا بلکہ اس وقت کچھ صحابہ بھی موجود تھے۔ ظاہراً تو یہ بات دل کو لگے گی کہ دیکھو جی اللہ کے حکم کے بغیر تو پتا بھی نہیں ہلتا، جو کرتا ہے وہ اللہ کرتا ہے۔ یہی ابلیس کا نظریہ تھا، اس نے بھی یہی کہا تھا قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ[1] کہ یا اللہ یہ جو میں نے آدم کو سجدہ نہیں کیا، تو نے مجھے گمراہ کیا قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ تیرے گمراہ کرنے کیوجہ سے؛ اگر تیری مرضی ہوتی تو میری کیا جرات تھی میں آدم کو سجدہ نہ کرتا۔ تو ایک نظریہ یہ ہے، یہ تھوڑا تھوڑا آپ سیکھتے جائیں کیونکہ وقت تھوڑا ہے میرے پاس، نظریات تو بہت زیادہ ہیں لیکن یہ جو عمومی چل رہے ہیں میں انکی بات کر رہا ہوں۔ تو ایک نظریہ انسانوں کا یہ ہے کہ انسان مجبورِ محض ہے، جو کرتا ہے وہ اللہ کرتا ہے۔ اچھا ہو، بُرا ہو، ظلم ہو، عدل ہو، خیر ہو، شر ہو، وہ کہتے ہیں کہ سب کچھ اللہ کرتا ہے۔

اس کے مقابلے میں ایک دوسرا نظریہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے پیدا تو ہمیں ضرور کیا لیکن آگے بندہ مختار ہے، جو کرتا ہے بندہ کرتا ہے۔ اسکو نظریہ تفویض بھی کہتے ہیں، جیسے میرے ہیڈ ماسٹر نے جو مجھے ایک پریڈ تفویض کر دیا تو آگے اب میرا اختیار ہے کہ میں پڑھاتا ہوں یا نہیں پڑھاتا، جو کلاس روم میں، میں کرتا ہوں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے پیدا ضرور کیا ہے لیکن آگے بندہ مختار ہے، ہر کام کا ذمہ دار ہے، جو کرتا ہے یہ خود کرتا ہے۔ اسی نظریہ میں سے ایک اور نظریہ ہے جو ہمیں سائنس میں ملتا ہے۔ وہ انسانوں کی بات نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ جو بھی کوئی مخلوق ہے وہ پیدا ہونے کیلئے تو اللہ کی محتاج ہے۔ بھائی پیدا کوئی خود نہیں ہو سکتا۔ سورۃ نور میں یہ اللہ نے بھی

---

[1] سورۃالاعراف:16

سوال اٹھایاناآمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ کیاتم کسی پیدا کرنیوالے کے بغیر ہی پیدا ہوگئےآمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ [1] یاتم نے اپنے آپکو خود پیدا کیا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ پیدا ہونے کیلئے تو ہر چیز محتاج ہے، پیدا کوئی خود نہیں ہو سکتا لیکن پیدا ہونے کے بعد ہر مخلوق اپنی بقا کی جنگ خود لڑتی ہے۔ اسی سے پھر جو مشرکین مکہ کے نظریات تھے، ہندوؤں کے نظریات تھے کہ لوگوں کو غلام بنانا؛ وہ کہتے تھے کہ ٹھیک ہے بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ کوئی بڑا قبیلہ کسی چھوٹے قبیلے کی قتل و غارت کر دے، انکا مال چھین لے تو کوئی نہیں کیونکہ بقا کیلئے ہر کوئی کوشش کرتا۔ تو یہ جتنے ظلم کے نظریات ہیں تو انکے پیچھے اصل میں یہ theory ہوتی ہے۔ مثلاً امریکہ نے عراق پہ حملہ کر دیا کہ انکے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں؛ اگر ہم نے نہ مارا تو وہ ہمیں مار دینگے، تو ہماری بقا کیلئے ضروری ہے کہ انکو ختم کر دیا جائے۔ تو یہ دنیا میں جتنا بھی ظلم ہوتا ہے ناں، بلکہ ایک فلاسفر نے یہاں تک کہا تھا کہ ایک گھر میں اگر کسی بھائی کو شک پڑ جائے کہ دوسرے کیوجہ سے میری بقا کو خطرہ ہے تو وہ بھائی کو قتل کر دیتا ہے۔ تو جہاں پہ آپکو ظلم نظر آتا ہے تو اسکی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ سوچ میں یہ ہوتا ہے کہ اپنی بقا کی جنگ میں نے خود لڑنی ہے۔ تو یہ جبریہ اور قدریہ کے نظریات بڑے عام ہیں۔

ایک اس سے آگے کا نظریہ ہے وہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو تخلیق تو کیا ہے لیکن اس تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے نظام اپنے نیک بندوں کے سپرد کر دیا۔ یہ بھی شرک کا نظریہ ہے۔ یہ سبحان اللہ نہیں، یہ بھی شرک کا نظریہ ہے۔ اللہ نے سارا نظام اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ اسی لیے ہندوؤں کے ہاں آپ جائیں گے تو وہاں بچہ پیدا کرنیوالا بُت اور ہے، رزق والا بُت اور ہے، بارش برسانے والا اور ہے، علیحدہ علیحدہ ہیں۔

اب اسلام کا نظریہ کیا ہے، جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دیا۔ یہ اگر آپ سمجھ جائیں، یہ زندگی گزارنے کیلئے ضروری ہے۔ ہمارا دین یہ کہتا ہے کہ طاقت اللہ عطا کرتا ہے، ہر کسی کو طاقت اللہ عطا کرتا ہے۔ اس طاقت کو استعمال کرنے کا اختیار مجھے دیا ہے۔ مثلاً میں جب آنکھ کھول لونگا تو یہ طاقت مجھے اللہ نے دی ہے، یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اب دیکھنے کی طاقت کو میں حیاء میں استعمال کرتا ہوں یا بے حیائی میں، یہ آگے مجھے اختیار ہے۔ یہ میرے بازو میں طاقت مجھے اللہ نے دی ہے، اس کیساتھ میں چوری ڈکیتی کرتا ہوں یا کسی یتیم کے سر پہ ہاتھ رکھتا

[1] سورۃ النور:35

ہوں، یہ میرا اختیار ہے۔ کسی کے پاس بھی جو طاقت ہے وہ اللہ کی عطا کردہ ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہاں پہ بڑی خوبصورت بات کی ہے، آپ نے فرمایا بندہ اپنے سارے کاموں کا ذمہ دار ہے یا اللہ ہے یا پھر دونوں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ذمہ دار اللہ ہے تو قیامت کے دن کا تو کوئی جواز ہی نہیں، بھائی اگر کام اللہ نے کیا ہے تو پھر امتحان کس بات کا۔ اگر دونوں مل کے کرتے ہیں تو بھی امتحان نہیں ہو سکتا۔ ایک ہی صورت ہے امتحان کی، کہ اس کی دی ہوئی طاقت کا اختیار مجھے دیا جائے کہ میں اسکا صحیح استعمال کرتا ہوں یا غلط کرتا ہوں۔ کیا خوبصورت ہمارے دین نے ہماری رہنمائی کی ہے۔ اب یہ تھی وہ جگہ جہاں میں آپکو لیکر آیا ہوں کہ جب فرعون کو ڈبکیاں لگیں، جب موت سامنے نظر آئی، یہ بھی آپکو پتہ ہونا چاہیے کہ جب انسان موت کے فرشتے کو دیکھ لیتا ہے تو اس وقت قبول کیا ہوا ایمان معتبر نہیں ہے، اللہ اسکو قبول ہی نہیں کرتا۔ اس وقت کی توبہ بھی قبول نہیں۔ پہلے ادوار میں بھی اس پہ بحث ہوتی رہی ہے کہ جب فرعون نے کہا کہ میں ایمان لاتا ہوں بنی اسرائیل کے رب پہ، میں من گیا کہ اللہ ہے، تو اس کا ایمان کیوں قبول نہیں ہوا؟ یہاں ہماری رہنمائی قرآن نے کی لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ[1] اس لیے کہ اب اس کے پاس اختیار نہیں ہے، جب فرشتے نے دبوچ لیا آ کے، اب اس کے پاس اختیار نہیں ہے اور اللہ وہ ایمان قبول کرتا ہے جو حالتِ اختیار میں قبول کیا جائے۔ دین میں جبر نہیں ہے۔ تو آپ نے ایمان بھی حالتِ اختیار میں قبول کرنا ہے۔ ساری طاقتیں مجھے اللہ نے دی ہوئی ہیں، ان طاقتوں کو استعمال میں لا کر اگر میرا اللہ پہ ایمان ہے وہ ایمان قابلِ قبول ہے۔ اسی لیے یہ کبھی نہ کہا کریں کہ میری زندگی ہے میں جیسے جی چاہوں، نہیں بھائی، اسی اختیار کا ہی تو امتحان ہے۔ اسی کا اللہ نے امتحان لینا ہے۔ اب جس کے پاس جتنا جتنا اختیار ہے، اتنا ہی وہ بڑا ذمہ دار ہے۔ یہ مت خیال کریں یہ جو میرے جو پاس زیادہ دولت ہے، زیادہ طاقت ہے تو اس میں شاید میرا کوئی کمال ہے۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں؛ میرے اس اختیار کا مجھ سے امتحان لیا جائے گا۔ پوچھا جائے گا کہ یہ جو میں نے طاقت دی تھی اسکا استعمال کیسے کیا۔ اب دیکھئے میں گلی سے گزر رہا ہوں، بازار سے جا رہا ہوں، کوئی ماں، بہن، بیٹی سامنے آجائے تو میں نظر اٹھا کے بھی دیکھ سکتا ہوں اور سر نیچے بھی کر سکتا ہوں۔ اور اگر اللہ نے مجھے طاقت ہی دیکھنے کی نہیں دی تو اس کی پوچھ گچھ بھی نہیں۔ اسی لیے فرمایا تھا کہ اگر تیرے بھائی کے متعلق کوئی غلط گفتگو کر رہا ہے تو منع کر دے، نہیں تو اٹھ کے چلا جانا، بھائی اسکو منع نہیں کر سکتا تو اٹھ کے چلا جانا، اپنے اس اختیار کو استعمال کرنا۔

[1] سورۃ البقرۃ:256

تو یہ سب سمجھانے کا مقصد یہ تھا کہ عابدون ہوتے کون ہیں؟ عبد کون ہوتے ہیں؟ جو اپنی ساری طاقتوں کو اللہ کیطرف نسبت دیتے ہیں۔ کسی بھی طاقت کو وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ میری ہے۔ بس یہی وہ بات تھی جہاں میں آپ کو لیکر آنا چاہتا تھاوَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ[1] اللہ فرماتا ہے کہ ہم رحمت کرتے ہیں، کچھ عطا کر دیتے ہیں تو بندہ کہتا ہے کہ یہ میرا کمال ہے۔ قارون، قارون کیوں بنا؟ موسیٰ علیہ السلام نے ایک جملہ کہا اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ[2] کہ نیکی کر جیسے اللہ نے تجھ پہ احسان کیا ہے۔ لوگوں کیساتھ نیکی کر، جیسے اللہ نے تجھ پہ احسان کیا ہے۔ اس نے کہا احسان! قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ[3] متکبر ہو گیا، اس نے کہا کہ یہ تو میرے علم کا نتیجہ ہے، میں نے تو محنت ہی بڑی کی ہے۔ تو عبد بننے کیلئے یہ بنیادی چیز ذہن میں رہے کہ وہ عبد بن ہی نہیں سکتا جو اللہ کی دی ہوئی طاقتوں کو اپنی طرف نسبت دے۔ میں نے ڈگری حاصل کر لی، میں نے دولت حاصل کر لی، میں کسی منصب پہ پہنچا، نہیں طاقت اللہ دیتا ہے۔ یہ عبد کی پہلی نشانی ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا عطا کردہ ہے۔ اب اس کے آگے اسکو استعمال کرنے کا اختیار مجھے اللہ نے دیا ہے، لیکن وہ بھی کن کاموں میں، تشریعی امور میں۔ آگے بھی پھر صرف تشریعی امور میں۔ تکوینی امور میں مجھے اختیار نہیں ہے۔ ماں کے پیٹ میں میری کیسی شکل و صورت ہوگی وہ میرے اختیار میں نہیں، میرا قد کتنا ہوگا یہ میرے اختیار میں نہیں، میرا IQ-level کتنا ہوگا یہ میرے اختیار میں نہیں، میری زندگی، میری موت، میرا رزق، سورج نے مشرق سے ہی نکلنا ہے، یہ سب تکوینی امور ہیں، اس میں مجھے اختیار نہیں۔ اذان ہوئی، اب میں مسجد میں آ بھی سکتا ہوں اور نہیں بھی، اللہ نے طاقت دے دی ہے، اب اس طاقت کو تو نے استعمال کیسے کرنا ہے۔ اب یہ میں نے بنیاد عرض کر دی، اب ہم سمجھتے رہتے ہیں کہ فلاں بندہ بہت تسبیحات کرتا ہے تو وہ بڑا نیک ہے، نہیں، جبتک وہ اس بات سے دستبردار نہیں ہوتا کہ میں کسی چیز کا مالک ہوں، وہ عبد بن ہی نہیں سکتا۔ پہلی چیز یہ ہے کہ دستبردار ہو جا کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ ہر اختیار میرے اللہ کے پاس ہے طاقت دینے کا۔ دیکھئے یہ کتنی خوبصورت راہ ہمارے دین نے دی۔

---

[1] حٰم سجدہ:50

[2] سورۃ القصص:77

[3] سورۃ القصص:78

یہ شاید پہلے بھی کسی موقع پر یہ بات عرض کی تھی کہ واقعہ کربلا کے بعد بھی یہی جبر یہ بات کہی گئی تھی، یہ جبر یہ فرقے والے تھے جنھوں نے یہ بات کہی کہ ہم ظلم کرنے پہ مجبور تھے اور حسین ظلم سہنے پہ مجبور تھا۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ بلکہ پچھلے دنوں بڑی بات کسی نے کہی کہ اگر افغانستان پہ اتنا حملہ ہو گیا اور اتنے لوگ مر گئے ہیں تو امریکہ کو طاقت تو اللہ نے ہی دی ہے تو اللہ ہی مار رہا ہے سب کو۔ ایسے ایسے نظریات اس دور میں بھی ہیں؛ وہ کہتے ہیں کہ اگر افغانستان میں امریکہ مار رہا ہے اور کشمیر میں ہندو مار رہے ہیں تو انکو طاقت تو اللہ نے ہی دی ہے تو اللہ ہی مار رہا ہے۔ ایسے بھی گمراہ کرتے ہیں۔ تو اس دور میں بھی انہوں نے یہ کہا کہ اگر ہم نے ظلم کیا ہے تو ہم ظلم کرنے پہ مجبور تھے اور تم ظلم سہنے پہ مجبور تھے، اس میں ہمارا کیا قصور؟ اور یہ وہ جملہ جو ابن زیاد نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے کہا کہ زینب تو نے اپنے بھائی کے معاملے میں اپنے اللہ کے امر کو کیسا پایا؟ یہ اسی سوچ کا نتیجہ تھا کہ یہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا ہے یہ امرِ الٰہی سے ہوا ہے۔ اور ساتھ پھر قرآن کی آیت پڑھی قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ۫-وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ[1]- سارے ملکوں کا بادشاہ تو اللہ ہے، جسے چاہے تو ملک دے اور جس سے چاہے وہ چھین لے، جسے چاہے وہ عزت دے اور جسے چاہے وہ ذلت دے۔ اب وہ بے غیرت یہ آیت پڑھ کے مجمع کو اور اہلِ بیت کے قیدیوں کو یہ بتا رہا تھا کہ ہمیں عزت ملی ہے اور (نعوذ باللہ) تمہیں ذلت ملی ہے، یہ سب اللہ کے امر سے ہوا ہے۔ ہمیں ملک ملا ہے اور تم سے ملک چھین لیا گیا ہے۔ اس دن سمبڑیال میں، میں نے یہی بات کی تھی کہ جو اللہ فرماتا ہے نا کہ صراط الذین انعمت علیھم، تو اب اللہ یہ نہیں دیکھے گا کہ تم نے کونسا راستہ اختیار کیا بلکہ یہ دیکھے گا کہ جو میرے انعام یافتہ لوگوں نے راستہ اختیار کیا تھا تم اس کے مطابق ہو کہ نہیں ہو۔ اگر میرا انعام یافتہ بندہ ابراہیم یہ فیصلہ کرے کہ نمرود کیساتھ تخت پہ بیٹھنا عزت نہیں بلکہ نمرود کے سامنے کھڑا ہونا عزت ہے، تو قیامت تک یہی قدر رہے گی کہ عزت تخت پہ بیٹھنے سے نہیں ہوتی بلکہ سامنے کھڑے ہونے سے ہوتی ہے۔ اگر میرے بندے حسین نے فیصلہ کر لیا کہ یزید ظالم ہے، وہ تو کہتا تھا کہ آؤ تخت شئیر کر لیتے ہیں، تم بھی گورنری لے لو، نہیں، ظالم کیساتھ بیٹھنے میں عزت نہیں ہوتی، ظالم کے سامنے کھڑے ہونے میں عزت ہوتی ہے۔ اختیار ہے ناں، اس نے بھی اپنا استعمال کیا اور اِنہوں نے بھی استعمال کیا۔ انہوں نے اختیار اللہ کی نافرمانی میں کیا اور انہوں نے اللہ کی فرمانبرداری میں کیا۔ یہ ہیں اسکے انعام یافتہ لوگ۔ اب دیکھیئے کہ عزت اور ذلت کا ہمارے ہاں تو

---

[1] سورۃ آل عمران:26

معیار یہی ہے ناں کہ کسی وزیر سے سلام دعا ہو جائیگی تو کہیں گے کہ ہم بڑی عزت والے ہیں۔ اسی لیے تو ابن زیاد نے بھی یہ بات کہہ دی کہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا، تم سہنے پہ مجبور تھے اور اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، تو زینب بتا کہ تو نے اللہ کے امر کو کیسا پایا۔ اب یہ بھی جو سامنے بیٹھے ہیں، یہ بھی کہیں کہ ہمارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا وہ اللہ نے کروایا۔ اب یہ بات آپ کو سمجھانے کیلئے کہ ابن زیاد کے پاس جو طاقت ہے، یزید کے پاس جو طاقت ہے، اس طاقت کو استعمال کرنے کا اختیار ہے ناں ان کے پاس، لیکن پھر حق والوں نے بھی پھر کمال کا جملہ کہا، جن کے دل میں اللہ کی محبت تھی، جو ایمان والے تھے، ایمان اختیاری تھا، جبر والا نہیں۔ تو سیدہ پاک نے فرمایا کہ کیا سمجھتا ہے تو کہ زینب یہاں کھڑے ہو کے تیرے ان طعنوں سے میں اپنے اللہ کا گلہ کرنے لگوں گی؟ کیا زینب اللہ کا گلہ کریگی کہ یا اللہ تو نے ہمارے بچے مروا دیے، تو نے ہمارے بھائی مروا دیے، ہمیں قیدی کروا دیا؟ بھائی جو کرتا وہ اللہ کرتا! آپ نے فرمایا کہ تو نے آیت کا اگلا حصہ نہیں پڑھا قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ٘-وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُؕ-بِيَدِكَ الْخَيْرُؕ[1] آپ نے فرمایا کہ اگر تو اللہ کی بات کر رہا ہے ناں کہ اللہ کے امر کو کیسا پایا؟ اللہ کے حکم کو کیسا پایا؟ تو سیدہ پاک نے فرمایا کہ پھر سُن، ہم نے اللہ کی بارگاہ سے خیر کے سوا کچھ نہیں پایا۔ اگر زبان کو بولنے کی طاقت ہے تو سیدہ پاک فرما رہی ہیں کہ اس حال میں بھی اللہ کا شکر ادا کرنا۔ بھائی بولنے کی طاقت ہے ناں زبان میں، اللہ کا گلہ کرے یا اللہ کا شکر کرے۔ لیکن اگر کبھی ایسی حالت بھی ہو جائے تو اس اختیار کو شکر کیلئے استعمال کرنا، ناشکری کیلئے نہ کرنا۔ میں صحافی بن گیا، اللہ نے لکھنے کی طاقت دی، کہاں استعمال کی؟ حق کیلئے یا باطل کیلئے؟ زبان کی طاقت کہاں استعمال کی؟

اور قرآن کریم نے تو یہ بات واضح کر دی مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ[2] اگر تم میں سے کوئی نیک کام کر رہا ہے ناں تو وہ اپنے لیے کر رہا ہے، اللہ کو کوئی ضرورت نہیں۔ تیرا معبود کوئی محتاج نہیں ہے کہ تم اسکی عبادت کرو گے تو شاید اسکی شان میں کوئی اضافہ ہو جائیگا۔ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَاؕ[2] اور نافرمانی کرو گے تو وہ بھی تمہاری ہی ہے۔ یہاں پہ قرآن کریم نے ایک اصول بیان کیا، وہ اصول ہمیشہ ذہن میں رکھنا مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ[3] کوئی حسنہ ہو جائے،

[1] سورۃ آل عمران:26

[2] سورۃ حٰم السجدہ:46

[3] سورۃ النساء:79

کوئی کامیابی نصیب ہو، فصل اچھی ہو، کوئی امتحان پاس ہو جائے، فَمِنَ اللّٰهِ تو کہا کرو یہ میرے اللہ کیطرف سے ہے وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ[1] جب غلط راستے پہ چل پڑتے ہو، نافرمانیاں کرتے ہو، ناکامیاں ملتی ہیں تو کہا کرو یہ میرے نفس کا قصور ہے۔ ابلیس کی طرح اللہ کی طرف منسوب نہ کرنا۔

تو یہ چند نظریات جو میں نے آپ کے سامنے رکھیں ہیں، یہ نمازیں، روزے، زکوٰۃ، حج، یہ سب بعد میں ہے۔ پہلے عبدیت کی بنیاد یہ ہے کہ میرے پاس جو طاقت ہے، کسی قسم کی بھی طاقت ہے، تھوڑی ہے یا زیادہ، وہ طاقت اللہ نے دی ہے۔ میں خود بخود نہیں سُن سکتا، وہ میری سماعت چھین لے تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ دیکھنے کی طاقت میرے اللہ نے دی ہے، پکڑنے کی طاقت میرے اللہ نے دی ہے، چلنے کی طاقت میرے اللہ نے دی ہے۔ اب ان طاقتوں کو استعمال کرنے کا اختیار مجھے اللہ نے دیا ہے۔ یہ عبدیت کی بنیاد ہے۔ اگر آپکی راہ سیدھی ہو جائیگی تو نہ کبھی تکبر آئیگا، نہ کبھی گلہ آئیگا، نہ ناشکری آئیگی، نہ بد دیانتی آئیگی، نہ جھوٹ ہو گا، کیوں؟ میں سارا سال کتابیں یاد کرتا رہوں، وہ حافظے کی طاقت تو مجھے اللہ نے دی ہے ناں۔ اب میں تفسیر پڑھتا ہوں، سیرت کی کتابیں پڑھتا ہوں، پھر وہ ساری چیزیں ذہن میں محفوظ ہو جاتی ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ان کو نکال دے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ تو وہ حافظہ کی طاقت جو ہے وہ اللہ کی ہے۔ اب اس سے اگلی بات جو ہے، یہ چونکہ سوال مجھ سے بڑی دفعہ ہوتا ہے تو مجھے کبھی اس بات کا بھلیکھا نہیں لگا، اکثر بندے یہ کہتے ہیں کہ قرآن شریف تو اور علماء بھی پڑھتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ نہیں وہ سارے مجھ سے زیادہ پڑھے لکھے ہیں، مجھ سے زیادہ علم والے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے تو میں ایک جنازے پہ تھا، ویسے تو میں جنازے پہ تقریر نہیں کرتا، لوگ دور دراز سے آئے ہوتے ہیں، زیادہ دیر کھڑے نہیں ہو سکتے تو وہاں ابھی وقت رہتا تھا تو میں نے دو چار منٹ گفتگو کی تو ایک بندہ آکر کہنے لگا کہ میں زندگی میں کبھی کسی سے متاثر نہیں ہوا تو آپ پہلے شخص ہیں جن سے میں متاثر ہوا ہوں۔ تو میں نے اس سے کہا کہ مجھے یہ غلطی نہیں لگتی جو آپ کہہ رہے ہو، اس لیے کہ میں لفظ تو ادا کر سکتا ہوں لیکن اس میں اثر میرے اللہ نے ڈالنا ہے۔ تاثیر میرے پاس نہیں۔ کون ہے جو لفظوں میں تاثیر ڈالتا ہے کہ میں یہاں بات کروں اور وہ آپکے دل میں اُتر جائے، آپکے ذہن میں وہ محفوظ ہو جائے، جب کبھی خطا ہونے لگے تو وہ بات سامنے آجائے کہ یار جمعہ پڑھا تھا، درسِ قرآن سنا تھا، یہ بات سامنے اس وقت آجائے، تو یہ تاثیر میرے اختیار میں نہیں۔ یہ میرے اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہ میرے حضرت صاحب کا فیض سمجھیں، یہ بڑا اہم عقیدہ ہے عبدیت کا۔

جب کبھی تکبر آنے لگے تو کہنا کہ نہیں، طاقت تو میرے اللہ کی دی ہوئی ہے، ہاں آگے پریشانی یہ ہے کہ مجھ سے یہ کہیں غلط استعمال نہ ہو جائے۔ اور میں نے شاید پہلے بھی کسی موقع پہ کہا تھا، یقین جانیے میری زندگی بڑی آسان گزری، جنابِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ جو دعا ہے ناں اس نے مجھے بڑا سکون دیا، اکثر دعا کرتے تھے کہ یا اللہ مجھے بس اتنا ہی دینا جس سے میری ضرورت پوری ہو جائے، جس سے میں متکبر ہو جاؤں، بے راہروی کا شکار ہو جاؤں، تیری نافرمانی پہ چلا جاؤں، وہ دولت مجھے دینا ہی ناں۔ وہ عزت مجھے نہ دینا جو تیری راہ سے دور کر دے۔

سرکار امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بندہ آیا کرتا تھا تو ایک دن اس نے کہا کہ حضور میں فلاں تجارت کرنا چاہتا ہوں تو آپ مجھے بتائیں کہ یہ کاروبار میرے لیے اچھا ہے کہ نہیں۔ تو سرکار نے فرمایا کہ یہ کاروبار تیرے لیے اچھا نہیں ہے۔ پوچھ تو لیا، لیکن گیا تو لوگوں نے کہا کہ نہیں، اس میں تو بڑا نفع ہے۔ کیا کاروبار، بہت نفع ہوا۔ تجارت بہت بڑھ گئی۔ کوئی چھ سات ماہ بعد آیا، امام سے کہنے لگا کہ حضور آپ نے تو کہا تھا کہ یہ کاروبار میرے لیے بہتر نہیں ہے لیکن مجھے تو اس میں بہت نفع ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے کتنی دیر کے بعد آتا تھا؟ کہا کہ حضور ہر ہفتے آتا تھا۔ اب کتنی دیر کے بعد آیا؟ کہا چھ مہینے بعد۔ فرمایا پہلے ہر ہفتے آتا تھا، کوئی قرآن کی ایک آدھ آیت سیکھ کے جاتا تھا، اللہ کا قرب نصیب ہوتا تھا۔ اب چھ مہینے کے بعد آیا ہے، یہ جو تیرا دین کا نقصان ہوا ہے اس کا کون ذمہ دار ہے۔ تجھے فائدہ ہوا کہ نقصان؟ اس لیے وہ جملہ جو میں کہا کرتا ہوں، میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ ہمیشہ ذہن میں رکھا کریں کہ اس سے بدبخت انسان کوئی نہیں، جو اپنی دنیا بناتے ہوئے اپنی آخرت تباہ کر لے۔ اس سے گھٹیا انسان کوئی نہیں۔ کبھی بھی اس چھوٹی سے دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد نہیں کرنی۔ جب یہ آپ سوچ لینگے ناں کہ ہے تو سب کچھ میرے اللہ کا، اب میرے پاس جو کچھ ہے، وہ میری ذمہ داری ہے کہ میں اس کے حکم کے مطابق اپنی زندگی گزاروں۔ اللہ تعالیٰ خیر فرمادے گا۔ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

9۔ امر بالمعروف: نیکی کی راستے کی رکاوٹیں ہٹانا

قرآن: اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ-وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورة التوبہ:112)

ترجمہ: "توبہ والے، عبادت والے، سراہنے والے، روزے والے، رکوع والے، سجدہ والے، بھلائی کے بتانے والے، اور برائی سے روکنے والے، اور اللہ کی حدیں نگاہ میں رکھنے والے اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو"۔

خاکہ:

1. طاقت اللہ عطا کرتا ہے اور اس کو استعمال کرنے کا اختیار انسان کو دیتا ہے۔
2. سرکار امام حسین رضی اللہ عنہ کا کربلا جانے کا مقصد
3. امر بالمعروف کا مطلب نیکی کے رستے میں آنے والی رکاوٹیں دور کرنا۔
4. وائسرائے ہند کی ڈائری سے واقعہ
5. اپنی چیز کا عیب بتا کر فروخت کرنا
6. پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اقدار کو اپنا حاکم بنالو
7. نعمت ملے تو شکر اور نعمت واپس ہونے پہ صبر

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

پچھلے جمعہ ہم نے عقیدہ عبدیت کے حوالے سے کئی نظریات دیکھے تھے اور آخر میں ہم نے اسلامی نظریہ جو ہے وہ پیش کیا تھا کہ ہر کام کی طاقت اللہ عطا کرتا ہے اور اس طاقت کو استعمال کرنے کا اختیار انسان کو دیا ہے۔ یہ زرتش جو تھے، آتش پرست، انہوں نے بھی ایک نظریہ دیا، نبی کریم ﷺ کی آمد سے پہلے کی یہ بات ہے۔ وہ کہتے تھے کہ خالق دو ہیں، ایک نیکی کا اللہ ہے اور ایک بدی کا اللہ ہے، یہ انکا عقیدہ تھا۔ ہم اپنے رحمٰن و رحیم اللہ کیساتھ یہ کیسے نسبت کر سکتے ہیں کہ اس نے بدی کو بھی پیدا کیا ہے۔ تو اس حوالے سے دو خالق ہونے کا تصور انکے ہاں موجود تھا۔ تو قرآن کریم نے اس کی نفی کی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۬[1]۔ تمام حمد اس اللہ کیلئے ہے جس نے زمینیں بھی تخلیق فرمائیں اور آسمان بھی تخلیق کیے اور نور بھی اسی نے بنایا اور اندھیرا بھی اسی نے بنایا۔ اگر آپ خالق دو بنائیں گے تو پھر معبود بھی دو بنائیں گے؛ کیونکہ جو خالق ہوتا ہے وہی معبود ہوتا ہے۔ تو ابلیس کو بھی پیدا کرنے والا وہی ہے، طاقت دینے والا وہی ہے لیکن وہ لعنتی اس لیے ہوا کہ اُس نے اس کی دی ہوئی طاقت کا غلط استعمال کیا۔ یہ نہیں ہے کہ موسیٰ کا خالق اور ہوگا اور فرعون کا خالق اور ہوگا؛ ابراہیم کا خالق اور ہوگا اور نمرود کا خالق اور۔ نہیں، خالق وہی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام، اللہ کی دی ہوئی طاقت کو اللہ کیلئے استعمال کرتے ہیں اور نمرود اللہ کی دی ہوئی طاقت کو اللہ کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ تو یہاں تک ہم پہنچے تھے کہ ہر قسم کی طاقت جو ہے وہ اللہ عطا کرتا ہے اور اس طاقت کو استعمال کرنے کا اختیار ہمیں دیتا ہے۔ یہی امتحان ہے، یہی ابتلا ہے، یہی آزمائش ہے اس دنیا میں۔ کوئی جتنے بڑے منصب پہ بیٹھا ہے، اس کا اتنا ہی حساب ہوگا کہ تو نے اللہ کی دی ہوئی طاقت کو عدل کیلئے استعمال کیا یا ظلم کیلئے۔ یہاں جو اللہ کی مہربانی ہے وہ بڑی کمال کی ہے۔ طاقت مجھے اللہ نے دی، جب میں نے اس طاقت کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کیا تو آگے اسکے جو ثمرات جو ملتے ہیں کہ میرے اللہ کی رحمت آگے بڑھ کر اسکا دامن تھام لیتی ہے اور اسکو منزلِ مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔ یہاں یہ دو طرفہ

[1] سورۃ الانعام: 1

معاملہ ہے، پہلے طاقت بھی دیتا ہے اور جب پھر آپ ارادہ کرتے ہیں تو آگے بڑھ کر پھر آپکو تھام بھی لیتا ہے۔ اسکی سورۃ واقعہ میں اللہ نے مثال بیان کی کہ تم جب اللہ کے حکم کے مطابق اپنی کھیتی میں ہل چلاتے ہو، بیج بوتے ہو، آگے اس بیج میں سے پودا نکالنا تیرے اختیار میں نہیں تھا، اس کو پروان چڑھانا تیرے اختیار میں نہیں تھا، اسکو پھل لگانا تیرے اختیار میں نہیں۔ شاید اس پہ پہلے میں نے بات کی ہو، مولانا روم نے اس پہ بڑی ایک عجیب بات لکھی، مولانا فرماتے ہیں کہ خاک میں، مٹی میں دانے ملانا کوئی عقل مندی کی بات نہیں ہے۔ دانے بندہ لے اور مٹی میں ملا دے، یہ تو بیوقوفی کی نشانی ہے۔ یہ کوئی عقلمندی ہے؟ لیکن آپ دانے اٹھاتے ہیں اور مٹی میں ملا دیتے ہیں۔ کیوں؟ یہ میرے رب کا حکم ہے، اس دانے کو میں ایسے cultivate کرونگا، ایسے تو نے کاشت کرنا اور میں اسکو پھل لگاؤں گا۔ تو جب وہ دانے مٹی میں ڈال کر کہتا ہے کہ یااللہ اب یہ تیرے سپرد۔ یہ میری کاوش، کوشش تیرے سپرد ہے تو اللہ تیری بیوقوفی کو بھی پھل لگا دیتا ہے۔ دیکھئے یہ جان اگر کوئی بندہ خودکشی کریگا تو حرام کی موت ہے۔ بار بار اس سزا میں سے گزرنا پڑیگا۔ اللہ فرماتا کہ تیرا اختیار نہیں تھاناں، اس جان پہ تو تصرف نہیں رکھتا تھا۔ خودکشی اس لیے حرام ہے۔ اس جان کا مالک اللہ ہے۔ تو جب کوئی بندہ خودکشی کرتا ہے تو وہ اصل میں اس جان کا اپنے آپ کو مالک سمجھتا ہے۔ یہ گستاخی اس کی قابلِ قبول نہیں۔ یہی جان جب میں اپنے پیغمبر ﷺ کے کہنے پہ دے دوں تو وہ کہتا ہے کہ شہید ہے۔ میں اپنی مرضی کروں تو حرام ہے؛ پیغمبر ﷺ کی مرضی سے جان دے دوں تو شہادت۔ کیوں؟ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ[1] اس جان پہ تصرف تو میرے پیغمبر ﷺ کا تھا۔ آپ دور دراز سے سفر کر کے تشریف لاتے ہیں۔ اب قرآن کریم کا کتنا کتنا حصہ آپکو ملتا ہے، کتنا علم آپکو عطا ہوتا ہے؟ آپ سفر کر کے یہاں آسکتے ہیں، علم اللہ عطا کرتا ہے۔ استقامت اللہ عطا کرتا ہے۔ معرفت اللہ عطا کرتا ہے۔ تو یہ دو طرفہ معاملہ ہے۔ پہلے طاقت دیتا ہے اور پھر جب آپ طاقت کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کرتے ہیں تو پھر آگے بڑھ کر آپکو منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔ وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا[2] بس کوئی قدم اٹھائے تو سہی ناں اس راستے میں۔

[1] سورۃ الاحزاب:6

[2] سورۃ العنکبوت:69

جب سرکار امام حسین رضی اللہ عنہ مدینہ شریف سے نکلے اور مکہ کی طرف گئے تو مدینہ والوں نے بھی پوچھا تھا اور مکہ والوں نے بھی پوچھا تھا کہ آپ جو جہاد کیلئے نکل رہے ہیں، اس کا مقصد کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا اصلاحِ امت۔ امت کی اصلاح چاہتا ہوں۔ لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا تھا کہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں، آپ کونسی اصلاح چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا امر بالمعروف کیلئے۔ پھر یہ سوال ہوا کہ کونسا نیکی کا حکم۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اقدار جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتائیں، سچائی کی، دیانتداری کی، صبر کی، شکر کی، حیاء کی، وہ قدریں اگر حاکم ہو جائیں تو پھر اسلامی معاشرہ بنتا ہے، صرف نماز روزہ سے نہیں بنتا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ جو قدریں ہمیں اللہ، رسول نے دی ہیں، یہ قدریں میری حاکم بن جائیں۔

یہ جو لفظ آپ سنتے ہیں ناں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ یہ قرآن کریم میں اکثر جگہ پہ استعمال ہوا ہے۔ اس کا بھی ترجمہ ہم یہی کرتے ہیں ناں، نیکی کا حکم دینا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تقریر کر دی تو نیکی کا حکم ہو گیا۔ کسی کو کہہ دیا کہ شراب نہیں پینی تو نہی عن المنکر ہو گیا کہ بھائی شراب سے بچو، بے حیائی سے بچو۔ یہ اس کا معنیٰ نہیں ہے، پھر امر کا لفظ نہ آتا بلکہ حکم کا لفظ آتا، حکم کا لفظ بھی قرآنِ کریم نے استعمال کیا۔ امر کا معنیٰ یہ ہوتا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لیں، نیکی کا امر کرنا، اس نیکی کے راستے میں جو رکاوٹیں ہیں، ان رکاوٹوں کو دور کرنے کا نام امر ہے۔ اب ہم میں سے کتنے لوگوں کی یہ کوشش ہے کہ ایک بندہ نیکی کے راستے پہ چلنا چاہتا ہے تو ہم اس نیکی کے راستے کی جو رکاوٹیں ہیں وہ دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس کی ایک مثال دیتا ہوں، ہمارے بزرگوں نے دی ہے، ہم یہاں بیٹھ کے خشوع و خضوع سے یہ دعا کرتے ہیں کہ مولا کریم اس امت کا فقر دور کر دے، غریبی دور کر دے، انکی پریشانیاں دور کر دے۔ یہ بات میں نے اس لیے کی ہے کہ میرے ذہن میں حکیم لقمان کا خیال آگیا۔ عرب چونکہ حوالہ دیتے تھے تو حکیم لقمان کا دیتے تھے، انکے ہاں حکیم لقمان کی بڑی قدر و منزلت تھی، اسلیے پھر سورۃ لقمان نازل ہوئی۔ لقمان کو ہی اگر تم مانتے ہو تو اسکے عقائد تو یہ تھے۔ تو جب ان سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑی آزمائش اور ابتلا جو ہے وہ کیا ہے؟ تو حضرتِ لقمان نے بھی فرمایا تھا کہ مفلسی، فقر، بھوک، جب انسان بھوکا ہوتا ہے تو کوئی دلیل کام نہیں کرتی۔ جب انسان بھوکا ہوتا ہے تو بے وقعت ہو جاتا ہے، اس کے تو پھر رشتہ دار بھی عزت نہیں کرتے۔ اسکی تو اولاد بھی عزت

نہیں کرتی۔ اب دیکھئے اس دن جو میں نے بات کی تھی کہ قرآنِ کریم بار بار خرچ کرنے کی بات کرتا ہے۔ کیوں کرتا ہے؟ کیوں کہ جب تک آپ اس رکاوٹ کو دور نہیں کرتے، کسی کا معاشی مسئلہ حل نہیں کرتے۔ آپ اسکو لاکھ نصیحتیں کریں، کوئی نصیحت کام نہیں کریگی۔ آپ اب یہاں بیٹھ کر دعا کریں کہ یااللہ میرے محلے کے جتنے غرباء اور مساکین ہیں انکا فقر دور کر دے، انکی مفلسی دور کر دے۔ آپ کو بھی میں کہوں کہ غریبوں کیلئے دعا کرو، میں بھی کروں۔ کیا اس سے فقر دور ہو جائیگا؟ اس دعا کی کوئی وقعت ہے؟ اسکو امر بالمعروف کہوں گا میں؟ کیا میں نے نیکی کا حکم دے دیا؟ نہیں۔ اس کے تین درجے ہیں: اللہ سے دعا مانگوں، پھر میرے اندر جتنی استطاعت ہے زکوٰۃ صدقہ کی صورت میں غرباء کے گھروں تک پہنچاؤں اور پھر ان سے بھی کہوں کہ تم بھی اس راستے میں کوشش کرو، اللہ تمہاری مدد کریگا۔ اس راستے کی رکاوٹ اگر میں دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو میری دعا بے وقعت ہو جائیگی۔

وائسرائے نے جو ڈائری لکھی تھی، دو باتیں اس نے لکھیں، پنجاب یونیورسٹی میں پڑی ہوئی ہے وہ ڈائری۔ اس نے کہا تھا کہ میں نے ہندوستان میں معین الدین چشتی اجمیریؒ کی قبر کو حکومت کرتے دیکھا ہے۔ میں نے ایک قبر کو حکومت کرتے دیکھا ہے۔ نیچے اس نے لکھا تھا کہ میں بڑا حیران ہوں کہ بزرگ، تھا تو مسلمانوں کا لیکن وہاں ہندو بھی حاضری دیتے ہیں، سکھ بھی جاتے ہیں، عیسائی بھی جاتے ہیں، مسلمان بھی جاتے ہیں اور نو سو سال گزر گئے، لوگ اس بندے کو بھول ہی نہیں پائے۔ او! لوگ تو اپنے باپ کی قبر کو بھول جاتے ہیں، نو سو سال گزر گئے اور لوگ نہیں بھول پائے اس شخص کو۔ اسکے آگے جو اس نے جملہ لکھا ہے کہ پھر جب میں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ لوگ اس کو نہیں بھول سکتے، کیونکہ اس کی پہلی تعلیم یہ تھی کہ لوگوں کے پیٹ بھوکے نہ ہوں۔ اس دور کا سب سے بڑا معاشی مسئلہ اس نے حل کیا تھا۔ وہ لنگر مسلمانوں کیلئے نہیں تھا بلکہ انسانوں کیلئے تھا۔ اور اس سے اگلی بات جو اس نے لکھی ہے وہ آج کل کے پیروں کو اچھی نہیں لگتی کہ عجیب شخص تھا کہ جب کوئی مسلمان بادشاہ اس کو ملنے آتا تو اسکو کوئی وظائف نہیں تھا بتاتا۔ کوئی وظیفہ نہیں تھا بتاتا کہ یہ درود شریف کی تسبیح کرنی ہے، یہ استغفر اللہ کی تسبیح کرنی، اتنے نوافل پڑھنے ہیں۔ بادشاہوں سے کہتا تھا کہ غریبوں کا خیال رکھو، عدل کرو، ظلم سے باز رہو اور غریب جاتے تھے تو انکو وظائف بتاتا تھا کہ اللہ کے قریب ہو جاؤ۔ غریبوں کو بے نیاز کر دیتا تھا اور بادشاہوں کو غریبوں کی خدمت پہ لگا دیتا تھا۔ اسکو کہتے ہیں کہ امر بالمعروف۔

یہاں کچھ بچے آتے ہیں جمعہ پڑھنے، آپکے شہر کے ہی ہیں۔ پچھلے مہینے آئے اور کہنے لگے کہ آپ اکثر یہ بات کرتے ہیں کہ جھوٹ بول کر رزق نہیں کمانا، حرام ہو جاتا ہے۔ ہم جب اپنا سودا سلف لیکر سیالکوٹ دکانوں پہ جاتے ہیں۔ اگر ہم سچ بولیں تو وہ سودا ہی نہیں خریدتے، ہمیں پھر مجبوراً جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ معاشرتی مسئلہ ہے۔ پرسوں وہ تینوں آئے، بڑے خوش تھے۔ یہ مثالیں آپکو بتانا اس لیے ضروری ہیں کہ یہ نہیں ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی یہ نہیں ہے کہ ہم سب ایک جیسے ہو گئے۔ عشاء کے وقت نماز یہاں پڑھی، کہنے لگے کہ ہم سودا لیکر گئے تھے اور ہم نے کہا کہ یہ جو سودا ہے اس میں کوئی نقص نہیں، اس والے میں یہ نقص ہے اور اس والے میں یہ۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان تاجر کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی چیز کا عیب نہ بتائے[1]۔ آپ نے جب کوئی چیز فروخت کرنی ہے تو آپ اسکا عیب بتائیں۔ تو میں نے انکو کہا تھا کہ بیٹا اب چیز واپس لیکر آنی پڑے تو لے آنا لیکن انکو کہنا کہ ہم جھوٹ بول کر کاروبار نہیں کرینگے۔ پرسوں پھر وہ آئے تو انہوں نے کہا کہ جب ہم نے اپنی چیزوں کے عیب بتائے تو جب انہوں نے بِل بنایا تو اچھی چیز کا ظاہر ہے انہوں نے بل علیحدہ بنایا، پھر اس سے ناقص اور پھر اس سے ناقص۔ تو وہ کہنے لگے کہ آج تمہیں کیا ہو گیا، تو وہ کہنے لگے کہ ہم جمعہ پڑھنے جاتے ہیں تو وہاں سے ہم نے اللہ رسول کا حکم سنا ہے کہ ہم نے حرام نہیں کمانا۔ کہنے لگے کہ جب payment ہو گئی اور ہم واپس آنے لگے تو اس دکاندار نے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ آج میں تمہاے ناقص مال کے بھی اصلی پیسے دونگا۔ جب آپ نے اس کی دی ہوئی طاقت کو اس کی راہ میں استعمال کیا تو اسکی رحمت نے آگے بڑھ کر تھام لیا۔ رسوا نہیں ہونے دیا، تیرے یقین کو ٹوٹنے نہیں دیا۔ یہ استقامت بھی وہی دیتا ہے۔ بس یہ ہے کہ تم نے ارادہ کرنا ہے۔

میرے اپنے گاؤں میں، بھائی عبدالرحمٰن بٹ صاحب کو پتہ ہے کہ کوئی بھی ہو، چاہے عیسائی ہو، ہر ایک کو یہ پتہ ہوتا تھا کہ ہماری ضرورت حضرت صاحب کے گھر سے پوری ہو گی۔ یہ مراکز اس لیے ہوتے تھے۔ آج مجھے اس بات کا دکھ ہوتا ہے کہ جو قوم گیارھویں شریف کے ختم پہ تو بہت فوکس کرتی ہے، میلاد کے جلوس پہ بڑا فوکس کرتی ہے۔ وہ قوم سچائی کی قدر پہ کیوں اتنا فوکس نہیں کرتی؟ اس کا مطلب ہے کہ جتنا ہم نے لوگوں کو گیارھویں اور

---

[1] سنن نسائی:4462

میلاد بتایا ہے اتنا ہم نے سچائی پہ فوکس ہی نہیں کیا۔ ہم نے لوگوں کو دیانتداری بتائی ہی نہیں۔ اللہ کی راہ میں استقامت کے فائدے کیا ہوتے ہیں، ہم نے لوگوں کو بتائے ہی نہیں۔ ہم نے انکو عرس منانے پہ لگا دیا، امام حسین کی سبیل پہ لوگ سارا دن وقف کرتے ہیں اور پیسے خرچ کرتے ہیں، وہ اپنے غریب ہمسائے پہ کیوں خرچ نہیں کرسکتا؟ یہ ہمارے فقہائے احناف کا فتویٰ ہے کہ جس محلے میں کوئی غریب بھوک سے مر رہا ہو، وہاں آپ مسجد کی آرائش پہ خرچ نہیں کرسکتے۔ مسجد کی تزئین و آرائش نہیں کرسکتے، مکروہ ہے۔ اس کے لیے میں نے جو مثال دی تھی، تاکہ آپ کو یاد ہو جائے کہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے ہزاروں درہم کنواں خریدنے پہ لگتے ہیں، مسجد کی تزئین و آرائش پہ نہیں لگتے۔ پیاسوں کیلئے پانی کی اہمیت ہے۔ ہم نے یہ ظلم کیا ہے کہ جو اقدار ہمیں اللہ نے بتائی تھیں، پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھیں، ان قدروں کو ہم نے حاکم نے نہیں بنایا۔ سرکار عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ایمان کے متعلق، تو آپ نے فرمایا کہ ایمان کا پتہ تو لالچ کے وقت لگتا ہے۔ اتنا بڑا جملہ۔ سرکار عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن اپنے معاملات سے پہچانا جاتا ہے، نماز اور روزہ سے نہیں پہچانا جاتا۔ بلکہ جب نماز پڑھنے والا جھوٹ بولتا ہے تو وہ نماز کی توہین کر رہا ہوتا ہے، روزہ دار جب ملاوٹ کر رہا ہوتا ہے تو وہ اللہ کی توہین کر رہا ہوتا ہے۔ پھر لوگ کہتے ہیں کہ یہ نمازی ہوتے ہی ایسے ہیں اور قرآن کیا کہہ رہا ہے کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ تو میں تمام علماء سے یہ کہا کرتا ہوں کہ جتنا آپ نے امام حسین کے ماتم اور جلوس کے بارے میں کہا، کیا اتنا سچائی پہ بھی کہا؟ دیانتداری کیلئے بھی کہا؟ اتنا رزقِ حلال کیلئے بھی کہا؟ حیاء کیلئے بھی کہا؟ نہیں، ہم نے ان اقدار کی ترویج و اشاعت کیلئے کام نہیں کیا۔ خرچ تو ہو رہا ہے اور بے تحاشا ہو رہا ہے۔ تو یہ عبدیت کا ایک پہلو یہ تھا کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ اس نے طاقت دی اور آگے سب کچھ میں نے کرنا ہے۔ نہیں، میں نے اس طاقت کو اپنے ارادہ کیساتھ اللہ کے حکم کیلئے استعمال کرنا ہے۔ جونہی میں ارادہ کرونگا تو وہ آگے بڑھ کر تجھے تھام لیگا، تیری کھیتیاں بھی لہلہانے لگیں گی، تجھے علم بھی عطا کریگا، تجھے حکمت بھی عطا کریگا، تیرے راستے کی ساری رکاوٹیں دور کر دیگا۔

الحمدون، وہ حمد کرنے والے ہوتے ہیں۔ مصیبت کیا ہے کہ یہاں بھی ہم نے حمد کا معنیٰ شکر کر لیا۔ عربی زبان کی وسعت بہت ہے۔ شکر ہوتا ہے نعمت کے بدلے میں۔ یہ فرق ہے حمد کا اور شکر کا۔ یہ دونوں لفظ قرآن نے

استعمال کیے ہیں، یہ نہیں ہے کہ یہ اردو زبان کے لفظ ہیں۔ سورۃ ابراہیم میں کیا فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ[1] شکر کروگے تو اللہ تمہیں مزید عطا کریگا۔ لفظِ شکر علیحدہ قرآن نے استعمال کیا ہے۔ اگر اس کا معنیٰ شکر ہی تھا تو پھر حمد کہنے کا کیا مطلب تھا۔ شکر آتا ہے نعمت کے مقابلے میں۔ نعمت اسے کہتے ہیں جسکا فائدہ ہی فائدہ ہو اور اللہ تعالیٰ صرف اپنے محبوب کو نعمت کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم کو نعمت کہتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ باقی نعمتیں کبھی فائدہ دیں اور کبھی نقصان۔ تو شکر آپ کب کرتے ہیں؟ نعمت پہ۔ حمد کیا ہے پھر؟ حامدون وہ ہیں جو اپنی جان اور مال اللہ کی راہ میں، اصل بات تو یہاں سے شروع ہوئی تھی ناں کہ پہلے زندگی کی عمارت تقویٰ اور پرہیزگاری پر ہو، پھر اپنی جان اور مال اللہ کی راہ میں فروخت کر دیتے ہیں۔ انکی نشانیاں یہ ہیں کہ وہ تائبون ہیں، عابدون ہیں، حامدون ہیں۔ اب نعمت ملی تو شکر اور نعمت نہ ملی تو صبر۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایاناں کہ مومن کبھی خسارے میں نہیں رہتا، اگر اسکو نعمت ملے تو شکر کرتا ہے اور اللہ کو راضی کرلیتا ہے اور اگر نعمت چھن جائے تو صبر کرتا ہے، پھر بھی اللہ کو پالیتا ہے[2]۔ شکر اور صبر دونوں اسکو اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔ پھر یہ حمد کیا ہے؟ اب میرے پاس ساری نعمتیں ہیں تو میں پھر بھی کہتا ہوں، الحمدللہ رب العالمین۔ نماز میں کھڑے ہو کر یہی کہتا ہوں ناں؟ یہ میں سادہ کر کے آپکو عرض کر رہا ہوں تاکہ آپکا فہم clear ہو جائے۔ اور اگر مجھے بخار ہوا ہو، میں انتہائی بیمار ہوا ہوں، بیٹے کی پریشانی ہو، کوئی مالی پریشانی ہو، تو کیا پھر میں الحمدللہ نہیں کہوں گا؟ شکر ہے نعمت کیلئے۔ حمد ہے ہر حالت میں۔ حمد کا تعلق ہر حالت کیساتھ ہے۔ مولا یہ نہیں ہے کہ نعمتیں ہونگی تو الحمدللہ کہوں گا، نعمتیں چھن بھی جائیں گی تو پھر نماز میں کھڑے ہو کر الحمدللہ کہونگا۔ اسلیے فرمایا کہ وہ جو مال بھی دیتے ہیں اور جان بھی دے دیتے ہیں پھر بھی کہتے ہیں الحمدللہ۔ اسلیے حمد کا معنیٰ شکر نہیں کرنا۔ اسلیے تو کربلا والوں نے سب کچھ لُٹا کے الحمدللہ ہی کہا۔ اب کبھی الحمدللہ کہیں گے تو کیا معرفت ہو گی اللہ کی۔ وہ تو چھوٹا سا معنیٰ آپ نے کر لیا کہ الحمدللہ، اللہ کا شکر ہے۔ اسلیے فرمایا کہ وہ حامدون ہیں۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

[1] سورۃ ابراہیم:8

[2] صحیح مسلم:7500

10۔ جھُکو انکے ساتھ جو جھُکتے ہیں

قرآن: اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ-وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورة التوبہ:112)

ترجمہ: "توبہ والے، عبادت والے، سراہنے والے، روزے والے، رکوع والے، سجدہ والے، بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگاہ میں رکھنے والے اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو"

خاکہ:

1. روزے کا معنی ہیں اپنے آپ کو روک لینا
2. رکوع کرنیوالوں کیساتھ رکوع کرنے کا حکم اور اہمیت
3. سجدہ کرنیوالا کبھی متکبر نہیں ہوتا۔
4. سیدہ پاک کا گھر بھی کیا گھر ہے سب جنت کے سردار ٹھہرے۔
5. تسبیح فاطمہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔
6. اللہ کا ذکر زیادہ کرنا ہے، تھوڑے ذکر سے جی بھر جائے تو منافقت کی علامت ہے۔
7. تسبیحِ فاطمہ ذکرِ کثیر ہے۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

صاحبِ ایمان لوگوں کی نشانیوں پہ بات ہو رہی تھی اور ہم نے پہلی تین خوبیوں پہ گفتگو کی تھی کہ وہ توبہ کرنیوالے ہوتے ہیں، عابدون پہ بھی گفتگو ہو گئی تھی اور آگے ہے حامدون، اس پہ بھی تھوڑی سی گفتگو کی تھی۔ یہ چیزیں آپ نے یاد رکھنی ہیں کہ انسان اپنا محاسبہ کرتا رہے کہ میرے اندر توبہ کی، عبدیت کی اور اس کی حمد بیان کرنے کی یہ جو ہمیں اللہ نے توفیق دی ہے کہ اس کے حساب سے میں توبہ کرنے والا ہوں کہ نہیں ہوں، اس کی بندگی کرنیوالا ہوں کہ نہیں ہوں، اسکی حمد بیان کرنیوالا ہوں کہ نہیں ہوں۔ آگے جو صفت ہے وہ ہے السَّآئِحُوْنَ، اسکا لفظی ترجمہ میں نے آپکو عرض کر دیا تھا کہ اسکو مفسرین کرام نے روزہ رکھنے کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ روزے کا لغوی جو معنیٰ ہے، وہ ہے اپنے آپ کو روکنا۔ اصل میں جو پچھلی ہماری گفتگو چل رہی ہے وہ یہ ہے کہ طاقت اللہ تعالیٰ مجھے دیتا ہے اور اس طاقت کو استعمال کرنے کا اختیار مجھے دیتا ہے۔ تو اس اختیار کو میں نے صحیح استعمال کرنا ہے یا غلط کرنا ہے۔ تو جب شیطانی وسوسہ اور نفسانی وسوسہ انسان کو غلط راستے پہ ڈالے تو اسکو روکنے والی طاقت جو ہے اسکو روزہ کہتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا تھا کہ روزہ ڈھال ہے برائی کے خلاف۔ چیزوں کو روکنا جو ہے یعنی السَّآئِحُوْنَ ہیں، اپنے آپ کو روک لیتے ہیں اور کبھی بھی اللہ کی نافرمانی کے راستے پر نہیں چلتے۔ روزے کے متعلق رمضان شریف میں تفصیل سے عرض کر دیا تھا۔

آگے ہے الرّٰكِعُوْنَ، یہ بڑی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم نے رکوع پہ بڑا زور دیا ہے۔ رکوع کا لفظی معنیٰ ہوتا ہے جھکنا۔ مثلاً پہلے پارے میں آپ پڑھتے ہیں وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ[1] نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع کرنیوالوں کیساتھ رکوع کرتے ہیں۔ یعنی جھکنے والوں کیساتھ جھکو۔ یہ ذہن میں رہے کہ اکیلے جھکنا اور ہے اور جھکنے والوں کیساتھ جھکنا اور ہے۔ حالانکہ جب اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ آ گیا تو اس میں سارے ہی ارکان آ گئے تھے، نماز میں تو سارے ہی ارکان ہیں ناں۔ تو یہ خصوصی طور پہ فرمایا۔ یہ جو اکثر میں نماز میں بھی

[1] سورۃ البقرۃ:43

تلاوت کرتا ہوں کُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا اِنَّکُمْ مُّجْرِمُوْنَ [1] اللہ فرماتا ہے کہ یہ جو اللہ کے مجرم ہیں، اللہ کے باغی ہیں، یہ بس تھوڑی سی مدت ہے، انکو موج کر لینے دو وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ [2] ، انکے لیے بڑی بربادی ہے جو قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ چند دن کا کھانا پینا نہ انکا دیکھو۔ وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمُ ارْکَعُوْا لَا یَرْکَعُوْنَ [3] یہاں پھر وہی بات کہ رکوع کرو رکوع کرنیوالوں کیساتھ، جھکو، جھکنے والوں کیساتھ۔ وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمُ ارْکَعُوْا جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو، لَا یَرْکَعُوْنَ تو نہیں جھکتے۔ پھر فرمایا وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ [4]، بربادی ہے ان کیلئے جو قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ اور آخری آیت ہے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ [5] کیا قرآن کے بعد بھی کوئی کلام آئے گا تو اسکو سن کے یہ عمل کرینگے۔ اوہ! میرے پیغمبر ﷺ سے بڑی کوئی ذات آئے گی؟ اوہ! اس قرآن سے بھی بڑا کوئی کلام آئے گا کہ جس کا یہ انتظار کر رہے ہیں؟ اس قرآن پہ یقین نہیں انکو؟ تبیان القرآن میں علامہ غلام الرسول سعیدی صاحبؒ نے ایک بات لکھی ہے کہ رکوع پہ اتنا زور کیوں ہے؟ تو وہ فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں میں بھی نماز تو تھی، مختلف اوقات میں مختلف نمازیں تھیں، لیکن انکی نمازوں میں رکوع نہیں تھا۔ یہ رکوع صرف حضور ﷺ کی امت کو عطا کیا گیا ہے۔ تو اسلیے اس پہ اتنا زور دیا گیا ہے۔ نماز میں دو چیزیں جو ہیں وہ پہلی امتوں کے پاس نہیں تھیں، اس نماز کی اہمیت بھی اسلیے سب سے زیادہ، ایک تو رکوع نہیں تھا اور دوسرا اُنکی نمازوں میں درود نہیں تھا۔ اس لیے جو نماز اس امت کو عطا کی گئی ہے، وہ کسی اور امت کو نہیں کی گئی۔ تو ایک تو اللہ تعالیٰ کا تقاضا ہے کہ رکوع کرو اور دوسرا یہ ہے کہ جو اسکی بارگاہ میں جھکنے والے ہیں انکے ساتھ جا کر جھکو۔ جھکنا اللہ ہی کی بارگاہ میں ہے لیکن دیکھو کہ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں جھکنے والا ہے ان میں شامل ہو جاؤ۔

[1] سورۃ المرسلٰت:46
[2] سورۃ المرسلٰت:47
[3] سورۃ المرسلٰت:48
[4] سورۃ المرسلٰت:49
[5] سورۃ المرسلٰت:50

السّٰجِدُوْنَ ، سجدہ کرنیوالے۔ اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہو جاتے ہیں۔ میں نے اس دن بھی عرض کیا تھا الْعٰبِدُوْنَ کی شرح کرتے ہوئے کہ انتہائی ذلت کی حالت۔ اپنے مالک کے سامنے اپنے آپ کو ذلت کی حالت میں پیش کرنا۔ جب انسان اپنے مالک کے سامنے اپنے آپ کو ذلت کی حالت میں پیش کرتا ہے تو اس میں تکبر کہاں سے آجائیگا؟ اوہ سجدہ کرنیوالا بھی کبھی متکبر ہوتا ہے؟ سجدہ کرنیوالا کبھی متکبر نہیں ہوتا۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے پھر گارنٹی دی ہے کہ جتنا کوئی اُسکی بارگاہ میں جھکتا ہے، اللہ اسکو اُتنا ہی بلند کرتا ہے۔ یہ نسخہ اگر آپ کو مل جائے تو باقی دوڑ ختم ہو جائے کہ شاید میں کوئی منصب لیکر، دولت سے بلند ہو جاؤں۔ نہیں۔ بلندی جو ہے وہ آپکو اللہ کی بارگاہ میں جھکنے سے ملتی ہے۔ ایک بڑیا بات تفسیر دُرِ منصور میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پاک پیغمبر ﷺ تشریف فرماتھے، تو فرمایا کہ بہترین گھر وہ ہیں جن گھروں میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ٹائیلیں، پتھر لگالیں گے تو پھر ہی گھر بہتر ہوگا، نہیں، اس زمین پہ بہترین گھر وہ ہیں جہاں اللہ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے۔ بلکہ ارشاد ہوا نَوِّرُوا بُيُوتَكُمْ بِتِلاَوَةِ اَلْقُرْآنِ اپنے گھروں کو منور کرو قرآنِ کریم کی تلاوت سے۔ پھر فرمایا کہ بہترین گھر جو ہیں اس زمین پہ وہ نبیوں کے گھر ہیں کیونکہ نبیوں کے گھروں میں اللہ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے۔ بڑی روایت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں دُرِ منصور میں لکھتے ہیں کہ سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے، آج بھی اگر آپکو اللہ حاضری کا موقع دے تو یہ روضہِ رسول کے ساتھ ہی سیدہ فاطمہ الزہرہ سلام اللہ علیہا کا حجرہ بھی ساتھ ہے، تو سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ علی اور فاطمہ کا گھر بھی ان گھروں میں شامل ہے؟ حضور ذکر فرمارہے ہیں انبیاء کے گھروں کا تو ابو بکر پوچھ رہے ہیں کہ کیا یہ گھر بھی ان گھروں میں شامل ہے؟ تو میرے پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ گھر ان گھروں سے بہتر ہے۔ روایت یہاں تک ہی ہے۔ لیکن آگے بھی مفسرین اور محققین نے جو تبصرے کیے، ایک بات مجھے جو السجدون سے یاد آئی، انیسویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایاوَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّہِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا[1]، رحمٰن کے جو بندے ہیں انکی راتیں یا سجدے میں گزرتی ہیں یا قیام میں۔ اب ظاہر ہے کہ وہ میں اور آپ تو ہیں نہیں۔

---

[1] سورۃ الفرقان:64

یہ مقام و مرتبہ سیدۃ النساء العالمین سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا تھا کہ ایک ہی سجدے میں ساری رات گزر گئی، ادھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان کہہ دی، سجدے سے اٹھیں اور فرمایا کہ مولا کہ یہ تو نے کیا چھوٹی چھوٹی راتیں بنائیں ہوئی ہیں۔ ہم تو جمعہ کے بعد والی سنتیں بھی چھوڑ کے بھاگ جاتے ہیں، ہمیں کیا پتہ عبادت کیا ہے۔ ہمیں تو یہ سجدے بھی اچھے نہیں لگتے۔ یااللہ یہ تو نے کیا چھوٹی چھوٹی راتیں بنائیں ہوئی ہیں، کوئی ایسی لمبی رات تو بنا کہ تیری فاطمہ جی بھر کے سجدہ کر لے۔ تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ گھر اُن گھروں سے بہتر ہے۔ جس گھر میں ایک سجدے میں ہی رات گزر جاتی ہے۔ کبھی میں ان دعاؤں کا ذکر کروں آپ سے کہ سیدہ پاک دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتیں تو دعا میں ہی ساری رات گزر جاتی۔ پھر شان بھی تو دیکھیں ناں، اس روایت میں کسی کا اختلاف نہیں کہ کیا شان ہو گی جب میدانِ محشر میں اعلان ہو گا کہ تمام اہلِ محشر، جن و بشر اپنی نگاہیں جھکا لو، گردنیں نیچی کر لو، سیدہ فاطمہ الزہرا پل صراط سے گزرنے لگی ہیں۔ ان ساجدوں کی پھر شان بھی تو دیکھیں ناں۔ بات جو میں کرنے لگا تھا کہ مفسرین کرام نے یہاں جو نقطہ بیان کیا ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ نبیوں کے گھر بہترین گھر ہیں۔ اور جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو سرکار نے فرمایا کہ یہ علی اور فاطمہ کا گھر ان گھروں سے بہتر ہے۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ ایک بڑی بات جو انہوں نے بیان کی کہ نبیوں کے گھروں میں اللہ کا بہتر ذکر ہوتا ہے لیکن قرآن کریم یہ بیان کر رہا ہے کہ اس ذکر میں بھی کبھی کسی نبی کا بیٹا باغی ہو جاتا ہے اور کبھی کسی نبی کی بیوی باغی ہو جاتی ہے۔ نوح علیہ السلام کے گھر میں بیٹا ہی باغی ہو گیا اور یہ جو اٹھائیسویں پارے میں اللہ نے خصوصی ذکر کیا کہ نوحؑ اور لوطؑ کے گھروں میں بیویاں باغی ہو گئیں۔ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ[1] اللہ یہ مثال بیان کر رہا ہے نوح کی بیوی کی اور لوط کی بیوی کی۔كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ[2] کن گھروں میں رہتی تھیں جو ہمارے بہترین صالح بندے تھے۔ نوح علیہ السلام بھی صالح تھے اور لوط علیہ السلام بھی صالح تھے، ان کے گھروں میں رہ کر کافر ہو گئیں۔فَخَانَتٰهُمَا ان دونوں نے خیانت کی میرے نبیوں کیساتھ۔فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ[2]۔ اور آگے فرمایاوَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اور یہ مثال بھی بیان کرتا ہے کہ فرعون

---

[1] سورۃ التحریم:10

[2] سورۃ التحریم:10

کی بیوی اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ[1] تو تفصیل سے اس پہ پھر بات ہو گی، میں نے یہ بتانا تھا آپکو کہ یہ اٹھائیسویں پارے کا آخری رکوع ہے۔ تو مفسرین نے یہ لکھاہے کہ نبیوں کے گھروں میں کبھی بیویاں باغی ہو گئیں اور کبھی بیٹے۔ اس گھر کو بہترین گھر اسلیے قرار دیا کہ اس گھر سے نہ کوئی بیٹا اللہ کا باغی ہے اور نہ عورت اللہ کی باغی ہے۔ یہ کیا گھر ہے سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کا گھر ہے کہ یہاں سارے ہی جنت کے سردار ہیں؛ یہاں حسنین کریمین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں، سیدہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے اور سرکار نے فرمایا تھا کہ علی ان سے بہتر ہے۔ اس گھر کا کمال یہ ہے، یہ اگلی بات ذہن میں رکھنا کہ بہترین گھر وہی ہے جس گھر میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے لیکن جب کشتی میں بیٹھنے لگے تو باغیوں کو ساتھ نہیں رکھا گیا، چاہے بیٹا تھا اور بیوی تھی۔ لوط علیہ السلام بھی نکلے تو بیٹیوں کو ساتھ لیا، بیوی کو ساتھ نہیں لیا۔ تو آخر میں گھر چاہے کشتی ہو یا لوط علیہ السلام کی جونپڑی ہو تو اس میں ذاکرین ہی بچتے ہیں، دوسرے نہیں بچتے۔ باغیوں کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ اور اس گھر کی تو شان ہی کمال ہے۔ اور اس روایت کا دوسرا جو حصہ ہے وہ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ کہ اپنے گھروں میں اللہ کا ذکر کرو۔ وضو گھر سے کر کے آئیں، سنتیں گھر میں ادا کریں، قرآن کریم کی تلاوت گھر میں کریں۔ گھر کا ایک کونہ وقف کریں۔ تو ساتھ یہ فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، تو اس کے متعلق مفسرین نے یہ بات لکھی ہے کہ جس گھر میں اللہ کا ذکر نہیں ہوتا وہ دنیا میں ہی قبرستان میں رہ رہا ہے۔ وہ کسی گھر میں نہیں رہ رہا ہے، وہ قبرستان میں ہی رہ رہا ہے۔ اب ہم دیکھ لیں کہ ہمارے گھروں میں سے کتنے گھر ہیں اور کتنے قبرستان ہیں۔ کتنا ذکر ہوتا ہے ہمارے گھروں میں؟ چلو یہ بات چل نکلی ہے تو۔۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ہی بھیجا تھاناں کہ نبی پاک ﷺ لونڈیاں اور غلام تقسیم فرمارہے ہیں، تو فاطمہ تم سارادن کام کرتی رہتی ہو۔ یہ اپنے گھروں میں بھی جاکر بتاؤ، کہ جو ہماری بیٹیاں، بہنیں بڑے فخر سے کہتی ہیں کہ ہم کام نہیں کرتیں، ان سے کہا کریں کہ شہزادیِ کونین تو اپنے کام خود کرتی ہیں۔ تم ان سے کوئی بڑی شہزادی ہو گئی ہو؟ مردوں کو بھی یہی میں بات کہتا ہوں کہ یہ جتنے بھی سلاسل ہیں، چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، یہ سارے سلاسل مولا علی پر ہی جاکر ختم ہوتے ہیں،

---

[1] سورۃ التحریم:11

ولایت کے شہنشاہ وہی ہیں۔ اگر وہ یہودی کے باغ میں مزدوری کرنے چلے جاتے ہیں تو ہمیں کیا تکلیف ہے؟ تم کوئی علی سے بڑے نواب ہو کہ ہم نے کام نہیں کرنا۔

سرکار امامِ باقر رضی اللہ عنہ نے اسی لیے فرمایا تھا کہ مجھے وہ بندہ بہت برا لگتا ہے جو رزقِ حلال کیلئے محنت نہیں کرتا اور یارزاقُ کی تسبیح کرتا رہتا ہے۔ خبردار، اگر تم نے رزقِ حلال کیلئے محنت نہیں کرنی تو یارزاق اسکو کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ محنت کرو اور پھر یارزاق کہو، پھر اس میں برکتیں ہیں۔ تو جب سیدہ فاطمہ گئیں، تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم مصروف تھے اپنے کام میں، تو تھوڑی دیر انتظار کے بعد آپ واپس آگئیں۔ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو آپکو بتایا گیا کہ سیدہ پاک آئی تھیں۔ سرکار پھر گھر تشریف لائے، فرمایا کہ بیٹا پتہ چلا تھا کہ ملنے کیلئے آئی تھی۔ جی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خاموشی اختیار کی۔ تو مولا علی سرکار بول پڑے کہ سرکار میں نے بھیجا تھا کہ فاطمہ سارادن گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہے تو بابا جان لونڈیاں اور غلام تقسیم کر رہے ہیں تو تم بھی اپنے لیے ایک لے آؤ۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرے صحابہ جنگ میں شہید ہوگئے ہیں تو یہ سارامال ومتاع ان یتیموں کیلئے ہے۔ کاش یہ بات ہمارے مولویوں اور پیروں کو پتہ چل جائے کہ اپنا گھر بعد میں ہے، پہلے غریبوں مسکینوں کا حق ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ فاطمہ میں تجھے ان لونڈیوں اور غلاموں اور دنیا کے مال ومتاع سے بہتر نہ کوئی چیز عطا کروں۔ اسکو تسبیحِ فاطمہ کہتے ہیں۔ مشہور ہے، آپ نے سنا ہوا ہے۔ تو پھر سرکار نے فرمایا کہ ایسا کیا کرو کہ سونے سے پہلے 34 مرتبہ اللہ اکبر، 33 مرتبہ الحمدللہ اور 33 مرتبہ سبحان اللہ۔ صبح شام پڑھ لیا کرو۔ یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے [1]۔ یہ دنیا اور اس کی دولت جس کے پیچھے تم بھاگ رہے ہو ان سب چیزوں سے یہ تسبیح بہتر ہے۔ اس سے شیطان دور ہوتا ہے اور اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا نے تو یہ نہیں کہا کہ اس تسبیح نے کوئی میرے کام کرنے ہیں یا اس سے کوئی میرا پیٹ بھرے گا۔

[1] سنن ابی داؤد:5062، صحیح بخاری:5361

ایک آیت ہے سورۃ احزاب کی یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا[1] **اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔** وَّ سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا[2] **اور صبح اور شام پاکی بیان کرو۔ صبح وشام اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ تھوڑے ذکر سے اگر جی بھر جائے تو یہ منافق کی نشانی ہے۔** اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَ ھُوَ خَادِعُھُمْ **یہ اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں، نہیں، بلکہ یہ اپنے آپ کو خود ہی دھوکہ دے رہے ہیں۔** وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی **کہ جب یہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کیساتھ۔ وہ طلب وہ محبت ہوتی ہی نہیں ہے کہ ہم اپنے اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہیں۔** یُرَآءُوْنَ النَّاسَ **اس لیے کہ یہ لوگوں کو دکھانے کیلئے کھڑے ہیں، کونسا اللہ کیلئے۔** وَ لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا[3]**۔ اللہ کا ذکر تھوڑا سا کر کے تھک جاتے ہیں اور حکم کیا ہے کہ اگر ایمان والا ہے تو اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔**

تو 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھنا، 33 مرتبہ الحمد للہ اور 33 مرتبہ سبحان اللہ۔ یہ ہمارے پیر بھائی جانتے ہیں کہ صبح فجر کی نماز کے بعد جب کلمہ طیبہ کی تسبیح کرنی ہے تو کسی سے بات نہیں کرنی۔ آپ نے تو کبھی پوچھا نہیں کہ اسکی وجہ کیا ہے؟ تو میں نے سوچا کہ میں خود ہی بتا دوں۔ ہمارے بڑے بزرگ فرماتے ہیں کہ جب اللہ سے بات کر رہے ہو تو کسی اور سے کیوں بات کرنی۔ ہیں۔ یہ تسبیحِ فاطمہ میں بھی یہی ہے کہ جب تک یہ تسبیح کرنی ہے، کسی اور سے بات نہیں کرنی۔ تو اللہ سے گفتگو کر رہا ہے، تو اللہ سے بات کر رہا ہے، اب کسی اور سے بات نہیں کرنی۔ سرکار امامِ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے جب اس آیت (اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا) کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس نے یہ تسبیحِ فاطمہ پڑھ لی، اس نے ذکرِ کثیر کر لیا۔ اب دیکھئے اللہ اکبر میں کہیں فاطمہ کا نام نہیں ہے، الحمد للہ میں کہیں فاطمہ کا نام نہیں ہے، سبحان اللہ میں کہیں فاطمہ کا نام نہیں ہے لیکن تسبیح کو تسبیحِ فاطمہ کہنا ہے۔ جھکو جھکنے والوں کیساتھ، وَ ارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ۔ کسی نے پوچھا کہ حضور یہ تو بڑی مختصر سی تسبیح ہے اور اللہ فرما رہا ہے کہ ذکرِ کثیر کرو۔ فرمایا اس سے بڑا ذکر ہے ہی کوئی نہیں۔ اگر اس سے بڑا ذکر ہوتا تو نبی اپنی بیٹی کو ضرور عطا کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی

[1] سورۃ الاحزاب: 41

[2] سورۃ لاحزاب: 42

[3] سورۃ النساء: 142

سیدۃ النساء العالمین کو اگر اس سے بہتر ذکر ہوتا تو ضرور عطا فرماتے۔ اگر یہی ذکر دیا ہے تو یہی ذکرِ کثیر ہے۔ کیا آسانی ہے جھکنے والوں کیساتھ جھکنے کی۔ وہ ساری رات رکوع کریں، وہ ساری رات سجدہ کریں اور ہم ان کے نام پہ ایک تسبیح پڑھ لیں تو ہم بھی ذکر کثیر میں چلے گئے۔ یہ پڑھنا 100 مرتبہ لیکن قیامت والے دن جب یہ میزان میں رکھی جائیگی تسبیح تو ثواب 1000 کا ملیگا۔ ذکر کثیر ہو گیا ناں۔ اب کوئی ہر نماز کے بعد ادھر اُدھر دھیان کیے بغیر یہ پڑھ لے تو 5000 کی تو ہو گئی نا اسکی۔ ذکر کثیر ہو گیا ناں۔ چارپائی پہ آپ لیٹ گئے، سونے لگے ہیں، ایک تسبیح پڑھ لی، ذکر کثیر میں آپ شامل ہو گئے۔ اس کی دلیل قرآن کی دلیل ہے۔ آپ ایسے ہی نہ کہنا کہ اِدھر اُدھر کی کر رہا ہے باتیں۔ قرآن کہتا ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا[1] اللہ کی بارگاہ میں ایک نیکی لاؤ گے تو وہ کم از کم تمہیں 10 تو عطا کریگا۔ 100 کو دس میں شامل کرینگے تو 1000 ہی بنتا ہے۔ یہ کسی مولوی یا پیر کی دلیل نہیں، بلکہ قرآن کی دلیل ہے۔ اب آگئی سمجھ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ کیا کمال ذکرِ کثیر۔ لیکن یہ ملا کہاں سے؟ جو اسکی بارگاہ میں جھکتے تھے، انکی بارگاہ میں جھکنے سے۔ اوہ! انکے ساتھ جھکو گے تو تمہارا تھوڑا بھی کثیر ہو جائیگا۔ اور آگے ہے الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ-وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اس پہ انشاءاللہ پھر گفتگو ہو گی۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

[1] سورۃ الانعام:160

11۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

قرآن:- اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ-وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورة التوبہ:112)

ترجمہ: "توبہ والے،عبادت والے، سراہنے والے، روزے والے، رکوع والے، سجدہ والے، بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے، اور اللہ کی حدیں نگاہ میں رکھنے والے۔ اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو"

خاکہ:

1. علم اور معرفت
2. نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کا حکم
3. مصلحت کیا ہے؟
4. اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دنیا کیلیئے پیدا ہی نہیں کیا۔
5. اس دنیا میں مجھے آزمائش کیلیئے بھیجا گیا ہے۔
6. موت کی دعوت دینا کیا ہے؟
7. ایک مومن کے دوسرے مومن پہ چھ حق ہیں
8. انسانوں کی اصلاح اور مصلحت کیلیئے زندگی وقف کرنا

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

ہم سورۃ توبہ کی اس آیت پہ گفتگو کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا سب کچھ فروخت کرنیوالے ہوتے کیسے ہیں؟۔ انکی نشانیاں کیا ہیں؟ تو اس حوالے سے ہم نے دیکھا کہ وہ تائبون ہیں، عابدون، حامدون، سائحون، راکعون اور ساجدون ہیں۔ آگے فرمایا الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اس پہ پہلے بھی میں نے کچھ جملے عرض کیے تھے۔ اس کا سادہ ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ یعنی جس کا تعلق اللہ سے ہو تا وہ نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ یہ عام اصطلاح ہے، معروف کا ترجمہ "نیکی" کیا جاتا ہے۔ میں اکثر آپ سے کہتا ہوں کہ ہماری اردو زبان کے پاس ترجمے کے لیے لفظ نہیں ہوتے تو مجبوراً ہمیں یہ الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ عربی زبان میں معروف کہتے ہیں وہ اچھا کام جو ہر انسان خود بخود جانتا ہے۔ وہ فطری ہدایت جسکا ہر انسان کو علم ہے۔ یعنی یہ اللہ والے اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دے رہے ہوتے بلکہ یہ معروف اس کے اندر پہلے سے موجود ہے۔ یعنی کوئی نئی چیز نہیں ہے کہ یہ یار مجھے کیا کہہ رہا ہے یا اُسے سمجھ نہیں آ رہی، ایسی کوئی بات نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پتہ تو اسے پہلے ہی ہے۔ اب کونسا ایسا انسان ہے جو کہتا ہے جھوٹ اچھی چیز ہے؟ سچائی اچھی چیز ہے یا بری چیز ہے۔ کس کو نہیں پتہ؟ دھوکہ اچھی چیز ہے یا بُری چیز ہے۔ کس کو نہیں پتہ؟ تو وہ جو انسان کے اندر معروف ہیں ناں، جو وہ پہلے ہی جانتا ہے، معرفت رکھتا ہے۔ معروف سے ہی لفظ معرفت ہے ناں، جس کا معنی پہچان کرتے ہیں۔ اچھا یہاں بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ اس کو پہلے علم ہے۔ یعنی جن چیزوں کا وہ پہلے علم رکھتا ہے۔ نہیں، جن چیزوں کی وہ معرفت رکھتا ہے۔ عربی زبان میں علم اور معرفت میں یہ فرق ہے کہ ہو سکتا ہے وہ بندہ علم رکھتا ہو لیکن معرفت نہ ہو۔ مثلاً ایک بندہ میرے متعلق کسی کو بتانا شروع کر دے کہ انہوں نے اس سکول سے پڑھا، فلاں کالج اور یونیورسٹی سے پڑھا اور اس سکول میں پڑھاتے ہیں، فلاں کالج میں لیکچر دیتے ہیں، فلاں مسجد میں خطبہ دیتے ہیں، اس طرح کا ان کا اندازِ بیان ہے۔ تو علم تو اسکے پاس میری ذات کا آجائے گا

لیکن ہو سکتا ہے کہ میں کہیں بازار میں جارہا ہوں تو مجھے دیکھ کر بھی وہ نہ پہچانے۔ معرفت نہ ہو اس کو، پہچان نہ ہو۔ تو یہ معرفت کا درجہ علم سے آگے کا ہوتا ہے۔

تو اللہ فرمارہا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بتارہے، اٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ معروف کا حکم دیتے ہیں جنکو پہلے ہی یہ پہچانتا ہے کہ یہ چیزیں اچھی ہیں۔ اس کیلئے جو میں پاک پیغمبر ﷺ کی روایت آپ سے اکثر عرض کرتا ہوں کہ جو قوم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا چھوڑ دے تو ان پہ پھر بُرے حکمران مسلط ہو جاتے ہیں۔ یہ صرف حکمرانوں کو نہیں کہنا، یہ اس معاشرے کی بد بختی ہے کہ جس کام کا اللہ نے حکم دیا تھا، انہوں نے پورا نہیں کیا۔ اور اگلا جملہ تو ہلا کر رکھ دینے والا ہے کہ بُرے حکمران مسلط کر دیے جاتے ہیں اور پھر انکے نیکوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ میں جب 2016 میں حج کرنے گیا اور بیت اللہ شریف کا طواف کرتے وقت اور میدانِ عرفات میں بھی اکثر یقین جانیے، اس سال سعودی حکومت نے یہ بتایا کہ ساڑھے انیس لاکھ لوگ حج کرنے آئے، میدانِ عرفات میں چونکہ سب اکٹھے ہوتے ہیں ایک جگہ، یہ حج کے جو پانچ دن ہیں، باقی دن تو کوئی مکہ پاک ہوتا اور کوئی مدینہ شریف لیکن یہ پانچ دن سب اکٹھے ہوتے ہیں، منیٰ میں بھی تین دن، مزدلفہ کی رات بھی۔ تو میں اس وقت یہ سوچتا تھا کہ ساڑھے انیس لاکھ لوگ کھڑے ہو کر یہ کہہ رہے ہیں کہ مولا فلسطین پہ رحم کر اور اللہ دعا نہیں سن رہا۔ ساڑھے انیس لاکھ کہہ رہے ہیں کہ مولا کشمیر کو ہندوؤں کے تسلط سے آزاد کر دے تو اللہ انکی دعا ہی نہیں سنتا۔ کبھی سوچا ہے اس بات پہ؟ تو میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ بُرے لوگ تمہارے اوپر مسلط کر دیے جائیں گے اور تمہاے نیکوں کی دعائیں قبول نہیں ہونگی اگر تم نے یہ دو کام چھوڑ دیے، امر بالمعروف چھوڑ دیا اور نہی عن المنکر چھوڑ دیا[1]۔ اب ہم اس کو بڑا آسان سا سمجھتے ہیں۔

ایک بڑھیا بات، سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا جو خطبہ ہے اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ قرآنِ کریم نے یہ جو امر بالمعروف کا حکم دیا ہے، یہ امر بالمعروف کا حکم اس لیے دیا ہے تا کہ عام عوام کی مصلحت ہو جائے، اصلاح ہو جائے۔ عوام کی بات کی ہے، کسی ایک دو فرد کی بات نہیں کی۔ اب مصیبت یہ ہے کہ جب اس خطبہ کو پڑھتے ہیں تو

[1] رواہ احمد، بزار اور طبرانی

ہمارے ہاں مصلحت کسے کہتے ہیں؟ مکاری کو، دھوکہ دہی کو، ظلم کو دیکھ کر خاموش رہنے کو مصلحت کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں مصلحت یہی ہے۔ بڑھیا جملہ سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا نہج البلاغہ میں، آپ نے فرمایا کہ کوئی اس لیے ڈر جاتا ہے کہ یہ بندہ بڑا طاقتور ہے تو سچ بولنے پہ مجھے تکلیف پہنچائے گا تو وہاں ظلم پہ خاموش رہنے کو تُو مصلحت سمجھتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ نیکی کا حکم کرنے سے نہ تو موت ہی قریب آتی ہے اور نہ ہی رزق میں کمی آتی ہے۔ مصلحت بھی عربی زبان میں اس راستے کو کہتے ہیں جس راستے پہ چل کے انسان اپنی منزل پہ پہنچ جاتا ہے۔ اس راستے کا نام مصلحت ہے۔ مثلاً اگر کوئی بندہ انجنیئر بننا چاہتا ہے تو وہ میڈیکل کالج میں داخلہ لے لے تو کوئی اسکو دانا نہیں کہے گا، کیونکہ میڈیکل کالج سے راستہ انجنیئرنگ کی طرف جاتا ہی نہیں ہے۔ یہ مصلحت عام عامہ کیلئے سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ یہ معروف کا حکم اس لیے کرنا ہے کہ لوگ اس راستے پہ چلیں جہاں انہیں اللہ کا قرب نصیب ہو جائے۔ ایک چیز، میں بڑی قرآن کریم میں دیکھتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ میں بھی فرمایا طٰہٰ(1)مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى (2) یارسول اللہ ﷺ! یہ قرآن کیا ہم نے اسلیے نازل کیا ہے کہ آپ اپنے آپ کو مشقت میں ڈال لیں۔ یہ ہم نے اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ دن رات اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے ہیں کہ ان لوگوں کی نجات ہو جائے۔ امر بالمعروف کیلئے اور بھی آیات ہیں لیکن کم از کم یہ آیت سورۃ طٰہٰ کی آپ کے ذہن میں رہے کہ جو اللہ کا مقرب ہوتا ہے، جو پاک پیغمبر ﷺ کا ماننے والا ہوتا ہے اس پہ کوئی ظلم و ستم بھی کرے تو وہ اس کی اصلاح کی سوچتا ہے۔ اس کو وہ راستہ نصیب ہو جائے جس پہ یہ کامیاب ہو جائے۔ یہ ناکام نہ ہو۔

میں ایک جملہ عقیدہ کا، پہلے عرض کر دوں کہ انسان اس راستے پہ چلتا کیوں ہے؟ جہاں وہ ناکام ہو جائے۔ عقیدہ کا مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دنیا کیلئے پیدا کیا ہی نہیں۔ جب تک آپکو یہ بات واضح نہیں ہوتی، اس وقت تک آپ کو نہ قرآن کی سمجھ آئیگی، نہ حدیثِ رسول کی سمجھ آئیگی، اور نہ ہی دین کی سمجھ آئیگی۔ اللہ نے مجھے اس دنیا کیلئے خلق نہیں کیا۔ یہ آٹھویں پارے میں، جب آدم علیہ السلام کو اس زمین پہ اترنے کا حکم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کچھ وقت کیلئے تم نے اس دنیا میں ٹھہرنا ہے۔ رہنا یا جنت میں ہے یا دوزخ میں۔ مجھے خلق ہی آخرت کیلئے کیا گیا ہے۔ اگر یہ بات انسان کی سمجھ میں آجائے کہ میں اس دنیا کیلئے تو پیدا ہی نہیں ہوا تو اس کے سارے مسئلے حل ہو جائیں۔

اور متنبی نے بھی کیا کہا تھا؟ یہ ہمیں ایم اے عربی کے کورس میں پڑھایا تھا، یہ شاعر ہے عربوں کا بہت بڑا، یہ درسِ نظامی میں اور ایم اے عربی میں عربی سیکھنے کیلئے اس کے دیوان سے پڑھایا جاتا ہے۔ متنبی نے کہا کہ اس بات کو سمجھنے کیلئے کہ مجھے اس دنیا کیلئے خلق نہیں کیا گیا، یہ کافی نہیں تھا کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے اس دنیا کو چھوڑ دیا۔ اسکے بعد بھی تجھے یہ یقین نہیں آتا کہ اللہ نے مجھے اس دنیا کیلئے پیدا نہیں کیا۔ جن سے پوچھا گیا تھا کہ اگر آپ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو قیامت تک بادشاہی آپ کو عطا کر دیتے ہیں بھائی ہمیں اللہ نے اس دنیا کیلئے خلق ہی نہیں کیا، اسلیے نہ یہاں کوئی نبی رہتا ہے، نہ کوئی ولی رہتا ہے، اور نہ کوئی اصفیاء میں سے، نہ موسیٰ نہ فرعون، نہ ابراہیم نہ نمرود۔ ہر کسی نے اس دنیا سے چلے جانا ہے۔ اس دن میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ لا الہ الااللہ پڑھتے ہیں، اگر آپ توحید کو ذات اور صفات سمیت اللہ کو مانیں، آپ مسلمان نہیں ہونگے جب تک آپ محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں مانتے۔ اللہ کی توحید کو بھی ذات اور صفات کیساتھ ماننا ہے؛ اسی طرح پاک پیغمبر ﷺ کو بھی ذات اور صفات کیساتھ ماننا ہے۔ اب بھی مسلمان نہیں ہونگے، اب بھی صاحبِ ایمان نہیں ہونگے، جب تک آپ کا آخرت پہ مکمل یقین نہ ہو کہ مجھے اللہ نے خلق ہی آخرت کیلئے کیا ہے اور ساتھ یہ فرمادیا ہے کہ وہ زندگی دائمی ہے، ابدی ہے۔ ایک دفعہ کافروں اور مسلمانوں میں یہ مناظرہ ہو رہا تھا، کافر کہتے ہیں کہ آدمی مر گیا اور ختم ہو گیا اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ آخرت کی زندگی ہمیشہ کی ہے۔ تو مسلمان سکالر نے بڑا کمال کا جملہ کہا، اس نے کہا کہ جس اللہ کی مخلوق نے ختم نہیں ہونا اس اللہ کو تم کیسے ختم کر سکتے ہو۔ جس اللہ نے انسان کو دائمی پیدا کیا ہے۔

دیکھئے اگر میری ساری تگ و دو اس زندگی کیلئے ہے اور آخرت کے متعلق میں 24 گھنٹوں میں کتنا سوچتا ہوں، موت کے متعلق کتنا سوچتا ہوں، جہاں میں نے ہمیشہ رہنا ہے۔ تو یہ حدیثِ قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس دنیا کو تو میں نے آزمائش کیلئے پیدا کیا ہے۔ تخلیقِ انسانی کی جتنی آیات ہیں، دو میں آپکو سنا دیتا ہوں، تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ-وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ [1]۔ بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

[1] سورۃ الملک:1

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ جس نے موت کو خلق کیا اور زندگی کو خلق کیا۔ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا[1] تاکہ تمہیں آزمائش میں ڈالے۔ بھائی جہاں بھی تخلیقِ انسانی کی بات ہے وہاں اللہ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اس دنیا کیلیئے تو تجھے پیدا نہیں کیا یہاں تو تجھے آزمانے کیلیئے بھیجا ہے۔ یہاں تو مصائب ہیں، بھوک ہے، بیماریاں ہیں، مال اور جان کا نقصان ہے، کہیں بیٹے کا لاشہ اٹھانا پڑتا ہے، کہیں کینسر کے مرض سے لڑنا پڑتا ہے، کہیں اولاد نافرمان نکل آئی، کہیں کسی کو بیوی سے بڑے دکھڑے ہیں، بیوی کو خاوند سے بڑے گلے ہیں۔ کیا ہے اس دنیا میں؟ ابتلا ہے۔ سورة دھر کی پہلی آیت، هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ انسان پر ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا[2] یہ کوئی قابلِ ذکر شے ہی نہیں تھا۔ مثلاً میرے پیدا ہونے سے پہلے میرا کوئی نام و نشان ہی نہیں تھا۔ میں تو قابلِ ذکر ہی نہیں تھا۔ میرا کون ذکر کرتا تھا؟ میرا ذکر ہوا ہے میرے پیدا ہونے کے بعد۔ تو اللہ فرما رہا ہے کہ اس وقت کو یاد کرلے کہ جب تیرا کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔(اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا[3])۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ بیشک ہم نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا اَمْشَاجٍ امشاج عربی زبان میں کہتے ہیں ملے جلے پانی کو۔ ماں اور باپ، دونوں کیطرف سے۔ نَّبْتَلِیْهِ تاکہ ہم اسے ابتلا میں ڈالیں، آزمائش میں ڈالیں۔ تخلیقِ انسانی کی جہاں بھی آیت آئیگی وہاں ابتلا، آزمائش کا ذکر ہوگا۔ میں حدیثِ قدسی عرض کرنے سے پہلے یہ آیات آپکے سامنے رکھنا چاہتا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کا اصل معاملہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں راحت چاہتا ہے، اس دنیا میں سکون چاہتا ہے۔ اب دیکھیئے اللہ تعالیٰ نے کس جگہ پہ جاکر آپکی فکر کو دعوت دی ہے۔ اب میرے چوبیس گھنٹے کس کام میں گزرتے ہیں کہ مجھے یہاں راحت ملے، سکون ملے۔ اب اس راحت اور سکون کیلیئے میں ظلم بھی کر رہا ہوں، بہن بھائیوں کا مال بھی کھا رہا ہوں، جھوٹ بھی بول رہا ہوں، رشوت بھی لے رہا ہوں۔ مقصد پیچھے کیا ہے؟ سکون۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ بیوقوف جب تجھے بتادیا گیا ہے کہ اس دنیا میں سکون نہیں ہے۔ سکون تو اللہ نے جنت میں رکھا ہے۔ جہاں رکھا ہے، اس کیلیئے تُو کوشش نہیں کرتا۔ فرمایا کہ جو کوئی اِس دنیا کیلیئے راحت تلاش کرتا ہے، تو اس کو

[1] سورة الملک:2

[2] سورة الدھر:1

[3] سورة الدھر:2

راحت کبھی نہیں ملتی۔ چونکہ یہاں تو تھی ہی نہیں تو جہاں تھی اس کیلئے اس نے کوشش نہیں کی۔ یہ تو نہیں ہے کہ میرے مرنے کے بعد سارے کہیں گے یا اللہ اس کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما، اس جنت کیلئے میں نے کیا کیا ہے؟ تو فرمایا جس نے اِس دنیا کیلئے راحت تلاش کی تو اس کو پھر راحت کہیں نہیں ملی۔ کئی دفعہ ہم رشتے بھی اس لیے جوڑتے ہیں کہ یہاں راحت ملے، یقین جانیے کہ میں خوف زدہ ہو جاتا ہوں جب یہ پڑھتا ہوں، میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی نے اپنی بیٹی کا رشتہ صرف کسی کا مال و دولت اور اعلیٰ عہدہ دیکھ کے کر دیا۔ صرف اس لیے رشتہ کر دیا کہ اس بندے کے پاس دولت بڑی ہے، یا وہ کسی بڑے عہدے پر فائز ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کا باغی تھا، شرابی تھا، بدکار تھا، سود خور تھا، حرام خور تھا۔ لیکن تُو نے وہ ساری چیزیں نظر انداز کیں صرف اس لیے کہ میری بیٹی کو یہاں سکون ملے گا۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی بدکردار انسان کیساتھ اپنی بیٹی کی شادی صرف اس لیے کر دی کہ اس کے پاس منصب ہے اور دولت ہے، اس نے اپنی بیٹی کو قتل کر دیا۔ اس نے ظلم کیا اپنی بیٹی پہ۔

مجھے مولا علی کا وہ جملہ یاد آتا ہے کہ ایک نوجوان نے ایک بوڑھے کا سامان اٹھایا ہوا تھا۔ ہونا چاہئے یہ بھائی ہمارا کلچر ہے، اسلامی کلچر ہے۔ پاک پیغمبر ﷺ کی سنت ہے کہ کوئی کمزور آدمی ملے تو اسکا بوجھ اٹھالینا چاہئے۔ تو بوجھ اٹھایا، بابا جی جب منزل پہ پہنچے تو نوجوان کو دعا دی کہ اللہ تجھے کوئی غم نہ دکھائے۔ کوئی مصیبت نہ دکھائے۔ بھائی بزرگ یہی دعائیں دیتے ہیں۔ تو جب بابا جی نے یہ دعا دی تو مولا علی سرکار وہاں کھڑے تھے، تو تربیت کا انداز دیکھئے۔ جب بابا جی نے کہا کہ اللہ تجھے کوئی غم اور مصیبت نہ دکھائے تو مولا علی سرکار نے فرمایا کہ کیا اس کو موت کی دعوت دے رہے ہیں۔ بابا جی نے کہا کہ نہیں میں تو زندگی کی دعا دے رہا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب تک زندگی ہے اس وقت تک تو آزمائش ہے۔ جب تک زندگی ہے اس وقت تو انسان آزمائش میں ہے، مصائب اور تکالیف تو آنی ہیں۔ یہ اللہ نے دنیا سکون کیلئے بنائی ہی نہیں، آزمائش کیلئے بنائی ہے، امتحان کیلئے بنائی ہے۔ یہاں نہیں رہنا۔ یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ نے مجھے اس دنیا کیلئے خلق ہی نہیں کیا۔ وہ جو لافانی ذات ہے، اس نے مجھے فنا ہونے کیلئے نہیں پیدا کیا۔ مجھے

باقی رکھنے کیلئے پیدا کیا ہے، نہیں تو وہ کہہ دیتا جا جو تیرا جی چاہے کر۔ نہیں، جب بھی میں اِدھر اُدھر ہونے لگتا ہوں، اپنے پیغمبر کے ذریعے میری رہنمائی فرماتا ہے۔ مجھے فنا نہیں نہ ہونے دینا چاہتا، مجھے باقی رکھنا چاہتا ہے۔

میرے پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر مومن کے دوسرے مومن پہ چھ حق ہیں[1]۔ جب وہ فوت ہو جائے تو اسکے جنازے میں شریک ہونا، یہ مومن کا حق ہے۔ بڑھیا جملہ، میرے پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ سارے کام چھوڑ کر جنازہ پڑھنے جایا کرو، اسکا وہ آخری حق ہے، اس نے اب واپس دنیا میں نہیں آنا۔ لیکن ہم چونکہ اللہ رسول کا حکم سمجھ کے نہیں جنازہ پڑھتے ناں۔ ثواب ویسے بڑا ہے۔ ایک قیراط جنازہ پڑھنے کا اور جو دفنانے تک ساتھ رہتا ہے تو دو قیراط کا[2]۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ کہ یہ قیراط کیا ہے؟ تو فرمایا احد پہاڑ کے برابر ثواب جو صرف جنازہ پڑھ کے آجائے اور جو دفنانے تک رہے تو دو قیراط۔ کندھا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ دس دس گناہ معاف کرتا ہے اور سلیقہ بھی سکھایا کہ پہلے دائیں طرف دے پھر بائیں طرف اور پھر پیچھے آجائے۔ اور یہ جملہ شاید آپ سے پہلے کہا ہے کہ نہیں کہا لیکن جب بڑے بڑے لوگوں کے جنازوں پہ میں جاتا ہوں تو وہاں یہ جملہ ضرور کہتا ہوں، کچھ لوگ ناراض بھی ہو جاتے ہیں، وہاں میں کہتا ہوں کہ کاش آپ اللہ رسول کا حکم سمجھ کر جنازہ پڑھیں۔ جب اللہ رسول کا حکم سمجھ کر پڑھیں گے تو پھر غریبوں کے جنازے بھی بڑے ہونگے۔ پھر صرف لٹیروں، ڈاکوؤں اور راشیوں کے جنازے بڑے نہیں ہونگے۔ لیکن آجکل غریبوں کے جنازے چھوٹے ہوتے ہیں اور بدمعاشوں کے بڑے ہوتے ہیں۔ بیمار ہو جائے تو اسکی عیادت کرے۔ یہ مومن کا حق ہے۔ ہم مسجد میں بھی اسی لیے اکٹھے ہوتے ہیں، ہمسایوں کا، قریبی رشتہ داروں کا، جس بیمار کا بھی پتہ چلے اسکی عیادت کیلئے جانا، یہ مومن کا حق ہے۔ چھینک آجائے وہ الحمدللہ کہے اور آگے سے یرحمک اللہ کہنا، یہ مومن کا حق ہے۔ آپ نے اس کا حق ادا کرنا ہے۔ دعوت دے تو وہ قبول کرنا۔ میں جس نقطہ پہ آپکو لیکر آنا چاہتا تھا۔ سرکار نے فرمایا کہ ایک مومن کا دوسرے مومن پہ حق یہ ہے کہ جب وہ موجود نہ ہو تو اسکا بھائی اسکی عزت کا تحفظ کرے۔ یہ ایک مومن کا حق ہے کہ میرا بھائی اس محفل میں موجود نہیں

[1] صحیح مسلم:5651

[2] سنن ابن ماجہ:1539

ہے اور یہاں اس کے متعلق بد کلامی شروع ہو گئی ہے تو میرا فرض ہے کہ میں روکوں۔ اور اگر یہاں میں ڈر جاؤں کہ یہ لوگ میرے خلاف ہو جائیں گے تو اسکو کیا پتہ کہ عامۃ الناس کی مصلحت کیا ہوتی ہے۔ (سیدہ پاک کا جملہ)۔ اور اگر تم لوگوں کو روک نہیں سکتے تو پھر فرمایا کہ اس محفل سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ اگر تم اپنے ایمان والے بھائی کی عزت کا تحفظ نہیں کر سکتے تو پھر اس محفل سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ اس موقع پہ مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم نے فرمایا تھا کہ اس وقت نہ ہی موت تیرے قریب آئیگی اور نہ رزق میں کمی آئیگی کہ میرا افسر ناراض ہو گیا تو نوکری سے نکال دے گا۔ یہی وہ بنیادی بات تھی جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی سمجھ میں آگئی تھی۔ امیہ بن خلف نے جب کوڑا دیا ناں آپ کے ہاتھ میں، مار رہا تھا حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کو، حضرتِ عمار رضی اللہ عنہ کے باپ کو، تھک گیا مار مار کے تو حضرت بلال چونکہ غلام تھے اس کے، تو کوڑا دیا کہ مارو اسکو، حضرت بلال نے فرمایا کہ میں ظلم نہیں کر سکتا اپنے بھائی پہ۔ یہ مکہ کی سر زمین پہ پہلی بغاوت تھی۔ سر دارانِ قریش تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی غلام ایسی جرات کر سکتا ہے؟ لیکن یہ سمجھ آگئی تھی کہ حق بات کہنے سے نہ موت قریب آتی ہے اور نہ رزق میں کمی آتی ہے۔ اور اللہ نے مجھے آزمائش کیلئے اس دنیا میں بھیجا ہے۔ پیدا مجھے آخرت کیلئے کیا ہے۔ جتنی جلدی یہ بات سمجھ آجائیگی، اتنی جلدی یہ زندگی آسان ہو جائیگی۔ اور جو لوگ اس دنیا میں راحت تلاش کرتے ہیں تو انکو پھر راحت کہیں نہیں ملتی۔

یہ اللہ کا فرمان ہے، حدیث قدسی ہے۔ اللہ نے اپنے دوستوں کی کیا نشانی بتائی ہے؟ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا ولی رات ہزار نفل پڑھتا۔ اب تو وقت ہو گیا، ایک بندہ سرکار مولا علی کے پاس آیا تو کہنے لگا کہ حضور جس قافلے کیساتھ ہم آئے ہیں تو ایک بندہ بڑا نیک ہے۔ پوچھا کیا کرتا تھا؟ کہنے لگا کہ جہاں بھی ہم پڑاؤ ڈالتے تھے ناں تو مصلہ بچھا کر نوافل پڑھتا رہتا تھا۔ مولا علی سرکار نے پوچھا کہ اس کا گھوڑا کون باندھتا تھا؟ حضور وہ تو میں باندھتا تھا۔ اس کو چارہ کون ڈالتا تھا؟ حضور وہ تو ہم ڈالتے تھے۔ فرمایا کہ اس کے نوافل پڑھنے سے تُو بہتر ہے جو اسکے کام آتے تھے۔ اور یہی بات میں نے حضور باباجی فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات میں پڑھی، آپ نے فرمایا کہ اگر سائل دروازے پر ہو، تو حجرے میں نوافل پڑھنے کا مزا نہیں آتا۔ انسانوں کی اصلاح اور مصلحت کیلئے زندگی کو وقف کرنا، یہ سنتِ رسول ہے۔ یہ ہے امر بالمعروف کہ دوسرا چاہے تیرے ساتھ جیسا بھی سلوک کرے، دشمنی

کرے لیکن تیری یہ خواہش ہو کہ وہ اس راستے پہ چلے اور کامیاب ہو جائے۔ یہ آخری جملہ میں آپ کو عرض کر دوں کہ جس معاشرے سے یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ختم ہو جاتا ہے تو نہ اس کے عقائد بچتے ہیں، نہ اسکی اقدار بچتی ہیں، نہ اس معاشرے کا اخلاق بچتا ہے۔ نہ انسانی اقدار اور نہ اخلاقی اقدار۔ کچھ نہیں بچتا اس معاشرے کا۔ ہم نے اپنے گھروں میں اپنی بچیوں کو بے حیائی کا لباس پہننے سے منع نہیں نہ کیا تو اب ہم کس سٹیج پہ کھڑے ہو گئے۔ یہ چونکہ ایامِ فاطمیہ ہیں تو اس لیے میں سیدہ پاک کا ساتھ ساتھ ذکر کرتا رہتا ہوں۔ سیدہ پاک نے فرمایا تھا کہ بچپن میں، دو تین سالہ بچی کو پورا لباس پہناؤ شرم و حیاء والا، تاکہ جب وہ بڑی ہو، اسکو بے حیائی سے ویسے ہی نفرت ہو جائے۔ یہ نہیں کہنا کہ بچی ہے، کوئی بات نہیں۔ تو امر بالمعروف آپ نے اپنے گھر سے شروع کرنا ہے۔

اللہ تعالی عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

12۔ عبادات راستے ہیں، منزل اللہ ہے

قرآن: اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِؕ-وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (سورة التوبہ:112)

ترجمہ: "توبہ والے عبادت والے سراہنے والے روزے والے رکوع والے سجدہ والے بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگاہ رکھنے والے اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو"

خاکہ:

1. عبادتیں منزل نہیں ہوتیں، منزل تو "اللہ" ہے۔
2. سیدھے رستے پر وہی ہے جس کے دل میں مولا کی طلب ہے۔
3. معروف کا کیا معنی ہے؟
4. نہی عن المنکر کیا ہے؟
5. بچے کا شعوری لیول

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

ہماری گفتگو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے متعلق ہو رہی تھی۔ اور اسکے متعلق پاک پیغمبر ﷺ کا حکمِ عالی پہ گفتگو کا اختتام ہوا تھا کہ اگر تم نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا چھوڑ دو گے تو تمہارے اوپر برے لوگ مسلط کر دیے جائینگے اور پھر تمہارے نیکوں کی دعائیں قبول نہیں ہونگی[1]۔ یہ بہت سخت حکم ہے کہ جس جس درجے پہ بھی کوئی ہے وہ اپنا فریضہ جو ہے وہ ادا کرے۔ دیکھئے انسان اس دنیا میں آکر اپنی کوئی نہ کوئی منزل طے کرتا ہے اور پھر اس منزل کے حصول کیلئے کوئی راستے طے کرتا ہے۔ یہ جو ہم گفتگو کر رہے ہیں ناں کہ وہ توبہ کرنیوالے ہیں، عبادت کرنیوالے ہیں، حمد کرنیوالے ہیں، روزے رکھنے والے ہیں، رکوع کرینوالے ہیں، سجدے کرنیوالے ہیں، تو یہ ساری چیزیں جو ہیں یہ راستے ہیں اس منزل کے۔ عبادت منزل نہیں ہے، یہ بنیادی چیز سمجھ لیں۔ روزہ منزل نہیں ہے؛ رکوع منزل نہیں ہے؛ سجدہ منزل نہیں ہے۔ اس اللہ تک پہنچنے کا رستہ ہے سجدہ۔ عبادت اس اللہ تک پہنچنے کے رستے کا نام ہے۔ اور قرآن کریم نے فرمایاوَ اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی[2] تیرا آخری ٹھہراؤ تمہارا رب ہے۔ تو اگر کسی انسان کی منزل یہ ہے کہ اس نے اللہ تک پہنچنا ہے تو پھر ظاہر ہے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ پھر زیارت بھی ہو جائے گی۔ قرب بھی حاصل ہو گا لیکن اس کے لیے یہ جو رستے ہیں انکا تعین کیا جا رہا ہے۔ توبہ بھی اس تک پہنچنے کا رستہ ہے۔ عبادت بھی اس تک پہنچنے کا رستہ ہے۔ رکوع اور سجدہ بھی اس تک پہنچنے کا رستہ ہے۔ اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی اللہ تک پہنچنے کا رستہ ہے۔ ہاں! اِس کے بغیر کام مکمل نہیں ہو سکتا، منزل مل نہیں سکتی۔ اور جس بندے کی منزل صرف یہ دنیا ہے تو وہ طالبِ مولا نہیں ہے۔ آپ یاد نہیں کرواتے، یہ سورۃ احزاب میں ہے، اسکو کسی دن موضوع بنائیں گے۔ اللہ فرماتا ہےمَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ[3] ہم نے کسی بھی سینے میں دو دِل نہیں بنائے۔مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ کوئی انسان ایسا نہیں ہے مِّنْ قَلْبَيْنِ جسکو ہم نے دو دل دیے ہوں۔ فِيْ جَوْفِهٖ سینے کے

[1] رواہ احمد، بزار اور طبرانی/ سنن ترمذی:2169

[2] سورۃ النجم:42

[3] سورۃ الاحزاب:4

اندر۔ کوئی ہے ایسا بندہ جسکے پاس دو دل ہوں؟ اللہ فرماتا ہے کہ ایک ہی دل بنایا ہے، وہ دل یا رحمٰن کا ہے یا شیطان کا۔ دو دل تو بنائے ہی نہیں ہیں کسی کے۔ اس لیے میں نے یہ جملہ کہا ہے کہ جو طالبِ دنیا ہے وہ طالبِ مولا ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلیے کہ دو دل تو اللہ نے بنائے ہی نہیں ہیں کہ ایک دل میں اللہ رہتا ہو اور ایک دل میں ابلیس رہتا ہو۔ ایک دل دیانتدار ہو اور ایک دل بد دیانت ہو۔ ایک دل جھوٹا ہو اور ایک دل سچا ہو۔ نہیں، یا دل رحمٰن کا ہے یا دل شیطان کا ہے۔ روپ جو جی چاہے تو اختیار کرلے، اس دل میں ایک نے ہی رہنا ہے۔ تو اللہ فرماتا ہے وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى تیری انتہا تیرا رب ہے۔ تیری منزل تیرا رب ہے۔ میں کئی دفعہ جب یہ بات کرتا ہوں کہ یہ جو ظاہری کیفیتیں ہیں، انکا طلب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً میں یہاں قرآنِ کریم کا درس دے رہا ہوں ظاہراً یہ نیکی کا کام ہے۔ میں قرآن کا درس دے رہا ہوں اور آپ درس سن رہے ہیں، ظاہراً یہ نیکی کا کام ہے۔ لیکن اگر دل میں طلب یہ ہو کہ مجھے پیسے مل جائیں یا شہرت مل جائے تو یہ کام بھی طلبِ مولا نہیں رہا بلکہ طلبِ دنیا ہو گیا ہے۔ آپ نے مسجد بنوائی ہے کہ لوگ میری تعریف کریں تو مسجد بنوانا بھی طلبِ مولا نہیں رہا، طلبِ دنیا ہے۔ یہ بات میں اکثر کہتا ہوں یہ جو کہتے ہیں کہ یہ دین کی تعلیم اور یہ دنیا کی تعلیم، اوہ بھائی یہ دین دنیا کی تعلیم کچھ نہیں ہوتی۔ اگر کوئی بندہ فزکس پڑھا رہا ہے اور اسکی طلب یہ ہے کہ یہ جو مظاہرِ فطرت ہیں، یہ جو اللہ کی نشانیاں ہیں، یہ لوگوں تک پہنچاؤں تاکہ لوگوں کا اللہ سے قرب بڑھے۔ قرآن پڑھانے سے وہ فزکس پڑھانے والا بہتر ہے۔ وہ میتھ اور کیمسٹری پڑھانے والا۔۔ مقصد یہ ہے کہ طلب اللہ کی ہو، پھر جس راستے پہ بھی تُو چلے گا تو وہ راستہ نیکی کا راستہ ہے۔ اور اگر طلب دنیا کی ہے، مال کی ہے، شہرت کی ہے، یہ دو ہی بڑے بت ہیں جنکی انسان پوجا کرتا ہے۔ انسان بڑے بڑے عہدے کیوں چاہتا ہے؟ دولت مل جائے یا شہرت مل جائے۔ تو اگر کوئی دولت اور شہرت کیلئے قرآن کی تلاوت بھی کرے، نعت بھی پڑھے، تقریر بھی کرے تو وہ طالبِ مولا نہیں وہ طالبِ دنیا ہے۔ اسکے سینے میں دل رحمٰن کا نہیں، شیطان کا ہے۔ اس لیے اس تفریق میں بھی کبھی نہیں پڑنا۔ اس دور میں بڑے بڑے قرآن، حدیث اور فقہ پڑھانے والے گمراہ ہو گئے اور سرکار امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھنے والا جابر بن حیان کیمیا دان بنا لیکن وہ اللہ کا مقرب بن گیا۔ تو عبادت کیا ہے کہ جب طلب مولا کی ہو تو پھر آپ 24 گھنٹے جس راستے پہ چلتے ہیں وہ عبادت کا رستہ ہے۔ طلب کیا ہے کہ میں نے اپنے اللہ تک پہنچنا ہے۔ منزل اللہ ہو۔

اب دیکھئے نبی پاک ﷺ کی آمد کا بھی جو مقصد بیان کیا گیا۔ یہ چار مقامات پہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات بیان فرمائی ہے۔ یَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ یہ قرآن کریم کی آیات پڑھ کے آپکو سناتے ہیں اور تمہارا تذکیہ کرتے ہیں وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ[1] تمہیں کتاب کا علم عطا کرتے ہیں اور حکمت عطا فرماتے ہیں۔ یہ چار مقامات پہ یہ آیت آئی ہے۔ اسی ویزکیکم سے لفظ زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ کا معنی بھی مال کو پاکیزہ کرنا ہے۔ تذکیہ کا معنی جو ہم کرتے ہیں وہ پاکیزگی ہے لیکن عربی لغت میں تزکیہ کہتے ہیں ہر اس چیز سے بچنا جو سیدھے رستے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ آپ اللہ تک پہنچنا چاہتے ہیں اس راستے میں جو چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں، ان چیزوں سے بچنے کا نام تذکیہ ہے۔ یہ جو پچھلے جمعہ ہم جس منزل پہ پہنچے تھے کہ کیا ہمارے گھروں کا یہ ماحول ہے کہ ہم نے کبھی تذکیہ پہ بات کی ہو یا اس راستے سے کبھی روکا ہو جو راستہ شیطان کیطرف جاتا ہو؟ کسی ماں باپ کو یاد ہو کہ اس نے اپنے بچوں کو بتایا ہو کہ تمہاری منزل تمہارا رب ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تم اپنی منزلیں طے کرتے ہو اور اسی دنیا میں لگے رہتے ہو اور پھر ہوتا کیا ہے؟ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ (1) حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ[2] (2) تم خوش ہوتے ہو کہ ہم نے دنیا بڑی کمالی، خوش ہوتے ہو کہ بیٹا جنرل لگ گیا، ڈی سی لگ گیا اور اسی سوچ کیساتھ تم اپنے مقبروں تک جا پہنچتے ہو۔ ااور آج کی خصوصی آیت یہی ہے تیری منتہٰی تو تیرا رب تھا۔ تونے اپنی منزل کس کو بنالیا؟ ہاں منزل رب ہو تو پھر ڈی سی بھی لگ جا، منسٹر بھی بن جا، پھر بادشاہ بھی بن جا۔ پھر منزل پتہ کیا آتی ہے؟ یہ عہدے دنیا نہیں ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی مولوی ہے تو وہ سیدھے رستے پہ ہے یا کوئی پیر ہے تو وہ سیدھے رستے پہ ہے۔ نہیں۔ جس دل میں مولا کی طلب ہے وہ سیدھے راستے پہ ہے۔ طلب اللہ کی ہو۔ پھر وقت کا بادشاہ بھی ہو۔ بابا فرید کے پیر و مرشد کا جنازہ پڑا ہے، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا اور دہلی میں یہ منظر بھی لوگوں نے دیکھا کہ جنازہ رکھ دیا گیا اور وصیت پڑھ کے سنائی گئی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میرا جنازہ وہ پڑھائے جس کی کبھی تہجد نہ قضا ہوئی ہو۔ بڑی بڑی خانقاہوں والے پیر پیچھے کھڑے ہیں، بڑے بڑے علماء پیچھے کھڑے ہیں، فقہاء کھڑے ہیں لیکن کسی کی جرات نہیں کہ جنازہ پڑھائے۔ اور شمس الدین التمش، وقت کا بادشاہ روتا ہوا آگے بڑھا اور کہا کہ شیخ تونے میرا راز فاش کر دیا۔ اس لیے یہ کسی ظاہری دنیادار کو دیکھ کہ یہ نہیں کہنا کہ یہ کسی

---

[1] سورۃ البقرۃ:151

[2] سورۃ التکاثر:2-1

بُرے راستے پہ ہے اور یہ مولوی پیر اچھے راستے پہ ہے۔ نہیں۔ اگر طلب مولا کی ہے تو وہ چاہے فزکس پڑھائے، میتھ پڑھائے، کیمسٹری پڑھائے، قرآن پڑھائے، وہ اللہ تک پہنچ جائیگا اور اگر طلب مولا کی نہیں تو ظاہراً وہ نیکی کے کام کر تا رہے۔ اس لیے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ دو بھوکے بھیڑیے بھیڑوں کا وہ نقصان نہیں کرتے جو دو انسان کرتے ہیں، جن کے دل میں حبِ جاء آجائے اور حبِ مال آجائے[1]۔ جس دل میں مال کی محبت آجائے یا اپنی شہرت کی محبت آجائے، وہ بھیڑیے سے بھی بد تر ہے۔ بھوکے بھیڑیے سے بھی زیادہ بد تر، نقصان کرتے ہیں وہ معاشرے کا۔

معروف کیلیئے میں نے ایک بات عرض کی تھی آپکو کہ ہر وہ اچھا کام جو تیری فطرت میں شامل ہے۔ تُو پہلے ہی جانتا ہے کہ سچائی اچھی چیز ہے، دیانتداری اچھی چیز ہے، حیاء اچھی ہے۔ کوئی نئی بات نہیں بتانی۔ جو انسان کی فطرت کے اندر معروف چیزیں ہیں، بس انکی یاد دہانی کرواتے رہنا ہے۔ پہچان وہ پہلے ہی رکھتا ہے۔ باہر سے کوئی چیز داخل نہیں کرنی۔ کیوں؟ یہ اس رب کی ربوبیت کا تقاضہ ہے کہ وہ انسان کو پیدا کرے تو ہدایت دیکر بھیجے۔ ہدایت اس کے ذمہ ہے۔ فطری ہدایت اس نے دیکر بھیجا ہے۔ یہ اکثر میں مثال دیتا ہوں کہ بُرے سے بُرا انسان ہو، چوریاں کرتا ہے، ڈکیتی کرتا ہے، رشوت لیتا، لوگوں کے مال پہ غاصبانہ قبضہ کرتا، اس نے اپنے گھر نوکر رکھنا ہو تو جب کسی دوست سے کہے گا کہ یار میں نے اپنے گھر نوکر رکھنا ہے۔ تو کیا کہے گا کہ مجھے نوکر وہ چاہیے جو میرے گھر چوری کرے؟ میری بیٹیوں کیطرف بُری نظر سے دیکھے؟ خود وہ بُرا ہے لیکن وہ کہے گا کہ مجھے ڈرائیور وہ چاہئے جو حیاء والا ہو میری بچیوں نے سکول جانا ہوتا۔ کوئی نوکر دیانتدار ہو میرے گھر کی حفاظت کرے۔ یعنی جو سب سے بُرا انسان ہے وہ بھی یہ جانتا ہے کہ حیاء اچھی چیز ہے، دیانتداری اچھی چیز ہے، سچائی اچھی چیز ہے۔ اس لیے اللہ فرما رہا ہے کہ امر بالعروف، یہ معروف تمہارے اندر پہلے سے ہی موجود ہے۔ اب اس کی مثال، یہ جو "ویزکیکم" کا لفظ ہے کہ نبی پاک ﷺ تمہارے نفس کو پاکیزہ کرتے ہیں، یعنی وہ چیزیں جو میرے کردار کو گندا کریں، ان چیزوں کا مجھ سے دور کرنا اور پھر اس نفس کی پرورش کرنا۔ یہ ہے مکمل تذکیہ، یعنی جھوٹ، بے حیائی، بد دیانتی، تکبر، یہ جتنی بھی

---

[1] سنن ترمذی:2376

چیزیں ہیں، فساد، شر، پہلے تو نفس ان سے بچے اور پھر وہ تائبون بنے، عابدون بنے، سائحون بنے، راکعون، ساجدون بن کر اس نفس کی پرورش ہو۔

وَ النَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ منکر بھی کیا ہے؟ اسکا معنیٰ آپ برائی کرتے ہیں، یعنی منع کرنا برائی سے۔ وہ چیزیں جنکو تیری فطرت اچھا نہیں سمجھتی۔ آج بھی جو بندہ بڑی شراب پیتا ہے، کیا وہ چاہے گا کہ میرا یہ تعارف کروایا جائے کہ یہ شرابی ہے؟ اگر آپ اس کو بھری محفل میں شرابی کہیں گے تو وہ غصہ کر جائے گا۔ جو دن رات بدکاری میں لگا رہتا ہے، کیا وہ چاہے گا کہ بھری محفل میں مجھے بدکار کہا جائے۔ تو معروف بھی تیرے اندر ہے اور منکرات بھی تیرے اندر ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ چیزیں فطرت میں ہم نے پہلے ہی رکھی ہوئی ہیں، اب بیج لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اس دل میں ہم نے بو دیا۔ سادہ مثال آپکو عرض کرتا ہوں، دیہاتی مثال، یہ ایمان کا بیج میرے دل میں آ گیا، اب قرآن کہتا ہے کہ اگر بیج ایمان کا ہو گا تو پھل بھی نیکی کا لگے گا۔ امنو و عملو الصالحت۔ اب ہوا کیا کہ اس بیج کے گرد کہیں حسد آ گیا، کہیں جھوٹ آ گیا، کہیں حرام، کہیں بے حیائی، اس نے اس درخت کو کمزور کرنا شروع کر دیا۔ قرآن یہ کہہ رہا کہ تُو بھی جب فصل بوتا ہے تو اس کے ارد گرد اس درخت کو جو جڑی بوٹیاں کرتی ہیں، انکو تُو گوڈی کر کے نکال دیتا ہے۔ یا سپرے کر کے انکو جلا دیتا ہے۔ بھائی کرتا ہے نا کہ یہ جو میرا اصل پودا ہے اسکو نقصان نہ پہنچے۔ اسکو قرآن کہہ رہا ہے کہ میرا نبی تمہارا تذکیہ کرتا ہے۔ ہر وہ چیز جو میرے ایمان کے پودے کو نقصان پہنچانے والی تھی اللہ کے نبی نے ان سے منع کیا اور پھر تمہیں عابدون، راکعون، ساجدون بنا کے اس درخت کی پرورش فرمائی۔ اب ہمیں یہ تو پتہ ہے کہ میں نے فصل کے پودے کو تو بچانا ہے تا کہ میرا اجھاڑ ٹھیک ہو، اصل پودے کے ارد گرد جو جڑی بوٹیاں آ گئی ہیں انکو تلف کرنا ہے۔ اب قرآن یہاں یہی سوال کر رہا ہے کہ ایمان کے پودے کو بچانے کیلئے تُو نے کتنی سپرے کی، ان گناہوں سے بچنے کیلئے کیا کوشش کی؟ اپنی اولاد کو گناہوں سے بچانے کیلئے کیا کوشش کی؟ یہ تھا امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ نبی پاک ﷺ نے بھی اسی کیطرف ہماری رہنمائی فرمائی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی زندگیاں بھی اسی کام میں صرف ہوئیں۔ اور سرکار امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھی جب محمد بن حنفیہ

نے پوچھا تھا کہ کدھر جارہے ہیں تو آپ نے فرمایا تھا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے جارہاہوں۔ نہ مدرسے، نہ سکول، نہ خانقاہیں نہ مساجد، یہ پہلا کام ماں باپ کو کرنا پڑے گا۔

یہ میں پرسوں چونڈہ درسِ قرآن میں بات کر رہا تھا کہ ایک عیسائی ہے لبنان کا، بہت بڑا محقق ہے تو اسی امر بالمعروف پہ بات ہورہی تھی تو اس نے کہا کہ انسان، پہلے سائنس کی یہ تحقیق تھی کی پہلے چھ سال جو بھی علم انسان نے حاصل کرنا ہوتا ہے وہ کرلیتا ہے، فریم آف ریفرینس مکمل ہو جاتا ہے۔ اور اس کیلئے دلیل وہ یہ دیتے تھے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسکو نماز کا حکم دو[1]۔ یعنی اب شعوری لیول پہ سات سال کا بچہ اس قابل ہو گیا ہے کہ اب اسے نماز کا حکم کیا جائے۔ یعنی اس کا فریم آف ریفرینس مکمل ہو گیا ہے۔ تو یہ سائنس دان دلیل دیا کرتے تھے۔ تو وہ لبنان والے عیسائی کی درسِ قرآن میں بات یہ بتارہا تھا کہاس نے کہا کہ نہیں بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسکا شعوری لیول اس قابل ہے کہ وہ اللہ کی رسول اللہ ﷺ کی معرفت رکھتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی بچے کا یہ شعور معرفت رکھتا ہے اور اسکی دلیل اس نے پتہ ہے کیا دی؟ کوئی بھی بے مقصد کام کا حکم اللہ اور اسکے رسول نہیں دیتے۔ اگر اسکا شعور اس قابل نہ ہوتا تو نبی پاک ﷺ کبھی بھی یہ حکم نہ دیتے کہ پیدا ہوتے ہی بچے کے کان میں اذان کہو۔ چونکہ اسلام کوئی بھی بے مقصد کام نہیں کرواتا۔ اس کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان اس لیے کہی جارہی ہے کہ وہ توحید کو بھی جانتا ہے اور رسالت کو بھی جانتا ہے۔ اور یہ جو بات میں نے اس دن آپکو سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے حوالے سے بتائی تھی کہ سیدہ پاک نے بھی بچوں کی تربیت کے حوالے سے یہ بات فرمائی تھی کہ جب بچیاں دو تین سال کی ہو جائیں تو انکو پورا لباس پہناؤ، حجاب کی عادت ڈالو، یہ انکی فطرت میں ہے، یہ انکے شعور میں ہے، دو تین سال کی بچی بھی کپڑا سر پہ رکھنا شروع کر دیتی ہے، یہ چیز اللہ نے اسکی فطرت میں رکھی ہے، اب تم اسکو بُرا بنا کے اس کے سر سے کپڑا اُتار رہے ہو۔ اسکی فطرت میں یہ نہیں تھا۔ تو سیدہ پاک فرماتی ہیں کہ جب دو تین سال کی بچی کی یہ تربیت شروع ہو جائے گی تو بڑے ہو کر معاشرہ جتنا جی چاہے گندا ہو جائے، وہ تمہاری بیٹی کبھی بے حیائی کی طرف نہیں جائے گی، اسکو بے حیائی سے نفرت ہو جائے گی۔ کبھی سوچا ہے کہ ہم نے

---

[1] سنن ترمذی:407

اپنے گھر میں بچپن سے یہ تربیت کی ہو۔ تربیت کریگا کون؟ وہ جسکی منزل اللہ ہے۔ نماز کیلئے کون کہے گا؟ جسکی منزل اللہ ہے۔ روزہ کون رکھوائے گا؟ جسکی منزل اللہ ہے۔ بچہ چوری کا مال گھر میں لے آئے اور ماں باپ سرزنش کریں گے، جنکی منزل اللہ ہے۔ اور جس بندے کی منزل اللہ نہیں ہے صرف یہ دنیا ہے تو قرآن کہتا ہے کہ پیچھے بھی دیکھ لو، فرعون نے بھی دنیا اکٹھی کی، نمرود نے بھی کی، قارون نے بھی کی۔ وہ بڑے خوش تھے کہ ہم اس دنیا میں کامیاب ہوگئے۔ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ اس کثرت کی تمنا نے تجھے مقبرے دکھا دیے، قبروں تک اور پھر اس دنیا نے تمہارا حشر نشر بھی دیکھ لیا۔ تو یہ زندگی میں ضروری ہے کہ والدین، اساتذہ، میں یہاں منبر پہ بیٹھتا ہوں، ہر شخص اپنی اپنی جگہ پہ نیکی کا حکم بھی کرے اور برائی سے روکے۔ اگر یہ کام معاشرے سے ختم ہو جائیں تو وہ معاشرے برباد ہو جاتے ہیں اور پھر وہ دعاؤں سے ٹھیک نہیں ہوتے۔ چونکہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم یہ کام نہیں کروگے تو تمہارے نیکوں کی بھی دعائیں قبول نہیں ہونگی۔ تو یہ راستہ ہے۔ راستے پہ بات ہو رہی تھی تو یہ راستہ ہے اللہ تک پہنچنے کا۔ مت یہ گلہ کیا کریں کہ ہمارے حکمران بُرے آگئے ہیں، ہم برباد ہوگئے ہیں۔ ایک دن میں نے یہ بتایا تھا ناں یہیں جمعہ پہ ہی کہ نبی پاک ﷺ نے دو الفاظ ارشاد فرمائے اعمالکم عمالکم کہ تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہیں۔ کسی کو برا کہنے سے پہلے اپنے اعمال کیطرف دیکھ لو۔ تو یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے ہمارے اوپر۔ آئندہ جمعہ اللہ نے توفیق دی تو وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ پہ بات کرینگے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

13۔ نہی عن المنکر

قرآن: اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ-وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورة التوبہ:112)

ترجمہ: "توبہ والے عبادت والے سراہنے والے روزے والے رکوع والے سجدہ والے بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگاہ میں رکھنے والے اور خوشخبری سناؤ مسلمانوں کو"

خاکہ:

1. ہماری سوچ ذاتی نہیں بلکہ کائناتی ہونی چاہیے۔
2. جو جتنا اللہ سے دور ہے اتنا ہی اندھیرے میں ہے۔
3. حرام اور مکروہ میں فرق
4. وہ بات نہ کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے
5. نقصان دہ چیز انسان پسند نہیں کرتا
6. ایمان کا دعویٰ کیا ہے تو دلیل بھی دینی ہوگی
7. نبی پاک ﷺ نے پہلے ہی دن بت کیوں نہیں توڑے

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

آج ہم اپنے پچھلے موضوع کو سمیٹنے کی کوشش کرینگے۔ یہ میں تھوڑا سا خلاصہ عرض کر دوں کہ انسان اس دنیا میں دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اپنی زندگی کی بنیاد تقویٰ اور پرہیز گاری پہ رکھتے ہیں اور تقویٰ پہ زندگی گزارتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو اس دنیا کو بنیاد بنا لیتے ہیں اور خواہشِ نفس پہ اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ وہ جو تقویٰ کو مقصدِ حیات بناتے ہیں پھر وہ اپنی جان اور مال اللہ کو فروخت کر دیتے ہیں۔ اللہ انکی جان اور مال خرید لیتا ہے تقویٰ کے عوض۔ اب پھر وہ اللہ کے نظام کو نافذ کرنے کیلئے کوشش کرتے ہیں اور اسی کوشش میں زندگی گزارتے ہیں۔ انکی آگے یہ نشانیاں لکھی ہیں کہ اگر لغزش، گناہ، نسیان ہو جائے تو فوری طور پہ توبہ کر لیتے ہیں، اپنے اس عمل سے منہ موڑ لیتے ہیں، اسکی بندگی میں زندگی گزارتے ہیں، اسکی حمد میں زندگی گزارتے ہیں، اللہ کی خاطر بہت سی برائیوں کو اپنے آپ سے روک لیتے ہیں۔ یہ قرآنِ کریم نے خصوصی طور پہ بات کہی ہے کہ جس کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے ناں، سورۃ رحمٰن میں تو فرمایا وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ[1] جو اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا، اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔سورۃ النزعٰت میں اس خوف کے متعلق یہ بات بیان فرمائی وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جو اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر جاتا ہے وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى[2] پھر وہ اپنی خواہشِ نفس کو روک لیتا ہے۔ خواہشوں کے سامنے ڈٹ جاتا ہے، اسکو برائی کی دعوت ملے تو ڈر جاتا ہے کہ میرا اللہ مجھ سے ناراض ہو گا۔ تو یہ پھر نشانی بھی بیان فرمائی۔ تو اسکے بعد رکوع کرنیوالے ہوتے ہیں، سجدہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور آخر میں ہماری گفتگو چل رہی تھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر پہ۔ اور پھر وہ یہ نہیں سوچتے کہ میں کامیاب ہو جاؤں۔ اصل جو چیز ہے نا معرفت والی وہ یہ ہے کہ اگر آپ نبی پاک ﷺ کے سچے غلام ہیں تو پھر یہ خواہش ذاتی نہیں ہو گی بلکہ کائناتی ہو گی۔ دنیا میں بھی آپ کیا دیکھتے ہیں؟ دنیا میں بھی آپ وہ لوگ دیکھتے ہیں جو خود کامیاب ہونا چاہتے ہیں، خود دولت مند ہونا چاہتے

---

[1] سورۃ الرحمٰن:46

[2] سورۃ النزعٰت:40

ہیں، خود کسی منصب پہ پہنچنا چاہتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ میرا سارا خاندان کامیاب ہو جائے، میرا سارا محلہ کامیاب ہو جائے، میری ساری قوم کامیاب ہو جائے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ضرورت کیوں ہے کہ مومن کی سوچ کبھی بھی ذاتی نہیں ہوتی بلکہ کائناتی ہوتی ہے کیونکہ وہ جس اللہ کو مانتا ہے وہ رب العالمین ہے، جس رسول کو مانتا ہے وہ رحمت اللعالمین ہے اور جس قرآن کو مانتا ہے وہ ھدی اللعالمین ہے۔ سوچ صرف اپنی نہیں ہونی چاہئے کہ میں تقویٰ کی زندگی گزاروں، میں صرف برائیوں سے بچ جاؤں بلکہ اس کی پھر یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے بھی برائیوں سے بچ جائیں اور کامیاب ہو جائیں۔ تو جب تک یہ فکر پیدا نہیں ہوتی اور صرف خود ہی کامیاب ہونا چاہتا ہے تو اسکو پھر ان باتوں کی سمجھ نہیں آئیگی۔ پہلے سوچ میں وہ سب کو شریک کرے۔

توالْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ پہ تو ہماری گفتگو ہو گئی تھی، آگے ہےوَ النَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ اس دن یہ بات ہوئی تھی کہ معروف کا معنیٰ نیکی کیا جاتا ہے لیکن عربی زبان میں معروف پہچان کو کہتے ہیں، معرفت کو کہتے ہیں۔ وہ چیز جو انسان پہلے ہی پہچانتا ہے کہ اچھی ہے، تو آپ نے اس کو صرف یاد دہانی کروانی ہے۔ وہ معروف اسکے اندر پہلے سے موجود ہے۔ اور یہ اللہ کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ ہدایت سب کو دے تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ مجھے تو پہچان ہی نہیں دی تھی اور حق و باطل کا مجھے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔ یہ جب یونانی فلاسفہ نے اس پہ گفتگو کی تھی ناں، انکی بحث تو لمبی ہے، میں کچھ اشارے کر دیتا ہوں آپکو، وہ بھی یہ کہتے تھے کہ اس کائنات کا خالق ایک one ہے جو قابلِ تقسیم نہیں ہے۔ آگے جو وہ تقسیم کرتے ہیں جمادات کو نباتات کو حیوانات کو اور انسانوں کو تو وہ بڑی خوبصورت بحث ہے یونانی فلاسفہ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے جو اندھیرے میں ہے، سب سے جو گھٹیا ہے وہ جمادات ہیں، یہ پتھر، مٹی، انکے اوپر نباتات آتے ہیں، انکے اوپر حیوانات اور آخر میں انسان۔ تو وہ کہتے ہیں کہ پتھر کون ہوتا ہے؟ جمادات کون ہیں؟ گمراہی میں کون ہے؟ تو ارسطو نے یہاں ایک جملہ کہا تھا، اس نے کہا تھا کہ اندھیرے میں وہ ہوتا ہے جو one سے دور ہوتا ہے۔ جو کوئی جتنا اس one سے دور ہے اتنا ہی وہ جہالت میں ہے۔ اور جتنا جتنا کوئی اس one کے قریب ہوتا ہے اتنا ہی وہ روشنی میں ہے۔ تو یہ نور کے قرب کی بات ہے۔ تو جتنا جتنا کوئی اللہ کے قریب ہوتا جاتا ہے اتنا اسکے لیے منزلیں آسان ہوتی جاتی ہیں۔ تو یہ معرفت اس کے اندر موجود ہوتی ہے۔ جیسے جیسے وہ اللہ سے دور ہوتا

جاتا ہے تو اندھیرے میں چلا جاتا ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اس کو یاد کروانا کہ نہیں یہ چیزیں تیرے اندر پہلے سے ہی اللہ نے رکھی ہیں۔ تُو سچ کو پہچانتا ہے کہ سچ اچھی چیز ہے۔ تُو دیانتداری کو جانتا ہے کہ یہ اچھی چیز ہے۔ تو حیاء کو جانتا ہے کہ حیاء اچھی چیز ہے۔ تو یہ انسانی اقدار ہوں یا اخلاقی اقدار ہوں، یہ انسان کے اندر ہی موجود ہیں۔ دیکھئے جب values کی بات کی تو پتہ چل گیا کہ سچائی اچھی چیز ہے، دیانتداری اچھی چیز ہے، کوئی کافر ہو یا مسلمان ہو، وہ اسکو پسند کرتا ہے۔ لیکن یہ ایمان والے منکرات سے روکتے ہیں۔ یعنی سچ کو جانتا ہے تو سچائی کا جو اُلٹ ہے جھوٹ، اس سے روکتے ہیں۔ یعنی سچ کا اگر حکم دیتے ہیں تو سچ کے حکم سے صرف کام نہیں چلے گا جب تک جھوٹ سے روکا نہیں جائیگا۔ دیانتداری کا صرف حکم نہیں دینا بلکہ بددیانتی سے روکنا بھی ہے۔ بے حیائی سے روکنا بھی ہے۔ ایک چیز، یہ آج ہمارا موضوع نہیں، پھر اس پہ تفصیل سے بات ہو گی، ایمان کی جو حالت ہے، یہ اچھی طرح سمجھ لیں۔ ایمان کی حالت میں کوئی زنا نہیں کر سکتا۔ یہ ہمیں پتہ ہونا چاہئے۔ ایمان کی حالت میں کوئی چوری نہیں کر سکتا۔ ایمان کی حالت میں کوئی شراب نہیں پی سکتا، کوئی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر یہ کام انسان کر رہا ہے تو وہ اس وقت وہ صاحبِ ایمان نہیں ہے۔ ہاں یہ اتنی اہم بات ہے ایمان کے حوالے سے، چونکہ روشنی ہے ناں، اس کی سادہ مثال میں یہ دیا کرتا ہوں کہ اگر آپکی چادر کو گوبر لگ جائے، تو کیا آپ اپنی چادر کو لیے پھریں گے جب تک اسے ہٹائیں گے نہیں؟ مثلاً میرے کپڑوں کو گندگی لگی ہوئی ہو تو کیا میں وہ کپڑے لیکر کسی محفل میں جاؤں گا؟ اپنے گھر میں رہونگا؟ مہمانوں میں بیٹھوں گا؟ یا پہلی میری ترجیح ہو گی کہ میں پہلے اس نجاست کو دور کروں؟ میرے گھر کے صحن میں نجاست پڑی ہو تو کیا پڑی رہنے دونگا؟ یہ انسان کی فطرت کے اندر ہے کہ وہ نجاست کو دور کرنا چاہتا ہے۔ وہ نجاست کو اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتا۔ اگر اسکو پتہ چل جائے کہ شراب نجس ہے، بدکاری نجاست ہے، چوری نجاست ہے، تو وہ نجس ایمان کی حالت میں اپنے ساتھ کیسے رکھ سکتا ہے؟ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لیے یہ یاد رکھنا کہ کوئی ایمان کی حالت میں بدکاری نہیں کر سکتا۔ ایمان کی حالت میں کوئی چوری نہیں کر سکتا۔ ایمان کی حالت میں کوئی شراب نہیں پی سکتا، سود نہیں لے سکتا، رشوت نہیں لے سکتا، کسی کی زمین پہ قبضہ نہیں کر سکتا، کسی کی غیبت نہیں کر سکتا۔ یہ سارے جو منکرات ہیں، یہ اسلیے ہیں کہ اس وقت انسان ایمان سے خالی ہوتا ہے، یعنی اس one سے وہ دور ہوتا ہے۔ یعنی اسکو اپنی روح پہ لگی ہوئی نجاست کا پتہ ہی نہیں ہوتا کہ میری روح کتنی گندی ہو گئی ہے، میرا دل کتنا پلید ہو گیا ہے۔

اچھا دو چیزیں ہیں، ایک تو حرام ہیں جنکا میں نے ذکر کیا دوسری مکروہات ہیں۔ اسکو پاک پیغمبر ﷺ نے ایک مثال سے سمجھایا کہ جیسے ایک کھیت ہے، تو کھیت کے اطراف میں، پنجابی میں آپ اسے بنّا کہتے ہیں، اسکو جو boundary ہے۔ اس کھیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے تمہیں بتا دیا کہ حرام ہیں، اس میں داخل نہیں ہونا، اسکے باہر باہر زندگی گزارنی ہے، اسکے اندر نہیں جانا۔ تو یہ boundary ہے ناں، اسکے دو حصے ہیں، ایک باہر والا اور ایک اندر کیطرف۔ کیا خوبصورت ارشاد فرمایا کہ ایک جانور اپنے کھیت میں چر رہا ہے اور چرتا چرتا اس بنّے کے پاس آجاتا ہے۔ تو یہ boundary جو ہے یہ مکروہات ہیں۔ اسلیے سرکار نے فرمایا کہ جو مکروہات سے بچ گیا وہ حرام سے بچ گیا[1]۔ مکروہ کو کبھی ہلکا نہیں لینا۔ اب مکروہ کی دو قسمیں ہیں: مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی۔ اب وہ جو بنّے کی سائڈ حلال کیطرف ہے، باہر کیطرف ہے وہ مکروہ تنزیہی ہے، یعنی یہ حلال کے قریب ہے اور جو اندر والی سائڈ ہے یہ حرام کے قریب ہے، یہ مکروہ تحریمی ہے۔ سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی جانور نے اس بنّے پہ منہ ماراتو آگے پھر اس کا منہ حرام کیطرف چلا جائے گا۔ اسلیے کوشش کریں کہ مکروہات سے ہی بچ جائیں، اپنا جو حلال کا کھیت ہے نا اسی میں رہیں تا کہ آپ حرام کے کھیت میں داخل ہی نہ ہوں۔

تو ہماری یہ ڈیوٹی ہے، بحیثیت مسلمان، بحیثیت مومن اور بحیثیت پاک پیغمبر ﷺ کے امتی کے کہ ہم جو حرام چیزیں ہیں ان سے خود بھی نفرت کریں اور جہاں تک ہماری یہ آواز پہنچتی ہے وہاں تک ہم لوگوں کو ان چیزوں سے بچنے کا کہتے رہیں۔ اب اس کیلئے قرآن نے جو اصول بیان کیا، سورۃ صف میں بیان کیا کہ آپ نے کسی کو شراب سے روکنا ہے، چوری سے روکنا ہے، جھوٹ سے روکنا تو کیا ارشاد فرمایا یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ[2]۔ اللہ فرماتا ہے یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو، بھائی میں جب آپ سے مخاطب ہوں تو جو باہر گلی میں جا رہے ہیں، انکو کیا لگے میری گفتگو سے۔ تو جب اللہ کہتا ہے ناں ایمان والو! تو اللہ کہتا ہے کہ جو ایمان نہیں لائے ان سے تو میں مخاطب ہی نہیں ہوں۔ تمہاری غیرت نے یہ کیسے گوارہ کر لیا کہ میرے اللہ نے مجھے ایک حکم دیا تھا اور میں پھر اس

[1] صحیح بخاری:52

[2] سورۃ الصف:2

کی نافرمانی میں چلا گیا۔ تم تو میرے مخاطب تھے۔ یہ اللہ نے ایمان والوں کو حکم دیا، ماننے والوں کو حکم دیالِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کہ وہ بات کیوں کہتے ہو جس پہ تم خود عمل نہیں کرتے۔ بھائی اگر تم خود چوری کرتے ہو تو کسی کو کیسے چوری سے منع کر سکتے ہو؟ خود شراب پیتے ہو تو کسی کو کیسے منع کرو گے؟ کیوں وہ بات کہتے ہو جس پہ تم خود عمل نہیں کرتے۔ آگے کیا ارشاد فرمایا کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ[1] ۔ اللہ کو کتنا ہی ناپسند ہے، اللہ ناراض ہوتا ہے اس بات سے کہ لوگوں سے تو تم کہو اور خود عمل نہ کرو۔ لوگوں کو کہتے پھرو کہ برائیوں سے بچتے رہو اور خود برائی پہ عمل کرو۔ تو یہ جو اصول ہے کہ آپ نے منکرات سے منع کرنا ہے تو اسکی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ آپ نے پہلے خود اس پہ عمل کرنا ہے۔ یعنی برائیوں سے بچنا ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں خود تو نفرت نہ کروں اور لوگوں سے کہتا پھروں۔ تو ایک تو یہ چیز میرے پاک پیغمبر ﷺ نے واضح کر کے بیان فرمائی۔

میں یہ پچھلے جو دو سال 2020 اور 2021 گزرے ہیں، اسی آیت کے حوالے سے کہ اللہ فرماتا ہے کہ تُو سچائی کو اچھا سمجھتا ہے، دیانتداری کو اچھا سمجھتا ہے، حیاء کو اچھا سمجھتا ہے اسی طرح تُو جھوٹ کو بُرا سمجھتا ہے، تیرے ساتھ کوئی ملاوٹ کرے تُو اس کو بھی بُرا سمجھتا۔ یعنی یہ دونوں چیزیں تیرے اندر موجود ہیں۔ تو میں ان سے یہ کہا کرتا تھا کہ جب انسان کو پتہ چل جائے کہ یہ چیز میرے لیے نقصان دہ ہے، جیسے میں نے پہلے مثال دی کہ اگر میرے کپڑوں کو نجاست لگ جائیگی تو میں برداشت ہی نہیں کرونگا، جبتک میں اس نجاست کو دھو کر پاک نہ کرلونگا۔ تو جب کسی کو پتہ ہی نہیں ہے کہ رشوت نجاست ہے، جھوٹ نجاست ہے تو اس کا ہم پھر کیا کر سکتے ہیں۔ اسکا تو ہم پھر کچھ نہیں کر سکتے، پیغام ہی دے سکتے ہیں۔ تو میں لوگوں سے یہ کہا کرتا تھا کہ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ جیسے کوئی مرضی زندگی گزارے جب یہ کرونا کا معاملہ ہوا۔ آپ کو صرف پتہ چلا کہ اس کرونا سے دوسرے کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور مجھے نقصان پہنچ سکتا ہے تو آپ نے مسجدوں پہ بھی پابندی لگا دی کہ فاصلے کیساتھ کھڑے ہوں۔ کِیا ناں سب کچھ کِیا، کہ کہہ دیا تھا کہ جیسے کوئی مرضی زندگی گزارے؟ آپ نے خانہ کعبہ میں پابندی لگادی کہ اس سال حج ہی نہیں کرنا۔ یعنی یہ چیز اتنی سختی کیساتھ اللہ نے تمہارے اندر رکھی ہے کہ اگر تمہیں پتہ چل جائے کہ یہ چیز میرے

[1] سورۃ الصف:3

لیے نقصان دہ ہے تو تم اس حد تک اتر آتے ہو کہ مسجدوں پہ بھی پابندی لگا دیتے ہو۔ بازاروں میں پابندی لگا دیتے، ایک دوسرے سے مصافحہ نہیں کرتے کہ کہیں مجھے اس سے نقصان نہ پہنچ جائے۔ تو اگر تمہارے شعور میں اس حد تک اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں رکھ دی ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سود لیتے وقت تمہیں پرواہ نہیں ہوتی کہ یہ نجاست ہے، یہ نقصان ہے، میں جہنم میں چلا جاؤنگا، میری قبر اور حشر برباد ہو جائینگے؟ انسان کو پتہ چل جائے کہ یہ چیز میرے نقصان والی ہے، اس کو انسان کبھی پسند نہیں کرتا۔

تو اسکے لیے ابتدائی بات ذہن میں رہے کہ یہ کام کریگا کون؟ جو اللہ سے محبت رکھتا ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتا ہے، پھر وہ یہ نہیں ہے کہ صرف خود نمازی بننا چاہتا ہے، اسکی خواہش ہے کہ دوسرے بھی نمازی بنیں۔ وہ صرف خود نیکی پہ عمل کرنا نہیں چاہتا، وہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے بھی نیکی پہ عمل کریں۔ وہ خود صرف برائی سے بچنا نہیں چاہتا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے بھی برائی سے بچ جائیں۔ آجکل جو موضوع چلتا ہے معیشت بڑی تنگ ہو گئی، مہنگائی بہت ہو گئی، تباہی و بربادی ہو گئی، اب تو سبزیاں خریدنے کی طاقت نہیں رہی، آٹا خریدنے کی طاقت نہیں رہی۔ لیکن اس سارے کام سے نپٹنے کیلئے میں پلٹا ہوں اپنے اللہ کیطرف توبہ کیلئے، یا بغاوت کے راستے پہ چل رہا ہوں؟ بحیثیت مجموعی پورے معاشرے نے کوئی اللہ سے توبہ کا فیصلہ کیا؟ یعنی یہ آپکا مسئلہ کہاں سے حل ہو گا؟ آپ سے میں اس لیے مخاطب ہوں کہ آپ نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے۔ جو دعویٰ ہی نہیں کرتے ان سے تو ہم بات ہی نہیں کر رہے۔ ہم تو ان سے بات کر رہے ہیں جو عشقِ رسول، محبتِ رسول کا دعویٰ کرتے ہیں۔ نئے سال کی خوشیاں منائی جارہی تھیں، رات کو رقص و سرور اور بدکاری کی محفلیں سجائی گئیں۔ کتنے لوگوں نے یہ سوچا کہ پچھلا سال میرا اللہ کی فرمانبرداری میں گزرا یا نافرمانی میں گزرا۔ پچھلا سال میرا گھاٹے میں گیا یا نفع میں؟ کتنے لوگوں نے یہ سوچا اور اس کو دیکھ کے میں نے آگے جو فیصلہ کرنا ہے وہ کیا کرنا ہے۔ اسلیے میں انکو کہا کرتا تھا کہ اگر کرونا میں تم اپنے اوپر بھی پابندیاں لگاتے ہو اور دوسروں پر بھی پابندیاں لگاتے ہو، حکومتی سطح پہ بھی، انفرادی سطح پہ بھی، اداروں کی سطح پہ بھی۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک چیز پہ میرا اللہ پابندی لگائے اور تم کہو کہ ٹھیک ہے جیسے کوئی کر رہا ہے کرتا

رہے۔ کئی یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کافر بھی تو شراب پیتے ہیں، ہندو اور سکھ بھی تو شراب پیتے ہیں، بدکاری کرتے ہیں، ان کیلئے یہ عذاب کیوں نہیں۔ یہ بھی ایک سوال اٹھتا ہے، جیسے علامہ اقبالؒ نے بھی کہا تھا

رحمتیں ہوتی ہیں اغیار کے کاشانوں پہ
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پہ

جب شکوہ اقبال نے کہا تھا تو اس میں کہا تھا کہ دنیا میں کافروں پہ بھی تو بڑی عنایات ہیں اور مسلمان جو ہیں وہ کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہیں۔ تو جب جوابِ شکوہ لکھا تھا کہ اِس شعر کا جواب علامہ اقبال نے خود اللہ کیطرف سے لکھا تھا۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد کا تمہیں پاس نہیں

بھائی تمہارا دعویٰ ہے کہ تم توحید پرست ہو، ایک ہندو کا تو یہ دعویٰ ہی نہیں ہے کہ میں خدا پرست ہوں۔ تمہارا دعویٰ ہے کہ میں وفادار ہوں کہ غلامیِ رسول ﷺ میں موت بھی قبول ہے، لبیک یا رسول اللہ ﷺ کا تم نے نعرہ لگایا ہے۔ اور تم یہ سارے نعرے لگا کر پھر شرابی ہو، پھر بدکار ہو، پھر جھوٹے ہو، بددیانت ہو، بے حیاء ہو۔ تمہارے میرج ہالوں میں جاتے ہوئے تو ایسا لگتا ہے کہ کافروں سے بھی بُرا ماحول ہے، کہیں اللہ کا عذاب ابھی نہ آجائے۔ اسلیے تمہاری پکڑ تو ہو گی کہ تم نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے۔ سولہویں پارے کی یہ آیت ہے وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى[1]، یہ قانون بنایا اللہ تعالیٰ نے۔ جو بھی ہمارے ذکر سے، ہماری یاد سے غافل ہوتا ہے۔ وعدہ تو کرے کہ تجھے مانتا ہوں، تیرے رسول کو مانتا ہوں، تیرے دین کو مانتا ہوں اور اسکے بعد میری یاد سے اعراض کرے، بغاوت پہ اتر آئے، سرِ عام کہے کہ اللہ بگاڑ لے میرا جو بگاڑنا ہے۔ اس کے لیے شاید میں نے کسی جمعہ میں کہا تھا کہ ہم نے کتنا اپنے بچوں کو منکرات سے روکا ہے؟ کوئی ضروری نہیں ہے کہ بچے آپکی مانیں گے ہی لیکن آپ نے تو آخری دم تک اپنا فرض پورا کرنا تھا۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ تمہارے کہنے پہ تمہارا بیٹا نماز پڑھے لیکن تم تو قیامت والے دن سرخرو ہو جاؤ گے۔ ضروری نہیں ہے کہ تمہارے کہنے پہ تمہاری بیٹی سر پہ

[1] سورة طٰهٰ:125

دوپٹہ لے لے لیکن تم تو اپنا فرض ادا کرتے رہو۔ اس اولاد سے نفرت کرتے جو اللہ کی نافرمان تھی۔ لیکن تم نے پھر بھی اس اولاد سے محبت کی۔ یہ جرم کیا ہم نے۔ ہم نے اپنے گھر سے کام شروع نہیں کیا۔ کئی دفعہ ہم تھک بھی جاتے ہیں۔ میں بھی آپ میں سے ہوں، میں بھی تھک جاتا ہوں۔ لیکن پھر میں شرمندہ بھی ہوتا ہوں، یقین جانیے جب طائف میں فرشتے نے آکر کہا تھا، جبریل نے کہا تھا کہ اگر حکم ہو تو میں ان پہاڑیوں کو ملا کر انکو نیست و نابود کر دوں۔ میں نے شاید آپکو بتایا تھا کہ دو دفعہ فرشتے روئے ہیں، تاریخِ انسانی میں، ایک جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے گلے پہ چھری رکھی تھی تو فرشتے بھی رو پڑے تھے۔ کیا یاری ہے اللہ کیساتھ۔ کیا خلیل کا مقام ہے کہ اس کی محبت کی خاطر بیٹے کے گلے پہ چھری چلا دی۔ اور دوسرا اس دن جس دن طائف میں میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارے گئے تھے، سرکار کا جوتا مبارک بھی خون سے بھر گیا تھا۔ اس دن فرشتے نے آکر کہا تھا کہ ان پہاڑیوں کو ملائیں اور انکو مسل دیں۔ حضرت زید ساتھ تھے، پتھروں کو روکتے، کبھی ادھر ہوتے، کبھی ادھر، لیکن وہ زیادہ تھے۔ تو وہ جو دعا ہے سیرت کی کتابوں میں، ہلا کر رکھ دیتی ہے کہ یا اللہ مجھے یہ پہچانتے نہیں، انکو نہیں پتہ کہ میں انکا کتنا خیر خواہ ہوں۔ میں انکو بچانا چاہتا ہوں، میں انکو عذاب کی دعا اس لیے نہیں کر رہا کہ کوئی نہیں اگر یہ نہیں سمجھیں گے تو انکی آنیوالی نسلیں ہی سمجھ جائیں گی۔ یعنی کبھی یہ نہیں کہنا کہ میں کہہ کہہ کر تھک گیا ہوں دیکھئے اگلی نسل تک کی بات کی، انکے بعد میں آنیوالے صاحبِ ایمان ہو جائیں گے۔ اور اس دعا کا اگلا حصہ جس سے مجھے بھی شرمندگی ہوتی ہے کہ جب میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حالانکہ یہ جملے صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار تھا کہ مولا میں تو اپنی کم ہمتی کی بات کر رہا ہوں۔ نبی کم ہمت نہیں ہوتا، نبی اپنا حق ادا کرتا ہے۔ لیکن یہ تعلیم تھی ہمارے لیے کہ کبھی یہ نہیں کہنا کہ میں نے ایک دفعہ، دو دفعہ کہا ہے۔ نہیں، یہ کام ہمیں اپنی آخری سانس تک کرنا ہے اور پھر دوسری بات ذہن میں رکھنا کہ اگر آپ نے برائیوں سے نہ روکا تو امر بالمعروف، یہ جو نیکیوں کا حکم ہے، یہ خود بخود ضائع ہو جائیگا۔ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ اگر کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اسکو گردن سے پکڑ کر لے جاؤ نماز کیلئے۔ یعنی ہاتھ سے پکڑ کر لے جاؤ، نہیں۔ لیکن برائی کیلئے فرمایا کہ کہیں برائی دیکھتے ہو تو اسکو ہاتھ سے روکو اور اگر ہاتھ سے روکنے کی صلاحیت نہیں ہے تو زبان سے روکو اور اگر زبان سے بھی نہیں کہہ سکتے، کمزور ہو تو پھر کم از کم دل سے تو بُرا جانو۔ ہم نے دل سے بھی برا نہیں جانا۔ ہم نے اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے اپنی اولاد کو دیکھا، اپنے

بھائیوں کو دیکھا، اپنے دوستوں کو دیکھا لیکن ہم نے دل سے بھی برا نہیں جانا۔ یہ ہے اس قوم کی سزا۔ فرمایا یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے[1]۔ اور یہ بات میری ذہن میں رکھنا کہ جب بھی آپ منکرات پہ عمل کر رہے ہوتے ہیں، بُرائیوں میں مبتلا ہوتے ہیں، وہ کام جو اللہ نے حرام قرار دیے ہیں ان میں منہ مار رہے ہوتے ہیں، اس وقت آپ ایمان کی حالت میں نہیں ہوتے۔ کیونکہ ایمان کی کمزور ترین حالت تو یہ ہوتی ہے کہ وہ دل سے تو بُرا جانتا ہے۔

آج وقت ہو گیا ہے، میں بس ایک دو اشارے کر کے، کیونکہ میں آج اس موضوع کو سمیٹنا چاہتا ہوں۔ حضور غوث پاک شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ نے اس پہ بڑی تفصیلی گفتگو فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دن ہی خانہ کعبہ سے سارے بُت توڑ سکتے تھے اور اللہ کے گھر کو پاک کر سکتے تھے، کسی کی جرات نہیں تھی کہ میرے نبی کا ہاتھ روکتا۔ لیکن میرے نبی نے مکہ میں 13 سال مصیبت کی زندگی گزاری اور ان بتوں کو ہاتھ نہیں ڈالا۔ پھر مدینہ شریف آ کر ریاست قائم کی۔ آٹھ سال جب ریاست مضبوط ہوئی تو پھر مکہ پہ چڑھائی کی اور مکہ فتح ہوا۔ اکیس سال بعد خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا اور توحید کا اعلان کیا وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ-اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا[2]۔ حضور بُت توڑ رہے تھے اور ساتھ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ تو سرکار غوث پاک فرماتے ہیں کہ یہ تربیت ہماری کی کہ یہ جو حکم ہے ناں کہ برائی کو ہاتھ سے روکو۔ تو ہاتھ سے اس وقت روکنا ہے جب پھر تیرا ہاتھ کوئی روک نہ سکے۔ کمزوری سے کبھی ہاتھ نہیں ڈالنا۔ اس لیے آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو اقتدار میں لوگ ہوتے ہیں، یہ جو ادارے ہیں پولیس ہے، فوج ہے، ظاہر ہے چور کے ہاتھ میں تو نہیں کاٹ سکتا ناں، عدالتیں تو گورنمنٹ کے پاس ہیں، اس سے فساد فی الارض پیدا ہوتا ہے، تو ہاتھ سے روکنے کا حکم اسلامی ریاست کو ہے۔ اسلامی ریاست جو ہے وہ ہاتھ سے روکے۔ تو دوسرے درجے میں حضور غوث پاک فرمایا کرتے تھے کہ معاشرہ برباد اس وقت ہوتا ہے جب زبان سے روکنے والے بھی بد دیانت ہو جاتے ہیں۔ تو غوث پاک سرکار فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو منبر ہے نبی

[1] ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے اپنا فرض پورا کر دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: ”جو شخص کوئی برائی دیکھے تو چاہیئے کہ اس برائی کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، جسے اتنی طاقت نہ ہو وہ اپنی زبان سے اسے بدل دے اور جسے اس کی طاقت بھی نہ ہو وہ اپنے دل میں اسے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے“۔ سنن ترمذی:2172

[2] سورۃ بنی اسرائیل:81

پاک ﷺ کا اور یہ جو مصلیٰ ہے، اس منبر اور مصلیٰ پہ جو کھڑے ہوتے ہیں، ان کے اوپر یہ حکم ہے کہ وہ زبان سے روکیں۔ اب اگر یہ منبر اور مصلیٰ والے ہی شرابیوں کو عزت دیں گے، سود خوروں کو عزت دیں گے، انکو لا کر صدارت پہ بٹھائیں گے تو زبان سے اور کون روکے گا؟ تو یہ بد معاشی ہوئی ہمارے مدرسوں میں بھی، مسجدوں میں بھی۔ میرے ساتھ ایک بزرگ حج پر گئے ہوئے تھے تو وہ رہے میرے کمرے میں بھی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میں کبھی نماز کی تکبیر کیلئے کھڑا ہو جاؤں تو مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اوئے چپ کر ایہ جہیڑے حاجی صاحب بوہتے پیسے دیندے نیں ایہہ تکبیر پڑھن گے۔ یہ حال ہو گیا ہماری مسجدوں کا۔ اوہ کسی ماڑے نوں تے اذان نئیں دین دیندے۔ پتہ بھی ہتا ہے کہ یہ جو زیادہ پیسے دے رہا ہے یہ سود خور ہے، یہ حرام خور ہے، یہ رشوت لیتا ہے لیکن انکو ہم عزت دیتے ہیں اور شریف کو، نیکی پہ عمل کرنے والے کو ذلیل کرتے ہیں۔ اور پھر غوث پاک سرکار نے فرمایا کہ یہ جو تیسرا درجہ ہے یہ عام عوام کا ہے۔ عام عوام دل سے برائی کے خلاف نفرت کرے، علماء اور مشائخ زبان سے روکیں اور حاکمِ وقت ہاتھ سے روکے تو وہ معاشرہ ہے جو اسلامی معاشرہ ہے۔ لیکن اپنے حصے کا کام، تو ان کیلئے پھر فرمایاوَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ بھائی خوشخبری تو ان کیلئے جو اپنے حصے کا کام کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

14۔ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کوثر عطا کی گئی

قرآن: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (1) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ (2) اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ(3) (سورۃ الکوثر)

ترجمہ: "بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔ پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔ بے شک آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے۔"

خاکہ:

1. لفظ کوثر کا معنیٰ
2. قرآن میں ہم کا صیغہ کب استعمال ہوتا ہے۔
3. مقامِ حیرت کیا ہے؟
4. نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بیٹیاں اور بیٹے
5. کوثر کا ایک معنیٰ سیدہ فاطمۃ الزہرا ہے۔
6. قیامت تک جو میرے نبی کا دل دکھائے گا وہ بے نام و نشان رہے گا۔
7. عورت کی اصل عظمت کیا ہوتی ہے؟
8. میری نبوت کے نو حصے تو فاطمہ کے پاس ہیں۔
9. حضرتِ فاطمہ کے پاس تو تین بڑی فضیلتیں ہیں۔
10. پہلے قطب کا جو درجہ ہے وہ سیدہ فاطمہ کے پاس ہے۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

یہ قرآنِ کریم کی ظاہراً مختصراً سورۃ ہے جسکی صرف تین آیات ہیں۔ لیکن معنیٰ اور مفہوم کے اعتبار سے اس سے بڑی سورۃ کوئی نہیں۔ لفظِ کوثر، اردو زبان میں ہم کثرت کے معنوں میں لیتے ہیں۔ کثیر کا معنیٰ کیا جاتا ہے۔ لیکن لغت میں یہ مبالغہ کا صیغہ ہے جسے انگریزی میں superlative degree کہتے ہیں، تفضیلِ کُل کہتے ہیں۔ یہ آدمی اچھا ہے اور پھر جب آپ comparison کرتے ہیں تو کیا کہتے ہیں کہ اس سے اچھا ہے، comparative degree دو میں موازنہ کرنا۔ سب میں ہو تو پھر آپ کہتے ہیں کہ سب سے اچھا ہے۔ اسی طرح بد، بدتر اور بدترین۔ یعنی یہ بُرا ہے، یہ اس سے بُرا ہے اور یہ سب سے بُرا ہے۔ اسکو تفضیلِ کل کہتے ہیں، مبالغہ کا صیغہ ہے، superlative degree ہے۔ جہاں پہ لفظِ کثرت کی بھی انتہا ہوتی ہے ناں وہاں سے کوثر شروع ہوتا ہے۔ اور بڑی عجیب بات مفسرین نے یہاں لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام مختلف جگہوں پر ملے گا آپ کو، محمد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا اسمِ گرامی محمد چار جگہوں پہ تو ہے اور احمد ایک جگہ پہ ہے لیکن لفظِ کوثر قرآن میں صرف ایک جگہ پہ ہے۔ اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ کیا کثرت ہوگی کہ دوسرا لفظ بھی استعمال نہیں کیا۔ یعنی یہ لفظِ کوثر قرآن میں دو دفعہ نہیں آیا۔ پھر آپ کہیں گے کہ یہ اللہ سے بھی بڑا ہو گیا۔ نہیں۔ اللہ نے جو عطا کی ہے کثرت یہ اسکی بات ہو رہی ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ہم نے عطا کیا تجھ کو کوثر۔ یہ کَ، کُما، کُم۔ ایک ہو گا تو کَ، دو ہونگے تو کُما، تثنیہ کا صیغہ ہے اور جمع کیلئے کُم۔ آپ کہیں گے کہ یہ کیا گرائمر پڑھانے بیٹھ گیا۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ یعنی آپ کو یہ پتہ ہو کہ "ک" کا صیغہ، واحد کا صیغہ ہے۔ کَ اسے کہتے ہیں جو حاضر ہو، سامنے موجود ہو۔ تو اللہ تعالیٰ مخاطب کر رہا ہے اپنے محبوب کو۔ اپنے لیے جمع کا صیغہ اِنَّآ ، اَعْطَيْنٰ ہم نے عطا کی، یعنی دو مرتبہ یہ بات کہہ دی اور سامنے صرف پاک پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ذات ہے کہ تجھے ہم نے کوثر عطا کی۔ ہم نے۔ یہ نہ کوئی کہہ دے کہ آپ نے کہا کہ اللہ کا لفظ تو بار بار آیا اور یہ کوثر کا لفظ ایک دفعہ آیا۔ ہاں، اللہ تو وحدہ لاشریک ہے۔ اللہ تو احد ہے۔ یہ عددی ایک نہیں ہے، numerical one

نہیں ہے۔ یہ جو گنتی کا ایک کہتے ہیں ناں، اس سے اللہ کو تشبیہ نہیں دینی۔ یہ لفظِ "صمد" میں بھی میں نے یہ بات عرض کی تھی کہ صمد بھی وہی ہوتا ہے جس میں یہ عددی ایک نہ ہو۔ کیوں؟ یہ جو عددی ایک ہے، اس جیسا ایک اور بھی ہوتا ہے۔ اس جیسا ایک اور ہو گا تو دو بنیں گے، پھر اس جیسا ایک اور آجئیگا تو تین بنیں گے۔ تو یہ احد اللہ کی ذات، جسکو نہ اعداد میں آپ بیان کر سکتے ہیں اور نہ الفاظ میں آپ بیان کر سکتے ہیں۔ وہ احد ہوتا ہے، وہ صمد ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی تمام صفات کیساتھ بات کرے۔ یہ عام فہم جملہ نہیں ہے۔ اللہ اپنی تمام صفات کو مجتمع کر کے استعمال کرے تو پھر ہم کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ میں پھر صفت حی کے ساتھ بھی بات کر رہا ہوں، صفتِ قیوم کیساتھ بھی بات کر رہا ہوں، صفت علیم کیساتھ بھی بات کر رہا ہوں، تو جب وہ اپنی تمام صفات کیساتھ جلوہ گر ہوتا ہے تو پھر کہتا ہے ہم۔ تو اب جب وہ لفظِ کوثر استعمال ہو گا تو اپنی تمام صفات کیساتھ اپنے محبوب سے کہے گا کہ ہم نے تجھے کوثر عطا کی۔ اسلیے تو پھر ہم پلٹ کے کیا کہتے ہیں؟ کیونکہ اسکی ہر صفت بھی تو لا محدود ہیں ناں۔ یہ چیز میں اسلیے بیان کر رہا ہوں کہ ہماری سائنس یہ کہتی ہے کہ جو چیز لفظوں میں بیان نہ ہو وہ اعداد میں ہو جاتی ہے۔ اسی لیے یہ فارمولے لکھے جاتے ہیں کہ جو چیز آپ لفظوں میں بیان نہ کر سکیں وہ اعداد میں بیان کر سکتے ہیں۔ یہ سائنس کی زبان میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ تو جو چیز نہ لفظوں میں بیان کر سکیں اور نہ اعداد میں بیان کر سکیں، وہ توحید ہے، وہ احد ہے۔ تو اسکی صفات بھی لامتناہی ہیں۔ اب اس نے جسکو کوثر عطا کی۔ اسلیے جب ہمیں اللہ حکم دیتا ہے يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[1] تو ہم پلٹ کے کیا کہتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ مولا کریم تو ہی ان پہ درود بھیج انکی آل پہ بھی بھیج۔ اس لیے کہ جس اللہ نے لامتناہی کوثر عطا کی ہے تو لامتناہی درود تو اللہ ہی بھیج سکتا ہے ناں۔ کوئی محدود انکی شان اور صفت کیسے بیان کر سکتا ہے۔

اس کے لیے بھی ایک بات ضروری ہے کہ کبھی بھی یہ نہیں کہنا کہ میں اللہ کی فضیلت یا اسکے رسول کی یا اہل بیت کی یا سیدہ پاک کی، امام حسین کی بھی میں فضیلت بیان کر رہا ہوں۔ یہ جملہ کبھی نہیں کہنا، چونکہ یہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ بتا رہا ہے کہ کوئی انکی فضیلت بیان کر ہی نہیں سکتا۔ کیوں بھلا؟ بیان کیلئے علم کا ہونا

[1] سورۃ الاحزاب:56

ضروری ہے۔ بیان وہ کریگا جس کے پاس علم ہوگا۔ بھائی اگر آپ نے اللہ کی فضیلت بیان کرنی ہے تو علم بھی تو اتنا ہی بڑا چاہئے۔ اس کے لیے ایک لفظ استعمال ہوتا ہے، میں ویسے وہ لفظ استعمال نہیں کرتا، لیکن چونکہ عام کتابوں میں لکھا ہوا ہے، اسلیے آپ کو بتا دیتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی، نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی، اہلِ بیت کی، صحابہ کی شان بیان کرنے کیلیئے علم کی نہیں بلکہ کمالِ علم کی ضرورت ہے۔ علمِ کل کی ضرورت ہے۔ اچھا علم، علم تو بعد کی بات ہے، پہلے اس ذات کی پہچان تو ہو۔ میں جس کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں، اس ذات کی مجھے پہچان تو ہو۔ تو پہچان کیلیئے عقل کی ضرورت ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ جب تک آپ کے پاس عقلِ کل اور علمِ کل نہ ہو، آپ فضیلت بیان ہی نہیں کر سکتے۔ تو اس کیلیئے بھائی اپنی اپنی عاجزی ہے، غلامی کا اظہار ہے جو ہم یہاں بیٹھ کے کرتے ہیں۔ عجز کا اظہار ہے کہ اللہ کی بات آجائے تو کہتے ہیں کہ اسکی شان کے مطابق، رسول اللہ کی شان کے مطابق۔ تو کتابوں میں ہے کہ جن کے پاس عقلِ کل اور علم کل ہے وہ فضیلت بیان کریں۔ اب جب کوئی ہر ایرا غیرا اٹھ کے کہے گا کہ میں نے حدیث پڑھ لی، میں نے قرآن پڑھ لیا، اس لامتناہی ذات، لا محدود صفات والی ذات اور پھر وہ ذات جب کہے کہ اے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ہم نے تمہیں کثرت عطا کر دی۔ تو کیا کسی کا علم اور کیا کسی کی پہچان؟ اسکو تصوف کی زبان میں مقامِ حیرت کہتے ہیں کہ جتنا جتنا انسان معرفت میں آگے بڑھتا ہے اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسکی شاید پہلے بھی کبھی مثال دی ہے کہ ایک بندے نے صرف بادام دیکھا ہے، اسکی جو سخت سائڈ ہے، اس بندے کا علم اتنا ہی ہے۔ ایک اسکے اندر گری کو دیکھتا ہے، اسکے مغز کو دیکھتا ہے، اب اسکا علم اور بڑھ گیا۔ اور ایک بندہ اس مغز کے اندر روغن کو دیکھتا ہے، اسکا علم اور ہے۔ یہ نہیں ہے کہ جس نے صرف بادام کو دیکھا اسکا علم اور جس نے مغز کو دیکھا ہے اسکا علم اور جس نے آگے اسکا عرق دیکھا ہے اسکا علم برابر ہے۔ تینوں کا علم برابر نہیں ہے۔ اب آگے اس مغز سے جو روغن نکالا گیا ہے، ایک بندہ اس روغن کی افادیت کو بھی جانتا ہے کہ اس کے فائدے کیا ہیں۔ کس کس بیماری اور طاقت کیلیئے اسکو استعمال کیا جاتا ہے تو آپکی حیرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یعنی اللہ کی بنائی ہوئی آپ کسی بھی چیز پہ جب آپ غور کرینگے تو آپ حیرت میں چلے جائینگے۔ کیونکہ یہ معنی تہہ در تہہ ہوتے ہیں۔ آیات وہی ہوتی ہیں، ایک بندے کو صرف آیت کی زیارت ہے، ایک نے اسکو اپنی عقل پہ مار دیا ہے اور اسکو معنی نصیب ہو گئے ہیں، ایک نے اسکو اپنے دل پہ لے لیا ہے اور اسکی معرفت نصیب ہو گئی۔ اب جیسے وہ خالق لامتناہی ہے، ویسے اسکا کلام بھی لامتناہی ہے۔ تو معنی تہہ در تہہ اسکے

سامنے کھلتے جاتے ہیں۔ ویسے ایک بات بتادوں میں آپکو کہ مقامِ حیرت دولوگوں کیلئے ہوتی ہے۔ ہاں! حیرت میں بھی دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں: ایک اسکی معرفت کیوجہ سے حیرت میں ہوتے ہیں اور دوسرے جہالت کیوجہ سے مقامِ حیرت میں ہوتے ہیں۔ ایک جسکو کچھ علم نہیں ناں ہوتا وہ بھی مقام حیرت میں ہوتا ہے۔

کوثر، ایک اس کا معنی حوضِ کوثر کیا جاتا ہے۔ تفاسیر میں مختلف معنی لکھے ہوئے ہیں لیکن ان سب کا سببِ نزول، شانِ نزول ایک ہی ہے۔ وہ ایک سے زیادہ نہیں ہے کہ میرے پاک پیغمبر ﷺ کے بڑے صاحبزادے، انکا نام تھا قاسم، اسی سے آپ ﷺ کی کنیت ہے ابو القاسم، حضور کو ابو القاسم بڑے بیٹے کی نسبت سے کہا جاتا ہے۔ اسکے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے آپکو صاحبزادی عطا کی، سیدہ زینب۔ پھر اسکے بعد جو سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آپکے بیٹے عبد اللہ پیدا ہوئے، صاحبزادیاں سیدہ رقیہ اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ جو سیرت نگار اختلاف کرتے ہیں کہ حضور کے چار صاحبزادے تھے، ایک طیب تھے، ایک طاہر تھے۔ جو تین صاحبزادے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نہیں یہ حضرت عبد اللہ کی ہی خصوصیات طیب اور طاہر بیان کی جاتی ہیں۔ پھر حضرتِ ابراہیم، یہ مدینہ شریف آکر پیدا ہوئے۔ لیکن مکہ پاک میں یہ جو حضور کی زوجہ محترمہ خاتون اول ہیں خدیجۃ الکبری سلام اللہ علیہا، کیونکہ جب تک حضرت خدیجہ نکاح میں رہیں حضور نے اور نکاح نہیں کیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ جبتک حضرت خدیجہ نبی پاک ﷺ کے نکاح میں رہی ہیں ناں، نبی پاک ﷺ نے کوئی اور نکاح نہیں کیا۔ اور حضور کی ساری اولاد بھی سیدہ خدیجہ میں سے ہے۔ تو جب آپکے صاحبزادوں کا وصال ہوا تو مشرکینِ مکہ نے ایک طعنہ دیا۔ اور اس میں عاص بن وائل کا ذکر ہوتا ہے کہ اس نے حضور کے دل کو بہت زخمی کیا اور بھرے بازار میں یہ کہتا تھا کہ ابتر ہے۔ اسکی آگے نسل ختم ہوجائیگی، اسکا تو کوئی بیٹا نہیں ہے۔ تو یہ باتیں وہ نبی پاک ﷺ کو تکلیف دینے کیلئے بیان کرتے تھے۔

اس سورۃ کا شانِ نزول تمام مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ جب نبی پاک ﷺ کو یہ طعنہ دیا گیا تو اس موقعہ پہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔ اسلیے میں نے یہ کہا ہے کہ ظاہراً تو یہ سب سے چھوٹی سورۃ ہے لیکن معنی اور مفاہیم کے اعتبار سے یہ سب سے بڑی سورۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ کیا سمجھتے ہیں کہ ایک دو تین بیٹوں سے نسل چلتی ہے؟ مثلاً کسی کے بیٹے ہونگے تو نسل چلے گی۔ یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ اسکا نام باقی رہیگا؟ محبوب یہ تو

ایک دو بیٹوں کی بات کر رہے ہیں، ہم نے تمہیں فاطمہ عطا کر دی۔ اسلیے اس کوثر کا ایک معنیٰ سیدہ فاطمہ الزہرا کیا جاتا ہے کہ فاطمہ کی صورت میں ہم نے تجھے کثرت عطا کی۔ آج سیدہ پاک کی ولادت کا دن ہے؛ آج میرے پیغمبر کے گھر خوشیوں کا دن ہے۔ بیس جمادی الثانی، جب مکہ کے مشرک باتیں کر کے میرے پیغمبر ﷺ کو تنگ کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی اور سیدہ پاک کی ولادت ہوئی۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہم نے عطا کیا۔ اب عطا ہے اللہ کی، جو لامتناہی ہے، جو لامحدود ہے، اسکی صفات بھی لامحدود ہیں۔ اگر میرا ابتدائیہ آپکے ذہن میں ہو، ایک تو یہ فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[1] ہم نے اس ذکر کو نازل کیا، اللہ وحدہ لاشریک ہے، یہ نہیں کہا کہ میں نے نازل کیا۔ ہم نے نازل کیا" نحن "جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ ہم نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں۔ اس دن بھی میں نے یہ آپکو کہا تھا کہ یہ سوال اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو وحدہ لاشریک ہے تو وہ ہم کا صیغہ کیوں استعمال کرتا ہے؟ تو اس آیت میں مفسرین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ فرماتا ہے نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ[2] یہ قرآن لے کر کون آیا؟ روح الامین، یہ جبریل لیکر آیا۔ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ[3] اے محبوب ہم نے آپ کے قلب پر اسکو نازل کیا۔ تو اب اس قرآن کے نزول میں اللہ نے جو جو بھی حصہ دار بنایا تو ان سب کو ملا کر اللہ " نحن " کہتا ہے اور اسی طرح اس قرآن کی حفاظت میں جس جس نے بھی حصہ لیا اسکو اللہ اپنی طرف نسبت دیتا ہے۔ لیکن اس آیت میں جو ہم ہے یہاں اللہ اپنی تمام صفات کیساتھ اے محبوب تجھے کوثر عطا کر رہا ہے۔ اب وہ فاطمہ جو تمام صفات کیساتھ عطا کی گئی ہو اور جسکا نعم البدل بیٹے بھی نہیں ہو سکتے۔ اب ہم جیسے تو محدود، اب ہم تو طالب علم بھی نہیں کہ اسکو بیان کر سکیں، کلامِ خالق ہے اور جس ہستی پہ نازل ہوا وہ بھی لامحدود اور جس ہستی کا یہاں پہ ذکر ہے وہ بھی لامحدود۔ بھائی عطا کیا کیا ہے؟ فاطمہ عطا کی ہے۔

اب یہاں پہ بڑھیا بات کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی پوری صفات کیساتھ اپنے محبوب کو کوثر عطا کر رہا ہے تو حکم کیا دے رہا ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ محبوب دیکھ ہم نے تجھے فاطمہ جیسی نعمت عطا کی ہے تو اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس

---

[1] سورۃ الحجر:9

[2] سورۃ الشعراء:193

[3] سورۃ الشعراء:194

اللہ کیلئے نماز بھی پڑھو اور قربانی بھی دو۔ اس اللہ کیلئے نماز بھی پڑھو اور قربانی بھی دو۔ اسلیے یہ جو آپ سنتے ہیں ناں کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ نماز ہے، وہ اس آیت سے لیا گیا ہے۔ اگر آپ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں تو آپ نماز کے علاوہ کر ہی نہیں سکتے۔ اگر یہ صرف زبان سے الحمدللہ، الحمدللہ کی تسبیح کرنا ہوتی تو رسول اللہ سے زیادہ کون کرتا تھا۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ اور یہ ایک یونیورسل لاء قرآن نے بیان کر دیا کہ اے محبوب اب تیرا دشمن ہی دم کٹا رہیگا، بے نام و نشان رہیگا۔ یہاں پہ ایک لطیف نقطہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ابو لہب نے کہا ہاتھ ٹوٹ جائیں تو اللہ نے نام لیکر کہا تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ [1] اے ابو لہب تیرے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ تو یہاں جس کافر نے کہا تھا اس کا نام نہیں لیا کہ محبوب یہ جو تجھے کہہ رہا ہے نا ابتر، عاص بن وائیل، یہ بے نام و نشان رہیگا۔ اس کا نام نہیں لیا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے ناں کہ ابو لہب نے تو کہا کہ ہاتھ ٹوٹ جائیں، اسکی تو گستاخی چھوٹی تھی تو اللہ فرمارہاہے تیرے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ اسکی کیا وجہ ہے کہ جس نے نبی پاک ﷺ کو سب سے زیادہ تکلیف دی ہے، دل دکھایا ہے اسکا نام نہیں لیا۔ ہاں، اسلیے نہیں لیا کہ لوگوں نے یہ سمجھنا تھا کہ آیت صرف اس ایک بدبخت کیلئے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ اصول بیان کرنا چاہتا تھا۔ قیامت تک جو میرے نبی کا دل دکھائے گا وہ بے نام و نشان رہیگا۔ اس میں ایک دو بات نہیں ہے۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ مستقبل کی بات کی، آنیوالے زمانے کی بات کی ہے۔ کوئی ترجمہ یہاں سے اٹھا کے دیکھ لیں، کسی بھی مکتبہ فکر کا، تیرا دشمن ہی بے نام و نشان رہیگا۔

اب یہ بڑی عجیب بات میں آپکو سنانے لگا ہوں، بڑھیا عجیب بات کہ جب میرے پاک پیغمبر ﷺ بھرے مجمعے میں پوچھتے ہیں کہ عورت کی اصل عظمت، شان کیا ہوتی ہے؟ قابلِ احترام کوئی عورت کیسے ہوتی ہے؟ مختلف لوگوں نے جواب دیے لیکن نبی پاک ﷺ نے کسی کا جواب قبول نہیں کیا۔ مولا علی سرکار پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، چپکے سے اٹھے اور گھر گئے۔ سیدہ پاک سے پوچھا کہ نبی پاک ﷺ یہ سوال پوچھ رہے ہیں اور کسی کا جواب قبول نہیں کیا جارہا تو سیدہ پاک نے فرمایا کہ علی عورت کی اصل عظمت یہ ہوتی ہے، یہ نہیں ہے کہ اسکو کسی غیر محرم مرد نے نہ دیکھا ہو بلکہ عورت کی اصل عظمت یہ ہے کہ اس عورت کی نگاہ کسی غیر محرم مرد پہ نہ پڑی ہو اور

[1] سورۃ اللھب:1

نہ کسی غیر محرم مرد نے اس عورت پہ نظر ڈالی ہو۔ مولا علی سرکار آگئے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، کھڑے ہو گئے کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ ہے جواب اسکا کہ کسی غیر محرم مرد کی نگاہ اس عورت پہ پڑنا تو بڑی بات ہے، اس عورت کی نگاہ بھی کسی غیر محرم مرد پہ نہ پڑی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ علی یہ جواب تجھے بتایا کس نے، یہ باب العلم کی بات ہے۔ جو مدینۃ العلم ہیں اس شہر کے دروازے کی بات ہے۔ اس موقع پہ مولا علی سرکار نے عرض کی کہ سرکار میں گھر گیا تھا اور فاطمۃ الزہرا سے پوچھ کے آیا ہوں۔ میں نے اس دن بتایا تھا ناں آپکو کہ آپ نے اپنے جنازے پہ بھی حکم دیا تھا کہ علی میرا جنازہ رات کو اٹھانا، اندھیرے میں اٹھانا، میرے کفن پہ بھی کسی غیر محرم کی نگاہ نہ پڑے۔ اور میں نے یہ جملہ عرض کیا تھا آپ سے کہ وہ نگاہیں تو پاک تھیں اور سیدہ پاک ان پاک نگاہوں سے بچنے کی بات کر رہی تھیں۔ آج ہم اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو بنا سنوار کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں انکی تو نگاہیں بھی گندی ہوتی ہیں۔ لوگوں کی گندی نگاہوں کے سامنے اپنی بیٹیوں کو پیش کرتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ ہمارے اوپر اللہ کی رحمت نہیں ہوتی۔ بہرحال، جب مولا علی سرکار نے فرمایا ناں کہ میں جواب فاطمہ سے پوچھ کے آیا ہوں تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا فاطمة بضعة مني[1] اس کا عام ترجمہ کیا کِیا جاتا ہے کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ یہ حدیث بیان کی جاتی ہے، سارے ہی بیان کرتے ہیں اسکو، کچھ کہتے ہیں کہ میرے جگر کا ٹکڑا اور کچھ کہتے ہیں کہ میرے بدن کا ٹکڑا۔ لیکن محدثین کرام جب اس پہ بحث کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ یہ تو ہر باپ ہی اپنی بیٹی کو کہتا ہے کہ میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اس میں فضیلت والی کونسی بات ہے؟ بھائی یہ تو ہر باپ ہی اپنی بیٹی کیلئے کہتا ہے۔ یہاں بات تھی فضیلت کی کہ جس سوال کا جواب صحابہ کو نہیں آتا وہ علم بھی فاطمہ کے پاس ہے۔ یہاں بات فضیلت کی ہو رہی ہے۔ یہاں بضعۃ کا معنیٰ کیا ہو گا؟

توسورۃ روم کی ابتدائی آیات الٓمّٓ(1) غُلِبَتِ الرُّوْمُ(2) فِیْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ(3) فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ۬ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ؕ وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ[2](4) ۔ یہ سورۃ روم کی

[1] صحیح البخاری:3767

[2] سورۃ الروم 4-1

ابتدائی آیات ہیں کہ جنگ ہوئی تھی ایران اور روم کی؛ اور ایرانی جیت گئے تھے تو یہ بھائی بڑی عجیب ہے کہ عیسائی ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی قلبی کیفیت رومیوں کیساتھ تھیں اور مشرکینِ مکہ ایرانیوں کے ساتھ تھے کیونکہ یہ آتش پرست تھے، بت پرست تھے۔ تو جب خانہ کعبہ میں باتیں شروع ہوئیں کہ جو اللہ کو مانتے تھے انکو مار پڑی ہے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غصے میں آگئے اور انہوں نے شرط لگائی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی بِضْعِ سِنِيْنَ کہ کچھ سالوں میں رومی جو ہیں وہ غالب آجائیں گے بت پرستوں پر۔ تو بِضْع عربی زبان میں ایک سے لیکر نو تک کے ہندسے کو کہتے ہیں۔ تو اس لیے نبی پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ ابو بکر جا کر شرط بھی بڑھاؤ، پچاس کی جگہ سو اونٹ کر دو اور ساتھ مدت بھی بڑھاؤ، چھ سے نو سال تک لے جاؤ۔ اس وقت شرط جائز تھی، ابھی شرط کے ممنوع ہونے کا حکم نہیں تھا آیا۔ اور ایک سورۃ یوسف میں یہ لفظ بِضْع آیا، یہ دو جگہوں پہ آیا اور وہاں بھی یوسف علیہ السلام کی قید جو ہے وہ نو سال تک بڑھ گئی تھی۔ سورۃ یوسف میں جہاں ذکر ہے ناں وہاں انکی قید کا ذکر ہے۔ تو وقت اصل میں تھوڑا ہے، وہاں بھی یہ ہوا کہ جب دو ساتھی رہا ہوئے ناں تو یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا، وہ جنکو خواب آئے تھے اور یوسف علیہ السلام نے انکو خوابوں کی تعبیر بتائی تھی، تو ان میں سے ایک جب رہا ہوا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یار بادشاہ سے میرا ذکر کرنا تو وہاں پہ قرآن میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے اسکو یہ بات بھلا دی اور پھر نو سال تک یوسف علیہ السلام ادھر رہے جیل میں۔ بھائی یہ جو مقربین ہوتے ہیں ناں اللہ کے، انکی پھر آزمائشیں بھی بڑی ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بھی اچھی نہیں لگی کہ کہنا تو مجھے چاہیئے تھا اور تُو بادشاہ کو کہہ رہا ہے کہ میں جیل میں ہوں۔ اس وجہ سے پھر نو سال تک مزید جیل میں رہے۔ تو یہ دونوں جگہوں پر نو تک یہ لفظ بِضْع استعمال ہوا ہے۔ سورۃ یوسف میں بھی نو سال کیلئے ہوا اور سورۃ روم میں بھی نو سال کیلئے ہوا۔ یہاں چونکہ بات تھی فضیلت کی تو جب مولا علی سرکار نے جواب دیا تو میرے سرکار نے فرمایا کہ ہاں فاطمة بضعة مني میری نبوت کے نو حصے تو فاطمہ کے پاس ہیں۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ہم نے پوری صفات کے ساتھ کوثر تجھے عطا کی، تجھے فاطمہ عطا کی۔

یہ آج کا دن وہ خوشی کا دن ہے میرے پیغمبر کیلئے، 20 جمادی الثانی۔ ہمارے نوجوانوں کو یہ بھولتی جا رہی ہیں یہ باتیں۔ دکھ بھی ہوتا ہے مجھے۔ کئی دفعہ جب میں بچوں سے پوچھتا ہوں کہ امامِ حسن کی شہادت کے دن کا کسی کو

پتہ ہے؟ انکی ولادت کے دن کا پتہ ہے؟ دوسری طرف وہ امامِ شافعی کی بات کہ ان ہستیوں کے متعلق اور علامہ اقبال نے جو تبصرہ کیا تھا۔ اشعار تو مجھے اس وقت نہیں آتے، ترجمہ سن لیں۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ مریم کے پاس تو ایک فضیلت تھی کہ وہ عیسیٰ کی ماں ہے۔ مریم کے پاس ایک فضیلت ہے کہ وہ عیسیٰ کی ماں ہے اور فاطمہ کے پاس تو تین بڑی فضیلتیں تھیں۔ مریم، فاطمہ کے برابر کیسے ہو سکتی ہے کہ جسکا باپ محمد رسول اللہ ہو، جسکی اولاد حسن و حسین ہو، جسکا سر تاج علی المرتضیٰ ہو۔ یہ علامہ اقبال نے تبصرہ فرمایا۔ پتہ نہیں کہ میں لفظِ کوثر آپ تک پہنچانے میں کامیاب ہوا ہوں کہ نہیں؟

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے جو نبی پاک ﷺ کو کوثر کی نعمت عطا کی وہ سیدہ فاطمہ الزہرا کے حوالے سے کی۔ اور ہمارے تصوف کی زبان میں حضور شیخ عبد لقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ اور جتنے بھی بڑے حضور داتا صاحب ہیں، حضور مجد د الف ثانی ہیں۔ قطب بھلا کسے کہتے ہیں؟ یہ جو ہمارے پرانے لوگ ہیں انکو تو پتہ ہے کہ گھروں میں جو چکی ہوتی تھی اسکے درمیان میں جو لوہے کی کلّی ہوتی ہے اسکے ارد گرد چکی گھومتی ہے اسکو قطب کہتے ہیں۔ یہ لفظِ قطب کی جو اصطلاح ہے، آپ ولیوں میں بھی کہتے ہیں ناں کہ فلاں قطب ہے۔ قطب الاقطاب ہے، جیسے بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو فضیلت عطا ہوئی۔ تو قطب وہ ہوتا ہے کہ جسکے گرد کائنات کا نظام گھومے اور یہ امام احمد بن حنبل جیسی ہستی اور ہمارے بزرگانِ دین نے یہ متفقہ بات لکھی ہے کہ نبی پاک ﷺ پہ نبوت تو ختم ہوگئی۔ بلکہ یہ بھی ایک علیحدہ موضوع ہے کہ نبی مردوں میں سے ہی آئے، عورتوں میں سے نہیں آئے لیکن تفسیر قرطبی میں سیدہ مریم کو نبی لکھا ہے، معصومہ تھی، عصمت کیوجہ سے۔ لیکن یہ ایک علیحدہ موضوع ہے۔ یہاں پہ جو ایک بات محبت والی مجھے یاد آئی کہ عباسیوں کے دور کے ایک مفسر ہیں، انہوں نے یہاں پہ لکھا ہے کہ اگر ساری دنیا کے مفسر یہ ثابت بھی کر دیں کہ مریم اللہ کی نبی تھیں تو پھر بھی فاطمہ مریم سے بڑی ہے کیونکہ وہ محمد کا ٹکڑا نہیں ہے اور یہ تو محمد کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ تو یہ جو 9 حصے نبوت کا فیض اور اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کا یہ سارا فیض اور ہمارے سارے بزرگوں نے یہ لکھا ہے کہ پہلے قطب کا جو درجہ ہے وہ سیدہ فاطمہ کے پاس ہے۔ جس کو جتنا بھی جو کچھ بھی ملتا ہے سیدہ فاطمہ کے درِ اقدس سے ملتا ہے۔ اب میں صحابہ کرام کی بات آپ کو بتا کر بات ختم کرتا ہوں۔ صحابہ یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی

پاک صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اگر کوئی بات منوانا ہوتی تھی تو سیدہ فاطمہ الزہرا سے کہا کرتے تھے۔ اگر آپ نے بھی کوئی اللہ سے بات منوانی ہے تو، نبی پاک صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بات منوانی ہے تو آپ بھی سیدہ پاک کی روح کا وسیلہ دے کر بات کریں۔

الٰہی بحقِ بنی فاطمہؑ

کہ برقول ایماں کنی خاتمہ

اگر دعوتم رد کُنی ور قبول

من و دست و دامانِ آلِ رسولؐ

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

15۔ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل

قرآن: اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (سورة التوبہ: 40)

ترجمہ: "اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کروگے تو اللہ ان کی مدد فرماچکا ہے جب کافروں نے انہیں (ان کے وطن سے) نکال دیا تھا جبکہ یہ دو میں سے دوسرے تھے، جب دونوں غار میں تھے، جب یہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے غم نہ کرو، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

خاکہ:

1. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مدد کے محتاج نہیں ہیں۔
2. غار ثور کی طرف پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سفر
3. اہل سنت والجماع کا مفہوم
4. الفاظ کا معنیٰ سمجھ آجائے تو کافی مسائل حل ہو جائیں۔
5. جس نے بھی نبی کی مدد میں حصہ لیا ہے وہ جانور بھی قابلِ احترام ہے۔
6. تمہاری نظر اُٹھے تو اللہ کی طرف، اسباب کی طرف نہیں۔
7. حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت
8. ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام
9. ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قربانی
10. حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وقتِ وصال

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

آج سورۃ توبہ کی جس آیہ مبارکہ کو موضوعِ گفتگو بنایا ہے ایک تو اس میں اللہ تعالیٰ نے امت کو خاص پیغام دیا ہے کہ میرا پیغمبر تمہاری مدد کا محتاج نہیں ہے۔ یہ مت خیال کرنا کہ ہم اللہ کے رسول پہ پیسے خرچ کرتے ہیں، جان قربان کرتے ہیں تو میرا نبی کوئی تمہارا محتاج ہے۔ اس کی ایک وضاحت سورۃ الحجرات میں بھی آئی ہے کہ جب کچھ لوگوں کی طرف سے یہ بات آئی کہ دیکھو جی ہم نے کتنی قربانیاں دی ہیں، اتنی دولت خرچ کی ہے، کاروبار چھوڑا ہے۔ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [1]۔ تو اللہ نے کہا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ ہم اسلام لائے ہیں تو ہم نے کوئی اسلام پہ احسان کیا ہے، وہ یہ بات بھول گئے ہیں کہ اللہ نے تم پہ احسان کیا ہے کہ تم کو ایمان جیسی دولت نصیب کی ہے۔ تو یہ کسی بندے کے ذہن میں نہ ہو کہ اللہ تمہارا محتاج ہے یا اللہ کا رسول تمہارا محتاج ہے۔ یہ نبی پاک ﷺ کی مہربانی ہے کہ انہوں نے تمہیں اپنی غلامی میں قبول فرمایا۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ آیت ہی ایسے شروع ہوئی کہ اگر تم میرے نبی ﷺ کی مدد نہیں کروگے، تو کیا ہو جائے گا؟ میرا نبی ﷺ کوئی تنہا رہ جائیگا؟ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ نہ کرو مدد تم میرے نبی ﷺ کی۔ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ۔ اللہ نے تو اس وقت بھی مدد کی تھی اپنے نبی کی۔ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ جب کافروں نے تو یہ سمجھا تھا کہ ہم نے اللہ کے نبی ﷺ کو مکہ سے خارج کر دیا ہے، جانے پہ مجبور کر دیا ہے۔ تمہیں وہ اللہ کی مدد یاد نہیں ہے؟ ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ۔ جب وہ دونوں غار میں تھے اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ اور میرا پیغمبر ﷺ اپنے صحابی سے کہہ رہا تھا لَا تَحْزَنْ خوف نہ کھا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو تم نے یہ سمجھا تھا کہ میرا نبی ﷺ بے یارو مددگار ہو گیا ہے؟ اب مکہ کی زمین ہم نے اس پہ تنگ کر دی ہے۔ تو اللہ نے تو اس رات بھی اپنے نبی ﷺ کی مدد کی تھی جب سارے قبائل تلوارے لیکر شہید کرنے کیلئے آگئے تھے۔ ایک پہلو تو اس آیت کا یہ ہے کہ کبھی تمہارے ذہن میں نہ ہو کہ ہم اللہ کے پیغمبر ﷺ کی کوئی مدد کر رہے ہیں۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تمہیں توفیق دے کہ تم نبی پاک ﷺ کی

[1] سورۃ الحجرات:17

غلامی میں کوئی کام کرلو، یہ انکا احسان ہے تمہارے اوپر۔ اوہ بھائی! بادشاہ کسی کو وزیر بنالے تو اس میں وزیر کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، یہ بادشاہ کی مرضی ہے کہ اس کو اپناوزیر بناتا ہے۔ یہ شہنشاہ کی مہربانی ہے، اسکا کمال ہے۔

دوسرا اس میں پہلو یہ ہے۔ یہاں اِذْ هُمَا، یہ میں نے آپکو بتایا تھا کہ عربی زبان میں جمع تین سے شروع ہوتی ہے، باقی زبانوں میں دو سے شروع ہوتی ہے۔ تو هُمَا یہ جو ہے نا یہ بھی تثنیہ کا صیغہ ہے۔ هُوَ، وہ ایک، هُمَا، وہ دونوں اور هُم، وہ سب۔ اِذْ هُمَا جب وہ دونوں غار میں تھے، یعنی کوئی تیسرا نہیں تھا۔ ایک اللہ کے رسول ﷺ تھے اور ایک انکے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اب اس وقت نبی پاک ﷺ کو گھر سے غار تک اور پھر وہ نبی پاک ﷺ کو پشت پر بٹھا کر غار تک سارا سفر طے کروایا۔ شاید میں نے پہلے کبھی یہ جملہ آپ سے کہا ہو۔ غارِ ثور کی زیارت کیلئے جب آپ جائیں تو وہ نیچے سے بندہ دیکھ کے ہار جاتا ہے۔ اچھا بھلا بندہ جو ہے اسکو تین، ساڑھے تین گھنٹے لگتے ہیں وہاں پہنچنے میں، اِس دور میں بھی۔ تو جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کبھی آگے دوڑ کر ہوتے اور کبھی پیچھے ہو جاتے ہو۔ تو نبی پاک ﷺ نے پوچھا کہ ابو بکر کیا کرتے ہو، کبھی آگے ہو جاتے ہو اور کبھی دوڑ کے پیچھے ہو جاتے ہو۔ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ جب آگے چلتا ہوں تو ایسے ہی دل میں خوف آتا ہے کہ کوئی پیچھے سے میرے نبی پہ حملہ نہ کردے تو پھر میں دوڑ کے پیچھے کی طرف جاتا ہوں۔ پھر یہ سوچتا ہوں کہ کوئی آگے سے حملہ نہ کردے تو اسی کیفیت میں نبی پاک ﷺ کو اپنے کاندھوں پہ سوار کرلیا کہ میں اب آپ کو اٹھا کر لیکر جاؤں گا۔ اب یہ مدد کون کررہا تھا؟ ابو بکر کررہے تھے ناں۔ تو اللہ فرماتا ہے کہ ابو بکر نہیں، یہ اللہ ہی مدد کررہا تھا۔ ذرا تصور کریں۔ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اس میں شک نہیں ہے یہ مدد اللہ ہی کررہا تھا۔ اللہ کے نبی کیساتھ وہ جو والہانہ عقیدت ہے، اس کو نسبت ہی اللہ نے اپنی طرف دے دی۔ وہ مخالفین سوچ رہے تھے کہ بس ہم نے فارغ کردیا۔

یہ کئی دفعہ میں نے بتایا ہے، پتہ نہیں آپ تک بات پہنچی کہ نہیں پہنچی؟ کیونکہ پچھلے دو مہینے سے جو ہم گفتگو کررہے ہیں، اس میں بنیادی بات یہی تھی ناں۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ[1]۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی قیمت رکھی ہے۔ ہاں یہ نہیں ہے کہ میں دعا کردوں گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت

[1] سورۃالتوبہ:111

الفردوس میں جگہ دے تو اسکو جنت مل جائیگی۔ تو قرآنِ کریم نے جنت کی قیمت بیان کی ہے۔یعنی جنت کوئی ایسامال نہیں ہے، اس کی تمہیں قیمت ادا کرنی پڑیگی۔ اور اس قیمت پہ ہم نے دو تین مہینے یہ گفتگو کی ہے۔اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ۔بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین سے انکی جانیں بھی اور انکے مال بھی خرید لیے، بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَؕ اور اسکے عوض انکو جنت دی۔ تو جنت کی ایک قیمت ہے کہ یہ جان بھی نبی کی ہے اور یہ مال بھی نبی کا ہے۔ یہ قیمت ہے جنت کی۔ یہ کسی مولوی، پیر کا جملہ نہیں ہے۔ یہ قرآن کا جملہ ہے کہ جنت ملے گی تو قیمتاً ملے گی۔ اب یہ تو نہیں ہے کہ مجھے اپنی دولت سے ، نبی سے زیادہ محبت ہو تو مجھے جنت بھی ملے گی۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ[1] تم اپنی جان پہ وہ اختیار نہیں رکھتے، جو تمہارا نبی تمہاری جان پہ رکھتا ہے۔ اولیٰ کا معنیٰ اقرب۔ تو یہ جو آپ کہتے ہیں ناں کہ ہم اہلِ سنت والجماعت ہیں۔ کبھی اس لفظ پہ بھی گفتگو نہیں ہوئی۔ کبھی غور نہیں کیا آپ نے۔ اہل سنت: سنت والے، سنت کا ویسے معنیٰ کیا ہے، طریقہ اور اصطلاحی معنیٰ اسکا ہے نبی پاک ﷺ کا طریقہ۔ لغوی معنیٰ میں کیا ہے؟ طریقہ۔ اور اچھا طریقہ بھی ہوتا اور برا طریقہ بھی ہوتا لیکن جب آپ اصطلاحی معنیٰ لینگے تو پھر کیا ہے نبی پاک ﷺ کا طریقہ۔یعنی میں اہلِ سنت ہوں، میں زندگی حضور ﷺ کے طریقے پہ گزارتا ہوں۔ یہ ہے اسکا معنیٰ اور اگر میں زندگی نبی پاک کے طریقے پہ نہیں گزار رہا تو میں اہلِ سنت نہیں ہوں۔ کہنے سے تو کوئی اہلِ سنت نہیں ہو جائیگا۔ آگے ہے والجماعت۔ اسکا معنیٰ پتہ کیا ہے؟ جماعت ہم کہتے ہیں صحابہ اور اہلِ بیت کو۔یعنی اتباع جیسے صحابہ اور اہلِ بیت نے نبی کی سنت کی کی تھی، ہم اس طریقے سے کرینگے۔یعنی ہم صرف اہلِ سنت نہیں ہیں، ہم اہلِ سنت والجماعت ہیں کہ نبی کے طریقے کے مطابق زندگی گزاریں گے اور کونسا طریقہ جو صحابہ اور اہلِ بیت کا ہے۔ یہ جملہ اس لیے کہنا پڑتا ہے، حالانکہ اہلِ بیت بھی تو صحابہ ہیں ناں۔ اہلِ بیت بھی تو صحابی ہیں اصل میں۔ لیکن انکا فرق تھوڑا اس لیے ہوتا ہے کہ صحابہ کا جو تعلق ہے نبی پاک ﷺ سے وہ ایمان کا اور دین کا تعلق ہے۔ اہل بیت کا دین اور ایمان کا بھی ہے اور خون کا بھی ہے۔ اسلیے وہ صحابہ سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اہلِ بیت کا جو درجہ ہے وہ ان سے زیادہ ہوتا ہے۔ آج کے بعد جب اہلِ سنت والجماعت کہنا ہے تو پہلے دیکھ بھی لینا کہ میں اہلِ سنت ہوں بھی کہ نہیں؟ کیا میری

---

[1] سورۃ الاحزاب:6

زندگی نبی پاک ﷺ کے طریقے پہ ہے؟اور نبی پاک کی سنت کو ہم تک پہنچایا کس نے؟ صحابہ اور اہلِ بیت نے۔اب آپ کہیں گے کہ یہ بات درمیان میں کیسے آگئی؟ بھائی یہ اسی لیے آگئی ہے کہ اللہ فرمارہا ہے کہ جیسے ابو بکر اپنی جان نبی پہ قربان کر رہا تھا تو یہ ہے طریقہ جماعت کا۔ہاں! یہ نہیں ہے کہ میں زبان سے کہتا رہوں۔تو جنت کی قیمت اللہ تعالیٰ نے خود بیان کر دی ہے کہ جنت تمہیں قیمت کے عوض ملے گی۔اور اسکے لیے تمہیں اپنی جان اور مال۔۔تو جب جان اور مال اللہ کا ہو گیا تو باقی پیچھے کیا بچا؟ اسکے عوض تمہیں جنت ملے گی۔تو وہ ہم پچھلے دو جمعوں سے تفصیل سے دیکھتے رہے ہیں۔

لفظوں کے اگر معنیٰ ہی آپکو پتہ چل جائیں ناں تو کافی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔بچپن میں ہم بھی یہی سنا کرتے تھے کہ سُنّی کا معنیٰ ہوتا ہے جو سن سنا کے مسلمان ہوا ہو۔ہمارے ہاں یہ بات عام چلتی تھی جو سُن کے مسلمان ہوا ہو۔جب آپ یہ باتیں کرینگے تو ظاہر ہے ہمیں دین بھی ایسا ہی حاصل ہو گا۔میں نے شاید کسی موقع پہ آپکو یہ بات کہی تھی کہ جب یہ فرقے ایک دوسرے کو کہیں فلاں کافر ہے، فلاں کافر، فلاں بدعتی ہے۔تو ان سے بھی میں کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ لفظوں پہ ہی غور کر لیں، مثلاً ایک بندہ کہتا ہے یارسول اللہ مدد۔دوسرے فرقے والے کہتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ مدد مانگی ہے تو شرک ہو گیا ہے۔یہی لڑائیاں ہیں ناں انکی۔تو میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ جب آپ محمد رسول اللہ کہتے ہیں تو شرک تو ختم ہو جاتا ہے۔جب بندے نے محمد رسول اللہ کہنا ہے ناں وہ مشرک نہیں ہو سکتا۔کیوں؟ محمد اللہ کے رسول ہیں۔اسکا مطلب ہے کہ محمد، اللہ نہیں ہیں۔تو جب محمد ﷺ کو اللہ ہی نہیں سمجھتا تو شرک کہاں سے آگیا۔جب میں کہتا ہوں یارسول اللہ مدد، تو میں کہتا ہوں "اے اللہ کے رسول مدد"۔رسول کو اللہ نہیں کہہ رہا۔میں کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے رسول۔یعنی اللہ اور ہے اور میرے رسول اور ہیں۔اور وہ میں نے بات بتائی ہوئی ہے وسیلے کی کہ یہ سبب کیوجہ سے ہم کہتے ہیں۔رسول اللہ کیا ہیں؟ سبب ہیں۔کس کا سبب؟ اللہ کی مدد ہمارے تک پہنچنے کا سبب رسول اللہ کی ذات ہے۔بھائی رسول اللہ کیا ہیں؟ اللہ کی مدد ہمارے تک پہنچانے کا سبب ہیں۔لیکن چونکہ لفظوں کے معنیٰ نہیں آتے تو پھر ایک دوسرے پر فتویٰ بازی شروع ہو جاتی ہے۔اور پھر مسلمان لڑتے رہتے ہیں۔ہمارا تو عقیدہ یہاں تک ہے کہ اگر میں یہاں بیٹھ کر یارسول اللہ کہوں گا ناں تو میری یہ آواز نبی پاک

تک اللہ پہنچاتا ہے۔ اور میری جو مدد نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے فرماتے ہیں۔ یہ ہیں عقائد ہمارے۔ اس میں شرک کہاں سے آگیا؟ اگر آپ کسی کو اللہ سمجھ کر یہ باتیں کرینگے تو پھر شرک ہے۔ اب دیکھئے مدد کر رہے ہیں ابو بکر، بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ مدد ابو بکر کر رہے ہیں اور اللہ ڈائیریکٹ کہہ رہا ہے کہ یہ مدد اللہ کی مدد ہے۔ اور ساتھ "قَدْ" لگایا ہے کہ شک بھی نہ کرنا۔

تین چیزیں جو ہوتی ہیں ناں انسان کی زندگی میں وہ بڑی اہم ہوتی ہیں۔ سب سے زیادہ انسان کس سے محبت کرتا ہے؟ اپنی دولت سے، اپنی اولاد سے اور اپنی جان سے۔ یہ انسان کی سب سے قیمتی چیزیں ہیں۔ اب دیکھئے اللہ نے پورا نقشہ کھینچا اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ جب وہ دونوں غار میں تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حدیث میں ملتا کہ انہوں نے اتنا ہی جملہ کہا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ اب تو یہ ہمارے سر پہ پہنچ گئے ہیں، یہ کفار اور مشرکین۔ وہ اوپر کھڑے تھے، اب اگر وہ اپنے پیروں کیطرف بھی دیکھیں گے تو ہم انکو نظر آجائیں گے۔ اب وہ جو کھوجی تھا، قدم شناس تھا، اسکو عتبہ نے بھی اور مشرکین مکہ نے بھی یہ بات کہی اور بار بار یہ بات کہی۔ آپ جائیں گے ناں غارِ ثور تو یہ جنوب کی جانب ہے اور مدینہ شریف جو ہے وہ شمال کی جانب ہے۔ اب وہ کھوجی سے یہ بار بار کہہ رہے تھے کہ تُو ہمیں اِدھر کو لے کر آرہا ہے، اِدھر سے تو مدینہ کو کوئی رستہ ہی نہیں جاتا۔ اب وہ غار کے دروازے پہ کھڑا تھا، مشرکین مکہ، سرداران قریش کھڑے تھے اور درمیان میں ایک مکڑی کا جالا تھا۔ وہاں ایک کبوتری نے گھونسلہ بنا کے انڈا بھی دے دیا تھا۔ بڑا احترام ہے بھائی، جس نے بھی نبی کی مدد میں حصہ لیا ہے وہ جانور بھی قابلِ احترام ہے۔ وہ میں نے دیکھا کہ کبوتر خانہ کعبہ کے اوپر بھی پھرتے رہتے ہیں، کسی کی جرات نہیں کہ ان کو آگے پیچھے کرے۔ انکے کسی بڑے نے غار کے سامنے گھونسلہ بنا کے نبی ﷺ کی مدد کی تھی۔ اور مکڑی کے نام کی تو پھر پوری سورۃ، سورۃ نمل نازل ہوئی۔ بس یہ قانون بھی ذہن میں رکھنا، وہ انسان ہوں، وہ پتھر ہوں، وہ جانور ہوں، وہ صحابہ ہوں، وہ اہلِ بیت ہوں، جس جس نے بھی میرے نبی کی مدد میں حصہ لیا ہے وہ قابلِ احترام ہو گیا۔ یہ قرآن قیامت تک پڑھا جائیگا اور اس غار کا بھی ذکر ہوتا رہیگا۔ اس غار میں پناہ لی ہے ناں میرے پیغمبر ﷺ نے۔ اس کبوتری کا بھی ذکر ہو گا، اس جالا بننے والی مکڑی کا بھی ذکر ہو گا۔ اور اللہ فرما رہا ہے کہ یہ ساری مدد اللہ کی مدد ہے۔ انہوں نے کہا کہ

تیرا دماغ خراب ہے۔ اب درمیان میں کیا ہے، مکڑی کا جالا ہے اور حضرت ابو بکر صدیق کہہ رہے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ اگر انہوں نے اپنے پیروں کیطرف بھی دیکھ لیا تو انکی نظر ہمارے اوپر پڑ جائیگی۔ اب تو یہ بالکل ہمارے سر پہ آگئے ہیں۔ جس مقام پہ میں آپکو لیکر آنا چاہتا ہوں کہ جب سارے ہی اسباب ختم ہو جائیں، دشمن سر پہ آجائے تو یہ طریقہ بتایا کہ اللہ کے رسول نے اس وقت کیا فرمایالَا تَحْزَنْ خوف نہ کھااِنَّ اللّٰہَ مَعَنَاۚ اللہ تو ہمارے ساتھ ہے۔

نظر اسباب پہ نہ جائے۔ تمہاری نظر اسباب پہ اٹھتی رہتی ہے؟ فقیر کو اللہ کا نور کیوں کہتے ہیں؟ نبی پاک ﷺ نے فرمایا فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ میں سے ہے۔ یہ میں مفلسی اور گداگری کی بات نہیں کررہا۔ آج وقت نہیں ہے۔ حضور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پہ بڑا کمال کا جملہ لکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا فقیر وہ ہوتا ہے جتنی جی چاہے مصیبت میں ہو، اسکی نظر اٹھے تو صرف اللہ پر اٹھے، کسی سبب پر نہ اٹھے۔ فلاں آئیگا تو مجھے بچالیگا، فلاں میری سفارش کر دے گا، ادھر پیسے دیکر میں کام کروالوں گا۔ نبی پاک ﷺ نے کیا فرمایااِنَّ اللّٰہَ مَعَنَاۚ ابو بکر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تاریخی جملہ جو اس کھوجی نے کہا، سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہے، اس نے کہا مجھے نہیں پتہ مدینے کو راستہ کہاں سے جاتا ہے، محمد کے قدم یہاں تک آتے ہیں۔ وہ بھی اتنا ماہر تھا۔ بھائی ہماری زمین پہ قدموں کے پیچھے جانا اور ہے وہ پتھریلی زمین ہے۔ اور اسکے علم کا بھی کمال ہے، اس نے کہا محمد ﷺ کے قدم یہاں تک آتے ہیں۔ مجھے نہیں پتہ کے راستہ کدھر کو جاتا ہے۔ عتبہ نے کہا کہ تیرا دماغ خراب ہے یہ جالا تو کہیں محمد ﷺ کی پیدائش سے بھی پہلے کا لگا ہوا ہے۔ اگر اس غار میں داخل ہوئے ہوتے تو پھر یہ جالا تو کٹ جاتا اور اتنی جلدی پھر جالا بنا بھی نہیں جاتا۔ دو دن کا تو سارا معاملہ تھا۔

اب اللہ نے اگلی جو بات فرمائی ہے، یہاں یہ شان صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے، ویسے بھی آپ دنیا میں کہتے ہیں ناں کہ خاندانی بندہ وہی ہوتا ہے جو اپنے مشکل وقت کے یار کو یاد رکھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے نبی ﷺ کے مشکل وقت کا یار ہے۔ باقی سارے لوگوں کو ہم کہتے ہی صحابی، امت نے صحابی کا درجہ دیا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ وہ ہے جسکو اللہ نے صحابی کہا ہےاِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ۔ اور میرے مولا علی سرکار کو وہ جملہ، کسی نے پوچھا علی آپ سے بڑا کوئی شجاع بھی ہے؟ آپ نے فرمایا ابو بکر مجھ سے بڑا شجاع ہے۔ یہ فرق ہے آج کل کے

مدرسے اور خانقاہ کی تربیت کا اور نبی پاک ﷺ کے در کی تربیت کا۔ آج کسی مدرسے اور خانقاہ سے پوچھ لو تو وہ کہے گا کہ میں ہی بڑا ہوں۔ کسی مدرسے سے کوئی مولوی پڑھ آئیگا تو وہ کہیگا کہ میں ہی بڑا ہوں۔ میرے نبی پاک ﷺ کے صحابہ ایک دوسرے کو ہی بڑا کہتے ہیں۔ اس نے کہا کہ علی اسکی کوئی مثال، فرمایا غزوہ بدر والے دن، ٹارگٹ انکا جو تھا وہ نبی پاک ﷺ کی ذات تھی۔ وہ نبی پاک ﷺ کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ جہاں نبی پاک ﷺ کا خیمہ تھا، وہاں اب مسجد انہوں نے بنادی ہے، مسجد عریش۔ علی پاک فرماتے ہیں کہ جب یہ بات ہوئی کہ ان کا سارا فوکس تو یہ خیمہ ہے، یہاں تک پہنچیں اور نبی پاک کو نقصان پہنچائیں۔ تو جب یہ بات ہوئی کہ حضوؐر کے خیمے کے باہر پہرا کون دیگا؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میں تنہا ہی کافی ہوں۔ مولا علی نے فرمایا کہ اسلیے وہ مجھ سے بڑا اشجاع ہے۔ اور دوسرا جب کفار نبی پاک ﷺ پہ مکہ میں ایک دن ٹوٹ پڑے تھے تو ابو بکر بچاتے بچاتے بیہوش ہوگئے تھے۔ اور وہ بھی واقعہ بڑا عجیب ہے کہ یہ حضرت عمرِ فاروق کی جو بہن ہیں، انکے گھر پھر نبی پاک ﷺ کو لایا گیا، یہ مسلمان ہوگئیں تھی اور انکے خاوند بھی چھٹے درجے کے مسلمان ہیں۔ چھٹا مسلمان جو ہوا تھا وہ انکے خاوند ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کے قبیلے والے انکو اٹھاکے گھر لے گئے۔ تو ظاہر ہے ماں باپ پہ جو گزرتی ہے، سارا جسم زخمی تھا، لہولہان تھے، مرحم پٹی کی گئی، جب انکو ہوش آیا ناں۔

اچھا میں اپنے بچوں کو یہ بھی بتادوں کہ ماں باپ نے انکا نام عبدِ کعبہ رکھا تھا، کعبہ کا بندہ۔ تو نبی پاک ﷺ نے انکا نام عبداللہ رکھا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں بندہ کعبہ کا نہیں، بندہ اللہ کا ہی ہوتا ہے۔ حالانکہ کعبہ کو بیت اللہ کہتے ہیں لیکن ہمارے نبی نے اتنا شرک بھی برداشت نہیں کیا۔ ابو بکر کا نام ہی بدل دیا۔ ابو بکر، آپ کی کنیت ہے۔ دو چیزیں ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ ابو بکر ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ بِکر ہے۔ جو بِکر کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے جتنی بھی شادیاں کیں، وہ یا تو بیوہ خواتین تھیں، انکے خاوند فوت ہوگئے تھے یا طلاق یافتہ تھیں۔ ایک ہی عورت تھی جو کنواری حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں، وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ تو عربی زبان میں بِکر کہتے ہیں کنواری کو۔ تو ابو بِکر کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ آپ کو بِکر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ کنواری کا باپ ہے جو حضور کے نکاح میں آئیں۔ دوسرے آپکو اونٹ کا باپ کہتے ہیں۔ بہر حال یہ ہماری نوجوان نسل کو پتہ ہونی چاہئے بتائیں کہ کوئی پوچھ لے آپ

سے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلا نام کیا تھا تو پھر آپ کیا بتائیں گے۔ تو صدیق آپکا لقب ہے، یہ بڑھیا چیز ہے۔ پھر یہ لمبی بحث ہو جائیگی کہ یہ لقب آپکو کیسے ملا۔ اللہ ہو غنی، اور پھر صدیقِ اکبر ہوئے۔ اور اللہ نے جب اپنے انعام یافتہ بندوں کا ذکر کیا اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ [1] تو نبیوں کے بعد صدیقین کا ذکر کیا۔ شہداء اور صالحین کا ذکر بعد میں ہے۔ صدیق اکبر کا مقام ملا۔

تو اماں رو رہی تھی کہ اس نبی کا کلمہ پڑھنے پہ کیا اذیتیں تجھے برداشت کرنا پڑی۔ اس نبی کا ساتھ دیتا تو کن تکلیفوں سے گزرتا ہے۔ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، ابو کحافہ وہ جو آپکے والدِ محترم ہیں وہ فتح مکہ والے دن مسلمان ہوئے تھے اور ماں اس دن مسلمان ہوئی۔ اب ماں کہہ رہی ہے کہ اس نبی کا کلمہ پڑھ کے تجھے کیا ملا؟ آج اگر نیکی کی راہ میں کوئی تکلیف آجائے گی تو آپ نے کئی وسوسوں میں پڑ جانا کہ یار میں تو جب کا یہ نیکی کا کام کر رہا ہوں تو میرے تو جانور ہی مر جاتے ہیں، میرا تو کاروبار ہی بیٹھ گیا۔ یہ باتیں ہر دور میں ہوتی ہیں۔ ابو بکر کی والدہ بھی یہی کہہ رہی ہیں کہ اس نبی کا ساتھ دیکر بیٹا تجھے کیا ملا؟ اوہ! سارے مکے والوں نے تجھے مارا ہے، تجھے بے ہوش کر دیا۔ ابو بکر کا پہلا ہی جملہ یہ ہے کہ اماں میرے نبی پاک کا کیا حال ہے؟ نبی پاک ﷺ عیادت کیلئے تشریف لائے تو سرکار ابو بکر صدیق نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ آج میری ماں کو مجھ پہ بڑا رحم آرہا ہے، اسکو اسلام کی دعوت دیں یہ کلمہ پڑھ لے، یہ مسلمان ہو جائے۔ تو اپنی تکلیف میں بھی فکر یہی ہے کہ کوئی ایک بندہ ہی جہنم کی آگ سے بچ جائے۔ اوہ! ہم تو اس بات پہ خوش ہیں کہ فلاں تو سارا فرقہ ہی جہنمی ہے۔ بریلوی مشرک ہیں، انہوں نے بھی دوزخ میں جانا، دیوبندی، وہابی گستاخِ رسول ہیں، انہوں نے بھی دوزخ میں جانا، ہم تو دوزخی بنا بنا کے بڑے خوش ہو رہے ہیں۔ اور ابو بکر صدیق فرما رہے ہیں کہ سرکار آج میری ماں کو مجھ پہ بڑا رحم آرہا ہے اسکو اسلام کی دعوت دیں یہ مسلمان ہو جائے۔ تینوں چیزیں، چالیس ہزار درہم ہجرت کی رات ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے تھے، ساری دولت اللہ کے نبی ﷺ کے قدموں پہ قربان کر دی، اور اپنی جان، وہ سانپ والا واقعہ اسی غار کا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ذرا ٹھہریئے، غار پرانی ہے میں صفائی کر لوں۔ اور پھر غزوہ بدر والے دن، اولاد سے بڑی محبت ہوتی ہے انسان

[1] سورۃ النساء:69

کو، کیا کریں جی اولاد ہے، جیسی بھی ہے ماں باپ تو پھر ماں باپ ہی ہیں، نہیں، لا یؤمن احدکم، حتی اکون احب إلیه من، ولده، ووالده، والناس اجمعین"[1] اگر اولاد اللہ اور اسکے رسول کی دشمن ہے تو پھر بھی تم اپنی قلبی محبت ان سے رکھتے ہو؟ تو تم مومن نہیں ہو۔ عبد الرحمٰن، آپکا بڑا بیٹا، ابو جہل کی طرف سے لڑنے آیا غزوہ بدر میں۔ جب یہ عبد الرحمٰن بن ابو بکر مسلمان ہوئے تو ایک دن بیٹھے ہوئے تھے باپ بیٹا، تو کہنے لگے کہ ابا جی غزوہ بدر کے دن تین دفعہ آپ میری تلوار کے نیچے آئے، لیکن میں نے باپ سمجھ کر آپکو معاف کر دیا۔ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو ایک دفعہ بھی میری تلوار کے نیچے آتا تو میں معاف نہ کرتا کہ تو میرے نبی کے خلاف لڑنے آیا تھا۔ دل میں ہو کہ یہ میرا بھائی راہِ راست پہ آجائے، یہ میرا بیٹا راہِ راست پہ آجائے لیکن قلبی محبت نہ ہو کہ ایک اللہ رسول کا دشمن ہے اور تم پھر بھی اس سے محبت کرتے ہو۔

سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، میں یہ بات اکثر جب مختلف کانفرنسز اور سیمینارز میں جاتا ہوں تو بات کرتا ہوں کہ دیکھئے آج بھی پورے یورپ میں، جاپان میں، امریکہ میں یہ قانون آج بھی موجود ہے اور یہ سب سے پہلے قانون حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا۔ ہمارے ملک میں بھی یہ قانون تو ہے لیکن اس پہ عمل نہیں ہوتا۔ ہندوستان میں بھی اس پہ عمل ہوتا ہے، میں بڑا حیران ہوا اس دن یہ پڑھ کے۔ آپ خلیفہ بنے، حکمران بنے، تو جس دن آپ کا وصال ہوا، آپ نے فرمایا کہ اس خلافت کے دوران میری تین چیزوں میں اضافہ ہوا ہے۔ ایک گھوڑا ہے، ایک غلام ہے جو بیت المال کیطرف سے مجھے ملا ہے اور ایک یہ پانی پینے والا پیالہ ہے۔ تو یہ چونکہ خلافت کے دوران اضافی چیزیں میرے پاس آئیں۔ تو میرے بعد جو خلیفہ بنے گا، یہ چیزیں اسے دے دینا۔ پوری دنیا نے یہ قانون بنایا ہے کہ جس دن کوئی وزیر کوئی MNA بنے گا وہ اپنی جائیدادوں کے گوشوارے جمع کروائے گا اور جس دن چھوڑ کے جائے گا تو دیکھا جائیگا کہ اس جائیداد میں اضافہ تو نہیں ہوا۔ اگر اضافہ ہوا ہے تو قوم کی امانت میں اس نے خیانت کی ہے۔ لوگوں کو تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس جملے نے ترقی دے دی۔ اور ہم کیا فخر کرتے ہیں کہ چودھری

[1] صحیح مسلم: کتاب الایمان، ایمان کے احکام و مسائل، حدیث: 169 (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص (اس وقت تک) مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے لیے اس کی اولاد، اس کے والد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں۔"

صاحب کے پاس پہلے موٹر سائیکل تھی اب اپنی انہوں نے Pajero لے لی ہے، بلے، بلے۔ یہ خلیفہ بنے تو ایسا قانون دیکر گئے۔ اور جب حضرت عمرِ فاروق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو یہ تینوں چیزیں پیش ہوئیں ناں تو آپ رو پڑے۔ انہوں نے کہا کہ ابو بکر تم نے حکمرانوں کو کس مصیبت میں ڈال دیا۔ میرے پاس اگر کوئی عہدہ ہے، کوئی منصب ہے، تو اس عہدے کے دوران جو بھی چیز اضافہ ہو گی تو وہ میری نہیں ہے۔ اب تو کوئی کونسلر بھی الیکشن اس لیے لڑتا ہے ناں کہ میری جائیدادوں میں اضافہ ہو جائے۔ اسلیے یہ اسلام کی حکمرانی نہیں ہے۔ اور وہ چیز تو رُلا کے رکھ دیتی ہے کہ فرمایا یہ جو میرے اوپر پرانی چادر ہے مجھے اس کا کفن دینا۔ ایک چادر نئی لے لینا اور دو یہ میری پرانی ہیں، تین چادروں کا کفن ہوتا ہے ناں۔ تو بچے رو پڑے کہ کیا ہم اپنے باپ کو نیا کفن بھی نہیں پہنا سکتے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں نے تو قبر میں ہی چلے جانا ہے، مٹی میں ہی چلے جانا ہے، نیا کپڑا کسی ضرورت مند کو دینا، اسکا سال گزر جائیگا۔ حضورؐ کی امت سے بھی محبت کی ہے۔ مخلوقِ خدا سے بھی محبت اس درجے کی۔ آج تو ہم ہوٹلوں میں بیٹھ کے دس دس ہزار کی کڑاہی کھا جاتے ہیں اور پھر باہر نکل کر لبیک یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا نعرہ بھی لگاتے ہیں، غلامیِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں موت بھی قبول ہے۔ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے غلام ایسے نہیں ہوتے۔ یہ اتنی بڑی بات، یہ وصیت کے مجھے پرانی چادر کا کفن دینا، اور یہ میں اکثر آپ سے کہتا رہتا ہوں کہ آپ نے حکم بھی فرمایا تھا کہ بندے کو بڑا شوق (چاہ) ہوتا ہے، خصوصاً ہماری ماؤں، بہنوں کو کہ میں بتاؤں لوگوں کو کہ یہ میں نے دس ہزار کا سوٹ پہنا، بیس ہزار کا، یہ لہنگا ڈیڑھ لاکھ کا لیا، یہ جوتا اتنے کا آیا۔ یہ ہمارے ذہن میں بڑی عجیب بات ہوتی ہے، اب مردوں میں بھی یہ بات آگئی ہے کہ ہم ذرا اپنے سوٹ کا رعب ڈالیں کہ تم تو ماٹھے ہو اور میں نے بڑا اودھیا سوٹ پہنا ہوا ہے۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے اس موقع پہ یہ بھی فرمایا تھا۔ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حدیث پہلے آپ سن لیں، سرکار نے فرمایا کہ جو بندہ اپنے لباس پہ تکبر کرتا ہے اور باقی لوگوں کو گھٹیا سمجھتا ہے، اسکو قیامت والے دن آگ کا لباس پہنایا جائیگا، ذلت اور رسوائی کا لباس پہنایا جائیگا[1]۔ جو لباس اسلیے پہنتا ہے کہ دوسروں کو ذلیل کروں کہ میرا کوٹ پانچ لاکھ کا ہے، میری جوتی دس لاکھ کی ہے۔ قیامت والے دن اللہ اسکو ذلت کا اور آگ کا لباس پہنائے گا۔ تو سرکار ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

[1] سنن ابن ماجہ: 3607، سنن ابی داوٗد: 4029

فرمایا کرتے تھے کہ اگر کبھی دل میں یہ وسوسے پیدا ہوں کہ میرا لباس، میری گاڑی، میرا مکان، بندے کے ذہن میں آتا ہے ناں، آپ نے فرمایا کہ کبھی تیرا لباس تجھے تکبر پر مجبور کرے تو اپنا کفن یاد کر لیا کر۔ جب اپنے کفن کو یاد کرے گا ناں تو تیرے لباس کا تکبر تیرے ذہن سے نکل جائیگا کہ میرا آخری لباس میرا کفن ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا تھا کہ جب بھی نماز میں کھڑے ہونا ہے تو کہنا ہے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یا اللہ یہ جو انعام یافتہ ہیں نا، انکی راہ پہ چلا۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطار فرمائے۔ آمین۔

16۔ سچے کی صحبت میں بیٹھنے کے فوائد

قرآن: وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ‌ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا۔(سورة النساء: 115)

ترجمہ: "اور جو رسول کے خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اُسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی۔"

خاکہ:

1. قرآنِ کریم میں پہلے احکام ہیں پھر کردار۔
2. جیسا ظرف ہوتا ہے ویسا مظروف ہوتا ہے
3. یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کائنات میں کوئی سچا موجود نہ ہو اور قیامت نہ آئے۔
4. صادقین کے پاس جانے کا مقصد اپنا ظرف پاک کرنا ہے
5. روحانی کیفیات اور شریعت کی پاسداری
6. شریعت میرے پیغمبر ﷺ کا راستہ ہے
7. داعی حق وہ ہوتا ہے جس کی سوچ بڑی ہوتی ہے
8. فکری سچائی کو صداقت اور عملی پاکیزگی کو امانت کہتے ہیں

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

پچھلا ماہِ مبارک جمادی الآخر کا، جس میں ہم نے پچھلے جمعہ سرکار سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق جو قرآنِ کریم نے انکے فضائل بیان کیے وہ آپ کے سامنے رکھے تھے۔ اور اس سے پہلے جمعہ سیدۃ النساء العالمین سیدہ فاطمۃ الزہرہ سلام اللہ علیہا کے جو فضائل اور مناقب قرآن بیان کرتا ہے، اس پہ گفتگو ہوئی تھی۔ بڑی ایک عجیب بات ہے، کچھ لوگ یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ آپ ان کرداروں کے متعلق گفتگو کیوں کرتے ہیں؟ ظاہر ہے ہر طبقہ فکر کے لوگ ہوتے ہیں اس دنیا میں۔ ہم اسی لیے قرآنِ کریم کھول کر رکھتے ہیں سامنے، ویسے قرآنِ کریم کے بہت سے موضوعات ہیں، ہر آیت ایک موضوع ہے، ہر لفظ ایک موضوع ہے، ہر سورۃ ایک موضوع ہے۔ تہہ در تہہ معانی ہیں، مفاہیم ہیں اور وہ جملہ اگر آپکے ذہن میں ہو کہ چونکہ کلام خالق ہے تو جیسے خالق لا محدود ہے، ویسے ہی اسکا کلام بھی لا محدود ہے۔ یہ میں نے اس لیے عرض کیا تھا کہ اس (قرآن) کا احاطہ تو ممکن نہیں ہے۔ لیکن اس کو بنیادی طور پر دو موضوعات میں، علماء کہتے ہیں کہ، بیان کیا کرو۔ ایک اس کتاب میں احکام ہیں کہ یہ کام کرنا ہے اور یہ کام نہیں کرنا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں یہ بات ہم نے سیکھ لی تھی کہ کچھ کام کرنے کا حکم ہے اور کچھ کام کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ تو قرآنِ کریم کے کچھ احکام ہیں اور کچھ کردار ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جب اللہ حکم دیتا ہے کہ یہ کرنا ہے یا جب روکتا ہے کہ یہ نہیں کرنا تو اسکے نتیجے میں دو کردار سامنے آتے ہیں۔ ایک اسکا حکم ماننے والے اور ایک اس حکم کا انکار کرنے والے۔ تو قرآن صرف احکام کی بات نہیں کرتا، کرداروں کی بھی بات کرتا ہے۔ اسلیے قرآن جب احکام پہ گفتگو کرتا ہے تو ابراہیم اور نمرود پہ بھی گفتگو کرتا ہے۔ پھر موسیٰ اور فرعون پہ بھی گفتگو کرتا ہے۔ پھر حق اور باطل پہ بھی گفتگو کرتا ہے۔ یہ اگر کسی کے ذہن میں ہے ناں کہ ٹھیک ہے سیدھے سیدھے احکام بیان کریں اور ختم کریں تو یہ قرآن کا تقاضا ہی نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر حکم بیان کرنے ہیں تو پھر کرداروں کیساتھ بیان کرو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ حکم بیان کرتے جائیں اور کرداروں کو پسِ پشت ڈال دیں، انکو پیچھے ڈال دیں۔ تو اس لیے جب ہم قرآنِ کریم سے ان کرداروں پہ بات کرتے ہیں تو یہ اللہ کے کلام کا تقاضا ہے،

اسلیے گفتگو کرتے ہیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ ہم تو اللہ کی بارگاہ میں آئے تھے۔ ہم بھائی کسی اور جگہ نہیں گئے۔ ہم نے ابھی جب نماز شروع کرنی ہے تو تکبیرِ تحریمہ، اللہ اکبر کہہ کر اللہ کی بارگاہ میں آنا ہے۔ ہم کھڑے ہوتے ہیں اپنے رب کی بارگاہ میں، اپنے خالق کی بارگاہ میں، اپنے معبود کی بارگاہ میں، آگے ان کرداروں تک تو اللہ پہنچاتا ہے۔ ہم خود نہیں جاتے۔ بھائی یہ سورۃ فاتحہ دو دفعہ نازل ہوئی وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ [1]۔ ہم نے سات آیات الْمَثَانِیْ دو دفعہ اور قرآن عظیم نازل کیا ہے، آپکو عطا کیا ہے۔ یہ مکہ میں بھی نازل ہوئی سورۃ فاتحہ اور مدینے میں بھی نازل ہوئی ہے۔ پھر اسکو نماز کا جزو بنایا گیا، ارکانِ نماز بنایا گیا۔ ہم تو اللہ اکبر کہہ کر اللہ کی بارگاہ میں آئے تھے۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ یہ ہمارا جملہ تو نہیں، یہ اللہ کی آیت ہے، بھائی انعام یافتہ کا راستہ اس اللہ نے بتایا تھا۔ اورغَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ کے کرداروں کی بات بھی اسی اللہ نے کی تھی۔ جن تک پہنچنا ہے وہ راستہ بھی اسی نے دکھایا تھا اور جن سے بچنا ہے وہ بھی اسی نے دکھایا۔ تو قرآن صرف احکام کی کتاب نہیں ہے، یہ کرداروں کو بھی ظاہر کرنیوالی ہے۔ کردار سامنے رکھتی ہے۔ یہ کوئی ہم نے اپنی طرف سے کہا تھا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ بھائی یہ مخلص بندے، یہ صالح بندے، تشہد میں بیٹھ کر جن کا ذکر کرتے ہیں، صالحین کا۔ انکا راستہ کس نے دکھایا ہے؟ اللہ نے دکھایا ہے۔ وہ اللہ چاہتا ہے ہم ان لوگوں تک جائیں۔ آگے جب ہم نے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کہا تھا، تو ان کرداروں تک بھی اسی اللہ نے پہنچایا ہے۔ ابرہیم اور آلِ ابراہیم تک بھی اسی اللہ نے پہنچایا ہے۔ یہ موضوع ظاہر ہے بہت لمبا ہے۔ جب وہ کہتا ہے نایٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ [2]، یا اللہ ایمان بھی لے آئے، تقویٰ بھی اختیار کر لیا، اب آگے پھر حکم دیتا ہے کہ جا کسی سچے کو تلاش کر۔ یہ ہماری مرضی کے لوگ نہیں ہیں، یہ اللہ کی مرضی کے ہیں۔ اس میں اللہ کی مرضی ہے کہ ہم اس کے بندوں تک پہنچیں۔ اور قرآنِ کریم کا ایک بڑا جملہ اللہ نے موقع دیا تو اس پہ پھر گفتگو کرینگے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا [3]۔ یہ آیت میں نے پڑھ اس لیے دی ہے کہ اس آیت پہ مجھے یاد کروانا۔ اب یہاں تک ہی

---

[1] سورۃ الحجر:87

[2] سورۃ التوبہ:119

[3] سورۃ مریم:96

نہیں اللہ نے انتظام کیا کہ آپ سورۃ فاتحہ میں انکا ذکر کر دیں گے، قرآن کریم کی تلاوت کر دینگے تو بات ختم ہو گئی؟ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا وہ رحمٰن جو ہے ناں، وہ لوگوں کے دلوں میں انکی محبت ڈال دیتا ہے۔ یعنی تمہیں صرف ان تک پہنچانے کی بات نہیں کرتا۔ چونکہ محبت عطا ہے، یہ کوئی کسبی چیز نہیں ہے کہ آپ کہیں سے لے لیں یا خرید لیں گے۔ اور عطا پتہ ہے کس کو ہوتی ہے؟ یہ سب کو نہیں ہوتی۔ تینوں درجے ذہن میں ہوں، ایمان بھی ہو، تقویٰ کی پاکیزگی بھی ہو، پھر ہے وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ، اب تو اس قابل ہے کہ میرے بندے کیساتھ بیٹھ سکے۔ یہ محبت عطا ہی انہیں کو ہوتی ہے۔ کسی اور کو نہیں۔ محبت، عطا ہے، یہ سمجھ لینا۔ اس اللہ نے عطا کرنی ہے۔

یہ ایک فلسفے کا اصول ہے، بڑی دقیق بحث ہے فلسفہ کی، کہ جیسا ظرف ہوتا ہے ویسا ہی مظروف ہوتا ہے۔ یہ ذرا مشکل ہو جائے گی بات۔ ظرف عام زبان میں کہتے ہیں برتن کو۔ اسکے اندر جو چیز ہوتی ہے اسکو مظروف کہتے ہیں۔ مثلاً گلاس ظرف ہے اور اسکے اندر اسکا مظروف پانی ہے۔ تو قانون اور قائدہ یہ ہے کہ ظرف پاک ہو تو مظروف پاک ہوتا ہے۔ یہ وہ قانون ہے جو کسی جگہ ٹوٹتا ہی نہیں ہے۔ اگر تیرے ذہن میں خیال گندے آرہے ہیں تو ظرف پاک کر۔ اللہ سے پناہ طلب کر، یا اللہ اس گندے نفس سے میری جان چھڑا۔ اور اگر خیال محبتِ رسول کا آئے تو اللہ کا شکر کر کہ تیرا ظرف پاک ہو گیا۔ جیسا ظرف ہوتا ہے ویسا ہی مظروف ہوتا ہے۔ یہ ظرف اور مظروف کی بحث بڑی لمبی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کسی دل میں یزید کی محبت ہو اور وہ کہے کہ یہ ظرف پاک ہو جائیگا۔ ایسے نہیں ہوتا۔ اپنے ظرف کا خود بھی محاسبہ کرتے رہا کریں۔ یہ دل بھی ایک ظرف ہے اور اس میں محبت عطا کی جاتی ہے، ڈالی جاتی ہے۔ اسی کو حضور شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا، اسی ظرف اور مظروف کی بحث میں آپ نے فرمایا تھا کہ دودھ بیچنے والا تیرے دروازے پہ آتا ہے، اس نے اس دودھ کی قیمت لینی ہے، پیسے لیکر بیچتا ہے ناں، لیکن اگر تیرا ظرف گندا ہو گا، جس برتن میں تو نے دودھ لینا ہے اگر وہ گندا ہو گا، وہ دودھ بیچنے والے نے حالانکہ قیمت لینی ہے، تو وہ ضرور کہے گا کہ یہ اللہ کا نور ہے برتن صاف کر کے لا۔ اوہ! اتنا شعور تو ایک دودھ بیچنے والے کو بھی ہے کہ اللہ کا نور گندے ظرف میں نہیں ڈالنا۔ تو نے کیسے سوچ لیا کہ یہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نور وہ تیرے گندے ظرف میں وہ ڈال دیگا۔ یہ ساری بحث اس لیے میں نے کی ہے کہ جب اللہ اکبر کہہ کر میں اسکی بارگاہ میں کھڑا ہو گیا

تھا تو اس نے مجھے یہ صالحین، اپنے انعام یافتہ کا راستہ دکھایا تھا اس لیے کہ تیرا ظرف پاک کر دے۔ ایمان تو تیرے پاس پہلے ہی تھا، تقویٰ بھی تو نے اختیار کر لیا، اب کسی سچے کے پاس جا، تا کہ تیرا ظرف پاک ہو۔

یہ آیہ مبارکہ جو تلاوت کی سورۃ النساء سے، وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى اللہ فرماتا ہے جب ہدایت واضح ہو جائے، حق اور باطل واضح ہو جائے، روشنی سامنے نظر آنا شروع ہو جائے تو پھر بھی کوئی اللہ کے رسول کا انکار کرے، پھر بھی کہے کہ میں نے اللہ کے رسول کی مخالفت کرنی ہے۔ دو چیزیں اس آیت میں بیان کیں ہیں، وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد پھر اللہ کے رسول کی مخالفت، وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اور پھر وہ اس راستے پہ چلے جو اللہ کے نیک بندوں کی مخالفت کا راستہ تھا۔ حالانکہ جب رسول اللہ کی مخالفت ہو گئی تو بات تو ختم ہو گئی وَ يَتَّبِعْ اور وہ اتباع کرتا ہے غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اس راستے کی جس راستے پہ ایمان والے چلتے ہیں، اس راستے سے پیچھے ہٹتا ہے۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى پھر ہم اسے اسی راستے پہ ڈال دیتے ہیں جسکی اس نے خواہش کی تھی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ اور اسکو واصلِ جہنم کر دیتے ہیں۔ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا دردناک عذاب۔ تو اللہ کے رسول کی بھی مخالفت نہیں کرنی اور نبی پاک کے غلاموں کی بھی نہیں کرنی۔ یہ آیت اس لیے میں نے آج موضوعِ گفتگو بنائی ہے، ہم سیدہ پاک کا ذکر کریں، سرکار ابو بکر صدیق کا ذکر کریں، انبیاء کا ذکر کریں، صالحین کا ذکر کریں، یہ ذکر کس لیے کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں انکے در پہ بھیجا ہے۔ درود نماز میں میں نے ڈالا ہے کہ کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ؟ یہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ والی آیت میں نے ڈالی ہے؟ یہ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ والی آیت میں نے ڈالی ہے۔ ایک جملہ بڑا سننے کو ملتا ہے، شاید آپکو بھی سننے کو ملا ہو کہ جب ان آیات کی گفتگو ہوتی ہے ناں تو کچھ لوگ جلدی سے یہ جملہ کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو جی اللہ نے حکم تو دیا ہے کہ سچوں کیساتھ ہو جاؤ، لیکن کیا کریں اب کوئی سچا ملتا ہی نہیں۔ یہ جملہ آپکو اکثر سننے کو ملتا ہو گا کہ کیا کریں جی اب تو کہیں سے حق بات ملتی ہی نہیں، سچائی ملتی ہی نہیں۔ پیر خانوں پہ چلے جاؤ تو ادھر بھی دکانداریاں ہیں، مولویوں کے پاس چلے جاؤ تو ادھر بھی دکانداریاں ہیں۔ لیکن میں سب سے یہ دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ اگر تمہارے پاس سچے نہیں ہیں تو ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہیں بتائیں گے کہ سچے کون ہیں۔ اوہ! ہمارے پاس بہت سچے ہیں۔ ہم تمہیں علی المرتضیٰ کا در دکھائیں، ہم تمہیں

ابو بکر صدیق کا در دکھائیں، ہم تمہیں سیدہ فاطمہ کا در دکھائیں، ہم تمہیں معین الدین چشتی کا در دکھائیں۔ اگر تمہارے پاس سچے نہیں ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کائنات میں کوئی سچا موجود نہ ہو اور قیامت نہ آئے۔ قیامت کو کس چیز نے روکا ہوا ہے؟ جب تک ایک بھی ایمان والا موجود ہے، قیامت نہیں آئیگی۔ ایک سچا بھی جب تک موجود ہے، اسکی یہ طاقت ہے، اللہ نے ایسے ہی نہیں وہاں تک بھیجا۔ وہ قیامت کو روک سکتا ہے۔

6 رجب کو چونکہ خواجہ غریب نواز، عطائے رسول، نائبِ رسول، سلطان الہند، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک ہوتا ہے۔ آج چار رجب ہے، تو ان لوگوں کے ذکر کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ان کے ذکر سے تمہارے ظرف پاکیزہ ہوتے ہیں۔ انکے پاس بیٹھنے سے جو تمہارے ظرف ہیں وہ پاکیزہ ہوتے ہیں اور جب یہ پاکیزہ ہو جائیں گے تو اللہ تمہیں پھر اپنی محبت کا بیج عطا کریگا۔ پھر تمہارا دل اس قابل ہو جائیگا کہ اس میں پاک چیز ڈالی جائے۔ جس دل میں حسد ہو، کینہ ہو، بغض ہو، جھوٹ ہو، بددیانتی ہو، اتنے گند میں تو وہ پاک چیز نہیں ڈال سکتا۔ دیکھئے جن لوگوں کے پاس اللہ نے ہمیں بھیجا، جنکا ذکر قرآن کریم میں آیا، جنکا ہمیں بار بار حکم آیا ہے کہ ان تک پہنچو، یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر کہیں اور یہ دعا بھی پہلے ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یااللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، نہ ہمارا کوئی معبود اور ہے اور نہ ہمارا مددگار کوئی اور ہے۔ تُو ہی ہمارا معبود ہے اور تُو ہی ہمارا مددگار ہے۔ اس دعا کے بعد وہ اللہ کہے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ۔ کیا یہ کوئی معمولی بات ہے؟ جب ہم نے اپنا سرِ نیاز خم کر دیا اس کی بارگاہ میں اور جب اسکا ترجمہ علامہ اقبال نے فرمایا تھا تو بہت خوبصورت بات کہی تھی۔ یہ بھی اصل میں دو چیزیں ہیں ناں، دل جو ہوتا ہے ناں، اس میں منافقت نہیں ہوتی، دل مومن ہوتا ہے یا کافر ہوتا ہے۔ یہ منافقت عقل میں ہوتی ہے۔ مصلحتیں سوچ میں ہوتی ہیں۔ دل جو ہے یہ منافق نہیں ہوتا۔ اسلیے اس دل کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جو نہی تو اس دل کو پاک کرلے گا، پاکیزہ محبت تیرے دل میں ڈال دی جائیگی۔ پھر خدائے ذوالجلال ان بندوں تک ہمیں پہنچاتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہنے کے بعد۔ اور ساتھ یہ کہتا ہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ۔ جو گمراہ ہوئے ہیں، جن پہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا، ان کے راستے

سے بچا۔ تو جو میں بات کرنے لگا تھا، یہ جو اللہ کے ولی ہیں، یہ نہیں کہتے کہ ہم نے پہلے امریکہ کو شکست دینی ہے، روس کو شکست دینی ہے۔ نہیں، یہ کہتے ہیں کہ ہم نے پہلے دل کی گندگی کو شکست دینی ہے۔ انکا سفر یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا ناں، جنگ سے واپسی پہ کہ اب ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف جارہے ہیں۔ تو صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا اب کسی بڑے لشکر سے آمنا سامنا ہوگا؟ تو فرمایا کہ نہیں، یہ جو میدانِ جنگ میں تم کفار سے لڑتے ہو یہ جہادِ اصغر ہے اور جو نفس کے خلاف لڑتا ہے وہ جہادِ اکبر ہے۔ یہ صرف آپ لفظوں تک ناں ناں رہیں۔ انکے پاس بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ تُو اپنے نفس کے خلاف جہاد کر اور اپنے نفس کو پاکیزہ کر۔ اب کہاں سے شروع کرنا ہے؟ صبح اذان ہوئی ہے،الصلاۃ خیر من النوم کہا گیا ہے اور نفس یہ کہہ رہا ہے کہ ابھی بڑا وقت ہے، پڑھ لینگے نماز۔ اب ایک طرف اللہ کا حکم ہے اور دوسری طرف خواہشِ نفس۔ اب جس نے اس بستر کو چھوڑ دیا اللہ کیلئے وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفْسَ عَنِ الْہَوٰی [1] جو اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا، اس نے پھر اپنی خواہشوں کو روک لیا، وہ لڑ گیا اپنی خواہشوں کیساتھ۔ کتنے لوگ ہیں جو صبح یہ جہاد کرتے ہیں؟ نفس کی مانتے ہیں یا اللہ کی مانتے ہیں؟ کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے، وہ چاہے تمہارا نفس ہو، تمہارے حکمران ہوں، تمہارے یار دوست ہوں، کوئی بری محفل ہو۔ اگر اللہ کی نافرمانی ہورہی ہے تو کسی اور کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔ والدین کی بھی نہیں، والدین کی اطاعت بھی اللہ کے حکموں کے اندر رہ کر کرنی ہے۔ تو کتنے لوگ ہیں جو صبح یہ جہاد کرتے ہیں اور یہ کلمہ میں آیا تھا "الہ"۔ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ [2] اے پیغمبر ﷺ! آپ نے دیکھا نہیں اس شخص کو جو اپنی خواہشِ نفس کو اپنا الہ سمجھتا ہے۔ نفس نے کہا تھا سوجا اور اللہ نے کہا تھا کہ آ میری بارگاہ میں سجدہ ریز ہو۔ اور اگر تیرا نفس جیت گیا ہے تو اس دل میں اللہ اپنی محبت ڈالے گا؟ اور یہ مقام حضور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ذکر الانبیاء عبادۃ، نبیوں کا ذکر عبادت ہے۔ یہ روایت ہمیشہ ذہن میں رہے۔ بھائی قرآن اللہ کا کلام ہے ناں، آپ ذکر کر رہے ہیں ابراہیم علیہ السلام کا تو اللہ کہہ رہا ہے کہ یہ ذکر میرا ہی ہو رہا ہے۔ نبیوں کا ذکر عبادت ہے، ذکر الصالحین کفارۃ، اور صالحین کا ذکر، اللہ کے ولیوں کا ذکر گناہوں کا کفارہ ہے۔ وہ میں نے کہا ناں

---

[1] سورۃ النزعت:40

[2] سورۃ الفرقان:43

ظرف کا پاکیزہ ہونا اور اگر آپ کسی جھوٹے کے پاس بیٹھ جائیں گے تو وہ ظرف پاکیزہ نہیں کریگا بلکہ وہ تو اور گندہ کر دیگا۔

حضور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور خواجہ غریب نواز، عطائے رسول، سلطان الہند رحمۃ اللہ علیہ، کبھی ایسا بھی وقت آتا تھا کہ آپکا روحانی تعلق ڈائریکٹ اللہ کیساتھ ہوتا تھا اور آپکو اپنی ہوش نہیں ہوتی تھی۔ یہ کیفیتیں اصل میں ہمیں نصیب نہیں، اسلیے ہم انکا اندازہ نہیں کرسکتے۔ یہ جو میرے مولا علی سرکار کی پنڈلی میں تیر لگ گیا تھاناں، تکلیف بڑی ہورہی تھی، تیر نہیں نکل رہا تھا، تیر نکالتے تھے تو درد بہت تھا، شیر خدا بھی درد محسوس کر رہے تھے، تو صحابہ نے کیا مشورہ کیا تھا کہ جب نماز میں کھڑے ہونگے تب تیر نکال لینا۔ ہمیں چونکہ ایسی نمازیں نصیب نہیں ہیں ناں اس لیے اس کیفیت کا اندازہ نہیں ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں کیفیتیں کیا ہوتی ہیں۔ توبڑے آرام کیساتھ تیر نکال لیا گیا اور آپ نماز پڑھتے رہے۔ تو میں نے ایک دفعہ اپنے استاذی مکرم سے پوچھا کہ حضور یہ کیسے ممکن ہوگیا کہ اتنا بڑا تیر نکالا گیا، زخم بھی اتنا گہرا تھا اور سرکار مولا علی کو پتہ ہی نہیں چلا کہ میرا آپریشن ہورہاہے؟ تو استاذی مکرم نے بڑا جملہ ارشا فرمایا، آپ نے فرمایا کہ بیٹا یہ کیفیت توجب انسان اللہ اکبر کہتا ہے تو اسی وقت آجاتی ہے۔ نماز شروع کہاں سے ہوتی ہے؟ تکبیرِ تحریمہ سے۔ تو فرمانے لگے کہ کبھی تم نے دیکھا ہے کہ جس جانور کو تکبیر پھر جائے اسے اپنی ہوش رہتی ہے؟ توجو واقعی اپنی خواہشوں کو تکبیر پھیر کر اللہ اکبر کہتے ہیں انکے آپریشن ہوجائیں، انہیں کیا پتہ چلتاہے۔ ہم نے چونکہ پھیری نہیں ناں کبھی تکبیر اسلیے ہمیں ان کیفیتوں کا اندازہ نہیں ہے۔ توخواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، آپکے مرید خاص تھے، فرماتے ہیں کہ کبھی استغراق کی یہ حالت ہوتی تو اپنے جسم کی ہوش نہیں ہوتی تھی لیکن اچانک اذان ہوتی تو حضور خواجہ غریب نواز ہوش میں آجاتے۔ آپکانام حسن سنجری ہے۔ معین الدین، آپکالقب ہے، دین کا مددگار۔ اس برصغیر پاک وہند میں، پاکستان، بنگلہ دیش، انڈیا، سری لنکا، یہ جتنا نیپال، برما، یہ جس کو برصغیر کہتے ہیں اسکی حکمرانی میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خواجہ غریب نواز کو عطا کی ہے۔ تقریباً 800 سال گزر گئے، آج تو ہفتے کے بعد لوگوں کو اپنے ماں باپ کی قبر کا پتہ نہیں ہوتا۔ 800 سو سال گزر گئے ہیں، پوری دنیا میں غریب نواز کا ذکر ہورہاہے۔ کیوں؟ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا اُس رحمٰن نے محبت

لوگوں کے دلوں میں ڈال دی۔ اور اسی کو شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے لکھا تھاناں، یہ کسی مولوی پیر کی بات نہیں کر رہا، ہندوستان میں جتنا بھی حدیث کا علم پھیلا ہے وہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پھیلا ہے۔ انہوں نے یہ بات لکھی ہے کہ کیا کیفیت تھی جب دنیا سے گئے کہ پیشانی مبارک پہ لکھا تھا کہ یہ اللہ کا حبیب، اللہ کی محبت میں فوت ہو گیا۔ حَبِیْبُ اللّٰہِ مَاتَ فِی حُبِّ اللّٰہِ یہ اللہ کا حبیب، اللہ کی محبت میں ہی فوت ہو گیا۔ تو اسکی وہ کیفیت بیان کرتے ہیں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، آپ فرماتے ہیں کہ مجھے پیار سے بابا قطب کہا کرتے تھے، تو جب اذان ہوتی تو سرکار ہوش میں آجاتے اور مجھے فرماتے کہ اے بابا قطب! یہ شریعتِ محمدی بھی کیا چیز ہے۔ آجکل تو بھنگ اور چرس پینے والے بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی اللہ کے قریب ہیں۔ مذاق بنالیا ہے دین کا، مجھے فرماتے کہ اے بابا قطب! یہ شریعتِ محمدی بھی کیا چیز ہے، مجھے کہاں سے کہاں لے آئی۔ میرا ڈائریکٹ روحانی تعلق اللہ سے تھا لیکن جونہی حضور کی شریعت کی بات آئی تو مجھے اُس تعلق سے اِس تعلق میں آنا پڑھا کہ اٹھ نماز پڑھ۔ اسی لیے میرے شیخ حضور خواجہ پیر محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا ہمارے سلسلے میں کسی بے نمازی کو خلافت نہیں دی جاتی۔ کیا آپ سمجھیں، یہ شریعتِ محمدی کیا شے ہے؟ میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ۔ یہ ہے وہ محبت کی عطا۔

آپ کی سیرت مبارکہ سے جو آپکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی کہ ایک دن ایک بندہ مسئلہ پوچھنے آگیا۔ کہنے لگا کہ۔۔ یہ جب سورۃ مائدہ کا درس دیا تھا میں نے تو وضو اور غسل کے فرائض بتائے تھے، یہ سارے طریقے میں نے آپکو بتائے تھے اور اس میں، میں نے یہ تینوں روایتیں آپکے سامنے رکھیں تھیں کہ آپ ایک دفعہ بھی چہرہ دھوسکتے ہیں اگر پانی کم ہو تو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ وضو فرمایا اور ایک دفعہ چہرہ دھویا اور ایک دفعہ ہی یہ بازو اور چاروں فرائض پورے کیے[1]۔ یعنی اگر آپ کہیں سفر پہ ہیں اور پانی کم ہے تو ان الجھنوں میں نہیں پڑنا کہ اب تین بار ہی منہ دھونا ہے۔ پانی تھوڑا ہے تو ایک دفعہ بھی آپ اعضاء دھوسکتے ہیں۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور دو دفعہ یہ اعضاء دھوئے[2]۔ ایک دفعہ وضو کیا تو تین دفعہ دھوئے[3] تو یہ تینوں طریقے لکھے ہوئے ہیں۔ تو

[1] صحیح بخاری:157

[2] صحیح بخاری:158

[3] صحیح بخاری:159

سرکار خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں اس نے صرف اتنا جملہ کہہ دیا کہ حضور اگر چہرہ پانچ مرتبہ دھولوں۔ تو سرکار غصہ میں آگئے اور فرمایا کہ جب میرے نبی نے صرف تین دفعہ آخری بار دھویا ہے تو تُو پانچ مرتبہ کیوں دھوئے گا۔ تیری کیا اوقات تُو میرے نبی کی سنت کے خلاف بات کرتا ہے۔ تو یہاں تو سنت کے پرخچے اڑائے جاتے ہیں اور ہمیں پھر حیاء نہیں آتی، شرم نہیں آتی۔ حضور کی شریعت کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور ہم بڑے فخر سے ان کو سٹیج پہ بٹھاتے ہیں اور انہیں غوثِ زماں کہتے ہیں۔ بڑے بڑے القاب دیتے ہیں کہ یہ غوث ہیں، یہ قطب ہیں اور پتہ نہیں کیا ہیں۔ نہیں، اگر ڈاکٹر کا بیٹا کسی میڈیکل کالج میں پانچ سال تعلیم ڈاکٹری والی حاصل نہیں کریگا تو ڈاکٹر کا بیٹا ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ انجنیئر کا بیٹا انجنیئر نہیں بن سکتا جب تک وہ تعلیم حاصل نہ کرے۔ تو پیر کا بیٹا پیر کیسے بن گیا جبکہ اس نے تعلیم ہی نہیں حاصل کی۔ یہ تو دنیا میں بھی نہیں ہوتا۔ دنیا کا کونسا ایسا نظام ہے؟ میں ٹیچر ہوں اگر میرے کسی بچے نے ایم اے کر کے وہ تعلیم ایم ایڈ، بی ایڈ نہیں کیا تو کیا میری وجہ سے اسکو کوئی ٹیچر لگا دیگا؟ یہ کیا مذاق ہم نے بنایا ہے کہ نہ شریعت کا پتہ نہ طریقت کا پتہ اور سٹیج پہ ہم نے بٹھایا ہے کہ یہ پیر کا بیٹا ہے۔ کہاں گیا میرے پاک پیغمبر ﷺ کا وہ ارشادِ عالی، یہ امت کو سمجھانے کیلئے تھا کہ فاطمہ مت خیال کرنا کہ تُو نبی کی بیٹی ہے [1]۔ کہاں گیا وہ فرمان؟ لیکن وہ جو ایک جملہ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ یہ جو صالحین ہیں، اللہ کے بندے ہیں، یہ بھی میرے پاک پیغمبر ﷺ کی سنت کے مطابق، حضور کے طریقے کے مطابق اللہ کی مخلوق سے محبت رکھتے ہیں۔ جیسے حضور کو ہر وقت فکر ہوتی تھی ناں کہ لوگ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔ انکو بھی ہر وقت یہی فکر ہوتی ہے کہ لوگ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔ وہ اس وجہ سے ناراض نہیں ہوتے کہ مجھے نذر نیاز نہیں دی۔ وہ کہتے ہیں کہ تُو نے نماز کیوں نہیں پڑھی، تو نے حرام کے کام کیوں کیے ہیں جس سے تیری آخرت برباد ہو جائے۔

تو غریب نواز! کیا لقب عطا ہوا۔ دیکھئے بڑے بڑے سلطان برصغیر میں آئے ہیں، نام و نشان مٹ گئے۔ وہاں جا کر سارے حاضری دیتے ہیں۔

اہلِ حرم پر ہی فقط لازم نہیں شفقت تیری

[1] صحیح بخاری:2753

ہندو بھی کہتے ہیں یہاں خواجہ غریب نواز

انکی سوچ جو ہے ناں وہ بڑی ہوتی ہے۔ انکا وژن بڑا ہوتا ہے اور مبلغ ہوتا ہے وہ ہے جسکی سوچ بڑی ہوتی ہے۔ داعیِ حق ہوتا ہی وہ ہے جسکی سوچ بڑی ہو۔ ہندو کیا کرتے تھے، ذات پات کا نظام تھا۔ آج وقت ہو گیا میں تفصیل نہیں جا سکتا۔ انکے ہاں جو شودر ہوتے تھے انکو وہ لباس نہیں پہننے دیتے تھے۔ اپنے مندروں میں انکو وہ عبادت نہیں کرنے دیتے تھے کہ یہ چھوٹی ذات ہے۔ برہمنوں کے مندر اور، شودروں کا اور۔ انکی جو مقدس کتاب تھی وید وہ شودروں کو سننے کی اجازت نہیں تھی۔ اگر وہ سن لیتے تھے تو انکے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیتے تھے۔ حالانکہ وہ بھی ہندو تھے لیکن وہ کہتے تھے کہ برہمن بڑی ذات کے ہیں اور شودر گھٹیا اور کمیں ہیں۔ تو خواجہ غریب نواز نے آکر کیا وہاں بہت بڑا درس دیا تھا کہ توحید کو مانو اور رسالت کو مانو۔ حالیؔ نے جو جملہ کہا تھا، مجھے بڑا فٹ نظر آتا۔

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہُدیٰ کا

کہ مخلوق ساری ہے کُنبہ خدا کا

وہ شودر جسکو اسکے ہندو بھائی گلے سے نہیں لگاتے تھے، اگر کسی بڑی ذات والے کے گھر سے پھِر کر چلا جاتا تو وہ گائے کا گوبر پھیرتے تھے کہ جگہ پاک ہو جائے۔ اس شودر کو غریب نواز کھڑے ہو کر اپنے سینے سے لگاتے تھے، اسکو کھانا کھلاتے تھے، اسکو عزت دیتے تھے۔ کبھی زبان سے نہیں کہتے تھے کہ تُو کلمہ پڑھ۔ عزت دیتے تھے، کھانا کھلاتے تھے اور جب وہ جارہا ہوتا تھا تو پھر آنکھو میں آنسو ہوتے تھے کہ یااللہ میں تیری مخلوق کی اتنی خدمت کر سکتا ہوں اتنی عزت کر سکتا ہوں کہ اسے گلے سے لگایا ہے، اسے کھانا کھلایا ہے، مولا اب اسے ایمان بھی دے دے۔ تو اللہ کا جو ولی ہوتا ہے وہ لوگوں سے اس بات پہ ناراض نہیں ہوتا کہ اس نے مجھے چندہ نہیں دیا، اس نے مجھے پیسے نہیں دیے بلکہ اسکی خواہش ہوتی ہے کہ یہ اللہ کی نافرمانی سے بچ جائے۔ لوگ راہِ راست پہ آجائیں۔ انکی آخرت اچھی ہو جائے۔

یہ تو امجد صاحب کی اور ان دوستوں کی مرضی ہے ورنہ بڑی دیر سے یہ آفرز ہوتی رہیں، 92 نیوز سے بھی آپ ٹی وی پہ آیا کریں، جیو والوں نے بھی ایک دو دفعہ بات کی، اخباروں میں کالم لکھنے کی بات کی۔ جب انہوں نے یہ بات کی ناں کہ دیکھو جی! اگر آپ ٹی وی پہ آئینگے تو پیغام بڑی دور تک پہنچ جائیگا، اخباروں میں کالم لکھیں گے تو آپ کا

جی بڑا نام ہو جائے گا، پیغام پہنچ جائیگا۔ تو میں ویسے یہ قرآن کریم میرے سامنے ہے، میں ایک ہی بات ان سے کہا کرتا تھا کہ میرے خواجہ غریب نواز نے کس اخبار میں کالم لکھے تھے، کس ٹی وی پر آکر انہوں نے درس دیا تھا۔ جب اللہ کی رضا کیلئے آپ کام کرتے ہیں تو یہ آیت ذہن میں رہے سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا یہ پھر اللہ کا کام ہے اس پیغام کو لوگوں کے دلوں تک پہنچا دینا۔ کبھی اس خواہش پہ میڈیا پہ نہیں آنا اسلیے کہ پھر اللہ کی رضا نہیں رہیگی۔ پھر وہ فون پکڑ کے مولوی اور پیر بھی دیکھتے رہتے ہیں کہ اب کتنے ویوز (views) ہو گئے ہیں۔ مجھے فولو (follow) کرنیوالے کتنے لوگ ہو گئے ہیں۔ اسکا مطلب ہے کہ پھر اللہ کی رضا کیلئے تو نہیں۔ تو انکی یہ بڑی نشانی ہوتی ہے سچے لوگوں کی، کہ ان کے دل میں مخلوق کی محبت ہوتی ہے۔ وہ اس بات میں کُڑھتے رہتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق کا فائدہ ہو جائے۔ انکی بھلائی ہو جائے، انکی دنیا بھی بہتر ہو جائے، انکی آخرت بھی بہتر ہو جائے۔ وقت کافی ہو گیا لیکن یہ جملہ میں نے آپکو ضرور عرض کرنا ہے کہ اتنا اعتبار ہو آپ پہ۔ دو چیزیں میں نے ربیع الاول شریف میں، میں نے آپکو بتائی تھیں کہ فکری سچائی کو صداقت کہتے ہیں، اگر آپکی فکر پاک ہے تو اسکو صداقت کہتے ہیں، اگر آپکے اعمال پاک ہیں تو اسکو امانت کہتے ہیں۔ یہی میرے پیغمبر ﷺ کا فیض ہے۔ حضور ﷺ کی پہلی پہچان ہی صادق اور امین ہے کہ فکر بھی پاک ہو اور عمل بھی پاک ہو، تاکہ آپ پر اعتبار کیا جائے۔ فلسفہ والے بھی یہ بات کہتے ہیں، یہ سب لوگوں کیلئے ہے، انسان کی آخری اور بڑی قیمت جو ہے وہ اسکا اعتبار ہے۔ آپ پہ کتنے لوگ ہیں جو اعتبار کرتے ہیں۔ یہ ہے آپ کی قیمت اصل میں۔ اپنا اپنا محاسبہ ہر کوئی کرلے کہ میرے اوپر کتنے لوگ اعتبار کرتے ہیں۔ میرے پیغمبر ﷺ کو نہ ماننے والے بھی اعتبار تو کرتے تھے۔ یہی شان تھی ناں کہ جو کلمہ نہیں پڑھتے تھے وہ بھی امانتیں میرے پیغمبر ﷺ کے پاس رکھتے تھے چونکہ اعتبار تھا۔ معروف روایت ہے کہ ایک غریب ادھر جا رہا تھا تو ایک مسلمان ہو گا کوئی، ویژن اسکا اتنا کلیئر نہیں تھا تو اسنے کہا کہ تُو کدھر جا رہا ہے دربار پہ؟ یہ تو مسلمانوں کے بزرگ ہیں، امام ہیں اور تُو تو کافر ہے، ہندو ہے تو اِدھر کیا لینے آگیا؟ بس وہ ہندو کا جواب آپکو بتانا تھا کہ اگر اعتبار ہو تو محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی کا ایسا ہو۔ اس ہندو نے کہا کہ یار مجھے نہیں پتہ کہ یہ مسلمانوں کے امام ہیں، مسلمانوں کے بزرگ ہیں، میں نے تو لکھا دیکھا تھا غریب نواز کہ یہ غریبوں کو نوازنے والا ہے اگر لکھا ہوتا مسلمان نواز تو میں نہ آتا۔ تو میں بھی چونکہ غریب تھا اس لیے غریب نواز کے در پہ آگیا۔ وہ نہیں دیکھتے تھے کہ یہ ہندو ہے، یہ عیسائی ہے کیونکہ مثال کیا دی تھی کہ

جب تک تُو سورج نہیں بنتا اس دین کا داعی نہیں بن سکتا۔ کہا حضور وہ کیسے ؟ فرمایا کہ جب سورج کی روشنی پڑتی ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتی کہ یہ کسی کافر کا کھیت ہے یا مسلمان کا کھیت ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق پہ پڑتی ہے۔ اس لیے داعی میں اور مُلّا میں یہی فرق ہوتا ہے۔ ایک مبلغ اور داعی کی سوچ عالمگیر ہوتی ہے اور ایک مُلا کی سوچ اپنے فرقے تک ہوتی ہے۔ ملا کی سوچ محدود ہوتی ہے اس لیے وہ مخلوق کا فائدہ نہیں کر پاتا۔ نفرتیں پھیلاتا ہے، دکھ دیتا ہے لوگوں کو۔ غریب نواز نے اس پورے برصغیر میں محبت تقسیم کی ہے اور اس کے بعد پھر اللہ رب العزت نے یہ مقام دیا ہے کہ 800 سال بعد بھی اس منبر پر بیٹھ کے انکا ذکر ہو رہا اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔ فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ[1] یہ اللہ کا وعدہ ہے جو اسکا ذکر کرتا ہے اللہ اسکا ذکر بلند کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

[1] سورۃ البقرۃ:152

17۔ نبی ﷺ کا مدد گار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم

قرآن: وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَ جَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل: 80)

ترجمہ: " اور اے حبیب! یوں عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے پسندیدہ طریقے سے نکال دے اور میرے لئے اپنی طرف سے مدد گار قوت بنادے "

خاکہ:

1. اللہ اپنے محبوب سے کون سی دعا مانگنے کا کہہ رہا ہے؟
2. موسیٰ علیہ السلام کی دعا
3. ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کا انتخاب ہیں اور حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کا انتخاب ہیں۔
4. کسی رہبر کے زیرِ سایہ محنت کریں تو کامیاب ہونگے
5. زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن۔
6. محنتیں ضائع ہو جاتی ہیں اگر رہنما غیر ذمہ دار ہوں
7. محبت وہدایت کی جگہوں پر نفرتیں تقسیم ہو رہی ہیں۔
8. برائی کو کم از کم دل سے تو برا جانو

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

گزشتہ جمعہ صادقین اور انکے ساتھ رہنے پہ گفتگو ہوئی تھی۔ اسکا ایک بڑا دقیق سا ایک پہلو رہ گیا تھا۔ تو آج ہم نے سورۃ بنی اسرائیل سے اس آیہ مبارکہ کو موضوع گفتگو بنایا ہے۔ حکم اللہ تعالیٰ نے دیا، یہ دعا جو ہے، وہ اللہ کے حکم سے مانگی گئی ہے۔ وَ قُلْ رَّبِّ اے محبوب ﷺ آپ اللہ سے عرض کریں اے میرے رب اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ مجھے داخل فرما سچائی کیساتھ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَ جَ صِدْقٍ اور اگر مجھے نکالنا ہے تو پھر بھی سچائی کیساتھ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ اور میرے لیے بنادے یا عطا کر دے اپنی بارگاہ سے، اپنی جناب سے سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا سلطان کہتے ہیں طاقتور کو اور نصیر کہتے ہیں مددگار کو۔ سچائی کیساتھ ہی داخل فرما اور سچائی کیساتھ ہی خارج فرما اور اپنی جناب سے مجھے طاقتور مددگار عطا کر۔ اب دیکھئے امام الانبیاء ہیں اور اللہ حکم دے رہا ہے اور نبی پاک ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے کہہ جو دیا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اب خود ہی فرما رہا ہے کہ مانگ مجھ سے کوئی مددگار۔ کوئی طاقتور مددگار بھی مجھے دے۔ بڑی عجیب بات ہے۔ اس آیت کا ایک خاص پہلو جو ہے وہ ہم نے دیکھنا ہے۔ داخل کرنا تھا مدینے شریف اور نکل کہاں سے رہے تھے۔ یہ آیت آپکے ذہن میں ہوناں کہ بات ہو کیا رہی ہے۔ صدق، چونکہ عزت والا ہوتا ہے۔ جھوٹ کی عزت نہیں ہوتی۔ یا اللہ میں مکہ سے نکلوں تو بھی عزت کیساتھ اور مدینے میں داخل ہوں تو بھی عزت کیساتھ، شان کیساتھ۔ یعنی یہ کوئی ایسی بات نہ ہو کہ کیسے نکلے مکہ سے۔ اب اس دن والی آیت ذہن میں رہے کہ اگر تم میرے نبی کی مدد نہ بھی کرو گے تو کیا کر لوگے۔ ہم نے کس عزت کیساتھ ان کی غار میں بھی مدد فرمائی اور راستے میں بھی۔ یہ ہے رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَ جَ صِدْقٍ۔ اب مکہ سے نکلنا ہے تو بھی صدق کیساتھ اور مدینے میں داخل ہونا ہے تو بھی صدق کیساتھ۔ لیکن مولا کریم ان دونوں کاموں کیلئے مجھے کوئی طاقتور مددگار عطا کر جو میرے کام میں تعاون کرے۔ یہ دعا ہے پاک پیغمبر ﷺ کی اور دوسری دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی۔ بس آج ہم نے انہی دونوں دعاؤں پہ گفتگو کرنی ہے۔

وہاں حکم دیا ہے کہ اے محبوب یہ دعا مجھ سے مانگ۔ یہاں حکم ہےاِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى [1]۔ موسیٰ فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔ طغیان کہتے ہیں سرکشی کو، سر اٹھانے کو۔ کہتے ہیں ناں کہ دریا میں طغیانی آگئی،۔ یعنی وہ جو اس کا کنارہ تھاناں اس نے وہاں سے سر اٹھالیا ہے، اپنی حد پار کر دی ہے۔ وہ جو حد پار کرتا ہے وہ پھر نقصان بھی کرتا ہے، اسکو طغیانی کہتے ہیں۔ تو فرعون اب حدیں پار کرنا شروع ہو گیا، سرکش ہو گیا ہے اسکی طرف جایئے۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ [2] یااللہ میرا سینہ کھول دے۔وَ یَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ [3] میرا کام میرے لیے آسان کر دے۔ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ [4] عقدہ کہتے ہیں گرہ کو۔ یہ آپکو پتہ ہی ہے کہ بچپن میں کوئلہ رکھا تھازبان مبارک میں توزبان جل گئی تھی تولکنت تھی زبان میں۔ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ [5]۔ میری بات کو قابل فہم بنا، لوگ سمجھ سکیں کہ میں کیا کہہ رہاہوں۔ اب وہ لفظ بھی یاد رہے جو اس آیت میں تھا، یہاں بھی وہی لفظ آرہا ہے۔ وہاں تھاوَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا یہاں ہے وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ [6] وزیر بھی کہتے ہیں بوجھ اٹھانے والے کو۔ عربی زبان میں وزیر بوجھ اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔ یااللہ میرا کوئی بوجھ اٹھانے والا کوئی مدد گار بھی مجھے دے۔ اِدھر امام الانبیاء بھی مدد گار مانگ رہے ہیں اور اُدھر موسیٰ علیہ السلام بھی مدد گار مانگ رہے ہیں فرعون کے پاس جانے سے پہلے۔ مِّنْ اَهْلِیْ یااللہ میرے خاندان سے ہو، میری اہل سے ہو۔ کیا وہ موقع ہو گا کہ پوری امت میں سے کسی پہ اعتبار ہی نہ رہا۔ یااللہ میری اہل سے مجھے کوئی مدد گار دے۔ یہاں بات ختم نہیں کی، هٰرُوْنَ اَخِی [7]۔ میرا بھائی ہارون میرا مدد گار بنا۔ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ [8] اور میرے بھائی کے ذریعے سے میری کمر کو مضبوط فرما۔وَ اَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ [9] اور میرے کام میں اسکو شریک کر۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے اُدھر کوئی مولوی نہیں تھا، نہیں تو کہتا کہاِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کدھر گیا۔

---

[1] سورۃ طٰہٰ:24
[2] سورۃ طٰہٰ:25
[3] سورۃ طٰہٰ:26
[4] سورۃ طٰہٰ:27
[5] سورۃ طٰہٰ:28
[6] سورۃ طٰہٰ:29
[7] سورۃ طٰہٰ:30
[8] سورۃ طٰہٰ:31
[9] سورۃ طٰہٰ:32

ایک طرف کہتے ہو کہ یااللہ تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں اور اِدھر اتنی تفصیل۔ یااللہ میرا کوئی بوجھ اٹھانے والا کوئی مددگار دے۔ میری اہل سے دے اور پھر نام لیا کہ میرا بھائی ہارون میرا مددگار بنا۔ اسکے ذریعے سے میری کمر کو مضبوط فرما۔ وَ اَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ اور اسکو میرے کام میں میرا شریک بنا۔ تو اب یہ دو دعائیں ہیں آپکے سامنے۔

ایک پاک پیغمبر ﷺ کی دعا ہے اور ایک موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے۔ اِدھر حکم ہے کہ جاؤ فرعون کے پاس تو یہ دعا مانگی گئی۔ اُدھر اللہ نے خود فرمایا کہ محبوب یہ دعا مانگ۔ ایک تو یہ فرق ہے۔ دوسرا یہ لفظ میں فرق اگر آپ سمجھ جائیں تو بڑی اس میں ایک کمال کی بات ہے۔ پاک پیغمبر ﷺ کیا فرما رہے ہیں وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۔ یااللہ اپنی جناب سے کوئی مددگار دے۔ اپنے گھر سے کوئی دے۔ میں اپنے مددگار کا انتخاب نہیں کرنا چاہتا۔ تُو دے اپنی جناب سے لیکن موسیٰ کہہ رہے ہیں کہ مجھے میرے گھر سے دے۔ میرا بھائی میرا مددگار بنا۔ دیکھئے اللہ کے یقین کے، یہ بھی بڑے باریک نقطے ہوتے ہیں۔ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ اور وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ۔ علی ایسے ہی کعبہ میں پیدا نہیں ہوئے۔ دعا کی تھی کہ اپنی جناب سے دے۔ تو پھر اُسی کے گھر میں آنا تھا ناں۔ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا طاقتور مددگار ہو۔ حالانکہ حدیث شریف میں کیا ہے؟ یہ حدیث سارے ہی بیان کرتے ہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ پاک پیغمبر ﷺ نے کیا فرمایا؟ علی تیری اور میری مثال ایسی ہی ہے جیسے موسیٰ اور ہارون کی[1]۔ یعنی مثال وہی ہے جیسے موسیٰ اور ہارون کی تھی۔ جیسے ہارون نے موسیٰ کا بوجھ اٹھایا ویسے ہی تُو میرا بوجھ اٹھانے والا ہے۔ جیسے ہارون کے ذریعے سے موسیٰ کی کمر مضبوط ہوئی ویسے تیرے ذریعے سے بھی ہوئی۔ لیکن میری سرکار نے یہ نہیں کہا کہ مجھے میرے گھر سے دے، کہا مولا اپنے گھر سے دے۔ وہ انتخاب موسیٰ کا ہے۔ علی، انتخاب اللہ کا ہے۔ دیکھئے مددگار، سلطان مددگار۔ کیا کریں اگر قرآن ہی پڑھ لیتے تو یا علی مدد پہ اعتراض تو نہ اٹھاتے۔ اوہ اللہ کہہ رہا ہے کہ محبوب مددگار مانگ۔

بھائی 13 رجب آرہی ہے، جشنِ مولودِ کعبہ ہے۔ تو یہ چیزیں ساری قرآن کریم میں لکھی ہوئی ہیں۔ بس اپنی اپنی طلب ہوتی ہے تو عطا بھی اللہ تعالیٰ فرما دیتا ہے۔ علی گھر میں بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ ویسے میں ایک اشارہ

[1] صحیح بخاری:3706

کر دوں آپ نے اکثر یہ سنا ہوا ہے کہ غزوہ بدر والے دن کل اثاثہ کیا تھا۔ ستر اونٹ، 2 گھوڑے 6 زرہیں اور 8 شمشیریں۔ 8 تلواروں کیساتھ 1000 تلواروں کا مقابلہ تھا۔ اب ہوا کیا؟ ہوا یہ کہ صحابی آتے اور کہتے کہ یا رسول اللہ ﷺ تلوار نہیں ہے۔ پاک پیغمبر ﷺ ایک درخت کی شاخ توڑتے اور اسکے ہاتھ میں پکڑا دیتے اور صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم انہی شاخوں کیساتھ تلواروں کے مقابلے میں لڑتے رہے۔ لڑتے رہے انہی شاخوں کیساتھ۔ مولا علی کی بھی تلوار ٹوٹ گئی۔ یہ میں خاص بات عرض کرنے لگا ہوں۔ وہ بھی حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے کہ باقی سب لوگوں کو یہ چھڑیاں، شاخیں دی ہیں، مجھے بھی کچھ عطا کریں، تلوار ٹوٹ گئی۔ میرے پیغمبر ﷺ نے علی کو کوئی شاخ، کوئی چھڑی نہیں دی۔ کیوں؟ یا اللہ مددگار تُو نے دیا ہے، تلوار بھی تُو ہی دے۔ لا فَتی اِلاّ عَلِیّ، لا سَیفَ اِلاّ ذُو الفَقار۔ یہ غزوہ بدر والے دن فرشتے پڑھ رہے تھے۔ تو جو اللہ کے گھر سے مددگار ملا۔ اس (مددگار) کی ضرورت کیوں پڑی؟ ایک تو اس پہلو کو اور دوسرا مولائے کائنات کو خراجِ عقیدت پیش کرنا تھا۔ علم کے شہر کے دروازے کو خراجِ عقیدت پیش کرنا تھا تو اللہ کے کلام سے بہتر کیا خراجِ عقیدت ہو سکتا ہے۔ قرآن سے بڑا کیا خراجِ عقیدت۔ کلامِ خالق ہے۔ نبی کو ضرورت کیوں پڑتی ہے مددگار کی؟ یہ بڑا عجیب سوال ہے اور دونوں اولوالعزم پیغمبر، صاحبِ کتاب، رسول اور اللہ سے مددگار مانگ رہے ہیں۔ یہ پہلو جو قرآنِ کریم واضح کرنا چاہتا ہے۔ اگر آپکی سمجھ میں یہ بات آگئی تو یہ بھی سرکار مولائے کائنات کا فیض ہی سمجھیں۔ کوئی بھی شخص انفرادی محنت کرے یا اجتماعی کرے یا قومی سطح پر کرے، محنت ضائع ہو جاتی ہے اگر کسی رہبر کے زیرِ سایہ نہ کی ہو۔ یہ قانون یاد رکھنا۔ وہ آپکی دینی محنت ہے یا دنیاوی، انفرادی ہے یا اجتماعی۔ یہ تیسری آیت بھی میرے ذہن میں تھی لیکن چونکہ وقت تھوڑا ہوتا ہے۔ حضرت ذکریا علیہ السلام نے بھی دعا مانگی تھی، یا اللہ مجھے وارث دے جو ابراہیم کی اس امانت کو آگے لوگوں تک پہنچائے۔ میری محنت ضائع نہ ہو جائے۔ اوہ! نبیوں کو اپنے لیے ضرورت نہیں ہوتی، امت کیلئے ضرورت ہوتی ہے۔ محنت آپ انفرادی سطح پر کریں یا اجتماعی سطح پر کریں کسی ذمہ دار رہبر کے زیرِ سایہ کریں ورنہ کی ہوئی محنت بھی ضائع ہو جائیگی۔ اگر نبیوں کو ضرورت ہے تو میری تمہاری کیا اوقات ہے کہ ہم کہیں کہ ہمیں تو کسی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔

اگر یہ بات میں آپکے حوالے سے کروں، اپنے حوالے سے کروں۔ ایک گھر میں دو بھائی کمانے والے ہیں، اگر وہ کمائی کسی غیر ذمہ دار کے ہاتھ میں آئیگی تو برباد ہوجائیگی۔ چاہے حق حلال کی کمائی ہوئی ہو، ضائع ہوجائیگی۔ علامہ اقبال نے حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار اقدس پہ کھڑے ہو کہ یہ جملہ بڑے درد سے کہا تھا۔

میراث میں آئی ہے انھیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصّرف میں عقابوں کے نشیمن

یہ اللہ کے ولیوں کی درگاہیں شاہینوں کی جگہیں تھیں، لالچی کوے ادھر آکر بیٹھ گئے اور انکی محنت کو بھی ضائع کردیا۔ انکو بھی برباد کردیا۔ اسلیے کہ شاہین توبڑا خوددار ہوتا ہے، غیرت مند ہوتا ہے، اپنا شکار خود کرتا ہے۔ لوگوں کی جیبوں پر نظر نہیں رکھتا کہ مرید آئیں گے اور مجھے نذر نیاز دینگے تو میرا آگے کام چلے گا۔ کسی نے پوچھا تھا کہ یہ کوّے (زاغ) سے نسبت کیوں؟ فرمایا کہ کوّا بے رحم ہوتا ہے، بچے کے ہاتھ سے بھی نوالہ چھین لیتا ہے توجب ان درگاہوں پہ لالچی لوگ بیٹھتے ہیں تولوگوں کو لوٹنا شروع کردیتے ہیں۔ کوّے کو تو بچے پہ بھی ترس نہیں آتا۔ محنتیں ضائع ہوجاتی ہیں، اسلیے اچھے وارث مانگے جاتے ہیں۔ اچھے مددگار مانگے جاتے ہیں کہ محنت ضائع نہ ہو۔ اس محنت کو آگے کوئی پہنچانے والا ہو۔ اس دینِ ابراہیمی کا کوئی وارث مل جائے۔ شریعتِ محمدی کا کوئی وارث مل جائے۔ علی المرتضیٰ کے ارشادات کو کوئی پہنچانے والا مل جائے۔ آج تو وقت نہیں ہے، ہم نے اسی کو آگے بڑھانا ہے۔ مجھے یاد کروانا اس پہ پھر بات کرینگے کہ دنیامیں ہر دو لڑنے والے گروہ، دونوں ہی اپنے آپکو حق پہ کہتے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ فرعون والے کہتے تھے کہ ہم حق پہ نہیں ہیں۔ اگر وہ حق سے دستبردار ہوجائیں تو پھر لڑائی کس بات کی۔ لڑائی ہوتی ہی اس وقت ہے جب دونوں اپنے آپ کو حق پہ کہتے ہیں۔ نمرود بھی حق پہ کہتا ہے اور ابراہیم بھی۔ فرعون کہتا کہ میں حق پہ ہوں اور موسیٰ کہتے ہیں میں حق پہ ہوں۔ یزید کہتامیں بھی حق پہ ہوں اور حسین کہتے میں بھی حق پہ ہوں۔ فیصلہ کون کرے؟ کون کرے فیصلہ اس بات کا؟ دنیا کیوں موسیٰ کو حق پہ سمجھتی ہے اور فرعون کو باطل سمجھتی ہے؟ حسین کو حق پہ سمجھتی ہے اور یزید کو باطل سمجھتی ہے۔ یہ فیصلے کلمہ پڑھنے سے نہیں ہوتے، کلمہ پڑھنے والے تو یزید کے لشکر میں بھی تھے۔ یہ فیصلے قرآن کی تلاوت سے بھی نہیں ہوتے، بڑے بڑے قاری اور حفاظ تھے یزید کے لشکر

میں۔ یہ فیصلے رہبر سے ہوتے ہیں۔ دعوے توسب کے ہوتے ہیں کہ ہم حق پہ ہیں۔ لیکن اگر تم نے اپنی کمائی فرعون کے زیرِ صدارت کر ڈالی تو کمائی ضائع ہو جائیگی۔ آج دنیا پتہ ہم سے کیا سوال کرتی ہے؟ آسٹریلیا سے لیکر یورپ تک ایک ہی سوال ہے کہ تم بائیس کروڑ لوگ محنت نہیں کرتے؟ ساری دنیا ہم سے یہ سوال پوچھ رہی ہے کہ تم نکمے ہو محنت نہیں کرتے؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم تو کرتے ہیں، ہمارا مزدور بھی محنت کرتا ہے ہمارا پلمبر بھی محنت کرتا، ہمارا استاد بھی، ہمارا وکیل بھی، فیکٹری میں کام کرنیوالا بھی، جہاز بنانے والا بھی۔ تو پھر تمہارا خزانہ خالی کیوں ہے؟ اسلیے کہ محنت کسی ذمہ دار کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ محنتیں برباد ہو جاتی ہیں اگر کوئی ذمہ دار اوپر نہ ہو۔ مت کسی غیر ذمہ دار کے نیچے اتنی محنت کرتے پھرنا، نہیں تو برباد ہو جاؤگے۔ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ بس سچوں کیساتھ رہنا۔ جب تم جھوٹوں کے نعرے لگاتے ہو تو پھر سب برباد ہو جاتا ہے۔ پھر پوری قوم برباد ہو جاتی ہے۔

محنت تو ہم کرتے ہیں۔ میں بجلی کے بل پہ بھی ٹیکس دیتا ہوں، میں ٹیلی فون پہ بھی ٹیکس دیتا ہوں، میں ایک ٹافی خریدتا ہوں اس پہ بھی ٹیکس دیتا ہوں، میں گاڑی لیکر موٹروے پہ نکلتا ہوں، اس پہ بھی ٹیکس دیتا ہوں۔ میں دن رات محنت کر کے دے رہا ہوں لیکن میرا خزانہ پھر بھی خالی ہے۔ تو قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ دونوں اولوالعزم پیغمبروں نے یہ بتایا تھا کہ محنتیں ضائع ہو جاتی ہیں اگر آپکے رہبر جو ہیں، رہنما جو ہیں وہ غیر ذمہ دار ہو جائیں۔ پھر اتنا تو کر سکتے ہو کہ یار دل سے تو برائی کو بُرا جانو۔ لیکن ہم نے تو یہ کام بھی نہیں کیا۔ ظاہر ہے میں نے کہاں جانا ہے؟ میں نے FIR کروانے انڈیا جانا ہے؟ سعودی عرب میں جانا ہے؟ وہ تو کہتے ہیں کہ پہلے عربی پھر عجمی۔ وہ تو مجھے اپنے جیسا بھی نہیں سمجھتے۔ پتہ ہے سعودیہ کے وزیرِ خزانہ نے کیا کہا؟ اس نے کہا کہ ہم اپنی قوم سے ٹیکس لیتے ہیں۔ یہ ہمارے پیسے ایسے ہی نہیں کہ کوئی مانگت آئے تو اس کو دے دیں۔ یہ ذلت اور رسوائی سعودی عرب کے وزیرِ خارجہ نے کی ہے۔ ہماری قوم محنت کرتی ہے، ہمیں ٹیکس دیتی ہے۔ ہم تم بھکاریوں کو پیسے دے دیں؟ لیکن جب حکمران کلبوں میں جائیں، شراب سے دُھت ہوں، بدکاری عام ہو، پھر فیصلے انصاف کے نہیں ہوتے۔ جہاں گندھ ہو، وہاں پاکیزہ فیصلے نہیں ہوتے۔ جمشید دستی نے کتنی شراب کی بوتلیں اکٹھی کی تھیں۔ کتنی اس قوم نے آواز اٹھائی؟ اسمبلی ہال

سے اکٹھی کیں اور ہم ان لوگوں کے نعرے لگا کے ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ جب خدا کا خوف ہمارے دلوں میں نہیں رہا۔

وہ آہیں وہ سسکیاں جو پشاور میں ہوا ہے، وہ آپ سن سکتے ہیں؟ ان ماؤں بہنوں کی سسکیاں، ان معصوم بچوں کی سسکیاں، کوئی سن سکتا ہے؟ ظلم کی انتہا ہے اور دکھ کی بات میں پرسوں سینٹ کا اجلاس دیکھ رہا تھا۔ ہمارے ایک ہندو ہیں، ظاہر ہے پاکستانی ہیں، وہ تقریر کیلئے اٹھے اور انہوں نے کہا کہ میں غیر مسلم ہوں، میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں پڑھتا، میں قرآن کو نہیں مانتا، لیکن میں بھی شرمسار ہوں، یہ اس نے سینٹ میں کھڑے ہو کر بات کہی، میں نے اپنے کانوں سے یہ لائیو سُنی ہے اور پھر میں نے بند کر دیا سینٹ کا اجلاس سننا، اس نے کہا کہ مجھے شرم آرہی ہے کہ مارنے والا بھی مسلمان ہے اور مرنیوالے بھی مسلمان۔ کیا یہ تم ایک دن میں اس منزل پہ پہنچ گئے ہو؟ کب سے تم نے ایک دوسرے کے خلاف نفرتیں بونا شروع کی ہیں۔ یہ کوئی ایک دن میں کام ہو گیا ہے کہ جو مار رہا ہے وہ مسلمان ہے اور جو مر رہے ہیں وہ بھی مسلمان ہیں۔ یہ ایک دن میں کام نہیں ہوا۔ بڑا وقت لگا ہے اس کام کو۔ مثلاً میرے گھر اگر چوری ہو جائے تو کہا جاؤں گا؟ پولیس کے پاس جاؤں گا۔ رجسٹری کرانی ہے، تو کہاں جاؤں گا؟ پٹواری کے پاس جاؤں گا۔ میرا ٹیلی فون کا کوئی کام ہے تو ظاہر ہے میں ٹیلی کمیونیکیشن کے پاس جاؤں گا۔ بجلی کے میٹر کا کام ہے تو واپڈا کے پاس، میرے ملک کو کوئی خطرہ ہو گا تو اپنی آرمی سے کہوں گا۔ کون ہیں یہ سب؟ میرے بھائی ہیں ناں۔ اگر میں پولیس کے پاس جانے سے ڈرتا ہوں تو کیا یہ نفرت ایک دن میں پیدا ہوئی ہے؟ یہ عدم تحفظ کا احساس کہ میرے گھر چوری ہو گئی ہے تو میں پرچہ درج کروانے نہیں جاتا کہ میری کوئی سنوائی نہیں ہو گی وہاں۔ میں اپنے ملک میں بیٹھا اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ رہا ہوں۔ کل یقین جانیے، میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا جب ایک بچے نے مجھ سے کہا، معصوم بچے نے کہا کہ کل جب میرا باپ گھر سے نکلنے لگا تو اس نے کہا کہ لباس پاکیزہ دینا ہو سکتا ہے وہی میرا کفن بن جائے اور اپنے بچوں سے کہا کہ آخری دفعہ مجھے مل لو، اس ملک میں میں محفوظ نہیں ہوں۔ لیکن ہم نے تو جو محبت کی جگہیں تھی، وہاں بھی نفرتیں۔ آپ کے اس علاقے کا واقعہ ہے، دو تین سال پہلے کا واقعہ ہے۔ بڑی درگاہ ہے، بڑا پیر خانہ ہے، ایک مرید کو اس لیے مار رہے تھے دوسرے مرید کہ تُو ہمارے پیر کے

دوسرے بھائی کو کیوں ملنے گیا ہے۔ یہ کوئی نفرت ایک دن میں پھیلی ہے؟ تُو نے شیعہ کا جنازہ کیوں پڑھا ہے؟ دیوبندی کا کیوں پڑھا ہے؟ یہ کوئی ایک دن میں سب کچھ ہوا ہے؟ آپ تو گواہ ہیں کہ ہم تو 1994 سے یہ کام کر رہے ہیں کہ خدا کیلئے چھوڑ دو یہ نفرتیں اس مقام پہ چلی جائیں گی کہ تمہارا جینا حرام ہو جائیگا۔ ہم ادھر کیا درس دیتے ہیں کہ لا الہ الا للہ محمد رسول اللہ ہمارے اکٹھا رہنے کیلئے کافی ہے۔ اگر اس کلمہ کیوجہ سے بھی ہم نے اکٹھے نہیں ہونا تو کس بات پہ ہونا ہے؟ آستانوں پہ بھائی بھائیوں سے لڑ رہے ہیں، مدرسوں پہ مولوی مولویوں سے لڑ رہے ہیں، مسجدیں جو ہیں وہ نفرت کی جگہیں بنی ہوئی ہیں۔

محبت کہاں سے آئے گی؟ اوہ! اتنا شعور تو فرعون کو بھی تھا، قرآن کیا کہتا ہے؟ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ[1] وہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور انکو عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ تو اسکا قبطی قبیلہ تھا نا تو قبطی قبیلے والے ایک دن آ گئے۔ وہ کہنے لگے کہ بادشاہ تیرا دماغ خراب ہے؟ انہوں نے کہا کہ اگر بنی اسرائیل کے بچے ایسے ہی تُو مرواتا رہیگا تو ہم حکومت کس پہ کرینگے؟ اتنا شعور تو ان کو بھی تھا۔ لیکن ہمارے اوپر جو ذمہ دار بیٹھے ہیں، انکو یہ شعور بھی نہیں ہے کہ یہ مر گئے تو ہم حکومت کس پہ کرینگے۔ اتنا شعور تو فرعون کی قوم کو بھی تھا۔ پھر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک سال ذبح کر دیا کرو اور ایک سال زندہ رکھا کرو۔ موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے تھے جس سال بچے ذبح ہونے تھے اور ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے تھے جس سال بچے ذبح نہیں ہونے تھے۔ اس لیے ہارون علیہ السلام کا بھی کبھی تابوت کا واقعہ آپ نے سنا ہے؟ لیکن اس میں ہماری غلطی یہ ہے کہ ہم نے نفرتیں پھیلانے والوں کیلئے نعرے لگائے ہیں۔ ہم نے ان نفرت پھیلانے والوں کو دل سے بُرا نہیں جانا۔ ہم نے کہا کہ مسلم لیگ کا ہے تو پیپلز پارٹی والوں کے جنازوں پہ نہیں جانا۔ ہم نے تو یہاں تک نفرتیں پھیلائیں۔ رشتے توڑ دیے ہم نے اور آج یہ حالت ہو گئی ہے بھائی بھائی کا دشمن بن گیا ہے۔ یہاں تک بات آ گئی کہ اس دن پشاور کے MNA نے قومی اسمبلی میں یہ بات کی، اس نے کہا کہ اب لاہور میں لوگ مریں گے تو پھر تمہاری آنکھوں میں آنسو آئیں گے۔ پھر تمہیں دُکھ ہو گا جب لاہور میں نعشیں گریں گی۔ پشاور کی ڈیڈ باڈیز کو تم نعشیں ہی نہیں سمجھتے۔ کیا ہو گیا ہمارے دلوں کو،

---

[1] سورۃ البقرۃ:49

بالکل ہی مردہ ہو گئے۔ مرے ہیں تو کیا ہوا؟ اُدھر ہی مرے ہیں ناں ہمیں کیا، ہم تو اپنے کاموں میں مشغول ہیں۔ آج اگر ہم نے ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھائی تو کل۔۔۔ اکثر بات کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں؟ اوہ! دین کب کہتا ہے کہ آپ سوٹا اٹھا کر باہر نکلیں۔ دین تو کہتا ہے کہ کم از کم دل سے تو برا جانو برائی کو۔ میں باپ ہوں ناں، اپنے گھر کا حکمران ہوں، ہر باپ اپنے گھر کا حکمران ہے۔ کتنے باپ ہیں کہ جب اسکی بیوی کی رضا میں اور اللہ کی رضا میں اختلاف آئے تو وہ کہاں کھڑا ہوتا ہے؟ جب اسکی اولاد اور اللہ کی مرضی میں تفاوت اور تضاد پیدا ہوتا ہے تو وہ کہاں کھڑا ہوتا ہے، اولاد کیساتھ کھڑا ہوتا ہے یا اللہ کیساتھ کھڑا ہوتا ہے؟ میں کیسے ان حکمرانوں کو برا کہوں، جب میں حکمران بنا ہوں تو میں نے اپنے گھر میں اللہ کی مرضی کو نافذ کیا ہے؟ جب کسی میرج ہال میں میری مائیں بہنیں بیٹیاں بال کھول کے بے حیائی کی علامت بن کے آتی ہیں تو باپ اور بھائی دیکھ نہیں رہے ہوتے؟ یقین جانیے ڈر آتا ہے کہ کہیں اللہ کا عذاب ابھی نازل نہ ہو جائے۔ یہ ایک دن میں معاشرہ یہاں تک نہیں پہنچا۔ ہم نے چالیس پچاس سال لگائے ہیں یہ نفرتیں بونے میں اور اللہ کی نافرمانی کرنے میں۔ اگلے دن پھر ہوا ناں وہ واقع قرآن جلا دیا گیا، کبھی گٹر میں پھینکتے ہیں، کبھی آگ لگاتے ہیں اور ہمیں بتاتے ہیں کہ جب تمہیں خالق کے کلام کی حیاء نہیں ہے تو تمہاری اوقات کیا۔ کیوں کوئی ڈرے تم سے؟ تو یہ مت خیال کریں کہ ادھر اُدھر لوگ مر رہے ہیں، ہماری باری بھی آنے والی ہے۔ اس سے پہلے بہتر ہے کہ کم از کم برے کو دل سے تو برا جانیں۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

18۔ وفا کیا ہوتی ہے؟

قرآن: يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (سورة التوبہ : 119)

ترجمہ: "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"

خاکہ:

1. اللہ ایمان اسے دیتا ہے جس سے راضی ہوتا ہے۔
2. علی المرتضیٰ، یہ لقب اللہ نے دیا ہے۔
3. وفا کیا ہوتی ہے؟ محبوب کو چھوڑنے کا موقع ملے پر نہ چھوڑے۔
4. حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفا
5. توبہ یہی ہے کہ بے وفائی سے پلٹ آؤ
6. تقویٰ کے درجات
7. اللہ کی رضا والے اس کی مخلوق کے دشمن نہیں ہوتے
8. اللہ نے جتنی مہلت دی ہے اس میں کمی نہیں کرے گا
9. جو کسی نیکی یا برائی کا آغاز کرتا ہے
10. طوفان کا مقابلہ طوفان سے

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

کام تو ظاہر ہے ہر کوئی نیکی کو سمجھ کر کرتا ہے۔ اللہ کے قرب کیلئے کرتا ہے۔ اللہ کو راضی کرنے کیلئے کرتا ہے۔ کبھی لوگ یہ بھی بات کرتے ہیں کہ جس کے پاس بڑی دولت اور پیسہ ہو، اس سے شاید اللہ راضی ہوتا ہے؟ یہ جملہ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ آپ سے کہا ہے کہ اللہ دولت اُسے دیتا ہے، راضی ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا لیکن ایمان صرف اُسے دیتا ہے جس پہ راضی ہوتا ہے۔ دولت تو امریکہ کو بھی دیتا ہے، ہندوؤں کو بھی دیتا ہے، عیسائیوں کو بھی دیتا ہے، یہودیوں کو بھی دیتا لیکن ایمان وہ حضرت بلال کو دیتا ہے۔ دولت تو ابوجہل کو بھی دیتا ہے۔ تو ایمان اصل میں اس کی عطا ہے۔ ایمان اللہ کی عطا ہے اور ایمان اسے ملتا ہے، جس پہ اللہ راضی ہوتا ہے۔ دیکھئے انہوں نے بھائیوں کو بلایا، بہنوں کو بلایا، اعزاء واقرباء اکٹھے ہوئے، پیر بھائی آئے، خلیفہ صاحب تشریف لائے۔ یہ تو آپ کو پتہ ہے ناں کہ ہم تو کھانا پکاتے بھی اللہ کیلئے ہیں اور کھلاتے بھی اللہ کیلئے ہیں تاکہ اس کی رضا حاصل ہو۔ یہ رضا کی بات شروع ہو گئی تو اس پہ میں ایک دو جملے عرض کر دوں۔ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۚ وَ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَ اِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ [1] اللہ فرماتا ہے کہ اگر کفر کرو گے۔ کفر کا معنیٰ آپکو بتایا ہوا ہے۔ کافر کہتے ہیں حق کو چھپانے والے کو۔ اس لیے عربی لغت میں کسان کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ یہ بیج کو زمین میں چھپاتے ہیں۔ تو قرآنِ کریم میں کافر اسکو کہتے ہیں جسکو حق کا پتہ چل جائے، اسکا دل گواہی دے کہ یہ حق ہے اور پھر وہ اسکو چھپائے۔ اِنْ تَكْفُرُوْا، اللہ فرماتا ہے کہ اگر تم حق کو چھپاؤ گے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ اللہ تو بے نیاز ہے، اس سے اللہ کو کیا فرق پڑتا ہے؟ وَ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ ان کافروں کو اللہ روٹی تو دیتا ہے لیکن ان سے راضی نہیں ہوتا۔ اللہ یہ نہیں ہے کہ جسکو روٹی دے رہا ہے، رزق دے رہا ہے، اس سے راضی بھی ہے، نہیں۔ حق کو چھپانے والے، نبی پاک ﷺ کو پہچاننے کے بعد انکار کرنیوالوں کو اللہ روٹی تو دے رہا ہے لیکن ان سے راضی نہیں ہے۔ وَ اِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ اگر شکر کرو گے تو وہ راضی ہو جائے گا۔ تو اصل جو منزل ہے انسان کی وہ یہ ہے کہ اسکا خالق راضی ہو جائے۔ اوہ! باپ بھی تو کما کے روٹی

[1] سورۃ الزمر: 7

سب بچوں کو دیتا ہے لیکن ضروری تو نہیں کہ سب سے راضی بھی ہو۔ سب پہ ضروری تو نہیں ہے کہ والدین راضی ہوں لیکن اللہ قرآن میں تقاضا کیا کر رہا ہے کہ تم نے والدین کو راضی کرنا ہے۔ ایک استاد کے سامنے سو، ڈیڑھ سو بچہ پڑھ رہا ہوتا ہے لیکن ضروری تو نہیں ہے کہ استاد سب سے راضی بھی ہو۔ یہ کوئی ضروری تو نہیں لیکن پڑھا تو وہ سب کو ہی رہا ہوتا ہے۔ تو اللہ فرما رہا ہے کہ وہ راضی ہوتا ہے شکر کرنیوالوں سے۔ اللہ تعالیٰ نافرمانوں سے راضی نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ کبھی سوچنا بھی نہ کہ جنکو وہ پیسے، منصب، دولت بہت دیتا ہے، ان سے راضی بھی ہے۔ یہ کوئی فارمولہ نہیں۔ یہ قرآن کی آیت میں نے اس لیے آپکو سنائی۔ اس کے آگے ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر تمہیں اپنے پاس بلا لے گا اور جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے چھپا ہوا تھا وہ بھی بتا دیگا۔ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ پلٹ کر تو اسی اللہ کیطرف ہی جانا ہے ناں۔ وہ تمہیں بتا دیگا جو تم کرتوت کرتے رہے ہو۔

کل چونکہ 13 رجب تھی تو سرکار مولائے کائنات کے حوالے سے گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت علی کا لقب کیا ہے؟ مرتضیٰ۔ دیکھیئے اس پہ کبھی آپ نے غور نہیں کیا۔ مرتضیٰ ہیں وہ۔ نبی پاک ﷺ کیا ہیں؟ مصطفیٰ ہیں۔ مصطفیٰ، کائنات میں سے اللہ نے جس کو منتخب کیا ہے۔

تیرے انداز یہ کہتے ہیں کہ خالق کو ترے

سب حسینوں میں، پسند آئی ہے صورت تیری

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ[1] کی تفسیر میں ایک بات یہ لکھی ہے کہ جب اللہ فرماتا ہے ناں کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت عطا کی۔ انسان سے بہتر صورت کسی کو نہیں عطا کی گئی۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے، کیونکہ انسان کو اللہ نے اپنے محبوب کی صورت میں بنایا تھا۔ اسکو احسنِ تقویم کہا ہے اسلیے کہ یہ صورت اس نے اپنے محبوب کی بنائی تھی۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ اگر اسکو معرفہ کریں تو اس سے مراد ہی رسول اللہ ﷺ کی ذات ہیں۔ اگر اسمِ معرفہ بنائیں گے نا، الْاِنْسَانَ ہے ناں، "ال" عربی زبان میں جب لگتا ہے تو وہ معرفہ بن جاتا ہے۔ تو علی المرتضیٰ، یہ لقب انکو انسانوں نے نہیں دیا، اللہ نے دیا ہے۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ-

[1] سورۃ التین:4

[1] انسانوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اپنی جان کا ہی سودا کر دیتے ہیں، تا کہ اللہ راضی ہو جائے۔ اسکی رضا کیلئے سب کچھ کرتے ہیں۔ اللہ کو راضی کرنے کی بات ہو رہی ہے اور علی ہے مرتضیٰ جنہوں نے اللہ کو راضی کر لیا ہے۔ اور ہماری خوش قسمتی بھی یہ ہے ناں کہ ہم شجرہ شریف میں مولا علی کے در سے ہو کر رسول اللہ تک جاتے ہیں۔ لیکن اس آیت میں جو خاص بات بیان کی گئی وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ اس میں خاص بات پتہ ہے کیا ہے؟ یہ لفظ آپ بھی استعمال کرتے ہیں لیکن مجھے نہیں پتہ آپ میں سے کسی کو اس کا معنیٰ بھی آتا ہے یا نہیں آتا۔ لفظ آپ بڑا استعمال کرتے ہیں کہ بندہ تو وہ ہوتا ہے جو وفادار ہو۔ بھائی بے وفا تو کسی کو بھی پسند نہیں ہے ناں۔ یہ مرتضیٰ کا لفظ اگر میں آپ تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ اب کسی کو پتہ ہے کہ وفا کسے کہتے ہیں؟ استعمال کرتے ہیں لیکن معنیٰ نہیں آتا۔ اصل میں یہ باوفا لوگوں کی بات ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرتے ہیں۔ اب میں اگر فلسفہ کی تعریف کرونگا تو وہ ذرا مشکل ہو جائے گی، سادہ کر کے آپکو عرض کرتا ہوں۔ محبوب کو چھوڑنے کا موقع ملے پر نہ چھوڑے، یہ وفا ہے۔ نہ خوف میں نہ لالچ میں۔ یہ ہے وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ خوف تھا جان جانے کا لیکن محبوب کو نہیں چھوڑا۔ اور جسکو محبوب چھوڑنے کا موقع ملے اور وہ چھوڑ جائے اسکو رضا نہیں ملتی۔ وہ مرتضیٰ نہیں ہوتا۔

اللہ راضی کن سے ہوتا ہے؟ جو وفا کرنیوالے ہوتے ہیں۔ بے وفاؤں سے تو آپ بھی راضی نہیں ہوتے۔ قرآنِ کریم نے ایک اور مثال دی، ہم چونکہ قرآنِ کریم کے طالب علم ہیں۔ اللہ فرماتا ہے دیکھو ایک موقع آیا حضرت یوسف علیہ السلام پر، بھائی، عورت اور مرد دونوں اکیلے ہوں اور عورت برائی کی دعوت بھی دے۔ موقع بھی ہو برائی کرنے کا، کیا کہا زلیخا نے قَالَتْ هَیْتَ لَكَؕ [2] یوسف میں نے سارا کام اس دن کیلئے کیا تھا، میری طرف مائل ہو جا۔ اب یہ قرآن کریم نے اسکو پورا بیان اس لیے کیا ہے کہ آپکو کوئی شک نہ رہے۔ دعوت دی گئی ناں اللہ کو چھوڑنے کی، برائی کی دعوت دی گئی لیکن یوسف علیہ السلام نے اللہ کو راضی کر لیا۔ بے وفائی نہیں کی اللہ سے۔ موقع ملے تو محبوب کو

[1] سورة البقرة:207

[2] سورة یوسف:23

نہ چھوڑنا۔ اپنے محبوب کیساتھ رہنا وفا ہے۔ تو یوسف علیہ السلام نے کہا قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ میں تو اپنے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ میں تو اپنے رب کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے رب کے دامن میں رہنا چاہتا ہوں، میں اپنے رب کو چھوڑ نہیں سکتا۔ کبھی ایسی وفا ہم نے بھی کی ہے؟ اسلیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سب سے بہترین ایمان کس کا ہے؟ بڑی معروف حدیث ہے۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ فرشتوں کا ایمان۔ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں کا کیسے بہترین ہو گیا وہ تو اللہ کو سنتے ہیں، اسکی تجلیوں کو دیکھتے ہیں، انہوں نے نہیں ماننا تو پھر کس نے ماننا۔ تو عرض کی یارسول اللہ ﷺ پھر نبیوں کا؟ فرمایا نبیوں کے پاس تو وحی آتی ہے، جبریل آتا ہے، القاء القلب ہوتا ہے، اگر انہوں نے بھی نہیں ماننا تو کس نے ماننا ہے؟ یارسول اللہ ﷺ پھر جھجھکتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا ایمان؟ فرمایا کہ تم تو میرے ہاتھ سے چاند کو ٹوٹتے ہوئے بھی دیکھتے ہو، تم تو پتھروں کو کلمہ پڑھتے دیکھتے ہو، درختوں کو چلتا دیکھتے ہو، تم نے بھی نہیں ماننا تو کس نے ماننا ہے؟ یارسول اللہ ﷺ پھر آپ فرمائیں۔ فرمایا وہ ہیں بڑے ایمان والے، جن تک میں نہیں پہنچوں گا، انہوں نے پتھروں کو کلمہ پڑھتے نہیں دیکھا ہو گا، انہوں نے سورج کو پلٹتے ہوئے نہیں دیکھا ہو گا، چاند کو دو ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھا ہو گا، بس میرا پیغام کسی معین الدین چشتی کے ذریعے ان تک پہنچا ہو گا اور وہ ایسے ایمان لائیں گے جیسے تم ایمان لائے ہو۔ پھر وہ میرے دین کی ایسے مدد کرینگے جیسے تم کرتے ہو۔ بڑی شان ہے اس دور کے ایمان والوں کی، کبھی غور کیا کریں[1]۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بس میرا پیغام کسی ولی کے ذریعے پہنچ جائے اور پھر وہ میرے ساتھ وہ وفا کریں جیسے تم کرتے ہو۔ بہترین ایمان والے وہ لوگ ہیں، انکا میں حوضِ کوثر پہ استقبال کرونگا۔ موقع ملے محبوب کو چھوڑنے کا لیکن نہ چھوڑے۔

آج بھی ہیں ناں، ہمارے نوجوان ایسے ہیں، نوجوان بچیاں ایسی ہیں کہ جب راستے پہ چلتے ہیں تو اللہ کا فرمان یاد آجائے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ[2] اے ایمان والو! اپنی نظریں نیچی کر لو اور اگر یہ فرمان یاد ہو اور اللہ کیلئے جو اپنی نگاہ نیچی کر لے تو وہی وفادار ہے۔ اللہ کی وفا۔ کوئی میری ماں بہن نقاب اس لیے کرتی ہے کہ میرا اللہ

[1] سلسلہ احادیث صحیحہ:3876

[2] سورۃ النور:30

راضی ہو جائے، دنیا ناراض ہوتی ہے تو ہو جائے۔ موقع ملے بھی تو وہ نہ چھوڑے اپنے رب کو۔ تو یہ کوئی ایک موقع نہیں ہوتا محبوب کو چھوڑنے کے شیطان نے بڑے وسوسے ڈالے ہوتے ہیں۔ کربلا میں بھی یہ کچھ ہوا تھا۔ کہتے ہیں نال حضرت عباس کی وفا، تو باقی جو اکہتر شہید ہوئے تھے وہ کوئی بے وفا تھے؟ وہ! سارے ہی وفادار تھے ناں، انکی وفا کی بات کیوں ہوتی ہے؟ باقیوں کو وہ موقع نہیں ملا تھا جو انکو ملا تھا۔ شِمر ماموں تھا ناں۔ اوہ! سرکار مولائے کائنات کے نکاح میں جب تک سیدہ فاطمہ رہیں تو اس وقت تک تو اللہ کا حکم تھا کہ آپ دوسری شادی نہیں کرسکتے، یہ پروٹوکول تھا سیدہ پاک کا۔ تو سیدہ پاک کے وصال کے بعد آپکی شادی حضرت امِ بنین سے ہوئی۔ یہ حضرت عباس کی والدہ ہیں حضرت امِ بنین اور شِمر انکا بھائی ہے۔ کربلا میں یہ عجیب واقع ہوا۔ وفادار تو سارے ہی تھے لیکن جس نے موقع پاکر بھی حسین کو نہ چھوڑا، یہ تھی بات اصل میں۔ تو عصر کا وقت تھا کہ حضرت امام عالی مقام ایک پتھر پہ تشریف فرما تھے، ہاتھ میں تلوار لیے ٹیک لگائے بیٹھے تھے تو شِمر نے دور سے آواز دی۔ امام نے فرمایا کہ عباس اپنے ماموں کی بات سنو کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے ابنِ زیاد سے ایک پروانہ لکھوالیا ہے کہ میرے جو بھانجے ہیں، یہ جو چار بھائی تھے، حضرت عباس کے تین بھائی اور بھی تھے جو کربلا میں شہید ہوئے کہ ان کیلئے امان لکھ دے کہ یہ کربلا میں شہید نہ کیے جائیں۔ انکو قتل نہ کیا جائے۔ تو حضرت عباس کوئی امام عالی مقام کو پوچھنے نہیں آئے تھے کہ یہ خط آیا ہے۔ وہیں پہ خط کو منہ پہ مارا تھا کہ تُو میری جان کو حسین کی جان سے افضل سمجھتا ہے۔ موقع ملے چھوڑنے کا لیکن نہ چھوڑے۔

چلو بچے بھی ہیں، انکو میں بتاؤں، کبھی میں جاتا ہوں ناں کسی کالج میں تو آجکل یہ بڑا رواج ہے، ظاہر ہے ہمارے ساتھ سارے ہی گفتگو کرتے ہیں، مجھے جی ایک لڑکی سے پیار ہو گیا، میں بے وفائی نہیں کرسکتا۔ اکثر آپ کو یہ سننے کو ملیگا کہ میں جی بے وفائی نہیں کرسکتا۔ تو میں ان بچوں سے بڑی معذرت کیساتھ جب یہ بات کرتا ہوں تو شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں بھائی بے وفائی کیوں نہیں کرسکتے۔ دیکھو جی میں نے زندگی نبھانے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ تم تو بے وفا ہو اور تم کہہ رہے ہو کہ میں وفا کر رہا ہوں۔ تو وہ بڑے حیران ہوتے کہ وہ کیسے تو میں کہتا ہوں کہ جو کسی لڑکی کیلئے ماں باپ کو چھوڑ دے وہی تو بے وفا ہوتا ہے۔ جس کو ماں باپ چھوڑنے کا

موقع ملا اور اس نے چھوڑ دیا وہی تو بے وفا ہے۔ اس سے بڑا بے وفا کون ہے کہ جو کسی کیلئے اپنا ماں باپ چھوڑ دے۔ کس طرف کو یہ قوم چل پڑی ہے؟ چاہیئے تو یہ تھا کہ تُو سب کو ٹھکرا کر، تو اپنے ماں باپ کیساتھ کھڑا ہوتا۔ اپنی ماں کی عزت کیساتھ کھڑا ہوتا، اپنے باپ کی عزت کیساتھ کھڑا ہوتا کہ تجھے کوئی وفادار کہتا۔ ماں باپ کو چھوڑنے کا نام وفاداری ہے؟ اس سے بڑا بے وفا کون ہوتا ہے؟ تو یہ میں نے آپکو مختلف مواقع بتائیں ہیں، کبھی شیطان بے حیائی کے ذریعے سے، کبھی جھوٹ کے ذریعے سے، کبھی فریب کے ذریعے سے بے وفائی کروانا چاہتا ہے۔ اچھا! اللہ تعالیٰ کو توبہ بھلا کیوں پسند ہے؟ آپکو پتہ ہے ناں بہترین انسان وہ ہے جو توبہ کرلیتا ہے۔ چھوڑ دیا ناں کسی وجہ سے اللہ کو، بری محفل میں بیٹھ گیا، نفس غالب آگیا، کوئی شیطانی وسوسہ آگیا لیکن جونہی اس محفل سے نکلا، جونہی نفس کا غلبہ کم ہوا تو پھر اپنے مالک کی طرف پلٹ آیا۔ تو جب وہ اپنے مالک کیطرف پلٹ آتا ہے ناں تو پھر وہ وفادار ہو جاتا ہے۔ اوہ! توبہ اصل میں بے وفائی سے ہے۔ کئی لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ توبہ، بھائی توبہ یہ تھی کہ تم نے اپنے مالک سے بے وفائی کی۔ وہ بے وفائی چھوڑ کر جب وفاداری میں آجاتے ہو تو توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

اللہ فرما رہا ہے تقویٰ اختیار کرو۔ تین درجے ہیں تقویٰ کے۔ سب سے پہلا درجہ جو ہے تقویٰ کا وہ ہے کفر اور شرک کو چھوڑنا۔ کفر بھی بے وفائی ہے اور شرک بھی اللہ سے بے وفائی ہے۔ اس درجے سے نکل گئے ہو تو دوسرا درجہ سئیات کا ہے، جھوٹ بولتا ہے انسان، بددیانتی کرتا ہے، سود لیتا ہے، بدزبانی کرتا ہے، یہ سئیات جتنی بھی ہیں۔ ان سے بچنا دوسرا درجہ ہے۔ اور تیسرا درجہ تقویٰ کا کہ شک والی چیزوں کو بھی چھوڑنا کہ جس میں شک ہو کہ بے وفائی ہو سکتی ہے۔ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ اس درجہ کے بعد انسان ولایت میں قدم رکھتا ہے۔ جب وہ شک والی چیزیں بھی چھوڑ دیتا ہے، مکروہات کو بھی چھوڑنا۔ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ اب وہ اس قابل ہوا ہے کہ کسی سچے کے پاس بیٹھ سکے۔ صادقین کا بھی پروٹوکول کوئی چھوٹا نہیں رکھا۔ یہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ صحابی کیا ہوتا ہے؟ سرکار عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ جسکو اللہ منتخب کرے کہ یہ اس قابل ہے کہ میرے نبی کی بارگاہ میں بیٹھ سکے۔ ہر کوئی اس قابل ہے کہ اسکے محبوب کی بارگاہ میں بیٹھ سکے؟ جنکا اللہ انتخاب کرے

کہ یہ اس قابل ہیں کہ میرے محبوب کی بارگاہ میں بیٹھ سکیں۔ اللہ نے تو اس امت کے صادقین کا یہ پروٹوکول رکھا ہے کہ ایمان اور تقویٰ کے بعد اس قابل ہو گے کہ سچوں کے پاس بیٹھ سکو۔

آپ اپنے والدین کا احترام کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ اللہ کا حکم ہے، اللہ سے بے وفائی نہ ہو جائے۔ نبی پاک ﷺ کو راضی کرنا ہے۔ والدین کو راضی کرنا ہے، اساتذہ کو راضی کرنا ہے۔ یہ ساری رضا کس لیے کہ اللہ راضی ہو جائے اور نافرمانوں سے اللہ راضی نہیں ہوتا۔ مت تعریف کیا کرو کہ فلاں بندے کی اتنی کوٹھیاں ہیں، اتنی دولت آگئی، فلاں منصب آگیا۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نافرمانوں سے راضی نہیں ہوتے۔ اور یہ اسکا جو اگلا درجہ ہے، جب آپ رضا کی منزل پہ چلے جاتے ہیں۔ یہ بات میں علماء میں کرتا ہوں، عام محفلوں میں نہیں کرتا لیکن چونکہ آپکو ذوق ہوتا ہے۔ جب انسان رضا کی منزل پہ چلا جاتا ہے یعنی وفا کی منزل پہ کہ میں نے اب اپنے اللہ سے بے وفائی نہیں کرنی۔ مجھے جتنے جی چاہیں مواقع ملیں میں نے ہر موقع کو ٹھکرانا ہے۔ میں نے اپنے اللہ کیساتھ رہنا ہے۔ تو اسکے لئے حکم یہ ہے کہ اس کی اس کائنات میں پھر کسی سے دشمنی نہیں ہوگی۔ یہ جو ہے ناں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ جو سچوں کے پاس بیٹھتے ہیں وہ کسی کے دشمن نہیں ہوتے۔ مومن کی یہی نشانی ہے ناں کہ جب بولتا ہے تو کسی کے فائدے کیلئے بولتا ہے، ورنہ خاموش رہتا ہے۔ تو یہ میں علماء سے کہتا ہوں کہ دین اس لیے آگے نہیں بڑھ سکا کہ علماء نے لوگوں کو یہ بتایا کہ ہماری عیسائیوں سے دشمنی ہے، یہودیوں سے دشمنی ہے، ہندوؤں سے دشمنی ہے۔ تو جب ہم کسی کو دشمن سمجھیں گے تو اسکی خیر خواہی کیسے کرینگے۔ اسلام میں اسی لیے جنگ کا تصور نہیں ہے، جہاد کا تصور ہے۔ اسلام کبھی بھی جنگ کی بات نہیں کرتا کیونکہ جنگ میں آپ کسی علاقے پر قبضہ کرتے ہیں، کسی کے مال و متاع پر قبضہ کرتے ہیں، لوگوں کی قتل و غارت کرتے ہیں۔ اسلام کبھی بھی جنگ کی بات نہیں کرتا اسلام جہاد کی بات کرتا ہے۔ چلو یہ بھی چھوڑیں، آپ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ شیعہ ہے، یہ بھی ہمارا دشمن ہے، دیوبندی ہے تو دشمن ہے، بریلوی ہے تو دشمن ہے، تو جب تمہارے ذہن میں دشمنی ہے تو تم کیسے کسی کی اصلاح کروگے؟ کیسے کسی کی خیر خواہی چاہو گے؟ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ پھر میں انکو مثال دیتا ہوں کہ علی مرتضیٰ ہیں ناں۔ بھائی یہ قرآن نے انکو کہا ہے، میری تمہاری بات نہیں ہے۔ مرتضیٰ ہیں ناں علی، علی المرتضیٰ، پھر خیر خواہی کا لیول کیا ہے؟ خیر خواہی کا لیول یہ ہے

کہ جس شخص نے قتل کیا ہے، جس نے وار کیا ہے، سر پہ تلوار ماری، جب یہ کہا گیا ناں کہ حکیم علاج کرلے گا تو ابن ملجم نے کہا کہ میں نے تلوار میں اتنا زہر بھرا ہوا ہے کہ پورا کوفہ شہر اس سے مر سکتا ہے، بچنے والی اب بات کوئی نہیں ہے۔ تو مولا نے کیا فرمایا اس کو؟ فرمایا کہ پہلے میرے قاتل کو دودھ پلاؤ پھر مجھے پلانا۔ حکیم نے کہا تھا ناں کہ دودھ پلاؤ زہر کا اثر کم ہو۔ تو جو اسکی رضا والے ہوتے ہیں پھر وہ اسکی مخلوق کے دشمن نہیں ہوتے۔ جو اسکی مخلوق کے دشمن ہوں وہ اسکے وفادار نہیں ہیں۔ مومن تو کسی سے غصہ بھی کرتا ہے تو اسکے فائدے کیلئے کرتا ہے۔ مومن کے ماتھے پہ سلوٹ بھی آتی ہے تو کسی کے فائدے کیلئے۔ ڈاکو کا خنجر اور ہوتا ہے، ڈاکٹر کا نشتر اور ہوتا ہے۔ دونوں ہی پیٹ پھاڑتے ہیں ناں ڈاکو بھی پیٹ ہی پھاڑتا اور ڈاکٹر بھی نشتر کیساتھ پیٹ ہی پھاڑتا۔ لیکن بڑا فرق ہے دونوں میں۔ دیکھئے حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے کیا آکر یہ بتایا تھا کہ یہ ہندو ہمارے دشمن ہیں؟ اوہ نہیں بھائی! ہم نے انکی خیر خواہی کرنی ہے۔ بابا فرید نے کیا کہا تھا کہ یہ اجودھن کے ہندو ہمارے دشمن ہیں؟ کیوں؟ وہ جس رحمت اللعالمین کی بارگاہ سے فیض لیتے ہیں وہ رحمت اللعالمین ہے اور عالمین میں تو پھر سارے ہی رہتے ہیں۔ سب کی خیر خواہی، ہمدردی کہ اگر کوئی جھوٹ بولتا ہے تو جھوٹ سے باز آجائے، اگر کوئی بد دیانتی کرتا ہے تو بد دیانتی سے باز آجائے، اسکی آخرت بچ جائے، کوئی سود خور ہے تو اس سے بچ جائے، ماں باپ کا نافرمان ہے تو اس سے بچ جائے۔ تو یہ فرق ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرتے ہیں۔ وہ کبھی بھی کسی کا بُرا نہیں سوچتے، کسی پہ الزام نہیں لگاتے۔ میرے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی، آج بھی ہمارے گاؤں میں جاکر دیکھ لیں۔ ایک شادی پہ میں گیا اور بچی کو پیار کوئی ہزار روپیہ میں دینے لگا تو اس شخص نے ایک جملہ کہا، اس نے کہا کہ یہ میری تیسری بیٹی ہے جسکی شادی حضرت صاحب کر رہے ہیں۔ اور یہ پانی تک کا انتظام انہوں نے کیا ہوا تھا اور کسی کو پتہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ دکھاوے کیلئے تو نہیں۔ کیونکہ یہ بڑا جرم ہے اگر کوئی کام آپ دکھاوے کیلئے کرتے ہیں۔ اس سے بڑا جرم اور کوئی نہیں۔

تو دنیا میں اللہ نے جتنی مہلت دی ہوئی ہے ناں، اس مہلت میں تو اللہ کمی نہیں کریگا۔ فرعون کو چالیس سال مہلت دی تو پوری کی، اس نے بچے ذبح کیے، اس نے حضرت آسیہ کیساتھ، جو جی چاہا اس نے کیا، جتنی اللہ

مہلت دیتا ہے وہ پوری کرتا ہے۔اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا[1] وہ کفر کریں یا شکر کریں، مہلت تو پوری کرنی ہے۔ لیکن آخرت میں وہ نہیں چھوڑے گا تمہیں۔ آخرت میں پھر ایک ایک چیز کا حساب دینا ہے۔ اچھا پھر آپ کہیں گے کہ اتنا اتنا ظلم ہوتا ہے، یہ صحابہ نے بھی کہا تھا، یقین جانیے یہ کہہ دینا بہت آسان ہے، حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو باندھ کر جب کوئلوں پہ لٹایا گیا اور وہ آپ کا گوشت اور چربی پگل کر وہ کوئلے بجھے تھے، یہ کہہ دینا بہت آسان ہے، یہ صبر کا پہاڑ بھی گر پڑتا ایسے موقعوں پہ، لیکن نہیں چھوڑا اللہ کے محبوب کو۔ ان وفاداروں کی بات، سرکار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی ڈال کے کھینچا جا رہا ہے بازاروں میں لیکن نہیں چھوڑا اپنے محبوب کو۔ کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ظلم کرتے ہیں لوگ، انکو اللہ کیوں نہیں پکڑتا؟ انکو فوری طور پہ سزا کیوں نہیں ہوتی؟ بھائی، تو سورۃ مزمل میں فرمایا وَ مَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا[2]۔ انکو تھوڑی سی مہلت دو۔ اب ذرا آیئے اِدھر اللہ نے فرمایاوَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّىۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا[3] کہ اگر اللہ یہ قانون بنا دیتا، ہمارے ذہنوں میں بھی آتا ہے ناں کہ اگر یہ بندہ اتنا ظالم ہے تو اسکو اللہ پکڑتا کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ مواخذہ کرنا شروع کر دے کہ اِدھر بندے نے گناہ کیا اور اُدھر اللہ پکڑ لے۔ یہ آیت بڑی سخت ہے۔ فرمایا کہ پھر تم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔ اگر یہ قانون بن جائے تو پھر اس زمین پہ چلنے پھرنے والا کوئی نہیں بچے گا۔ کس سے غلطی نہیں ہوتی؟ کس سے گناہ نہیں ہوتا؟ اللہ نے یہ رحمت کی ہے، صرف فرعون کو ہی مہلت نہیں دی ابوجہل کو ہی نہیں دی، تم کو بھی تو دی ہے۔ اور مہلت اس لیے دی ہے، مواخذہ فوری اس لیے نہیں کرتا، یہ اسکی رحمت کے خلاف تھا کہ اگر وہ فوری پکڑتا تو تم توبہ کس وقت کرتے۔ اگر فوری مواخذہ کر لے تو توبہ کا موقع پھر کہاں گیا۔ اوہ یہی تو اسکی رحمت تھی کہ اس نے تم سب کو موقع دیا ہے۔ ہر کسی کو دیا ہے۔ اپنے لیے تو تم کہتے ہو کہ توبہ کا موقع ملے اور دوسرے کیلئے کہتے ہو کہ فوری طور پر پکڑا جائے۔ نہیں یہ اس کی رحمت کے خلاف ہے۔ تو آگے پھر انسانوں کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں ناں کہ کچھ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے چالاک ہیں پکڑے نہیں جا رہے

---

[1] سورۃ الدھر:3

[2] سورۃ المزمل:11

[3] سورۃ فاطر:45

اور کچھ توبہ کر لیتے ہیں۔ کچھ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے تیز ہیں، اسی لیے تو اللہ نے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں بھی میں چھپا ہوا ہے ناں، تم نمازوں سے لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے، میں بتاؤں گا کہ تم دکھاوے کی پڑھا کرتے تھے۔ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے چُھپا ہے وہ میں ظاہر کر دوں گا قیامت والے دن۔ اس لیے اسکو بھی رحمت سمجھا کریں، اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کو توبہ کا موقع دیا ہے، پلٹنے کا موقع دیا گیا ہے۔ تو مہلت جتنی ہے وہ سب نے گزارنی ہے۔ یہ ذہن میں رکھنا کہ اگر اللہ کے ولی کیساتھ تمہارا تعلق ہے، صادقین کیساتھ تمہارا تعلق ہے، اسکی نشانی ہے کہ اب دل میں کسی کی دشمنی نہیں ہو گی۔ کسی کیلیئے بھی دشمنی نہیں ہو گی تو یہ مرتضیٰ نے کر کے دکھایا ہے کہ قاتل بھی ہو گا تو اسکے لیے بھی رحم دلی ہو گی۔ قاتل کیلیئے بھی دودھ اسکو پہلے پلائیں اور کبھی یقین جانیے ان بزرگانِ دین کو جب ہم دیکھتے ہیں۔ میرے حضرت صاحب قبلہ کے خلاف بھی لوگ سازشیں، باتیں اور پتہ نہیں کیا کچھ بنایا کرتے تھے۔ لیکن حضرت صاحب قبلہ بھی ہر کسی کی خیر خواہی کرتے تھے، ہر کسی کیساتھ ہمدردی رکھتے تھے۔ ہوتا ہے، ہمارے اوپر زیادہ اب فریضہ ہے، اگر کوئی ایسی بات کرے تو اسکی ہدایت کیلیئے دعا کریں۔ اور اگر ایمان تھوڑا سا بھی ہو گا، وہ جو میں نے بات کی ہے کہ اگر شیطانی وسوسہ کی وجہ سے، کسی بُرے انسان کیساتھ بیٹھنے کیوجہ سے اگر آپ راہِ راست سے ہٹ بھی جائیں گے تو ایمان آپکو پھر محبوب تک لے آئے گا۔ ایمان کا فائدہ یہ ہوتا ہے۔ ایمان پلٹا لائے گا آپکو۔

میں ایک واقعہ آپکو پچھلے دنوں کا بتاتا ہوں، حسیب صاحب میرے ساتھ ہی تھے، ہم فاتحہ پڑھنے کنجروڑ گئے، آپکے پیر بھائی، بڑے پرانے پیر بھائی عالم قصائی صاحب، تو اپنے وصال سے ناں چند دن پہلے مجھے فون کیا انہوں نے، بیٹے تو انکے آتے ہیں ملنے کیلیئے، پوتے بھی آتے ہیں، تو وہ کچھ سال دو سال غیر حاضر رہے۔ تو فون کیا تو کہا کہ پہچانا، میں نے کہا نہیں میں نے تو نہیں پہچانا، میں عالم قصائی کنجروڑ سے۔ آپ نے گاڑی بیچ کر پیسے دیے تھے؟ یہ انہوں نے کہا۔ اسّی سال کا بوڑھا آدمی مجھ سے یہ سوال کر رہا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں جی میں نے اپنے سارے بہن بھائیوں کو پیسے دیے تھے۔ واقعی دیے تھے؟ میں نے کہا ہاں میرا کوئی بہن بھائی اس بات سے انکار نہیں کرتا اور میں نے یہ بات حضرت صاحب کے عرس کے موقع پہ بھی کی تھی۔ وہ شخص آہیں اور سسکیاں لینے لگ گیا، اس نے کہا کہ مجھے تو ایک شخص نے کہا کہ حافظ صاحب گاڑی بیچ کر پیسے ہی کھا گئے ہیں۔ اب دیکھیئے اس بدبخت انسان کو، اس کو

یہ نہیں پتہ کہ جو کسی ایک برائی کا آغاز کرتا ہے، جب تک لوگ اس برائی پر عمل کرتے رہیں گے ان سب لوگوں کا عذاب اسکو ہو گا۔ اب دیکھئے جو بات میں آپکو بتانے لگا ہوں، قابیل نے حضرتِ ہابیل کا پہلا قتل جو کیا تھا، یہ چھٹے پارے میں جو ہے۔ اب قیامت تک جتنے بھی قتل ہونگے، نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ قاتل کو بھی گناہ ہو گا اور اس میں سے قابیل کو سب کے برابر گناہ ہو گا[1]۔ یعنی جو کسی برائی کا آغاز کرتا ہے، جبتک لوگ اس برائی پہ عمل کرتے ہیں اسکو وہ اجر ملتا رہتا ہے۔ اسی طرح جو کسی نیکی کا آغاز کرتا ہے، جبتک وہ نیکی چلتی رہتی ہے اسکو بھی ثواب ملتا رہتا ہے۔ اب میں نے ان پہ کوئی غصہ نہیں کیا کہ میرے اوپر آپ الزام لگا رہے ہیں، تہمت لگا رہے ہیں۔ اور تہمت آپکو پتہ ہے، بدکاری کے برابر گناہ ہے۔ دوسرا سوال انہوں نے کیا، کہنے لگے کہ آپ لوگوں کو ننگل شریف جانے سے روکتے ہیں؟ میں نے پھر بھی غصہ نہیں کیا کیونکہ میں صادقین کے پاس بیٹھتا تھا۔ میں نے کہا باباجی میں 1980 میں پہلی دفعہ آپکے پاس تراویح پڑھانے کیلیئے، کنجروڑ میں نے آٹھ مصلّے سنائے ہیں، آٹھ سال میں نے وہاں تراویح پڑھائی ہے۔ چھٹی کلاس میں، میں پڑھتا تھا اور انہی باباجی کے پاس رہا کرتا تھا۔ تو میں نے کہا کہ میرا بچپن سے آپکے ساتھ تعلق ہے۔ میں نے آپکو منع کیا ہے؟ سب سے پہلا تعلق تو میرا آپکے ساتھ ہی تھا تو میں نے آپ کو منع کیا؟ تو باباجی زاروقطار رونے لگ گئے۔ کہنے لگے کہ میں نے اس طرف تو دھیان ہی نہیں دیا۔ اب ان بدبختوں کو بتاؤں گا کہ اگر وہ منع کرتے تو سب سے پہلے مجھے منع کرتے۔ تو میرے لیے یہی تھا کہ اس کو فوت ہونے سے پہلے توبہ نصیب ہو جائے اگر اسکے دل میں مُرشد کی سچی محبت تھی، دل میں ایمان تھا تو چلو مرنے سے پہلے۔ تو اگر ایمان ہو گا، یہ مثال میں نے اس لیے دی تھی کہ اگر دل میں ایمان ہو گا تو کوئی بدبخت انسان مل بھی جائے تو توبہ کیطرف پلٹ ضرور آئیں گے۔

ایک دفعہ میں ایک جگہ پہ تھا، وہاں ایک عالمِ دین بڑے فلسفہ کی گفتگو کر رہے تھے، انہوں نے ایک جملہ کہا، بزرگ آدمی تھے، کہنے لگے کہ طوفانوں کا مقابلہ تو طوفانوں سے ہی ہوتا ہے۔ لوگوں نے بڑی تالیاں بجائیں ہال میں، جی کیا بات ہے۔ انہوں نے کہا کہ طوفانوں کا مقابلہ طوفانوں سے ہی ہوتا ہے، کمزوری سے نہیں ہوتا۔ تو میں

---

[1] صحیح بخاری:3335

نے ان سے کہا کہ آپ نے مہمل جملہ کہہ کر لوگوں کو راہِ راست سے ہٹا دیا ہے۔ یہ سب سمجھتے ہیں کہ قتل کا مقابلہ قتل سے کرینگے یعنی طوفان کا مقابلہ طوفان سے کرینگے، برائی کا مقابلہ برائی سے کرینگے۔ میں نے کہا کہ یہ جملہ صحیح ہے کہ طوفانوں کا مقابلہ طوفانوں سے ہی ہوتا ہے لیکن قرآن کہتا ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ[1] برائی کے طوفان کا مقابلہ نیکی کے طوفان سے ہی کر۔ نفرت کے طوفان کا مقابلہ محبت کے طوفان سے کر۔ جیسے میرے امامِ عالی مقام نے کربلا کے میدان میں ظلم کے طوفان کا مقابلہ صبر کے طوفان کیساتھ کیا تھا۔ ہے طوفانوں کا مقابلہ طوفانوں کیساتھ ہی لیکن کبھی بھی برائی کا مقابلہ برائی سے نہیں کرنا۔ سب کیلئے ہدایت کی دعا مانگنی ہے۔ اب پتہ چلا نا کہ صادقین کیساتھ اگر رہنا ہے تو پھر ہماری کسی کیساتھ دشمنی نہیں۔ پھر ہم سب کی خیر خواہی چاہیں گے ورنہ رحمت اللعالمین بھی کہتے کہ سب کو مار دو ختم کر دو۔ تو کوشش کریں کہ اگر کوئی جھوٹ بولتا ہے تو جھوٹ سے باز آجائے، اگر کوئی سازش کرتا ہے تو سازش سے باز آجائے، غصہ بھی آئے تو اللہ کی رضا کیلئے آئے۔ جب بچہ آگ میں ہاتھ ڈالتا ہے تو ماں تھپڑ نفرت میں نہیں مارتی، محبت میں مارتی ہے، ہمدردی میں مارتی ہے۔ بھائی اس لیے اگر وفاداری کرنی ہے، اگر ایمان ہے تو وفاداری تو کرنی ہے، پھر بڑے لالچ بھی آئیں گے، وسوسے بھی آئیں گے لیکن اپنے اللہ سے طلب کرتے رہنا چاہیے تھا۔ نیکوں کا ساتھ، صادقین کیساتھ بیٹھنے کا اصل مقصد ہے بھی یہی کہ اگر بندہ کسی وجہ سے بے وفا ہو بھی گیا تو پھر وفادار ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

[1] سورۃ المومنون:96

19۔ یہ مصائب ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے

قرآن: وَ مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ (سورۃ الشوریٰ: 53)

ترجمہ: اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرمادیتا ہے۔

خاکہ: 1۔ یہ مصائب ہمارے ہاتھ کی کمائی ہیں۔

2۔ تم اپنے اعمال بدلو اللہ تمہارے حکمران بدل دے گا۔

3۔ سب سے گہرا اثر تمہاری نیت کا ہوتا ہے۔

4۔ انسانی فکر دو طرح کی ہے۔

5۔ اپنے قریبیوں کا خیال رکھو

6۔ خیر اور شر، دونوں میں ہی آزمائش ہے۔

7۔ اپنے آپکو قابل اعتبار بناؤ۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ تمہارے اوپر کوئی بھی مصیبت نازل نہیں ہوتی فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ بس وہ مصیبت اس لیے آتی ہے کہ وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ بہت سے گناہوں کو تو اللہ ویسے ہی معاف کر دیتا ہے، یہ اللہ کی بڑی مہربانی ہے۔ کثیر کو تو اللہ ویسے ہی معاف کر دیتا ہے۔ اب جو تھوڑے ہیں وہ کس قدر شدت والے ہونگے کہ انکی وجہ سے انسانوں پر مصائب نازل ہوتے ہیں۔ آجکل ہر بندہ ہی یہی رونا روتا ہے کہ بڑی پریشانیاں ہیں، مصائب ہیں۔ اس ملک میں ایسا پریشانیوں نے جنم لیا ہے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔ یہاں چونکہ سارے مسلمان تشریف فرما ہیں، غیر مسلمانوں سے تو چونکہ ہم ایمان کی بات نہیں کر سکتے، آپ کا تو دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ سے یہ سوال ضرور بنتا ہے کہ آپ کی زندگی میں کیا اہمیت ہے اللہ کی؟ کتنی وفا کی آپ نے اللہ سے؟ مسلمان پتہ ہے کسے کہتے ہیں؟ جو اپنی گردن اللہ کے سامنے جھکا دے۔ تو جسکو آپ دین اسلام کہتے ہیں اسکا مطلب ہے کہ میری زندگی میرے اللہ کی مرضی سے گزرے گی، یہ ہے دین اسلام، اور اگر میری زندگی میرے اللہ کے حکم کے مطابق نہیں گزر رہی تو میں دین اسلام میں نہیں ہوں، یہ دوٹوک بات ہے۔ یہ سوال اس دور میں بھی اٹھا کہ جب یہ مصائب ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے تو پھر یہ مصیبتیں نبیوں پر بھی کیوں نازل ہوتی ہیں۔ نبی پاک ﷺ سے بھی جب سوال ہوا کہ سب سے زیادہ مصائب کا سامنا کن لوگوں کو کرنا پڑتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کو۔ سب سے زیادہ آزمائشیں نبیوں پر آئیں۔ آپ ﷺ چونکہ امام الانبیاء ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو مصیبتیں میرے اوپر آئیں وہ کسی نبی پر بھی نہیں آئیں[1]۔ ابراہیمؑ کا تو قرآن نے کہہ دیا وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ[2] پھر فرمایا کہ جو نبیوں سے وابستہ لوگ ہوتے ہیں ان پر آزمائشیں آتی ہیں اور پھر جو ان اولیاء کیساتھ مومنین کامل ہوتے ہیں۔ یعنی نبیوں پر

---

[1] سنن دارمی کتاب الرقائق: 2/412، صحیح البخاری: 5648

[2] سورۃ البقرۃ: 124

آتی ہیں، ولیوں پر آتی ہیں اور جو ایمان میں کامل ہوتے ہیں ان پر آتی ہیں۔ تو ہم معصوم تو ہیں نہیں، نبی تو ہیں نہیں کہ ہمارے اوپر آزمائشیں آئیں، نہ ہمیں نبیوں کا وہ قرب حاصل ہے کہ ہمیں اللہ آزمائے اور نہ ہمارا ایمان اس کامل درجہ کا ہے کہ اللہ ہماری آزمائش کرے۔ اسلیے ہم اس آزمائش کے درجے میں نہیں ہیں۔ یہ اکثر جملہ سننے کو ملتا ہے کہ آزمائش آگئی، بھائی آزمائش نہیں ہے۔ جو دس روپے کیلئے جھوٹ بولے تو کیا اللہ اس کو آزمائے گا؟ تو اس آیت کا تعلق نہ تو انبیاء کیساتھ ہے، نہ انبیاء کیساتھ وابستہ لوگوں کیساتھ ہے اور نہ کامل ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ اس آیت کا تعلق ہمارے ساتھ ہے کہ ہمارے اوپر جتنی بھی مصیبتیں آتی ہیں وہ ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ سارے اعمال کی وجہ سے اللہ نے تمہارے اوپر مصیبتیں نہیں ڈالیں، کثیر تو اللہ نے ویسے ہی معاف فرما دیں۔

ایک اور بات سمجھ لیں کہ کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ نہیں ہے کہ اللہ نے یہ کائنات بنا کہ ظالموں کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنے اعمال بدلو، ہم تمہارے حکمران بدل دینگے۔ آپ تاریخ کا مطالعہ کرینگے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ قوموں کے جو عروج و زوال ہوتے ہیں وہ انکے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ یہ بھائی کسی دانشور کا قول نہیں، یہ اللہ کا کلام ہے کہ قوموں کے عروج و زوال انکے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنا کہ کسی نا کسی جگہ خدا ناشناسی جو ہے وہ سب سے بڑی وجہ ہے۔ خدا فراموشی سب سے بڑی وجہ ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں کتنے لمحات ہیں جو میں اللہ کی مرضی سے گزارتا ہوں۔ کئی دفعہ میں یہ بات کرتا ہوں کہ قیادت کیلئے اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کا معاملہ نہیں رکھا۔ غیر مسلم جو ہیں وہ قیادت کر رہے ہیں، مسلمانوں کے پاس قیادت نہیں ہے۔ انکے پاس تو ایمان نہیں ہے۔ لیکن یہ دو چیزیں بڑی اہم ہیں، جو قوم سچائی اور دیانتداری کو اپنائے گی اللہ تعالیٰ اُسے قیادت دے گا۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں سچی زندگی گزار رہا ہوں؟ کتنے لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ ایک پنکچر لگانے والے پہ کیا آپ اعتبار کر سکتے ہیں کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا کہ پنکچر دو نکل آئے ہیں یا تین نکل آئے ہیں؟ ایک فروٹ بیچنے والے پہ آپ اعتبار کر سکتے ہیں؟ ہمیں دیکھنا ہو گا اپنی زندگی کو۔ اور اس زندگی کا معاملہ یہ ہے کہ یہ ملتی صرف ایک دفعہ ہے۔ اور

بعد والی جو زندگی ہے اسکا دارومدار بھی اسی زندگی پر ہے۔ اسلیے ہمارے ہاں مرنے کا تصور نہیں بلکہ انتقال کا تصور ہے۔ ہم ایک جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہوتے ہیں۔ آج بھی مجھ سے جب کوئی پوچھتا ہے کہ ہماری قوم کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟ تو میں ان سے کہتا ہوں کہ بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کا قرآن کریم نے ذکر کیا لیکن ان پہ لعنت نہیں کی۔ لعنت کی ہے تو جھوٹ پہ کی ہے۔ اس قوم کا اصل معاملہ جھوٹ ہے۔ جس دن یہ قوم جھوٹ بولنا چھوڑ دیگی اس دن اس کے حکمران بدل جائیں گے۔ اب ذہنی معیار ہمارا یہ ہے کہ ہم کتنے فخر سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ہمارا وزیراعظم فلاں ملک سے امداد لینے گیا تو انہوں نے کہا کہ تم تو بھکاری ہو، ہم کتنی دیر تمہیں پیسے دیں۔ او بھائی! بے عزتی وزیراعظم کی نہیں ہوتی بلکہ اس قوم کی ہوتی ہے جسکا وہ وزیراعظم ہوتا ہے۔ کب تک ہماری یہ سوچ جو ہے اتنی چھوٹی رہے گی؟ کام کیا تھا ہمارا؟ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى[1] کتنے لوگ ہیں جسکا بیٹا چوری کرے تو وہ کہے کہ ٹھیک ہے اس نے چوری کی ہے تو اسکو سزا ملنی چاہیئے۔ یہ جو ہم بکواس کرتے ہیں ناں کہ فلاں وزیر بُرا ہے، فلاں جرنیل برا، فلاں صحافی برا، ہم کتنے اچھے ہیں؟ کتنے برُوں کا زندگی میں ہم ساتھ دیتے ہیں؟ کتنے ظالموں کیساتھ ہم کھڑے ہوئے ہیں؟

بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ کی شرح ایک اور بھی ہے۔ انسان کیا سمجھتا ہے کہ برف پر ہاتھ رکھے گا تو ٹھنڈک ملے گی۔ آگ پر ہاتھ رکھونگا تو وہ جلا دے گی۔ یہ اینٹ میرے سر پہ لگے گی تو خون بہے گا۔ یعنی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مادی چیزیں اثر رکھتی ہیں۔ ہمارے دین نے کہا تھا کہ سب سے گہرا اثر تمہاری نیت کا ہوتا ہے، تمہاری سوچ اور تمہاری فکر کا ہوتا ہے، تمہاری گفتگو کا اثر ہوتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ لفظوں سے کیا ہوتا ہے، اگر ہم جھوٹ بول لینگے، کسی پر تہمت لگا دینگے، غیبت کرلیں گے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، الفاظ ہی ہیں ناں۔ تو قرآن کہہ رہا ہے کہ نہیں صرف الفاظ نہیں ہیں، تمہارے اچھے الفاظ کا بھی اثر ہوتا ہے اور تمہارے بُرے الفاظ بھی اثر رکھتے ہیں۔ جب میرے پاک پیغمبر ﷺ سے پوچھا گیا مومنوں کی نشانی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن تو وہ ہوتا ہے جب بولتا ہے تو کسی کے

[1] سورۃ المائدہ:8

فائدے کیلئے بولتا ہے ورنہ خاموش رہتا ہے[1]۔ وہ غصہ بھی ہوتا ہے تو کسی کے فائدے کیلئے۔ مومن ہمیشہ فائدے کیلئے بولتا ہے، وہ کبھی نقصان کیلئے نہیں بولتا۔

قرآن نے جتنے انبیاء کرام کے قصے بیان کیے ہیں، جو بھی انبیاء پر آزمائشیں آئیں اور جن لوگوں نے بھی نبیوں کی مخالفت کی، نبی تو کسی کے دشمن نہیں تھے ناں۔ یہ میں خلاصہ بیان کرنے لگا ہوں۔ دو طرح کی انسانی فکریں ہیں، کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ اس زمین کے جتنے خزانے ہیں وہ میرے قبضے ہیں آجائیں، میرے پاس آجائیں، میرے بچوں اور رشتہ داروں کے پاس آجائیں۔ یہ ہے ایک انسانی فکر۔ دوسری فکر جو ہے وہ اللہ نے نبیوں کو دیکر بھیجا، وہ ہے لا الہ الا اللہ۔ اس کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ اس زمین پر جتنے خزانے ہیں، انکا مالک اللہ ہے۔ آپ فقیر کا کیا معنی کرتے ہیں، مفلس، نادار، جسکے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں۔ اور جب پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں ناں،الفقر فخری، فقر میرا فخر ہے۔الفقر منی، فقر مجھ میں سے ہے۔ اسکی تعریف کیا ہے کہ فقیر وہ ہوتا ہے جسکے پاس اپنی ملکیت بھی جو ہوتی ہے کلمہ پڑھنے کے بعد وہ اس سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اب میں مالک نہیں ہوں، میں نے کلمہ پڑھ لیا ہے، میرے پاس بھی جو کچھ ہے وہ میرے اللہ کا ہے۔ یہ ہے اصل لڑائی پہلے دن سے، سارے نبیوں کے ساتھ یہی بنیادی لڑائی رہی۔ وہ فرعون ہو، نمرود ہو، قوم عاد ہو، قوم ثمود ہو، قوم شعیب ہو، یہی لڑائی رہی۔ قوم شعیب نے تو ایک بڑی بات کہہ دی، اے شعیب علیہ السلام ! تیرے کہنے پہ ہم نماز تو پڑھتے ہیں اب تو ہمارے مالی معاملات میں بھی دخل دیگا۔ یہاں بھی آج آپ کو یہ فکر ملتی ہے ناں کہ نماز تو پڑھتے ہیں لیکن کاروبار ہم نے اپنی مرضی سے کرنا ہے۔ تو یہ دو نظریات ہیں جو شروع سے چلے آرہے ہیں۔ ایک وہ انسان جو زمین کے خزانوں پر قابض ہونا چاہتے ہیں، اور ایک اللہ کا نظریہ کہ اس زمین اور اسکے تمام خزانوں کا مالک اللہ ہے۔ جب زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہے تو اس زمین کے خزانوں پر سارے انسانوں کا حق ہے۔ یہ ہے توحید کا نظریہ۔ یہ ہے اس دنیا میں اصل لڑائی حق اور باطل کی۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ کوئی جرنیل ہو گا، کوئی سیاستدان ہو گا، کوئی پولیس والا، اے سی، ڈی سی ہو گا، وہ کوئی پیر اور مولوی بھی ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی نمازی بھی ہو سکتا۔ جس کی سوچ میں یہ

[1] صحیح البخاری:6475

آجائے کہ یہ سارے خزانوں پر میں قبضہ کرلوں، وہ پھر لوگوں کے حق مارتا ہے۔ یہ فکر کلمہ کے خلاف ہے۔ یہ جنگ ایسے ہی جاری ہے۔ ازل سے ہی یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک یہ دونوں طرح کے لوگ رہینگے اللہ پر ایمان لانے والے بھی اور اللہ کے مخالف بھی۔ اب چونکہ دنیا ایک Global Village بن گئی ہے تو ملک ایک دوسرے کے وسائل پر قبضہ کر رہے ہیں۔ اس کیلئے وہ پلان کرتے ہیں۔ اب ہم کیا کرتے ہیں، ہم نے علم تو حاصل نہیں کرنا، ہماری سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہم نے علم حاصل نہیں کرنا، جب ہر کام کیلئے ہم انکے محتاج ہیں تو ہم نے انکا کیا مقابلہ کرنا، انکو اس بات سے کیا لگے کہ نبی نور ہیں کہ بشر ہیں، تم ان جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہو، نبی کی بیوی کا ہار گم ہو گیا تھا تو نبی کو نہیں پتہ، بھائی لوگوں کو ان باتوں سے کوئی غرض نہیں، بات یہ ہے کہ تم دینے والے ہو یا لینے والے ہو۔ تو جب انسان کلمہ پر کھڑا ہوتا ہے تو اسکی یہ فکر ہونی چاہئے کہ میرے پاس جتنے خزانے ہیں اور اس زمین پر جتنے خزانے ہیں ان تمام خزانوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جب مالک اللہ ہے تو پھر اس کی ساری مخلوق کا حق ہے۔ یزید کے ساتھ امام عالی مقام کا جھگڑا کوئی نماز روزہ پہ تھا؟ سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، سرکار عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سرکار عثمان رضی اللہ عنہ اور سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دورِ خلافت میں خزانے عوام کیلئے تھے، اب وہ حکومت کے خزانے ایک خاندان کے پاس آگئے۔ یہ تھی بنیادی لڑائی کہ جب ایک خاندان کے پاس آئیں گے تو پھر عام مسلمانوں کا استحصال ہو گا۔ تو یہ سوچ اور فکر جہاں پر بھی آتی تو وہاں فساد پیدا ہوتا ہے۔

آجکل جو معاملہ ہے اس کے لیے میں ایک دو باتیں عرض کر دوں۔ ہمیں کیا کہا گیا ہے کہ ہم کم از کم ظلم کے ساتھ نفرت تو کریں ناں، دل سے بُرا تو جانیں ناں۔ ہمیں کب قرآن کہہ رہا ہے کہ تم بندوق اٹھاؤ اور جا کر فلاں کو ماردو اور فلاں کو ماردو۔ ایک ماحول تو پیدا کرو کہ اچھائی کیساتھ، نیکی کیساتھ، تقویٰ کیساتھ محبت کرو اور چوروں ڈاکوؤں سے نفرت کرو۔ جو استحصال کرتے ہیں ان سے نفرت کرو۔ دل سے تو بُرا جانو۔ آج مجھے خیال آیا کہ جب پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ جب ہنڈیا پکاتے ہو تو اس میں تھوڑا پانی زیادہ ڈال لیا کرو اور اپنے ہمسائے کو بھی تھوڑا دے دیا کرو۔ جب تمہارے حکمران غاصب آجائیں تو تم جو کر سکتے ہو وہ تو کرو ناں۔ یہ ایک بات یاد رکھنا، قرآن کریم اس پہ بہت focus کرتا ہے، ہم تو کہہ دیتے ہیں ناں کہ یہ غریبوں کی مصیبت ہے، نہیں، جنکے پاس پیسے ہیں ناں

اصل آزمائش انکی ہے۔ اسلیے تین دفعہ فرمایا تھا، واللہ لا یو منو، واللہ لا یومنو، واللہ لا یومنو، اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں، اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں، اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں، صحابہ کے تو رونگھٹے کھڑے ہوگئے کہ پاک پیغمبر ﷺ نے جب تین دفعہ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ وہ ایمان والا نہیں ہے۔ یارسول اللہ ﷺ وہ بدبخت انسان کون ہے؟ فرمایا کہ جو خود تو پیٹ بھر کے سوئے اور اسکا ہمسایہ بھوکا سو جائے[1]۔ کیا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ ہر کوئی اپنے اپنے ہمسائے کا ہی خیال رکھ لے۔ اپنے اپنے قریبیوں کا خیال رکھ لے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے بندے کو بڑے حق دیے ہیں لیکن یہ حق نہیں دیا کہ وہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا کر خود کو ذلیل اور رُسوا کرے۔ یہ اللہ نے بندہ مومن کو حق نہیں دیا۔ اُسے کہا ہے کہ محنت کر، جتنی کوشش ہو سکتی ہے کر اور پھر عزت کیساتھ اپنے گھر بیٹھ حضرت صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا اگر میرا کوئی ملازم ہو اور وہ کسی اور کے سامنے جا کر ہاتھ پھیلائے تو میں برداشت کرونگا؟ بندہ دعویٰ کرے کہ اللہ میرا مالک ہے اور خود بھی رُسوا ہو اور اپنے مالک کو بھی بے عزت کروائے۔ ایک تو اپنی گردن اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکانی اور ایک اپنا ہاتھ اللہ کے علاوہ کسی کے آگے نہیں پھیلانا۔ یہ غیرت سکھائی کہ محنت مزدوری کر اور پھر عزت کیساتھ گھر بیٹھ جا۔ امیر کو دربدر کیا ہے، غریب کو عزت دیکر گھر بٹھایا ہے۔ اسلیے آزمائش غریبوں کی نہیں ہے بلکہ امیروں کی ہے۔ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، یہ اللہ کا قرآن ہے وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ[2]، اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پہ رزق میں فضیلت دی ہے۔ پھر فرمایا فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ[1] جنکو رزق میں فضیلت دی ہے وہ لوٹا دیں رزق، یہ نہیں فرمایا کہ دے دو حالانکہ دینے والی بھی آیات ہیں لیکن یہاں خصوصی طور پر فرمایا بِرَآدِّيْ لوٹا دو، رِزْقِهِمْ انکا رزق، جنکے پاس نہیں ہے ان کا رزق ان کی طرف لوٹا دو۔ یہ انکا تھا جو تمہیں دے دیا گیا ہے آزمائش کیلئے۔

ایک بات اور میں عرض کر دوں، اللہ فرماتا ہے وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً[3] اللہ فرماتا ہے کہ تمہیں خیر ملے یا شر ملے، دونوں میں تمہارے لیے آزمائش ہے۔ یہ قرآن کریم کی آیات سیکھ کر جانا۔ اگر بڑے پیسے مل گئے ہیں تو

[1] مشکوۃ المصابیح:4991

[2] سورۃ النحل:71

[3] سورۃ الانبیاء:35

خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ آزمائش ہے تیری۔ نعمتیں ملتی ہیں تو دیکھ کہ تو آزمائش پہ پورا اُترتا ہے کہ نہیں۔ ایک بات میں نے پڑھی تھی کہ یہ جو حرام جانور ہوتے ہیں ناں جیسے کتیا، گدھی وغیرہ انکے نیچے اتناہی دودھ ہوتا ہے جتنا انکے بچے پی لیتے ہیں۔ زیادہ نہیں ہوتا۔ لیکن بھینس کے نیچے اسکا بچہ دودھ پی بھی لے ناں تو کچھ دودھ بچ جاتا ہے۔ بکری کے نیچے بچ جاتا ہے۔ گائے کے نیچے بچ جاتا ہے۔ تو وہ جو بچ گیا ہے ناں وہ تیرا نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ۬ قُلِ الْعَفْوَ[1]۔ اے پیغمبرؐ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، ان سے فرمادو کہ جو بچ جائے، جو تیری ضرورت سے زیادہ ہے وہ تیرا نہیں ہے۔ اب حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ صرف حکمرانوں کو گالیاں نہ دیں۔ میں تو عمل پر یقین رکھتا ہوں۔ میرے پیغمبر ﷺ نے جو کچھ کہا ہم اس پر عمل کر کے اپنا معاشرہ ٹھیک کر سکتے ہیں۔ کیا ہم اپنے ہمسایوں کا خیال نہیں رکھ سکتے؟ کیا ہم اپنے اعزاء واقرباء کا خیال نہیں رکھ سکتے؟ اور سب سے بڑی بات، آج یہ مجھے بار بار خیال آیا کہ نبی پاک ﷺ مدینے میں مواخات کر رہے تھے، انصار کو مہاجرین کا بھائی بھائی بنا دیا، تو کیا یہ صرف اُسی وقت کے لیے تھا؟ کیا آج میں کسی کو اپنا بھائی نہیں بنا سکتا؟ تو گلے شکوے کرنے کی بجائے جتنا جس سے ہو سکے خیال رکھے اپنے قریبیوں کا۔ اور یہ بات ذہن میں رکھنی ہے کہ یہ مصیبتیں ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اللہ سے معافی مانگیں اور اللہ تعالیٰ کثیر گناہ تو ویسے ہی معاف فرما دیتا ہے۔ ہر گناہ پہ وہ پکڑ نہیں کرتا لیکن کم از کم اللہ سے بغاوت تو نہ کریں۔ جب آپ ظالموں کا ساتھ دیتے ہیں تو آپ اللہ سے بغاوت کرتے ہیں۔ جب آپ جھوٹ اور برائی کا ساتھ دیتے ہیں تو آپ اللہ سے بغاوت کرتے ہیں۔

تو انفرادی طور پہ بھی اپنے اعمال کی طرف توجہ دیں کہ کوئی اعتبار کر سکے۔ آپکو یاد ہو کہ جب امریکہ میں پولیس والوں سے ایک فلسطینی مارا گیا تھا تو بہت شور شرابہ ہوا، ہم نے بھی یہاں احتجاج کیا تھا، تو اس وقت امریکہ کی سڑکوں پر ایک عجیب منظر لوگوں نے دیکھا، ایک پولیس کا سپاہی سڑک پہ کھڑے ہو کر جب یہ احتجاج ہو رہا تھا تو وہ پولیس کا سپاہی جو کہ عیسائی تھا وہ کہہ رہا تھا کہ مسلمانوں کو نہ مارو، میرا ہمسایہ ایک مسلمان ہے اور میں اس سے بڑا خوش ہوں، مجھے کبھی اس نے تکلیف نہیں پہنچائی۔ کیا میں اتنا قابل اعتبار ہوں کہ کوئی کہہ سکے کہ یہ میرا ساتھی ہے،

[1] سورۃ البقرۃ:219

ہمسایہ ہے، گاہک ہے اور مجھے اس سے کوئی تکلیف نہیں۔ تو ایسے نہیں ہوتا کہ ہم جھوٹ اور بد دیانتی کیساتھ زندگی گزاریں اور پھر کہیں کہ اللہ کی رحمت ہم پر ہو، لعنت کا مطلب ہی یہی ہے کہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے۔ اس قوم کا اصل مسئلہ جھوٹ ہے۔ تو یہ ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ ہمیں توبہ کی ضرورت ہے، معاشرے کے ہر فرد کو توبہ کی ضرورت ہے۔ اور اسکا حل میں نے عرض کر دیا کہ بجائے ادھر اُدھر کی بحثیں کرنے کہ ہر کوئی جتنا کوئی کر سکتا ہے بوجھ اٹھائے ایک دوسرے کا، اللہ تعالیٰ دیکھیں کیسے برکتیں عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

20۔ ہر بدعت گمراہی ہے

خاکہ:
1) ماہِ ربیع الاول اور مسلمانوں کی بحثیں۔
2) بدعت کا مفہوم۔
3) کفار کا بدعت کا استعمال۔
4) بدعت کے متعلق دو نظریات۔
5) مخالف کو دلیل اُسکی کتاب سے دو۔
6) اسلام کے خلاف سازش۔
7) اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بحث۔
8) علم فتویٰ لگانے سے نہیں رکتا۔
9) بدعت کیلئے بہترین اصول۔
10) بدعت اور سالگرہ منانا۔
11) اپنی اولاد کو جدید علوم سکھاؤ۔
12) مقصود صرف اللہ کی ذات ہے۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

ماہِ ربیع الاول اپنے تمام تر انوار و تجلیات کے ساتھ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ پھر عطا فرمایا۔ ہر کوئی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس سے استفادہ کرتا ہے۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جونہی اس ماہِ مبارک کا چاند طلوع ہوتا ہے تو مسلمانوں میں ایک بحث شروع ہو جاتی ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی آمد پر ہمیں خوشی کا اظہار کرنا چاہئے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، صحابہ کرام نے میلاد نہیں منایا تو ہمیں بھی نہیں منانا چاہئے۔ تو ہمارے لوگ انہی دو سوالات میں ایک دوسرے کو ہرانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور کچھ لوگ منوانے کی کوشش میں ہوتے ہیں تو یہ ہیں ہماری آجکل کی مصروفیات۔ جب بھی اس طرح کی بحث ہو رہی ہو تو میں دونوں فریقوں سے یہ کہتا ہوں کہ آج تک آپ نے ان بحثوں سے حاصل کیا کیا ہے؟ مثلاً جونہی رمضان المبارک کا چاند طلوع ہوتا ہے تو یہ بحث شروع ہو جاتی ہے کہ تراویح آٹھ ہیں کہ بیس ہیں۔ کیا آج تک اس بحث سے آپ نے بیس والوں کو منالیا یا آٹھ والوں کو منالیا؟ کیا ہمارے پاس کرنے کا کوئی اور کام نہیں رہ گیا؟ تو میں تو ان فریقوں سے یہ کہتا ہوں کہ جب ان بحثوں سے حاصل کچھ نہیں ہوا آج تک، تو تم اپنے اپنے علم میں اضافہ کرلو۔ بجائے لڑائی کرنے کے آٹھ والے بیس والوں سے اپنے علم میں اضافہ کرلیں اور بیس والے آٹھ والوں سے اپنے علم میں اضافہ کرلیں۔ تو جب دونوں فریق اپنے علم میں اضافہ کرینگے تو اس کی روشنی میں یہ مسائل حل ہونگے۔ لیکن اگر یہ صرف ضد کا معاملہ ہے تو صدیاں ہوگئی ہیں ان باتوں پہ لڑتے ہوئے، کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اب تو ہمارا مذاق اڑایا جاتا ہے کہ جو قوم چودہ سو سال میں یہ فیصلہ نہیں کرسکی کہ تراویح آٹھ ہیں یا بیس ہیں وہ لوگوں کی کیا رہنمائی کریگی؟ تو علم میں اگر اضافہ ہو جائے، معلومات میں اضافہ ہو جائے تو اس سے مسائل حل ہوتے ہیں۔

بدعت کیا ہے؟ نبی پاک ﷺ کی حدیث جو میں ہر خطبہ جمعہ میں پڑھتا ہوں، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جاتی ہے۔ جب آپ کسی کو کہہ رہے ہوتے ہیں ناں کہ یہ بدعتی ہے تو اصل میں آپ اسکو

جہنمی کہہ رہے ہوتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بڑا سخت حکم ہے اور میں ہر خطبہ میں اسکو پڑھتا ہوں۔ اب یہاں سے یہ بحث شروع ہوتی ہے کہ بدعت کا لفظی معنی کیا ہے؟ بدعت کا معنی ہے نئی چیز، جسکی پہلے کوئی مثال موجود نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا جو نام ہے بدیع، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بدیع۔بديع السماوات والارض، آسمانوں اور زمین کا نئے سرے سے تخلیق کرنے والا صرف اللہ ہے۔ تو یہ بدیع ، اللہ کا صفاتی نام ہے۔ اس کا اصطلاحی معنی کیا ہے؟ شریعت محمدی ﷺ کے اندر وہ نیا کام جسکی پہلے مثال موجود نہ ہو۔ تو بدعت کہتے ہی اُسے ہیں جسکی پہلے مثال موجود نہ ہو۔ مثلاً جب اللہ نے زمین بنائی تو اسکی پہلے مثال موجود نہ تھی کہ اللہ نے اس کو دیکھ کر زمین بنائی۔ اللہ نے آسمان بنایا تو اللہ بدیع ہے، جسکی کوئی مثال نہیں ہوتی اللہ وہ تخلیق کرتا ہے۔ اسلیے اللہ کو بدیع کہتے ہیں۔ اب اگر شریعت میں کوئی کام موجود نہیں تھا تو اسکا آغاز آپ کرتے ہیں تو اسکو بدعتی کہتے ہیں۔ اور پاک پیغمبر ﷺ کیا فرمارہے ہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جاتی ہے[1]۔ یہ کوئی مذاق نہیں ہے کہ میں اپنی مرضی کروں۔

اب اس topic کو مسلمانوں نے نہیں اتنا چھیڑا جتنا کفار نے چھیڑا اور مسلمانوں میں لڑائی جھگڑے کا باعث بنایا۔ چونکہ اہل علم کے ہاں یہ حدیث موجود ہے، وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں وہ بدعت کو گمراہی سمجھتے ہیں۔ اب یہاں پہ جو کفار نے سلسلہ شروع کیا، یہ تھی وہ بات جو مسلمانوں کی سمجھ میں نہ آئی۔ پچھلے دنوں وزارتِ خارجہ کے ایک افسر نے اخبار میں ایک کالم لکھا کہ میں جب برطانیہ گیا تو وہاں میرا ایک افسر نے استقبال کیا تو وہ اردو بہت اچھی بول رہا تھا۔ پھر اس نے پشاور اور نوشہرہ کے کچھ علاقوں کے لوگوں کے بارے میں پوچھا کہ فلاں کا کیا حال ہے اور فلاں کی سناؤ۔ تو میں بڑا حیران ہوا کہ یہ برطانیہ کا بندہ میرے علاقے کو اتنا قریب سے کیسے جانتا ہے۔ تو میں نے اس سے پوچھا کہ یار تم کیسے اتنا قریب سے نوشہرہ اور پشاور کو جانتے ہو تو اس نے کہا کہ میں بیس سال وہاں امامت کرواتا رہا ہوں۔ یہ چیزیں ایسے ہی نہیں ہمارے اندر پھیلیں۔ وہاں سے انکو پوری عربی کی تعلیم دی جاتی ہے، اصول فقہ کی، اصول حدیث کی اور پھر انکو خطیب کیلئے ہماری مساجد میں بھیج دیا جاتا ہے۔ پھر وہ وہاں

[1] مشکوٰۃ المصابیح:141، صحیح مسلم:2005، سنن ابن ماجہ:45

مناظرے کرواتے ہیں اور لڑائیاں جھگڑے کرواتے ہیں اور ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم اپنے علم میں اضافہ نہیں کرتے اور انکے trap میں آجاتے ہیں۔

اب ایک طبقہ ہے کہ جس نے کہا کہ حدیث میں ہے کہ وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ[1]، کہ ہر نیا کام دین میں بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں لے جاتی ہے۔ دوسرے طبقے نے کہا کہ بدعت کی دو اقسام ہیں، ایک بدعت سیئہ ہے اور دوسری بدعت حسنہ ہے۔ جو نیا کام بُرا ہے وہ تو گمراہی ہے اور جو نیا کام اچھا ہے اسکو شریعت قبول کرتی ہے، اسکی پھر وہ مثالیں دیتے ہیں۔ یہ جو تراویح باجماعت ادا کرتے ہیں، نبی پاک ﷺ نے تین دن جماعت کیساتھ پڑھائی پھر بعد میں کہا کہ اپنے اپنے گھر جا کر پڑھو، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جماعت کیساتھ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھی دور میں شروع میں باجماعت تراویح نہیں پڑھی جاتی تھی۔ ایک دن آپ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ تراویح علیحدہ علیحدہ پڑھ رہے ہیں تو انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انکو جماعت کرواؤ۔ تو وہاں بھی سوال اٹھا کہ یہ دین میں نیا کام ہے، یہ بدعت ہے، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں بدعت تو ہے لیکن بدعت حسنہ ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے دور میں جمعہ کی ایک اذان ہوتی تھی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی ایک ہی تھی لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جمعہ کی دو اذانیں شروع ہو گئیں۔ بہت سی مثالیں ہیں جو دوسرا گروہ دیتا ہے۔ میں اپنا نقطہ نظر آپکو بتاؤں، میں چونکہ یہ حدیث خطبہ جمعہ میں پڑھتا ہوں، میں بدعت کو بدعت ہی سمجھتا ہوں میں اسکی اقسام میں نہیں جاتا۔ اسلیے میں یہ حدیث خطبہ میں پڑھتا ہوں کہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں لے جاتی ہے۔

تو میں دونوں طبقات کا موقف آپکے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ میری یہ عادت نہیں ہے کہ صرف ایک طرف کی بات کروں۔ ویسے بھی ہمارے استاد فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا جب مخالف کو دلیل دینی ہو تو اسکی کتاب سے دینی ہے۔ بھائی ایک عیسائی اس قرآن کو مانتا ہی نہیں ہے تو آپ اسکو قرآن سے دلیل دینگے تو وہ کیا مانے گا۔ اسکو

---

[1] سنن نسائی:1579

دلیل دینی ہے تو اسکی بائبل سے دو۔ یہ اصول ہے گفتگو کا بھی۔ تو جب comparison کریں تو دونوں کا موقف سامنے رکھیں۔

اب یہ مولویوں نے الجھنیں جو ڈالی ہیں چونکہ انہوں نے اپنے فرقے میں رہنا ہوتا ہے۔ مولوی کو تو ہے کہ میں اس فرقہ کی بات کرونگا تو پھر ہی مجھے پیسے ملے گے، میں اگر اس فرقہ کی بات نہیں کرونگا تو میری توروزی بند ہو جائیگی۔ بڑا اعربی والوں کا ایک مقولہ ہے کہ جس نے رکوع روٹی کی خاطر کرنا ہو اور سجدہ درہم کی خاطر کرنا ہو وہ دین کیا بتائے گا لوگوں کو۔ جس بندے نے پیسے لیکر خطابت کرنی ہو وہ کیا دین پہنچائے گا لوگوں کو؟ میں یہ مولویوں سے سوال کرتا ہوں کہ کبھی تم نے بتایا ہو کہ آج جرمنی میں اسلام کے خلاف یہ رسالہ چھپا ہے یا فرانس میں مسلمانوں کے خلاف یہ سازش ہوئی ہے۔ کیا تم نے اپنی مساجد میں جو اسلام کے دشمن ہیں انکو بھی موضوعِ گفتگو بنایا ہے؟ تم نے مسلمانوں کو ہی ایک دوسرے کا دشمن بتایا ہے، اگر بریلوی ہے تو کہے گا کہ دیوبندی بُرے ہیں اور اگر دیوبندی ہے تو وہ کہے گا کہ بریلوی بُرے ہیں۔ تم نے تو یہ بتایا ہی نہیں کہ کفار ہمارے دشمن ہیں اور وہ ہمارے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ آجکل جو ہمارے نوجوان ہیں یورپ میں وہ ہم سے رابطہ کر رہے ہیں کہ یہ عیسائیوں کے missionaries ہیں وہ ہم سے ایک سوال رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تمہارا دین تو اس دور میں قابل عمل ہی نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تمہارے تو دین میں بدعتیں ہی اتنی آگئی ہیں کہ اصل دین تو ختم ہو گیا ہے تو اب یہ دین اس دور میں قابلِ عمل ہی نہیں رہا۔ نبی پاک ﷺ کے دور میں بینک نہیں تھے، اب اس معاشی نظام میں بینک آگئے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کے دور میں یہ مائیک نہیں تھا۔ نبی پاک ﷺ تو ہوائی جہاز پہ سفر نہیں کرتے تھے۔

مزے کی بات آپ کو بتاؤ کہ جب قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ ناراض ہو کر چلے گئے برطانیہ واپس تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملے، انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو تمہاری ضرورت ہے تو تم واپس آؤ۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اصل میں پہلے کانگریس میں تھے، 1913 میں انہوں نے مسلم لیگ join کی لیکن کانگریس کے ممبر وہ پھر بھی تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اکٹھا کر کے انگریزوں کے خلاف لیکر جانا چاہتے تھے۔ لیکن یہ کوشش انکی ناکام رہی تو وہ واپس چلے گئے۔ 1932 میں پھر علامہ اقبالؒ انکو ملے اور واپس آنے کا کہا تو قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے دو باتیں کہیں، انہوں نے کہا کہ میں چونکہ کانگریس میں زیادہ وقت رہا ہوں تو ہندوؤں پر تو

کسی مسلمان کو اعتبار نہیں کرنا چاہیئے، میں نے بڑا قریب سے انکو دیکھا ہے یہ کبھی بھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہوسکتے۔ لیکن مسلمانوں کے پاس میں کیسے چلا جاؤں؟ جو اپنے کمرے میں راز کی بات مسلمانوں سے کرتا ہوں وہ جو انگریز کا DC ہے شام تک وہ بات اسکے دفتر میں پہنچ گئی ہوتی ہے۔ تو میں کیا آکر کروں یہاں؟ ہندوؤں پر میں اعتبار نہیں کر سکتا کہ وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں اور میرے مسلمان انگریزوں کیساتھ ملے ہوئے ہیں۔ ایک اور بات جو آپ نے کہی، جو بات میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بتانا چاہتا تھا۔ اس دور میں فتویٰ یہ چل رہا تھا کہ کرسی میز پہ بیٹھ کے کھانا کھانا بدعت ہے۔ نبی پاک ﷺ کوئی کرسی میز پہ بیٹھ کے کھانا کھاتے تھے؟ یہ تھی بحثیں انکی اس دور میں۔ جو پینٹ کوٹ پہنے گا وہ عیسائی ہے۔ جو انگریزی تعلیم حاصل کریگا وہ عیسائی ہے۔ یہ ہیں ہمارے زوال کے اسباب۔ تو قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ جس قوم کے مولویوں نے انکو ان بحثوں میں الجھایا ہے کہ کرسی میز پہ کھانا کھانے سے کوئی عیسائی ہوجاتا ہے میں اس قوم کا کیا کروں؟ اب دیکھئے بدعت کو کہاں کہاں انہوں نے اچھالا اور لڑائی جھگڑے کروائے۔

1945 میں اس سپیکر کے خلاف حرام کا فتویٰ آیا کہ اس میں اذان دینا حرام ہے، اس میں جماعت کروانا حرام ہے۔ لیکن وہ بیوقوف یہ بات بھول گئے کہ علم کے اندر یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ فتویٰ سے نہیں رکتا۔ علم کا مقابلہ تو پھر علم سے ہی ہوتا ہے۔ میلاد شریف کی بات ہورہی ہے، لوگوں کو اتنا confuse کر دیا ہے اور اس stage پہ لاکر کھڑا کر دیا ہے کہ کفار یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہارے دین میں تو ساری بدعتیں ہیں، نبی پاک ﷺ کے دور میں تو یہ دین تھا ہی نہیں، اسلیے تمہارا دین ہے ہی گمراہی اور گمراہی کا راستہ چھوڑ دو۔ ایک فتویٰ اور اس میں آیا کہ چمچ کیساتھ جو کھانا کھاتا ہے وہ عیسائی ہے۔ چمچ کے ساتھ کھانا بھی بدعت ہے۔ دیکھئے کہاں تک انسانی ذہن کو الجھایا گیا۔ وہ تو بھلا کرے مولانا ستار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب چمچ کے متعلق سوال ہوا اور بتایا گیا کہ مولویوں نے تو اس کے خلاف فتویٰ دے دیا، تو انہوں نے فرمایا کہ بے وقوفو، یہ فتویٰ تب دینا تھا کہ جب حضور ﷺ کے دور میں چمچ ہوتا اور وہ استعمال نہ کرتے۔ تو اہل علم بھی اس دور میں موجود تھے لیکن انکی بات کون سنتا ہے بھائی۔ اگر نبی پاک ﷺ کے دور میں جہاز ہوتا اور وہ استعمال نہ کرتے تو پھر فتویٰ دیتے۔

یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ مجھے استاد اچھے ملے۔ میں نے جب ان سے بدعت کے متعلق بحث کی تو انہوں نے مجھے ایک اصول بتایا۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ علماء کی جس محفل میں بھی میں نے اس اصول کو بتایا ہے انکے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ اور یہ اصول آپکو بھی بتانا چاہتا ہوں تا کہ کوئی بھی دین کا دشمن آپ کا ذہن گندا نہ کر سکے اور یہ حدیث میں خطبہِ جمعہ میں پڑھتا ہی اسلیے ہوں کہ جو ہمارے ہاں بدعت کا تصور ہے تم تو وہاں پہنچ ہی نہیں سکتے۔ وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ[1] ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔ اب بدعت کیا ہو گی جو گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں لے جاتی ہے۔ اس حدیث پہ پورا یقین رکھنا ہے۔ اسکا معنیٰ ذہن میں رہے کہ دین میں نئی چیز جسکی پہلے کوئی مثال موجود نہ ہو۔ وہ اُصول جو میں نے آپکو بتانا تھا کہ بدعت دین میں ہر وہ نیا کام جو نبی پاک ﷺ کی کسی سنت سے ٹکراتا ہو، کسی سنت کی مخالفت کرتا ہو۔ اس لیے میں بدعت کی اقسام پہ بھی نہیں جاتا بلکہ ہر وہ نیا کام جو نبی پاک ﷺ کی کسی سنت سے ٹکراتا ہو میں اُسے بدعت ہی سمجھتا ہوں۔ یہ مائک میں کیوں استعمال کرتا ہوں اسلیے کہ یہ مائک نبی ﷺ کی کسی سنت سے ٹکراتا نہیں۔ جہاں بھی کوئی ایسی بات آجائے جو حضور ﷺ کے کسی حکم کی مخالفت کرے۔ میرے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ برصغیر میں تشریف لائے، دیکھا کہ ہندو ساز پہ اپنے گیت گاتے ہیں، اپنے مذہبی گیت گاتے ہیں۔ وہی بات جو میں نے آپ سے پہلے کی ہے کہ دلیل دینی ہو تو اگلے کی کتاب سے دوناں۔ اب خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ان کو بتاتے کہ قرآن میں اور حدیث میں یہ لکھا تو ان کو کیا لگے قرآن اور حدیث سے۔ اب خواجہ صاحب نے کیا کیا کہ انہی سازوں پہ اللہ کی حمد بیان کروانا شروع کر دی، انہی سازوں پہ نبی پاک ﷺ کی نعت شروع کروادی۔ اسکو تبلیغ کا ذریعہ بنایا اور اس دور کے علماء نے اسکو بدعت نہیں کہا، کیونکہ وہ حضور ﷺ کی کسی سنت سے ٹکراتی نہیں تھی۔

بدعت کے متعلق میں آپ کو اپنا ذاتی تجربہ بتاتا ہوں کہ کچھ لوگ میرے پاس آگئے کے ہمارا بچہ بڑا ضد کرتا ہے کہ میری بھی Birthday کرو۔ بھائی یہ بھی فتویٰ آگیا تھا کہ سالگرہ منانا کافروں کا کام ہے۔ یہ بدعت ہے۔

---

[1] سنن نسائی:1579

اب وہ چھوٹا بچہ جو کہ nursery یا prep میں پڑھتا تھا، اس کے ساتھی بچوں نے جب بتایا کہ ہماری Happy Birthday ہوئی ہے تو وہ بھی گھر والوں کے سامنے ضد کرنے لگا۔ اب اس بچے کو کون سمجھائے کہ مولوی صاحب نے فتویٰ دے دیا کہ سالگرہ تو بدعت ہے۔ اب وہ کہنے لگے کہ ہم تو الجھ گئے ہیں اب ہم کیا کریں؟ تو میں نے ان سے کہا کہ اس میں تو کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے، آپ کیک لیکر آئیں، موم بتیاں ویسے ہی جلائیں اور بچے کے ہاتھ میں چھری دیکر ویسے ہی کیک کٹوئیں۔ لیکن آپ کیا کریں کہ بیٹھ جائیں، بچوں سے پہلے کہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت کریں، ہاں بھائی ایک بچہ نعت شریف پڑھے، اب سارے بچے درود شریف پڑھیں اور یہ کیک کاٹ لیں۔ الحمدللہ، ہمارے بہت سے دوستوں نے ایسا کیا اور وہ جو ہیپی بر تھ ڈے کہنے والے تھے انکو ہم درود پر لیکر آئے۔ بھائی چھوٹے بچے پہ کیا فتویٰ لگانا۔ او بھائی! نبی پاک ﷺ کے دور میں تو کیک تھا ہی نہیں، یہ نبی پاک ﷺ کی کسی سنت سے نہیں ٹکراتا۔ بچوں کے دل بڑے نازک ہوتے ہیں، ایسا نہیں ہوتا، اس معاشرے میں رہنا ہے۔ اور پھر بچے کے دل میں شروع سے ہی یہ آجائے کہ میرا دین تو میری خوشیاں چھینتا ہے۔ انکی خوشیوں کو اس حوالے سے لیکر چلو کہ جن کو وہ استعمال کرتے ہیں تم اپنے دین کے حوالے سے کرو۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہوتا۔ تو بدعت کی یہ definition یاد رکھو کہ دین میں وہ نیا کام جو کہ نبی پاک ﷺ کی کسی سنت سے ٹکراتا ہو۔ تو جو کوئی بھی آپ سے کہتا ہے کہ یہ بدعت ہے تو اس سے پوچھو کہ یہ کام حضور ﷺ کی کس سنت سے ٹکراتا ہے۔ ورنہ تو یہ دین پھر قابل عمل ہی نہیں رہے گا اور کفار تو آپکی نئی نسل کو کافر کر دینگے۔ پتہ ہے آپکو؟ کہ کتنے لوگ عیسائی ہو گئے ہیں اس بات پر کہ اس دور میں اسلام کے پاس ہمارے مسائل کا حل ہی نہیں ہے۔ جب آپ ان سے کہیں گے کہ یہ سپیکر بدعت ہے، یہ کرسی میز بدعت ہے، یہ تو نبی پاک ﷺ کے دور میں تھا ہی نہیں۔

اور یہ بات میں نے بڑے کالجز اور یونیورسٹیز میں جب بتائی ہے تو لوگ ہکا بکا رہ جاتے ہیں کہ جتنی جدت ہمارے دین میں ہے اتنی کسی دین میں نہیں ہے۔ یورپ والے ہمیں کیا جدت دینگے۔ جب میرے سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ اپنے بچوں کو اپنے دور کا علم نہ سکھاؤ۔ تو لوگوں نے کہا کہ حضور باپ اپنے دور کا علم بیٹے کو نہ دے؟ یہاں تو چودہ سو سال کی بات ہو رہی ہے ناں، وہاں مولا علی صرف ایک نسل کی بات کر رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اپنے بچے کو اس کے دور کے علم سے روشناس کرواؤ، کہنے لگا حضور اسکی کیا وجہ ہے تو فرمایا کہ

اگر تیرے بیٹے نے تیرے دور کا علم حاصل کرنا ہوتا تو اللہ اُسے تیرے دور میں پیدا کرتا۔ اللہ نے اگر اُسے تیرے بعد والے دور میں پیدا کیا ہے تو علم بھی اسے بعد والے دور کا سکھانا چاہتا ہے۔ ہمارے بچے فزکس پڑھیں اور ایسی پڑھیں کہ انکے نقش قدم کے آگے کسی کا نقش قدم نہ ہو۔ تو پھر کیا ہوا کہ یہی سپیکر پھر خانہ کعبہ میں بھی چلا گیا۔ ہم نے فتویٰ دیکر ٹی وی تڑوائے لیکن یہی ٹی وی پھر مسجد میں بھی آگیا۔ او بھائی اپنے دور کے علم کا مقابلہ علم سے کرو۔ یہ بدعت بدعت کہہ کر نوجوان نسل کو تنگ نہ کرو۔ ورنہ تو یہ کافر پھر سوال کر رہے ہیں کہ یہ دین تو اس دور میں قابل عمل ہی نہیں رہا، بس ٹھیک ہے چودہ سو سال پہلے لوگ اس پہ عمل کرتے تھے اب تو اس میں بدعتیں ہی بہت آگئی ہیں۔

اب دیکھئے، دو بڑے مفتی بحث کر رہے ہیں۔ ایک کہتا کہ تمہاری میلاد کی محفل بدعت ہے، دوسرا کہہ رہا ہے کہ تمہارا سیرت کا جلسہ بدعت ہے نبی پاکؐ کے دور میں کون سے سیرت کے جلسے ہوتے تھے۔ یہ بحث ہو رہی۔ بھائی! نبی پاک ﷺ کے دور میں پھر تو یہ مدرسے بھی نہیں تھے تو پھر یہ بھی سارے بدعت ہو گئے! نبی پاک ﷺ کے دور میں تو کوئی سکول بھی نہیں تھا۔ نبی پاک ﷺ کے دور میں تو یہ مسجد میں پنکھے بھی نہیں تھے لگے پھر۔ بھائی کیا لوگوں کی ذہنی رہنمائی کر رہے ہو؟ یہ جو میں کہتا ہوں ناں کہ اپنے علم میں اضافہ کرلو، جھگڑو نہ۔ تو جب اس نے کہا کہ یہ سیرت کا جلسہ بھی تو نبی پاک ﷺ کے دور میں نہیں تھا تو وہ کہنے لگا کہ یہ سیرت کا جلسہ ٹھیک ہے۔ کیوں ٹھیک ہے؟ اسلیے کہ ہم اس جلسہ کو مقصد نہیں سمجھتے، ہم جلسے کو ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مدرسہ کو مقصد نہیں سمجھتے بلکہ ذریعہ سمجھتے ہیں۔ تم میلاد کو مقصد سمجھتے ہو۔ یہ فرق ہے ہمارا اور تمہارا۔ یہ بحث کر رہے تھے وہ۔ میں نے وہاں بھی یہی جملہ کہا کہ بھائی اپنے علم میں اضافہ کرلو، جھگڑو نہ۔ تم تو کہتے ہو کہ میلاد کی محفل مقصد ہے، ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ مقصود صرف اللہ کی ذات ہے۔ اور اس مقصود تک پہنچنے کا سب سے بڑا ذریعہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔ اگر تیرے علم میں میرا عقیدہ ہوتا تو تُو کبھی محفلِ میلاد کو بدعت نہ کہتا۔ دوسرا عقیدہ میں نے کتنی دفعہ بیان کیا کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عطا صرف اللہ کرتا ہے۔ ہمیں تو نبی پاک ﷺ سے بھی کچھ ملتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ وسیلہ ہیں، عطا اللہ نے کیا۔ اور وہ بات آپ بھول جاتے ہیں کہ ہر مذہب آپکو اللہ تک جانے کا راستہ بتائے گا؛ وہ یہودی ہو، عیسائی ہو، آپکا فرقہ ہو، یہ بتائے گا کہ یہ راستہ اللہ تک جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھنا کہ کوئی راستہ

اللہ تک نہیں جاتا، ہر رستہ رستے میں رہ جاتا ہے؛ صرف ایک راستہ اللہ تک جاتا ہے اور وہ راستہ مدینہ سے ہو کر جاتا ہے۔ اسلیے یہ بات اکثر آپ سے کرتا ہوں کہ ہم confuse کیوں نہیں ہوتے، ہم پریشان کیوں نہیں ہوتے؟ اسلیے کہ confuse وہ ہوتا ہے جسکے سامنے ایک سے زیادہ راستے ہوں۔ اور جسکے سامنے رستہ ہی ایک ہو اسکو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارا ایک ہی رستہ ہے، اللہ تک پہنچنے کا ایک ہی رستہ ہے جو نبی پاک ﷺ کی اتباع سے ہو کر جاتا ہے۔ یہ جملہ تو اب یاد ہو گیا ہے سب کو کہ ہم کسی مولوی اور پیر کے امتی نہیں ہیں، ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں۔ اسلیے کوئی بھی آپ کو confuse کرنا چاہے تو اسے کہو کہ بدعت ہر وہ نئی چیز ہے جو کہ نبی پاک ﷺ کے کسی حکم سے ٹکرائے۔ باقی یہ جدید علوم کو سیکھنا ہمارا ابھی فرض ہے اور ان بحثوں سے نکلیں۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

21۔ زمان و مکان تمہارے لیے

قرآن: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ (سورة الاسراء: 1)

ترجمہ: "وہ پاک ہے جس نے رات کے کچھ حصے میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

خاکہ:

1. اللہ سے ملاقات کس طرح سے ہو گی؟
2. زمان و مکان کیا ہیں؟
3. زمان و مکاں کی اہمیت اللہ کے نور کی تجلی سے ہے۔
4. مکان کی نہیں اہمیت ہوتی مکین کی اہمیت ہوتی ہے۔
5. مولا علی یقیناً شروع سے ہی مسلمان تھے۔
6. دلیل اور مغالطہ میں فرق کیا ہے؟
7. یہ قرآن و حدیث اس لیے نہیں ہیں کہ پیغمبر ﷺ کے نقص بیان کیے جائیں۔
8. یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا بادشاہ ہے جو سب کچھ کر سکتا ہے۔
9. اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہر جگہ ہیں۔
10. واقعہ معراج روح اور جسم کا اکٹھا سفر ہے۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

انسان کا اس زندگی کا سفر شکمِ مادر سے موت تک کا ہے۔ یہ سفر یا روشنی میں گزرتا ہے یا اندھیرے میں۔ ہے تو ہر کوئی مسافر، یہ سفر کرنا ہے اور آخر میں قرآن کہتا ہے فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ[1]۔ تو انسان کی منزل یہ ہے کہ اس نے اپنے رب سے ملنا ہے۔ سفر اسکا ماں کے پیٹ سے شروع ہوتا ہے تو پھر موت کے بعد اس نے اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے۔ لیکن آگے جو سلسلہ ہے، ملاقات دو طریقوں سے ہوگی یا اس کے جمال سے ملاقات ہوگی یا اسکے جلال سے ملاقات ہوگی۔ یا اسکی رحمت اور مغفرت سے ملاقات ہوگی یا اسکے غضب سے ملاقات ہوگی۔ اس بات کا تعلق اس زندگی کے سفر کیساتھ ہے۔

اس زندگی میں دو چیزیں بڑی اہم ہیں۔ سائنس والے اسکو Time and Space کہتے ہیں۔ زمان ہے اور مکان ہے۔ یعنی ایک تو یہ وقت ہے چوبیس گھنٹے کا وقت ہے اور دوسرا مکان ہے، جگہ ہے۔ دو چیزوں سے انسان کا پالا پڑتا ہے ایک وقت سے اور دوسرا مکان سے۔ زمان و مکاں کی جو سیر ہے اس زندگی میں، کبھی آپکو یاد ہو تو میں نے ایک جملہ کہا تھا آپ سے کہ اس وقت کو میں نے یادگار بنانا ہے یا برباد کرنا ہے، وقت کی اہمیت نہیں ہوتی آپکے عمل کی اہمیت ہوتی ہے۔ وہی وقت ہوتا ہے آپ اللہ کے قرب میں چلے جاتے ہیں، وہی وقت ہوتا ہے، آپ اللہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ یہ آپکی مرضی ہے آپ اس وقت کو کیسے استعمال کرتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے اللہ نے ہر انسان کو دیے ہیں۔ یہاں اللہ نے عدل کیا ہے اور اللہ ہے بھی عادل۔ اللہ نے ہر انسان کو چوبیس گھنٹے ایک جیسے دیے ہیں۔ اب آپکی مرضی ہے اس وقت کو برباد کرلیں یا کسی استعمال میں لے آئیں۔

دوسری چیز ہے مکان، مسجد بھی مکان ہے، بازار بھی مکان ہے۔ خانہ کعبہ بھی مکان ہے اور بت کدہ بھی مکان ہے۔ اس زمین پہ جو بدترین جگہ ہے وہ بازار ہے اور بہترین جگہ جو ہے وہ مسجد ہے۔ تو وقت کو بھی آپ نے کیسے استعمال کرنا ہے اور مکان کو بھی، کہ آپکی نگاہ کس طرف اٹھتی ہے؟ آپ قبلہ کسے بناتے ہیں؟ قبلہ کا لغوی معنٰی ہے

---

[1] سورۃ الجمعہ:8

جس طرف آپ اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ اسی لیے اپنے شیخ کو، مرشد کو قبلہ کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنی توجہ اپنے شیخ کی طرف مرکوز کرلی ہے۔ یہ آج میرا موضوع نہیں ہے، یہ بڑا دقیق سا معاملہ ہے، میں نے ایک جملہ آپکو عرض کرنا تھااسلیے میں نے یہ تمہید باندھی ہے۔ جتنے بھی اہلِ علم اور محقق اس دنیامیں گزرے ہیں وہ ایک بات کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نہ زمان اہم ہے اور نہ مکان اہم ہے۔ بس اللہ تعالیٰ اپنی کسی نشانی کو کسی زماں میں ظہور فرماتا ہے تو وہ زماں افضل ہے اور اگر مکاں میں لے آئے تو وہ مکاں افضل ہے۔ اس کا نور کسی زمان ومکان کی وجہ سے نہیں افضل ہوتا بلکہ اس کے نور کیوجہ سے زمان ومکان افضل ہوتا ہے۔ مثلاً ہم نے سرکار مولائے کائنات کی ولادت کی بات کی تھی تو اعلیٰ حضرت مجددِ دین وملت احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا۔ دو تین باتیں آپ سے منسوب ہیں، ایک تو فتاویٰ رضویہ میں لکھی ہوئی ہے، بہت سے محققین نے بھی یہ بات کی ہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ بھائی کعبہ ایک افضل مقام ہے، قرآن میں ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ[1]، آدم علیہ السلام نے اس کو تعمیر کیااور اس وقت سے ہی یہ بابرکت جگہ ہے۔ لیکن علی المرتضیٰ کی یہ عظمت نہیں ہے کہ وہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ وہ جہاں بھی پیدا ہوتے وہی کعبہ بن جاتا۔ مثلاً 13 رجب بھی عام دن ہے جیسے باقی دن ہوتے ہیں، وہی سورج نکلتا ہے، وہی فضا ہے۔ اہم کیوں ہوگیا؟ 12 ربیع الاول بھی ویسا ہی دن ہے جیسے عام دن ہوتے ہیں۔ اوہ! بھائی یہ 27 رجب، شب قدر آئیگی، ویسی ہی راتیں ہیں جیسی دوسری راتیں ہوتی ہیں۔ اس رات کو اہم کس نے کیا؟ قرآن نے کیاناں، رات تو ویسی ہی تھی اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ[2]۔ تو رات عظمت والی، زماں جو ہوتا ہے، وقت جو ہوتا ہے جب کوئی عظمت والا اسکو نسبت دیتا ہے۔ مکان بھی وہی عظمت والا ہوتا ہے۔

بھائی زمین کی ہیئت ترکیبی تو ایک جیسی ہے، جیسا یہ زمین کا ٹکڑا ہے ویسا ہی ہر جگہ ہے۔ کہیں ریت ہے، کہیں پتھر ہیں، کہیں مٹی، تو یہ آمیزہ ایک جیسا ہی ہے۔ کہیں ریت زیادہ ہے، کہیں کنکر زیادہ ہیں تو ہیئت ترکیبی ایک

---

[1] سورۃ آل عمران:96

[2] سورۃ القدر:1

ہی ہے۔ لیکن 70 ہزار فرشتہ یہاں تو نہیں اترتا وہ تو جہاں گنبدِ خضریٰ ہے وہاں اترتا ہے۔ بھائی وہ جگہ مکاں ہے وہ کسی مکین کی وجہ سے عظمت والا ہے۔ مکان کی نہیں اہمیت ہوتی مکین کی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ مکہ میں رہیں تو مکہ افضل، وہ مدینے میں رہیں تو مدینہ افضل۔ وہ مدینہ میں رہیں تو مدینہ افضل وہ کربلا میں رہیں تو کربلا افضل۔ تو اصل میں، میں نے آپکو یہ بتانا تھا کہ زمان و مکان کی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اس اللہ کی تجلی کی اہمیت ہوتی ہے جو اس زماں کو بھی اہمیت دیتا ہے اور اس مکاں کو بھی اہمیت دیتا ہے۔

یہ جو فتاویٰ رضویہ کی بات جو میں کر رہا تھا، یہ محبت کی دنیا بھی بڑی عجیب ہوتی ہے، یہ اعلیٰ حضرت سے کسی نے مسئلہ پوچھا تھا۔ اس نے کہا حضور جو عربی زبان میں جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو فرضی نام زید اور بکر استعمال ہوتے ہیں۔ یہ عربی جاننے والوں کو یہ پتہ ہے کہ زید نے یہ کام کیا، بکر نے یہ، یہ فرضی نام استعمال ہوتے ہیں۔ تو فتویٰ یہ پوچھا گیا کہ زید یہ کہتا ہے کہ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا بلکہ وہ تو پہلے سے ہی مسلمان تھے۔ اس نے مسئلہ یہ پوچھا کہ زید یہ کہتا ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں علی المرتضیٰ نے دس سال کی عمر میں اسلام قبول نہیں کیا بلکہ وہ تو پہلے سے ہی مسلمان تھے لیکن بکر یہ کہتا ہے، یعنی دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ نہیں جب انہوں نے کلمہ دس سال کی عمر میں پڑھا تو اس وقت وہ مسلمان ہوئے۔ ان دونوں میں سے کون سچا ہے؟ تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ سچا تو زید ہی ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ تو شروع سے ہی مسلمان تھے لیکن اس کے جملے سے بے ادبی کی بُو آ رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سچا تو یہی ہے لیکن اس کے جملے سے بھی بے ادبی کی بُو آ رہی ہے۔ حضور وہ کیسے؟ فرمایا کہ اس نے یہ کہا ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ علی شروع سے مسلمان تھے، یہ کہہ سکتے جو لفظ ہے یہ بے ادبی کا لفظ ہے۔ یہاں یہ لفظ کہ یقیناً وہ شروع سے مسلمان تھے۔ اس نے یہ کیوں کہا ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں؟

اب اصل میں اللہ تک جو آپکا سفر ہوتا ہے ناں، اسکی جو سواری ہوتی ہے وہ محبت ہوتی ہے۔ اسی محبت کی سواری پر ہی آپ اللہ تک کا سفر کر سکتے ہیں۔ اور جتنی محبت کی یہ سواری کمزور ہو گی، اتنا سفر بھی مشکل ہو گا۔ اگر یہ سواری طاقتور ہو گی تو سفر آسان ہو گا۔ ہیں ہم سب ہی مسافر۔ تو سفر تو ظاہر ہے ہم سب کا جاری ہے۔ اسی زمان و

مکان میں ہی ہے۔ اس زماں سے میں کیا حاصل کر تا ہوں اور اس مکاں سے میں کیا حاصل کر تا ہوں؟ تو اسی زمان و مکان کی بحث میں یہ جو رات ہے ناں شبِ اسراء، معراج کی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے بڑی تجلی کا ظہور فرمایا۔ اور یہ کمال کی بات ہے کہ یہاں پہ بہت کچھ لکھا گیا تفسیروں میں کہ کسی کو بلانے کے دو تین طریقے ہوتے ہیں۔ ایک یہ ہوتا ہے کہ آپ کسی کو دعوت نامہ دیتے ہیں، دعوت دیتے ہیں کہ آپ میری طرف تشریف لائیں۔ جیسے آپ شادی پہ کارڈ دیتے ہیں۔ ایک پروٹوکول یہ ہوتا ہے کہ آپ اپنی سواری بھیجتے ہیں، اپنا جہاز بھیجتے ہیں، اپنا نمائندہ بھیجتے ہیں کہ جاؤ لیکر آؤ۔ یہاں بھی اللہ نے اپنا سب سے بڑا نمائندہ بھیجا ناں، جبریل اللہ کا سب سے بڑا نمائندہ ہے۔ ہر نبی کیطرف جاتا ہے۔ سواری بھی اللہ نے اپنی طرف سے بھیجی۔ یہ پروٹوکول ہے بھائی اس زماں کا۔ ابھی زماں کی بات ہو رہی ہے مکاں کی نہیں ہو رہی۔ یہ اس وقت کی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا نمائندہ بھیجا، سواری بھی اپنی بھیجی لیکن یقین جانیے عربی لغت کے جاننے والے جب اس آیت کو پڑھتے ہیں تو وجد میں آجاتے ہیں۔ اللہ نے یہاں پہ نہ نمائندے کا ذکر کیا اور نہ سواری کا۔ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ فرمایا اللہ خود ہی لے گیا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کروائی اپنے بندے کو۔ جو راتوں رات لے گیا۔ لیکن ذہن تو دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ اگر اللہ ساتھ تھا تو اِدھر مکہ میں ہی ملاقات کرلیتا۔ بھائی اللہ ساتھ تھا تو اِدھر مکہ میں ہی ملاقات ہو جاتی، اُدھر عرش پہ جا کر ملاقات کا کیا مقصد تھا؟ شیطانی وسوسے بھی ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ دلیل اور مغالطہ میں یہی ایک فرق ہے۔ دلیل حق کیلئے ہوتی ہے اور مغالطہ شیطانی ہوتا ہے۔ دلیل بھی قرآن سے لینا چاہتا ہوں۔ آج سے دو تین جمعہ پہلے جو ہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تھا تو وہ جو آیت سورۃ توبہ (آیت:40) کی ہم نے سیکھی تھی۔ اس میں کیا سیکھا تھا کہ جونہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو یہ ہمارے سر پر آگئے ہیں۔ اب اگر یہ نیچے ہو کر دیکھیں گے تو ہم انکو صاف نظر آجائیں گے۔ تو قرآن نے کیا کہا؟ پیغمبرِ اسلام نے کیا فرمایا؟ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ جب میرا پیغمبر اپنے صحابی سے کہہ رہا تھا لَا تَحْزَنْ خوف نہ کھا اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَاۚ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ قرآن کہہ رہا ہے کہ ہر زمان میں اور ہر مکان میں اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ہوتا ہے۔ اسلیے اِدھر بھی اللہ نے نہ جبریل کا ذکر کیا اور نہ براق کا ذکر کیا۔ یہ پروٹوکول ہے میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

ہمارے اصولِ حدیث میں ایک یہ بھی بات ہے، یہ ذہن میں رکھنا، حدیث تو بعد کی بات ہے پہلے اصول حدیث کا علم ہے، سند بالکل ٹھیک ہو یعنی اس حدیث کو بیان کرنے والے جتنے بھی راوی ہوں وہ ٹھیک ہوں، مثلاً سند کسے کہتے ہیں کہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ، انکے آگے شاگرد ہیں عبد الواحد بن زید مربی، عبد الواحد بن زید مربی کہیں کہ میں نے امام حسن بصری سے سُنا، وہ کہیں کہ میں نے مولا علی سے سنا ہے، وہ کہیں کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے، یعنی سند بالکل ٹھیک ہے، سارے بندے ہی ٹھیک ہیں، میں ایک مثال صرف دے رہا ہوں کہ دیانتدار ہیں، سچے ہیں، حافظے بالکل ٹھیک ہیں، سند بالکل ٹھیک ہو، راوی بالکل ٹھیک ہوں لیکن اس حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نقص بیان کیا جائے تو ہم اس حدیث کو رد کر دیں گے۔ ہم اس حدیث کو قبول ہی نہیں کرینگے، یہ اصول حدیث کا ایک اصول آپکو عرض کر رہا ہوں۔ اگر کوئی بندہ آپکو کوئی ایسی حدیث بیان کرے جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نقص بیان ہو تو اس حدیث کو قبول ہی نہیں کرنا۔ یہ قرآن حدیث اس لیے نہیں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نقص بیان کیے جائیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ہم نے تو یہ قرآن نازل ہی اس لیے کیا ہے کہ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ [1]۔ شان کو بلند کرنے کیلئے یہ قرآن نازل کیا ہے۔

بات وہیں پر رہ گئی سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ، پاک ہے وہ ذات۔ کیونکہ عربوں کا یہ نظریہ تھا کہ جس طرح باقی بادشاہ ہوتے ہیں اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بادشاہ ہے جسکو وہ اللہ کہتے ہیں۔ انکے ذہن میں ایک بادشاہ کا تصور تھا۔ ایک ہمارے بادشاہ ہیں ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بادشاہ ہے۔ اب آگے وہ بادشاہ میں نقص بیان کرتے تھے۔ اسکا اگلا جو مرحلہ تھا وہ یہ تھا کہ دنیا میں کوئی بھی بادشاہ ہو، جتنا جی چاہے وہ طاقتور ہو، وہ سارے کام نہیں کر سکتا۔ کچھ کام بادشاہ کر سکتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بادشاہ ہے جو کچھ کام کر سکتا ہے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی لیے لفظ سبحان سے یہ بات شروع کی کہ یہ تمہارے بادشاہ ہیں جو کچھ کر سکتے ہیں اور کچھ نہیں، یہ محمد رسول اللہ کا بادشاہ ہے جو سب کچھ کر سکتا ہے۔ کیوں کہ کچھ نہ کر سکنا عیب ہے، وہ راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، اقصیٰ کا ویسے لغوی معنیٰ ہے دور کی جگہ، تو یہ چونکہ مکہ سے کافی دور مقام تھا، مہینوں کا سفر تھا، اب ظاہر

---

[1] سورۃ الم نشرح:4

ہے کہ کوئی بادشاہ جتنا مرضی طاقتور ہو، یہ تو ممکن نہیں تھا۔ زمان ومکان کے حوالے سے عربوں میں یہ بحث بھی چلتی تھی کہ چاہے ساری دنیا کی طاقت بھی اکٹھی کرلو، یہ ایک نظریہ تھا انکا اور اس نظریہ کے لحاظ سے آپ نے معراج کا معجزہ دیکھنا ہے کہ یہ معجزہ ہے کیا؟ وہ یہ کہتے تھے کہ ساری دنیا کی طاقت اکٹھی کرلیں تو ایک کام نہیں کرسکتے۔ سارے انسان مل کر یہ کام نہیں کرسکتے، وہ یہ ہے کہ وقت کو واپس نہیں لاسکتے۔ یعنی ایک سیکنڈ جو گزر جاتا ہے تو ساری دنیا کے انسان مل کر بھی وہ سیکنڈ واپس نہیں لاسکتے۔ دیکھئے یہ انکے ہاں جو تصورات تھے یہ یونانی فلاسفہ سے آئے تھے کہ باقی ہر طاقت انسانوں کی مانی جاسکتی ہے لیکن وقت کو واپس پلٹانا انسانوں کے بس کی بات نہیں۔ ساری دنیا کی طاقت بھی آپ اکٹھی کرلیں لیکن گزرا ہوا وقت آپ واپس نہیں لاسکتے۔ اب یہاں پہ میرے اللہ نے جس نشانی کا مکہ میں ظہور پذیر فرمایا تھا، بس ان کے سوال کا یہ جواب دینا تھا کہ وہ تو محمد رسول اللہ کا بادشاہ ہے، وہ تو میرے محبوب کا خالق ہے اسکی طاقت تمہارے ذہن میں کیسے آئے، اسکے محبوب (محمد ﷺ) کی طاقت یہ ہے کہ تم ایک سیکنڈ کی بات کرتے ہو، وہ چاہے تو ڈوبا ہوا سورج واپس لے آئے۔ تمہارا نظریہ یہ ہے کہ وقت واپس نہیں آسکتا، یہ اسکے محبوب کی طاقت ہے کہ وہ وقت کو بھی واپس لاسکتا ہے۔ یہ شان، کہ جسکا بندہِ خاص اس طاقت کا مالک ہو گا، اس خالق کی طاقت کا کیا حساب ہو گا۔ یہ زمان و مکان کی بحث بڑی عجیب ہے۔ چاہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر کے وقت کو روک دیں۔ وقت کو واپس بھی لاسکتے ہیں۔ یہ کسی اور کے پاس طاقت نہیں۔ اس لیے فرمایا کہ یہ باتیں بعد میں کرنا پہلے اس خالق کی عظمت کو دیکھو۔ وہ جو عیب تمہارے ذہن میں آتے ہیں ان بادشاہوں کے، وہ ان عیبوں سے پاک ہے۔ وہ لے جاسکتا ہے کہ نہیں لے جاسکتا؟ رات کے تھوڑے سے حصے میں اتنی سیر کرواسکتا ہے کہ نہیں کرواسکتا؟ جب وہ خود ساتھ تھا۔ فرمایا پاک ہے وہ ذات۔ یہ بھی بڑی عجیب بات ہے، سوال ہوتا ہے کہ سیر تو دن کے وقت میں ہوتی ہے اور آگے آیت میں ہے بھی لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا تاکہ ہم اپنی نشانیاں دکھائیں۔ تو ستائیسویں شب، گُھپ اندھیرا، تو رات کے اندھیرے میں سیر کیا ہوسکتی ہے؟ اندھیرے میں کیا کوئی نشانیاں دیکھے۔ یہ "ہ" جو ضمیر ہے ناں، اِنَّهٗ، بے شک وہ، یہ ہ ضمیر کی کافی تھی، پاک پیغمبر ﷺ کی طرف پلٹ رہی ہے، آگے هُوَ، پھر تاکید کیلئے فرمایا "وہ"۔ وہ دو دفعہ، اِنَّهٗ بے شک وہ، هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ بس وہی تھے جو سن بھی سکتے تھے اور دیکھ بھی سکتے تھے۔ اسکے انوار و تجلیات کو، اسکی آیات کو بس وہی ہے جو دیکھ سکتا ہے۔ کتنی تاکید کیساتھ فرمایا، ابتدائے آفرینش سے آج تک جتنی

اسکی نشانیاں تھیں، ان نشانیوں کو دیکھنے والی سمیع اور بصیر بس اسکے محبوب کی ذات ہے۔ اور کسی کو تو یہ جرات ہی نہیں ہے۔

ویسے تو اس زمین پہ اسکی بڑی آیات بکھری پڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب اپنی آیات کی بات کرتا ہے تو ساری زمین پہ اسکی نشانیاں ہیں۔ درختوں کے پتوں میں، پھولوں میں، جانوروں میں، فصلوں میں، ہر جگہ اسکی نشانیاں ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ تم غور و فکر نہیں کرتے۔ غور کروگے ناں تو اسکی آیتیں تو سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ[1] آفاق میں بھی بکھری پڑی ہیں اور تیرے اپنے اندر بھی موجود ہیں۔ کبھی اپنے اندر کا مطالعہ بھی کیا کر۔ اسکو پہچاننے کیلئے تو تیری اپنی ذات ہی کافی ہے۔ بس تھوڑی توجہ کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ایک بات میں آپکو عرض کروں، یہ بھی ایک فلسفہ کا موضوع ہے، بڑا دقیق موضوع۔ ایک کھجور کی گھٹلی ہے، آپ اسکو توڑ کر دیکھیں، آپکو اسکے اندر کوئی درخت نظر نہیں آئے گا۔ لیکن آپکو پتہ ہے کہ اس گھٹلی کے اندر ایک درخت موجود ہے اور اس میں لاکھوں کروڑوں کھجوریں موجود ہیں۔ درخت بھی ہے اور اس درخت کے اوپر کھجوریں بھی موجود ہیں۔ پتہ ہے ناں آپکو؟ لیکن آپ نہ وہ درخت حاصل کرسکتے ہیں اور نہ وہ کھجوریں حاصل کرسکتے ہیں جب تک اس گھٹلی کو کوئی کاشت کرنیوالا نہ آئے۔ کوئی ہو جو اس گھٹلی کو صحیح کاشت کرے، اس کے ارد گرد اگنے والی جڑی بوٹیاں، اس درخت کو نقصان پہنچانے والی جو ہوں انکو تلف کرے اور اسکی حفاظت کرکے اسکو درخت بنائے تو لاکھوں کروڑوں کھجوریں آپ حاصل کرسکتے ہیں۔ تیرے اندر نشانیاں ہیں لیکن کوئی ہو کاشت کرنے والا جو تجھے وہ نشانیاں دکھائے۔ تجھے تیری معرفت جو ہے وہ حاصل کرادے۔ تجھے تیرے مقام سے آگاہ کروادے۔

بڑی شان ہے اور یہی سب سے بڑی شان ہے۔ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے نبی کو سیر کروائی، رسول کو سیر کروائی، نہیں۔ اس دن بھی میں نے کہا تھا کہ اللہ جب اپنی کمال محبت کا اظہار کرتا ہے تو "عبد" کہتا ہے۔ اس دور میں بھی جب امام فخر الدین رازی نے بھی تفسیر کبیر لکھی تھی تو لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ معراج روحانی تھی، خواب آیا تھا، جسمانی نہیں تھی۔ آج تو چونکہ وقت ہوگیا ہے۔ اس پہ اگلے جمعہ اللہ نے موقع دیا تو گفتگو کرینگے۔

[1] سورۃ حٰم سجدہ:53

ہمارے ایک سید صاحب ہیں انہوں نے اس پہ ایک جملہ کہا اور بڑا کمال کا جملہ کہا۔ امام فخر الدین رازی کا جملہ بھی سن لیں، انہوں نے تفسیر کبیر میں یہ لکھا کہ اللہ نے عبد کہہ کر یہ بتایا تھا کہ روح اور جسم اکٹھے گئے تھے۔ عبد کہہ کر یہ بات بتادی تھی کہ روح اور جسم اکٹھے گئے تھے اور یہ اسی جسم کا مقام و مرتبہ ہے، ورنہ میرے اور تمہارے میں یہ ہے کہ ہماری روح کی پرواز بڑی دور تک ہو سکتی ہے لیکن جسم کی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ اس کے محبوب کا جسم ہے کہ جہاں تک روح کی پرواز ہے وہاں تک جسم کی بھی پرواز ہے۔ عبد کہہ کر یہ بات بتائی، تو وہ ایک لمبی تفسیر ہے جو تفسیر کبیر میں لکھی ہوئی ہے امام فخر الدین رازی نے۔ وہ شاہ صاحب کا، ہندوستان کے ہیں، بڑا خوبصورت جملہ انہوں نے کہا، انہوں نے کہا کہ اگر یہ بات کہو گے ناں کہ جسم یہاں تھا اور روح معراج پر چلی گئی تو جسم اور روح کی جدائی کو موت کہتے ہیں معراج نہیں کہتے۔ اللہ کہتا ہے کہ میں نے معراج کروائی ہے، اللہ یہ نہیں کہہ رہا کہ میں اپنے محبوب کو موت دی ہے۔ تو یہ اسکی کمال محبت ہے۔ کیا زماں اور کیا مکاں؟ جب میں یہ اعلیٰ حضرت کی نعت پڑھا کرتا تھا تو جب قرآنِ کریم کو دیکھتے ہیں کہ زمین و زماں تمہارے لیے، مکین و مکان تمہارے لیے۔ تو وہ زمان بھی اچھا ہوتا ہے وہ مکان بھی اچھا ہوتا ہے جہاں کوئی مکین اچھا ہو۔ اہمیت مکان کی نہیں ہوتی، اس مکین کی ہوتی ہے۔ مثلاً مکین اگر بُت ہو اور خانہ کعبہ میں ہو تو کیا وہ بت افضل ہو جائے گا؟ نہیں ہو گا۔ ایک جھونپڑی ہو اور اس میں کوئی اللہ والا آکر بیٹھ جائے، تو یہی جگہ افضل ہو جائے گی۔ کوئی زمان و مکان کی وجہ سے افضل نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی کسی آیت کی وجہ سے، اسکی قدرت کی وجہ سے۔ اسکے کسی اعجاز کی وجہ سے زماں بھی افضل ہو جاتا ہے اور مکاں بھی افضل ہو جاتا ہے۔ اور جب تمہاری وابستگی ان سے ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ تمہیں بھی بلند کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

22۔ شبِ اسراء اور شان مصطفیٰ

قرآن: سُبْحٰنَ الَّذِیٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَاؕ-اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ(سورۃ الاسراء: 1)

ترجمہ: " وہ پاک ہے جس نے راتوں رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک سیر کرائی جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

خاکہ:

1. شان تو وہ بیان کرے جو مقام و مرتبہ سے آگاہ ہو۔
2. معراج تو سفر ہی بلندی کا ہے۔
3. حدیث جبریل کیا ہے؟
4. روح اور جسم کی علیحدگی کو موت کہتے ہیں معراج نہیں کہتے۔
5. معجزہ: وہ کام جو عقل کو عاجز کر دے۔
6. آئن سٹائن کی تھیوری آف ریلیٹویٹی
7. مسجدِ اقصیٰ کیوں شان والی ہے؟
8. نچوڑ

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

شان تو ظاہر ہے ہر کسی کی کوئی نہ کوئی ہوتی ہے۔ لیکن اصل میں یہ ہوتا ہے کہ شان بیان کرنے والا کون ہے؟ بھائی دیکھئے کہ کوئی عالم کہے کہ یہ بڑا علم والا ہے کوئی فقیہ کہے، کوئی مجتہد کہے۔ اور جس کی شان اللہ بیان کرے، خالق بیان کرے۔ تو میں نے شاید کسی موقعہ پہ یہ عرض کیا تھا کہ ہم شان بیان کر نہیں سکتے چونکہ وہ ذات لامحدود ہے۔ ہم بیان کریں گے بھی تو محدود بیان کریں گے۔ تو اسکے لیے اگر آپکو جملہ یاد ہو، نہیں تو میں کرا دیتا ہوں کہ جب پلٹ کر ہم اللہ سے کہتے ہیں ناں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ۔ جب اللہ ہم سے کہے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا[1]۔ تو ہم پلٹ کر کہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ تو یہ اپنی بے بسی کا اظہار ہے، اپنی کمزوری کا اپنی کم علمی کا اظہار ہے کہ مولائے کریم ہم تیرے لامحدود محبوب کی شان کو نہیں جانتے۔ تو انکی شان کے مطابق درود تُو ہی بھیج سکتا ہے۔ اس لیے ہمارے فقہاء اور شیوخ ہیں وہ اسی درود کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ ۔ اب یہ بھی درود شریف ہے، یہ نہیں ہے کہ الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ، لیکن جب میں کہتا ہوں ناں الصلوۃ، میں درود بھیجتا ہوں تو میں کیا درود بھیجتا ہوں؟ میں کیا شان بیان کر رہا ہوں؟ تو بزرگانِ دین کے ہاں، صوفیا کے ہاں جب درود کی آیت پڑھی جاتی ہے تو وہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہتے ہیں۔ کئی لوگ پوچھتے ہیں کہ جب درود والی آیت پڑھی جاتی ہے تو آپ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھتے ہیں تو میں نے کہا کہ یہ بھی وضاحت کر دوں۔ اصلوٰۃُ، یہ واحد متکلم کا صیغہ ہے کہ میں درود بھیج رہا ہوں۔ تو میں کیا درود بھیج رہا ہوں؟ اگر اللہ محدود نہیں ہے تو اسکا محبوب بھی محدود نہیں ہے۔ تو جب اللہ شان بیان کرے، اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اللہ نے حکم دیا ہے وَ تُعَزِّرُوْہُ وَ تُوَقِّرُوْہُ[2] میرے نبی کی عزت بھی کرو اور توقیر بھی کرو۔ یہ عزت اور توقیر دو علیحدہ علیحدہ لیکن اردو میں ہم ایک ہی

[1] سورۃ الاحزاب:56

[2] سورۃ الفتح:9

معنیٰ کر لیتے ہیں۔ نویں پارے میں فرمایافَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ [1] کہ اگر کہتے ہو کہ ایمان لے آئے ہو تو میرے نبی کی عزت بھی کرو اور مدد بھی کرو۔ یہ اللہ کا حکم ہے قرآن میں بار بار کہ میرے پیغمبر کی عزت کرو۔ توہین نہ کرو، توقیر کرو۔ تو یہ تو مسلمہ اصول ہے کہ عزت تو عظمت کی ہو گی۔ پہلے کسی کو عظیم مانیں گے تو اسکی عزت کرینگے۔ اگر آپ کسی کو عظیم ہی نہیں مانتے تو اسکی عزت کیا کریں گے؟ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ تو جو بندہ حضور کی عظمت کا ہی اقرار نہیں کرتا تو وہ تعظیم کیا کرے گا؟ تو عزت اور تکریم کیلئے پہلے اس ہستی کی عظمت کو ماننا ضروری ہے۔ مثلاً اگر کوئی بندہ اللہ کی عظمت کو نہیں مانتا تو وہ اسکا حکم کیا مانے گا؟ یہ بھی تو ایک چیز ہے ناں کہ جب میں اللہ اکبر کہتا ہوں لیکن اسکی کبریائی کی عظمت ہی میرے دل میں نہیں ہے تو میں اسکا حکم کیا مانوں گا؟ تو اب آپ اس عظمت اور بڑائی کا اندازہ کریں کہ آیت شروع ہوئی لفظِ سبحان سے کہ کوئی تخیل بھی اللہ کی ذات کو چُھو نہیں سکتا۔ کوئی خیال بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ وہ اتنا پاک ہے کہ کوئی آپکا علم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ پاک ذات جو ہے وہ اپنے نبی کی شان بیان کر رہی ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ کیلئے بھی یہ بات کہی گئی کہ یہ جتنے بھی ہمارے تخیلات کے، تصورات کے دعوے ہوتے ہیں،

شعور و فکر و نظر کے دعوے حدِ تخیل سے بڑھ نہ پائے

نہ چُھو سکے ان بلندیوں کو جہاں مقامِ محمدی ہے

تو وہ (اللہ) پاک ہے ذات جہاں نہ تیرا تصور پہنچ سکتا ہے، نہ تیرا تخیل پہنچ سکتا ہے، نہ تیری نگاہ پہنچ سکتی ہے۔ وہ اللہ ہر کمزوری سے پاک ہے، ہر عیب سے پاک ہے۔

اس میں جو تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ ایک تو یہ سفر ہے ناں جسکا اس آیت میں ذکر ہے لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ کا سفر۔ اس سفر کا اگر کوئی انکار کریگا تو کافر ہو جائے گا۔ چونکہ یہ نصِ قطعی ہے، قرآن نے اسکو بیان فرمایا ہے۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جو سفر ہے اس کا اگر کوئی منکر ہے تو وہ کافر ہے، اس نے قرآن کا انکار کیا۔ ہمارے ہاں تو شبِ معراج ہے ناں 27 رجب کی رات، لیلۃ المعراج، عرب دنیا

---

[1] سورۃ الاعراف:157

میں اسکو لیلۃ الاسراء کہتے ہیں۔ وہ یہ قرآن کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ معراج سے آگے جو مسجدِ اقصیٰ سے آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کا یہ جو سفر ہے یہ چونکہ احادیث سے ثابت ہے۔ نبی پاک ﷺ نے وہ کیفیتیں خود بیان فرمائیں ہیں تو اس سفر کو سفر معراج کہتے ہیں۔ کچھ علماء کے نزدیک تو یہ اسراء ہے اور آگے کا سارا سفر معراج ہے۔ لیکن صوفیا کے نزدیک اور اولیاء اللہ کے نزیک سدرہ پہ جہاں جبریل بھی پیچھے رہ گئے تھے اس سے آگے کا جو سفر ہے وہ اعراج ہے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی (8) فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی [1]۔ تو وہ اسکو تین حصوں میں بیان کرتے ہیں۔ بڑی ایک بات جو آپ سنتے بھی رہتے ہیں، یہ لفظِ معراج مومنین کیلئے بھی ہے اَلصلٰوۃُ مِعراجُ المؤمنین۔ نبی پاک ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے [2]۔ یعنی اسکا مطلب ہے کہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا جو سفر ہے وہ سیر ہے اور جو بلندی کا سفر ہے وہ معراج ہے۔ معراج ویسے سیڑھی کو کہتے ہیں، سیڑھی بلندی کی طرف لیکر جاتی ہے۔ تو اگر آپکی نماز آپکو بلندی عطا کرتی ہے تو آپ نے نماز پڑھی ہے اور اگر آپ نماز پڑھ کر بھی اخلاقی پستی میں گرے ہوئے ہیں تو آپ کو معراج نہیں ملی۔ معراج تو سفر ہی بلندی کا ہے۔ اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ کیوں معراج ہے؟ قرآن نے خود فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ [3]۔ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ جتنا کوئی بے حیائی اور برائی سے رُکے گا اتنا بلندی کی طرف جائے گا۔ اسکو پھر کبھی تفصیل سے دیکھ لیں گے۔

اصل میں یہ تین درجے ہیں حدیثِ جبریل کے، حدیثِ جبریل بڑی معروف حدیث ہے۔ جب حضرت جبریلِ امین انسانی شکل میں آئے تھے اور نبی پاک ﷺ کے سامنے دوزانوں ہو کر ادب کیساتھ بیٹھے اور پہلا سوال کیا کیا؟ یارسول اللہ ﷺ ایمان کیا ہے؟ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ جو آپ پڑھتے ہیں أمنتُ باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الأخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالی یہ سات چیزیں بیان فرمائیں۔ اللہ پر ایمان، رسولوں پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، آخرت پر ایمان، مقدر پر ایمان۔ تو یہ جو چیزیں ہیں یہ ایمان میں

---

[1] سورۃ النجم:9

[2] مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکاۃ المصابیح:1/55

[3] سورۃ العنکبوت:45

نبی پاک ﷺ نے بیان فرمائیں۔ پھر دوسرا سوال کیا۔ یہ چار سوال تھے حدیثِ جبریل کے۔ دوسرا یہ تھا کہ اسلام کیا ہے؟ تو نبی پاک ﷺ نے یہ جو پانچ چیزیں آپکو پتہ ہے یہ کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج، یہ بیان فرمائیں۔ تو تیسرا سوال یہ کیا تھا کہ احسان کیا ہے؟ تو نبی پاک ﷺ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ تجھے ایمان بھی بتا دیا اور اعمال بھی بتا دیے۔ ہمارے نزدیک اصل میں دو ہی چیزیں ہیں: ایمان اور اعمال۔ تو حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ جب تجھے بتا دیا ہے کہ ایمان یہ ہے تو ایمان کے مطابق اعمال کرو اور تو بات ختم۔ نہیں۔ یہ سوال خاص لوگوں کیلئے ہے۔ یہ عوام الناس کیلئے نہیں۔ جو معراج چاہتے ہیں یہ ان کے لیے ہے۔ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تُو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے [1]۔ تو جب انسان اس سفر کیلئے نکلتا ہے کہ میں اس کو دیکھوں تو یہ سفر ایک علیحدہ سفر ہے۔ ایک تو ہماری نماز ہے کہ آئے نماز کیلئے اور خیال کسی اور طرف۔ یہ بات نہ ہو کہ میں آپ سے بات کر رہا ہوں اور آپ پیچھے دیکھ رہے ہوں۔ آپ اِدھر اُدھر باتیں کر رہے ہوں۔ یہ کیا سلیقہ ہے؟ تو عبادت ایسے کرنا، اعمال کو ایسے بجالانا کہ تُو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اب دیکھئے ہم نے تو ترجمہ یہ کر دیا ناں کہ اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ تو جب بندہ اللہ کو دیکھ رہا ہے تو وہ توجہ اِدھر اُدھر کیسے کر سکتا ہے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو پھر کم از کم یہ تو ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ بھائی وہ تو چھوڑیں، اگر مجھے پتہ ہو کہ میرے والد صاحب مجھے دیکھ رہے ہیں تو میں کسی کو گالی دونگا؟ یہ بھی ہوتا ہے کہ اباجی سامنے ہیں، اب میں سگریٹ کیسے پیوں؟ میں بدتمیزی کیسے کروں کہ میرا باپ دیکھ رہا ہے، میرا استاد دیکھ رہا ہے، میرے پیر و مرشد دیکھ رہے ہیں؟ اب جس کی یہ کیفیت بھی بن جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو اسکو تو معراج مل گئی ناں۔ اسکو تو بلندی مل گئی۔ اسکو تو کیفیت حاصل ہوگئی۔ چوتھا سوال اس نے کیا تھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو یہ چار سوال جبریل نے کیے تھے۔ پھر نبی پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمہیں پتہ تھا کہ یہ کون تھا؟ یارسول اللہ ﷺ کوئی دیہاتی آدمی تھا۔ فرمایا نہیں یہ جبریل تھا، تمہیں تمہارا دین سکھانے آیا تھا۔ تو یہ احسان، ایک علیحدہ چیز ہے۔ انسان کے اندر یہ شوق پیدا ہو کہ میں اپنے اللہ کو دیکھوں۔ یا کم از کم اس کیفیت میں تو رہوں کہ میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس میں جو صوفیاء نے

[1] صحیح بخاری:50

بات کی ہے وہ بڑی عجیب کی ہے۔ پہلا درجہ تو ہے کہ تو ایسے عبادت کر کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اس کیفیت میں نہیں ہے۔ صوفیا نے اس جملے کی کمال کی تشریح کی ہے کہ جب تُو نہیں ہو گا تو وہ ہو گا ناں۔ اس بات کو تو مان لے کہ میں نہیں ہوں۔ تو پھر وہی ہو گا۔ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ کی تفسیر میں بھی یہی ہے کہ اصل سننے والا تو اللہ ہے۔ اصل دیکھنے والا تو اللہ ہے۔ بس اُسی کے دیکھنے میں کہا جائے کہ رسول اللہ اُسی کے دیکھنے میں اُسی کو دیکھ رہے تھے۔ یہ عظمتیں اس لیے میں نے عرض کر دی ہیں کہ ایک تو یہ ہے کہ آپکو ایمان حاصل ہو جائے، پھر آپ کے جو اعمال ہیں وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج آپ ادا کریں، پھر آگے ان کی کیفیت ہے۔ اس کیفیت کا جو سفر ہے وہ معراج ہے۔ اب پتہ نہیں ہماری نماز کا، لیکن نبی پاک ﷺ نے یہی فرمایا کہ اَلصلوٰۃُ مِعراجُ المؤمنین۔ نماز مومن کی معراج ہے۔ لیکن کب معراج بنے گی؟ جب یہ کیفیت آجائے گی جب کم از کم یہ تو ہو کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

وہ بات پھر اُدھر چلی گئی۔ عظمت، اب دیکھئے کئی تفسیروں میں اس معراج کے حوالے سے، یہ بحث شروع کر دیتے ہیں کہ یہ جسم کی نہیں روح کی تھی۔ پچھلے جمعہ بھی میں نے عرض کیا تھا کہ روح اور جسم کی علیحدگی کا نام موت ہے، معراج نہیں ہے۔ لیکن جنہوں نے عظمت نہیں ناں ماننی ہوتی تو پھر وہ ایسی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ وہ جو آیات ہیں سورۃ نجم کی، اچھا دیکھا کسے تھا؟ جی جبریل کو دیکھا تھا، اللہ کو نہیں دیکھا تھا۔ یہ باتیں تفاسیر میں لکھی ہوئی ہیں۔ کچھ کہیں گے کہ وہ جو اللہ سے گفتگو ہوئی تھی وہ خواب میں ہوئی تھی۔ یہ عربوں کے ہاں، یہ جو میں لیلۃ الاسراء میں کہہ رہا تھا ناں، وہ اس کو لیلۃ الاسراء اس لیے کہتے ہیں کہ اگر یہ سفر اس معراج میں نہ ہوتا، یہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا، تو اسی وقت لوگوں نے سمجھ لینا تھا کہ یہ جو آسمانوں کے اوپر والی معراج ہے یہ خواب والی ہے یہ جسمانی نہیں۔ اس سفر کو شامل کر کے اصل میں سب کے منہ بند کیے گئے کہ یہ سفر جسمانی تھا۔ جہاں تک روح نے پرواز کی وہاں تک اس جسم نے بھی پرواز کی۔ کچھ باتیں جہالت کی وجہ سے بھی ہوتی ہیں۔ میری کئی دفعہ لوگوں سے بات ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہماری تو اس طرف توجہ ہی نہیں گئی۔ بھائی دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہمارا کیا عقیدہ ہے؟ قرآن کریم نے جو دیا ہے وَ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا[1] کہ موسیٰ نے اللہ سے گفتگو کی۔ تو انکا اعجاز کیا ہے؟ تو انکی

[1] سورۃ النساء:164

روح نے گفتگو کی یا جسم سمیت گفتگو کی؟ بھائی یہی معجزہ ہے ناں۔ اوہ! اس جسم کیساتھ اللہ سے گفتگو کرنا تم موسیٰ کی بھی مانتے ہو، نبی پاک ﷺ کے متعلق تمہیں کیا پریشانی ہو گئی؟ یہ تو قرآن نے موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بیان کیا۔ یہ اعجاز تو موسیٰ علیہ السلام کا بھی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ نہیں یہی تھا کہ زیادہ سے زیادہ جبریل کو دیکھا۔ اب قرآن کہتا ہے وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ [1] اوہ! ظاہر اًفرشتوں کو تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی دیکھا۔ یہ معجزات تو وہ ہیں جو قرآن بیان کر رہا ہے۔ اگر یہی معجزے تھے تو پہلے موسیٰ کو بھی دیا، یہ ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیا۔ مفتی شفیع صاحب نے بڑی بات معارف القرآن میں لکھی ہے، بڑی کمال کی بات، حالانکہ یہ دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اللہ نے جن کو کو علم عطا کیا ہوتا ہے وہ کنجوسی نہیں کرتے۔ تو انہوں نے یہ بات اپنی تفسیر میں لکھی کہ جو نبی پاک ﷺ کے علم غیب کا انکار کرتا ہے وہ اصل میں حضور کی نبوت کا انکار کرتا ہے۔ چونکہ نبی کا تو کام ہی غیب کی خبریں دینا ہے۔ اس لیے اس کو کوئی معمولی نہیں سمجھنا۔ یہ عظمت پہلے نبی کی ماننی پڑے گی۔ بھائی میں نے قبر کے معاملات تو نہیں دیکھے۔ کیوں یقین رکھتا ہوں؟ اس لیے کہ میرے نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کو تو میں نے نہیں دیکھا۔ کیوں مانتا ہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا۔ لیکن جب، یہ بھی بڑا مشکل معاملہ ہے، بہت مشکل معاملہ ہے۔

جب میرے پاک پیغمبر ﷺ نے صبح مسجدِ حرام میں آکر لوگوں کو اپنے سفر کے بارے بتایا۔ امام قرطبی نے جو لکھا ہے وہ میں آپ کو بتاؤں۔ تو مشرکینِ مکہ نے اس معجزہ کا انکار کر دیا۔ کیوں بھلا؟ ایک ہوتی ہے عادت اور ایک ہوتی ہے خرقِ عادت۔ معجزہ کا میں نے بڑی دفعہ آپکو بتایا ہے کہ معجزہ کہتے ہی اُسے ہیں جو عقل کو عاجز کر دے۔ عقل مانتی ہے عادت کو۔ جو عادت کے خلاف بات ہو اسکو عقل تو مانتی ہی نہیں۔ اب اس خرقِ عادت پر ایمان لانا، غیب پر ایمان لانا، یہ جو پہلے پارے میں ہے الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ [2] غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ غیب کیا ہے؟ خرقِ عادت۔ اب دیکھئے میں آپ سے کہوں کہ میں نے کل لاہور جانا تھا، نہا دھو کر کپڑے پہنے، بس میں بیٹھا اور پانچ منٹ بعد میں لاہور پہنچ گیا۔ باقی بات تو آپ مانیں گے لیکن جب پانچ منٹ والی بات آئے گی تو آپ کہیں گے عادت کے خلاف ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔ اگر ایک حصہ بھی عادت کے خلاف ہے تو عقل نہیں مانے گی۔ عقل عادت کو مانتی ہے،

---

[1] سورۃ الانعام:75

[2] سورۃ البقرۃ:3

خرقِ عادت کو نہیں مانتی۔ ایمان کہتا ہے کہ نہیں جو خرقِ عادت ہے پیغمبر فرمادیں تو ماننی ہے۔ بھائی جو چیز تیری عقل میں نہیں آتی اگر پیغمبر فرمادیں تو تُو نے ماننی ہے۔ عقل میں نہیں آتی تھی لیکن پیغمبر نے فرمادی۔ اب یہ چونکہ مہینوں کا سفر مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا۔ جیسا میں نے کہاناں کہ اگر میں کہوں کہ مجھے کوئی پانچ منٹ میں لے گیا تو آپ کہیں گے کہ نہیں یہ تو عادت کے خلاف ہے۔ یہ بات نہیں مانی جاسکتی۔ اب دیکھئے وہ کیسے مان سکتے تھے۔ اور یہ بڑی ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے وہ بھی منکر ہو گئے تھے، انہوں نے بھی اس معجزہ کا انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے بھی کہا کہ باقی باتیں تو ہم مان سکتے ہیں لیکن یہ بات نہیں مان سکتے۔ صرف مشرکین ہی انکار نہیں کر رہے تھے بلکہ جو لوگ نئے نئے مسلمان تھے، ایمان کا وہ معیار نہیں تھا، وہ بھی تھڑک گئے اس بات سے۔ اب جب انہوں نے مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور انکار کیا۔ تو اب یہ لوگ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ وہ جملے بھی یہ لوگ آپ کو سارے نہیں سناتے، میں نے کہا کہ آج میں ساری بات آپکو سنادوں۔ اب انہوں نے جاکر یہ بات کہی کہ اگر کوئی بندہ یہ کہے کہ میں رات کے تھوڑے سے حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور پھر آسمانوں کی سیر کر کے تھوڑے سے حصے میں واپس آجاؤں۔ وہ جو میں نے کہا کہ پانچ منٹ میں لاہور پہنچنے والی بات۔ تو کیا آپ یہ بات مان لیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ تو عادت کے خلاف ہے۔ کوئی بندہ کیسے تھوڑے سے وقت میں یہ سفر کر سکتا ہے۔ اب اگلی بات انہوں نے یہ کہی کہ یہ بات تیرا نبی کہہ رہا ہے۔ تو پہلا جواب پتہ حضرت ابو بکر کا کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ یعنی اگر عقل اسکو تسلیم نہیں کر رہی تھی۔ یہ میں تھوڑا سا فرق آپکو عرض کر رہا ہوں۔ یہ سورۃ نور میں بھی جب حضرت اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ تہمت لگی تھی تو وہاں بھی اللہ نے یہی بات فرمائی تھی۔ وہاں بھی اس میں کچھ مسلمان شامل ہو گئے تھے۔ فرمایا تھا ایمان والو! جب منافقوں نے نبی کی بیوی کے خلاف بات کی تو تم نے ان کی بات کا یقین کیوں کیا؟ اگر کوئی حضور کی اہلِ بیت کے متعلق گستاخی کرے، صحابہ کے متعلق، امہات المومنین پہ، تو یہ اصول سورۃ نور میں بیان کر دیا گیا کہ اگر تم ایمان والے ہو تو تم نے اس گستاخی کو قبول کیسے کر لیا۔ اس لیے میں نے اصولِ حدیث عرض کی تھی کہ اگر سند ٹھیک بھی ہو، امامِ مالک کہیں کہ میں نے شہاب غوری سے سنا ہے، شہاب غوری کہیں کہ میں نے سعید ابن مصیب سے سنا، وہ کہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا، اگر اس روایت میں پیغمبر کی گستاخی ہو گی تو وہ حدیث قبول نہیں کی جائے

گی۔ یہ اللہ فرمارہاہے کہ ایمان والو! تم نے یہ بات قبول کیسے کرلی۔ اس لیے اب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ آگے سے جواب کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ یہ کوئی معمولی جملہ نہیں تھا۔ کیوں کہ پہلے جب انہوں نے کہا کہ کوئی بندہ یہ بات کہے تو آپ نے کہا کہ یہ عادت کے خلاف ہے۔ عقل کے خلاف ہے، ایسے ممکن نہیں ہے۔ اب جب انہوں نے کہا کہ تیرا نبی یہ کہتاہے تو انہوں نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ شاید ابھی آپ اس جملے کی طرف نہیں پہنچے۔ شک حضور کیطرف نہیں گیا۔ یعنی کمزوری پیغمبر کی طرف نہیں گئی۔ فرمایا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ تیرا پیغمبر مسجدِ حرام میں بیٹھاہے اور یہ بیان کر رہاہے۔ اب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میرے پیغمبر نے بیان کیا ہے تو سچ بیان کیاہے۔ انہوں نے پہلے دو سوالوں پہ تم، یہ امام قرطبی نے لکھاہے کہ پہلے سوال پہ تو تم نے کہا یہ ممکن نہیں ہے کہ رات کے تھوڑے سے حصے میں اتنا سفر، پھر جب وہ کمزوری کی بات تیرے نبی کی طرف گئی تو تم نے ہم کو جھوٹا کہا۔ کمزوری حضور کی طرف تو بھائی جا نہیں سکتی۔ اب جب ہم نے کہا کہ آؤ مسجد میں کہ وہ یہ بیان کر رہے ہیں تو اب تم کہہ رہے ہو کہ انہوں نے سچ کہاہے۔ یہ مقام بھی بڑا عجیب مقام ہے۔ سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو مسجدِ اقصیٰ کی بات ہے، یہ تو ہے ناں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ کہ یہ مہینوں کا سفر رات کے تھوڑے سے حصے میں کیسے کر دیا؟ اوہ! میں نے تو اس سے بڑی بات اپنے پیغمبر سے سنی ہے اور اس پہ یقین کیاہے۔ اوہ! یہ تو چھوٹی سی بات پہ تم مجھ سے سوال کر رہے ہو، اوہ! میں نے تو اس سے کہیں بڑی بات اپنے نبی سے سنی اور یقین کر لیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ بڑی بات کیا ہے؟ فرمایا وہ تھا اللہ کو ماننا۔ اب یہ تھا وہ ماحول، اب وہ جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، انہوں نے جب یہ باتیں سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سنیں تو پھر اسلام کیطرف لوٹ آئے۔ اب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت اللہ شریف حاضر ہوئے، سرکار ایک ایک واقع بیان کرتے اور ابو بکر صدیق کہتے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے سچ فرمایا۔ تو جب خرقِ عادت ہو عادت کے خلاف ہو لیکن نبی بیان کر دے، اب تُو نے ایمان لاناہے۔ تو اگر صرف روحانی ہی بات تھی، خواب کی بات تھی تو پھر مشرکین مکہ کو اتنی پریشانی کیا تھی؟ اب ان کو اتنی پریشانی کیوں لگ گئی؟ آپ کو پتہ ہے لاہور میں انجنیئرنگ یونیورسٹی میں جب باتیں کرتے ہیں، آئن سٹائن کی تھیوری آف ریلیٹوٹیٹی پہ بات کرتے ہیں، تو بڑا مجمع جھوم رہا تھا، واہ واہ کیا شان ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم براق پر تشریف لے گئے اور براق، برق کی جمع ہے اور برق کہتے ہیں بجلی کو۔ دیکھئے جی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاسٹی آف لائٹ

سے حرکت کی۔ وہ ایک علیحدہ موضوع ہے کہ روشنی کی رفتار سے۔ پھر اس کے آگے ہے کہ جب کوئی جسم ولاسٹی آف لائٹ سے حرکت کرتا ہے تو مادہ انرجی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پھر یہ جسم، جسم نہیں رہتا۔ پھر یہ انرجی میں بدلے گا تو ولاسٹی آف لائٹ سے حرکت کر سکے گا۔ یہ جسم نہیں کر سکتا۔ پھر دیکھئے جی حضور کے نور کو بھی مان لیا۔ لوگ بڑی واہ واہ کر رہے تھے۔ تو میں نے جب انکی توجہ دلائی ناں کہ یہ بات تو قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ بھائی جب آپ یہ کہیں گے کہ یہ جسم نہیں تھا، پھر معجزہ کیسا؟ یہی تو معجزہ تھا کہ تیرا جسم ولاسٹی آف لائٹ سے حرکت نہیں کر سکتا، یہ میرے محمد کا جسم ہے۔ یہ لطیف ہے، اس میں کثافت نہیں۔ اتنا لطیف ہے کہ اس میں سے روشنی گزر جاتی ہے۔ اس لیے سایہ نہیں بنتا، اتنا شفاف ہے۔ میرے پسینے سے بدبو کیوں آتی ہے؟ وہ میرے جسم کی کثافتوں کی وجہ سے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے پسینے سے خوشبو آتی ہے۔ یہی تو اعجاز تھا کہ جہاں تمہاری روح اور جسم کی پرواز میں فرق آجاتا ہے، تم محدود ہو جاتے ہو لیکن یہ میرے محمد کریم کی روح تھی کہ جہاں تک روح نے پرواز کی وہاں تک جسم نے بھی پرواز کی۔

یہ وجود اور جسم میں فرق ہے۔ امامِ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا جملہ بڑا کمال کا، کسی نے پوچھا کہ امام اللہ کو شے کہہ سکتے ہیں؟ آپ کہتے ہیں ناں یہ شے، وہ شے۔ تو اس بندے نے کہا کہ امام کیا اللہ کو بھی شے کہہ سکتے ہیں؟ تو امام نے فرمایا کہ ہاں کہہ سکتے ہیں۔ وہ بندہ بڑا حیران ہوا کہ جب شے کہیں گے تو وہ تو محدود ہو جائے گی۔ جسم تو محدود ہوتا ہے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ہاں کہہ سکتے ہیں لیکن لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ[1] لیکن اس کی مثل کوئی شے نہیں۔ تو یہ وجود اور جسم میں فرق ہے۔ وجود کا معنیٰ ہے "ہونا"۔ یہ لفظ وجود جب استعمال ہو تو اسکا معنیٰ جسم نہیں ہوتا۔ جب ہم کہتے ہیں ناں اللہ کا وجود تو اسکا مطلب ہے کہ اللہ ہے لیکن لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ پھر جب اس کے محبوب کی باری آتی ہے تو ان کیلئے بھی یہی ہے کہ ان کا بھی جسم ہے لیکن اس جسم جیسا کوئی جسم نہیں۔ یہ وہ شان ہے جو قرآن بیان کر رہا ہے۔ تو جب یہ عظمت ہو گی تو احترام بھی ہو گا۔ سر بھی جھکے گا، حکم بھی مانا جائے گا۔ لیکن اگر تم نے میرے نبی کی عظمت ہی نہیں مانی تو ادب کیسے کرنا حکم کیسے ماننا؟ تو اس لیے اس کو لفظِ سبحان سے شروع کیا اور یہ سیر مسجدِ حرام سے

[1] سورۃ الشوریٰ:11

مسجدِ اقصیٰ تک اور اس میں لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَاؕ۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ سارا کام ہم نے اس لیے کیا کہ ہم نشانیاں دکھائیں اپنی۔ اپنی آیات دکھائیں۔

مسجدِ اقصیٰ کیوں شان والی ہے؟ الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ اس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ حَوْلَهٗ اسکے ارد گرد۔ بٰرَكْنَا ہم نے برکتیں رکھیں ہیں، جمع کا صیغہ ہے۔ کیا برکتیں ہیں؟ یہاں تمام مفسرین نے ایک ہی بات کہی ہے۔ بھائی مسجدِ اقصیٰ کے ارد گرد کیا برکتیں ہیں؟ یا تو اللہ فرماتا ناں کہ مسجد میں برکتیں ہیں تو میں کہتا کہ ٹھیک ہے مسجد ہے اس میں برکتیں ہیں۔ ارد گرد برکتیں ہیں۔ ارگرد تو یہاں پہ (اپنی مسجد کی مثال) جانور بھی گزر رہے، آپ نے جوتے بھی رکھیں ہیں۔ فرمایا نہیں، مسجدِ اقصیٰ ایسی نہیں ہے۔ اس کے ارد گرد کہیں ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے، کہیں اسحاق علیہ السلام کی قبر ہے کہیں یوسف علیہ السلام کی قبر ہے۔ تو اللہ کے نبیوں کی جو قبر ہے اسکو اللہ برکت کہہ رہا ہے۔ مسجدِ اقصیٰ کے ارد گرد جو برکتیں ہیں وہ کیا ہیں؟ وہاں انبیاء کی قبریں ہیں۔ ان قبروں پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ یہ بھی مسجد کی خصوصی شان بیان کی کہ جس مسجد کے ارد گرد اللہ نے نبیوں کی قبریں رکھی ہیں ناں وہ برکت والی چیز، وہاں برکتوں کا نزول ہوتا ہے وہاں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ تو یہ سارے کام بات تو پھر وہی ہے کہ سدرہ پہ جاکر بھی ایک بات ہوئی تھی کہ میں آگے نہیں بڑھ سکتا، جبریل نے کہا تھا کہ میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔

پرواز کی طاقت نہ رہی جبریل کے پر میں
اک ایسا بھی مقام آیا تیری راہ گزر میں

تم حضور کے وجود کی بات کرتے ہو؟ میرے پیغمبر ﷺ کی راہ گزر کا یہ مقام ہے کہ وہاں جبریل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ اصل میں میرے ذہن میں یہ تھا، یہ جو اللہ فرماتا ہے ناں کہ میرے پیغمبر ﷺ کی عزت کرو، احترام کرو، اوہ! بھائی عزت تو تب ہی کرینگے ناں جب عظمت ذہن میں ہو۔ اگر عظمت اور بڑھائی ہی ذہن میں نہیں ہے تو عزت کیا کرنی ہے؟ عظمت کیا کرنی ہے؟ بڑی عظمت ہے لیکن ہم نہیں جانتے۔ ہم کثیف لوگ ہیں وہ لطیف معاملہ ہے۔ لیکن یہ بھی انکی مہربانی ہے کہ وہ اپنی عظمت، اپنی بزرگی مہربانی فرماتے ہیں اور ہمیں تھوڑی بہت عطا فرما دیتے ہیں۔ اور یہی سب سے بڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضور کی امت میں پیدا فرمایا۔ اس صدقے سے ہماری بھی عزت ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

23۔ ایک قولِ سدید پر آجاؤ (حصہ: اول)

قرآن: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا-وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا (69) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا(70) یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ-وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا(71) سورة الاحزاب

ترجمہ: " اے ایمان والو! اُن جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا تو اللہ نے اسے بَری فرمادیا اس بات سے جو انہوں نے کہی اور موسیٰ اللہ کے یہاں آبرو والا ہے۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو تمہارے اعمال تمہارے لیے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرے اس نے بڑی کامیابی پائی۔"

خاکہ:

1. وجیہہ عربی میں کس چہرہ کو کہتے ہیں؟
2. اللہ نے کسی نبی کو اخلاقی، جسمانی یا روحانی لحاظ سے عیب دار پیدا نہیں کیا۔
3. حضرت موسیٰ علیہ السلام کتنے ناز والے پیغمبر تھے؟
4. پیغمبر کو سب سے زیادہ اذیت جھوٹ کی وجہ سے ہوتی ہے۔
5. میرے پیغمبر ﷺ کے کل کردار کی بقا کا نام حسین ہے۔
6. جس کا مشن مر جائے وہ مر جاتا ہے۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

آج ہم نے سورۃ احزاب سے تین آیات تلاوت کیں اور گفتگو کیلئے موضوع بنایا۔ ارشاد ہوتا ہے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تم ان لوگوں کیطرح نہ ہو جانا اٰذَوْا مُوْسٰى جنھوں نے موسیٰ کو اذیت دی، تکلیف دی، اللہ کے نبی کو پریشان کیا فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ انہوں نے جو تہمتیں لگائیں تھیں اللہ نے تو اپنے نبی کو بے عیب ثابت کر دیا۔ کہتے ہیں ناں فلاں بندہ برّی ہو گیا یعنی اس کو عدالت نے بے عیب ثابت کر دیا۔ فرمایا فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بے عیب ثابت کر دیا۔ مِمَّا قَالُوْا جو وہ باتیں کرتے تھے۔ اللہ نے ثابت کر دیا کہ وہ جھوٹے ہیں۔ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا وجیہ لفظ آپ اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ عربی زبان میں وجیہ کہتے ہیں، جسکے چہرے کی اتنی حیاء ہو کہ اس کی بات ٹالی نہ جاسکے۔ اسکی بات کو رد نہ کیا جاسکے۔ تو فرمایا وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا میرا نبی موسیٰ تو اللہ کے نزدیک بڑا وجیہ ہے۔ اسکا چہرہ وجیہ ہے، اللہ اسکی بات ٹالتا نہیں ہے۔ یعنی ایک تو کہا کہ یہ جو جھوٹے الزام لگاتے ہیں اس سے ہم نے اپنے نبی کو بری کیا اور دوسرا انکو بتایا کہ اللہ کے نزدیک نبی کا مقام کیا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا آیت پچھلی بھی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا سے شروع ہوئی ہے ناں کہ اے ایمان والو تم بھی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف دی اور موسیٰ تو بڑے وجیہ ہیں۔ اب اس تکلیف کو صرف ایک جملے میں بیان کیا جارہا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ کیلئے تقویٰ اختیار کرو وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا اور بات سچی کیا کرو۔ یعنی موسیٰ کو جو تکلیف پہنچی تھی وہ جھوٹی باتوں سے پہنچی تھی۔ تو تم ان جیسے نہ ہو جانا جنھوں نے جھوٹ بول کر اپنے نبی کو تکلیف دی تھی۔ ایمان والو! تم ایسے نہ ہو جانا اور تمہیں بات سچی کہنی چاہئے۔ صرف ایک اتنا سا کام کر لوگے يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ۔ میں چار پانچ دن اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتا رہا، پچھلے جمعہ سے کہ مولا کریم یہ جو مسلمانوں کیلئے پریشانیاں ہیں، تکالیف ہیں، ایک فرد سے لیکر معاشرے تک اور پورا عالمِ اسلام، تو میری کوئی رہنمائی فرما، زندگی موت کا پتہ نہیں ہوتا، تیرے کلام سے کوئی ایک بات انکو بتاجاؤں، جن سے انکا معاملہ حل ہو جائے۔ تو اس آیت نے کمال کر دیا کہ صرف ایک بات سچی کرو۔ باقی آیتوں میں کیا ہے؟ إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات ایمان لاؤ اور نیک عمل

کرو۔ اکثر قرآن میں یہ موضوع ہے۔ لیکن یہاں بڑی عجیب بات ہے کہ فرمایا کہ اگر تم میرے نبی کو اذیت نہیں دو گے اور سچی بات کروگے، اب اللہ یہ نہیں فرمارہاہے کہ تم نیک عمل کرو۔ فرمایا یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ اللہ تمہارے عملوں کی اصلاح کردیگا۔ یار اس سے بڑا کیا اجر ہو سکتا ہے؟ تمہارے ذمہ کوئی بات ہی نہیں رہنی، یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وہ اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کردیگا۔ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ اور تمہارے گناہ بھی بخش دیگا۔ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ جس نے اللہ کی اور اسکے رسول کی اطاعت کی، فرمانبرداری کی، غلامی کی فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا اس سے بڑا کامیاب کوئی نہیں۔ اس دنیا میں سب سے بڑا کامیاب وہ ہے جس نے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کی، فرمانبرداری کی۔

میں مختصر ظاہر ہے اس پہ گفتگو کر سکتا ہوں ہمارے پاس وقت کم ہوتا ہے۔ یہ جو پہلا جملہ ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اے ایمان والو! ان لوگوں کیطرح نہ ہو جانا اٰذَوْا مُوْسٰى جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی اذیت دی، پریشان کیا۔ اس میں تین روایات ہیں۔ ایک تو بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ ویسے تو بہت سی باتیں ہیں لیکن جو مستند روایات ہیں، ان سے میں آپ کو بتانے لگا ہوں کہ وہ تین باتیں جن سے اللہ کے نبی کو تکلیف ہوئی۔ اذیت پہنچائی۔ بنی اسرائیل جب نہاتے تھے تو ننگے ہو کر نہاتے تھے اور گروپ بنا کر نہاتے تھے۔ یہ انکا کلچر تھا ثقافت تھی۔ آج بھی اگر یورپ میں چلے جائیں تو ایک حمام میں سات آٹھ شاور لگے ہوتے ہیں۔ تو سات آٹھ لوگ ننگے ہی نہاتے ہیں۔ عورتوں کیلئے وہ علیحدہ بناتے ہیں، وہاں ایک ایک عورت ہوتی ہے۔ لیکن مرد۔۔ تو یہ کلچر آج بھی ہے کچھ ممالک میں۔ تو وہ ایسے اکٹھے نہاتے تھے اور ننگے نہاتے تھے۔ لیکن آپ کو پتہ ہے کہ نبی بڑا احیاء والا ہوتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام جب نہاتے تو تنہا نہاتے اور پردے میں نہاتے۔ تو بنی اسرائیل نے یہ بات مشہور کر دی کہ ان کے جسم پر کوئی نقص ہے۔ یہ بات مجھے بھول نہ جائے، اللہ نے جسمانی طور پہ اور روحانی طور پہ، یعنی اخلاقی طور پر، یہ دونوں جملے یاد رکھنے ہیں کہ جسمانی طور پہ اور اخلاقی اور روحانی طور پہ اللہ نے کسی نبی کو عیب والا پیدا نہیں کیا۔ کسی نبی کو عیب والا پیدا نہیں کیا۔ یہ عقیدہ کی بات ہے۔ ہم مرزا قادیانی کو بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ ایک آنکھ والا نبی نہیں ہوتا۔ اللہ جسمانی لحاظ سے بھی نبی کو بے عیب پیدا کرتا ہے اور اخلاقی اور روحانی لحاظ سے بھی بے عیب پیدا کرتا۔ نبی بے عیب ہوتا ہے۔ یہ نبوت کا عقیدہ ہے۔ اور اللہ فرمارہاہے، یہ نہیں فرمایا کہ اے انسانوں،

فرمایا اے ایمان والو! تم ویسے نہ ہو جانا۔ یعنی وہ کلمہ بھی پڑھتے تھے اپنے نبی کا اور عیب بھی لگاتے تھے۔ کہیں تم ایسے نہ ہو جانا کہ ایمان لانے کے بعد نبی میں عیب تلاش کرنا۔ اس لیے میں نے بھی کئی دفعہ کہا ہے کہ بیٹھے ہوئے کہیں کہہ دیتے ہیں کہ جی وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں وہ کیڑوں کا ذکر، نہ، یہ عقیدہ کے خلاف ہے۔ پیغمبر کا جسم بے عیب ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں کوئی عیب ہیں اس لیے وہ چھپ کے نہاتے ہیں، ورنہ تو وہ اپنے کلچر کے مطابق نہاتے۔ اب اگلا جملہ فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ اللہ نے ان کو بے عیب ثابت کر دیا مِمَّا قَالُوْا جو کچھ وہ لوگ کہتے تھے۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کپڑے اتارے ایک پتھر پر رکھے اور خود اندر رواش روم میں چلے گئے نہانے کیلئے تو پتھر جو ہے وہ کپڑے لیکر بھاگ گیا۔ یہ بھی بڑا عجیب واقعہ ہوا۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے سوٹا پکڑا اور اس کے پیچھے پیچھے کہ اوہ! میرے کپڑے۔ اب جا کر وہ کھڑا کہاں ہوا؟ جہاں عام لوگ کھڑے تھے اور اللہ تعالیٰ نے سارے لوگوں کے سامنے اپنے نبی کو بے عیب ثابت کیا فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا۔ کچھ اسرائیلی روایات میں ہے کہ وہ نگل گیا تھا کپڑے، پھر وہ جو سوٹے اسکو پڑے تو پھر اس نے دے دیے[1]۔ ایک تو یہ روایت ہے۔

سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس کی شرح میں جو بات لکھی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ہارون علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کے بھائی، جب انکا (ہارون علیہ السلام کا) وصال ہوا، وصال جنگل میں ہوا تھا تو بنی اسرائیل نے کہا کہ موسیٰ نے اسکو جنگل میں قتل کر کے اُدھر دفن کر دیا ہے۔ تو پھر یہ بھی کہا کہ ہارون ہمارا زیادہ ہمدرد تھا، وہ ہمارا زیادہ خیال رکھتا تھا اور تُو بہانے سے اسے کہیں جنگل میں لے گیا اور اسکو کہیں قتل کر دیا۔ اب جملہ ذہن میں رہے کہ تم ویسے نہ ہو جانا جیسے انہوں نے موسیٰ کو اذیت دی تھی۔ تو سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ یہ جو ہے نا فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات سے برّی کر دیا۔ فرشتوں کو حکم دیا اور ہارون علیہ السلام کا تابوت لا کر وہاں پیش کر دیا گیا۔ تو یہ برّی کر دیا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ یہ بھی روایت لمبی ہے لیکن میں مختصر کر رہا ہوں۔ تیسری جو بات ہے، کبھی مجھے موقع ملا تو اسکا بیسویں پارے میں بھی ذکر ہے، قارون چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا خالہ

---

[1] صحیح بخاری:3404 / سلسلہ احادیث صحیحہ:2499

زاد تھا، رشتہ دار تھا، قریبی تھا اور تورات کا عالم تھا اور بڑی لوگوں کو تقریریں سنایا کرتا تھا۔ لیکن جب وہ دشمن ہوا تو ہو گیا۔ اس نے ایک عورت کو رقم دی کہ جس دن موسیٰ علیہ السلام مجمع میں گفتگو فرما رہے ہونگے تو تم نے جا کر کہنا ہے کہ موسیٰ نے تو میرے ساتھ بدفعلی کی ہے۔ یہ ہے وہ اذیت کی دو تین باتیں، جو میں عرض کر رہا ہوں۔ وہ تفصیل جو ہے وہ بیسویں پارے میں ہے، جس دن ہم درس دینگے، اس میں پھر عرض کرینگے کہ اللہ تعالیٰ نے پھر اسی عورت سے کہلوا ڈالا کہ اس نے مجھے پیسے دیے تھے۔ جب قارون زمین میں دھنسنے لگا تو پھر اس عورت نے یہ بات بتائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے عیب ثابت کر دیا جو وہ بکواس کرتے تھے۔ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا اور فرمایا کہ یہ جو چہرہ ہے موسیٰ علیہ السلام کا، میرے پیغمبر کا میں تو اپنے پیغمبر کی بات ہی نہیں ٹالتا، بڑا عزت والا چہرہ ہے۔ اور یہاں مفسرین نے بڑا کمال کا جملہ لکھا ہے، ویسے نبی بھی بڑے ناز والے تھے جب ناز پہ آجاتے تھے تو منوا کے چھوڑتے تھے۔ شاید کسی موقع پہ میں نے کہا تھا اسی معراج کے حوالے سے کہ جب کہا رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ[1] اے میرے رب میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں اللہ نے فرمایا لَنْ تَرٰىنِیْ اے موسیٰ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ Capacity کی بات تھی کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ اب اللہ کہہ دے کہ نہیں دیکھ سکتا تو اس میں کوئی گنجائش بچتی نہیں ہے۔ لیکن نبی ناز میں آگئے۔ اب اس جملے کے بعد نبی نے ناز میں آکر کہا کہ میں نے دیکھنا ہے۔ یہ وجیہ کا معنیٰ اگر میں آپ تک پہنچا سکوں۔ تو اللہ نے آگے سے یہ نہیں کہا کہ موسیٰ کہہ جو دیا ہے کہ تو نہیں دیکھ سکتا۔ فرمایا کہ اگر نبی ناز میں آجائے تو اللہ اپنے نبی کے ناز کو ٹھکراتا نہیں۔ فرمایا کہ ٹھیک ہے اگر مجھے دیکھنا ہے وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ تو اس پہاڑ کیطرف دیکھ اور پھر وہی فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْۚ- فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًاۚ اللہ کی تجلی پہاڑ پہ پڑی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو گئے اور زمین پر گر پڑے۔ لیکن اللہ نے اپنے نبی کے ناز کو ٹھکرایا نہیں جو بات آپکو بتانی تھی۔ اس سے بڑی بات مفسرین نے لکھی ہے کہ نبوت وہبی چیز ہے، یہ اللہ کا انتخاب ہوتا ہے، یہ ڈائریکٹ اللہ کا انتخاب ہوتا ہے۔ لیکن یہ اللہ کا نبی اتنے ناز والا تھا کہ جس کی سفارش پہ اللہ نے ہارون کو نبی بنا دیا۔ اوہ! بھائی اس دن میں نے وہ آیات آپکی سنائیں تھی، جس دن سرکار مولا علی کے متعلق گفتگو فرمائی تھی، وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ[2]، یااللہ میری اہل سے

---

[1] سورۃ الاعراف:143

[2] سورۃ طٰہٰ:29

مجھے وزیر دے۔ ھٰرُوْنَ اَخِی [1]۔ اشْدُدْ بِہٖۤ اَزْرِیْ [2] میرا بھائی ہارون میرا وزیر بنا اور اس سے میری کمر کو طاقت فراہم کر۔ تو مفسرین کہتے ہیں کہ نبوت کبھی سفارش پہ نہیں ملتی۔ یہ کیسا نبی ہے۔ وجیہ کا معنٰی اگر آپکی سمجھ میں آجائے۔ ویسے تو آپ ترجمہ پڑھیں گے تو لکھا ہے کہ اللہ فرماتا ہے موسیٰ تو میرے نزدیک بڑا عزت والا ہے۔ وجیہ کا مفہوم آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں کہ میری نظر میں تو موسیٰ کی یہ عزت ہے کہ نبوت سفارشوں پہ نہیں ملتی لیکن اگر میرا نبی کہہ دے تو میں سفارش پہ بھی نبوت دے دیتا ہوں۔ ویسے یہ بات میں پہلی دفعہ آپکو بتانے لگا ہوں، جب بھی کہیں بڑی بڑی محافل میں، علماء اور مشائخ کی محافل میں جانا ہوتا تھا تو میرے حضرت صاحب قبلہ کے متعلق جو علماء، میں علماء کی بات کر رہا ہوں، جاہلوں کی بات نہیں کر رہا، تو وہ پہلا جملہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جسکو اللہ نے وجیہ بنایا ہے۔ حضرت صاحب کو جو نہیں بھی جانتا ہوتا تھا وہ انکو وجیہ کہہ کر پکارتا تھا۔ تو اللہ کے نزدیک یہ جو عزت ہوتی ہے، کسی کے چہرے کا جو احترام ہوتا ہے اسکو وجیہ کہتے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا اب یہاں پہ ایمان والوں کو ڈائریکٹ ایک بات کہی گئی۔ سدید کا ترجمہ آپ پڑھیں گے تو یہی لکھا ہے کہ سیدھی بات کرو، سچی بات کرو۔ تو میں انشاء اللہ اگر اللہ نے زندگی دی تو میں سدید کا مفہوم آپ کو عرض کرونگا۔ اوہ بھائی! اگر سچ کی بات کرنی ہوتی تو صادق کہہ دیا جاتا یا صدیق کہہ دیا جاتا، یہ بھی تو قرآن نے ہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ تو یہاں پہ لفظ سدید استعمال ہوا ہے، اس کے ایک علیحدہ معنٰی ہیں۔ تو یہ ایک بات ذہن میں رکھ لینا کہ پیغمبر کو جو سب سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے وہ جھوٹ سے ہوتی ہے۔ اور اس دن ستراہ میں خلیفہ نبی احمد صاحب نے جو عرس مبارک کروایا تھا، وہاں بھی ایک روایت عرض کی تھی کہ جب زمین پہ جھوٹ بولا جاتا ہے تو آسمان پہ فرشتے کہتے ہیں کہ بدبو آرہی ہے۔ تو جہاں ایک شخص کے جھوٹ کی بدبو آسمانوں پہ فرشتوں کو پریشان کر رہی ہے تو جب ہر شخص ہی جھوٹ بولنا شروع کر دے، وہ پھر کہیں کہ پتہ نہیں ہمارے ساتھ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اس لیے میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ مومن سے اور گناہ ہوسکتے ہیں لیکن مومن

[1] سورۃ طٰہٰ:30

[2] سورۃ طٰہٰ:31

جھوٹا نہیں ہو سکتا[1]۔ اور مومن جان بوجھ کر جھوٹ بولتا بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ڈائریکٹ حکم ہے کہ ایمان والو بات سیدھی کرو، سچی کرو۔ اور پیچھے جو بات ہے کہ اگر اس حکم پہ عمل کرلوگے تو اللہ تمہیں بھی وجیہ بنادیگا۔ یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ صرف اعمال کی اصلاح ہی نہیں کریگا جو پیچھے گناہ بھی ہوئے ہیں وہ معاف بھی کریگا۔ کس درجے پہ لاکر کھڑا کردیا اور جب اللہ ذمہ داری لے لے گا ہمارے اعمال کی اصلاح کی۔ تو ایمان والوں کو کیا فرمایا کہ تم ویسے نہ بن جانا، اسکا مطلب تھا کہ گنجائش تھی ہمارے بھی ویسے بن جانے کی۔ اسی لیے کہا گیا کہ ایمان والو! تم ویسے نہ بن جانا۔ چند ایک ہونگے لیکن ہونگے تو صحیح کہ جو جان بوجھ کر جھوٹ بولیں گے اور پیغمبر کو تکلیف دینگے۔ پیغمبر کی اذیت کا باعث بنیں۔

آج تین شعبان ہے، میرے پیغمبر ﷺ کے گھر بڑا خوشی کا دن ہے۔ سرکار امامِ حُسین رضی اللہ عنہ کی ولادت کا دن ہے۔ وہ جملہ ذہن میں ہے ناں کہ وقت اور مقام اہم نہیں ہوتے بلکہ اس وقت اور مقام میں آنیوالی اللہ کی تجلی اہم ہوتی ہے۔ اور وہ تجلی جسکو میرے پاک پیغمبر ﷺ فرمائیں حُسینُ مِنّی وَاَنا مِن الحُسَین حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ ظاہری طور پر تو میرے پیغمبر کو یہ بھی تکلیف دی گئی تھی ناں کہ انکی اولاد نہیں ہے، یہ ابتر ہیں، انکی نسل آگے نہیں چلے گی۔ میں بڑا حیران ہوتا ہوں، جب کبھی میں اس آیت کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ میرے مولا، اللہ فرماتا ہے ناں کہ جو وہ کہتے تھے ہم نے اس سے اپنے نبی کو برّی کر دیا، بے عیب کر دیا۔ تو یہاں پہ اپنے محبوب کو کیسے ثابت کیا؟ لوگ تو کہہ رہے تھے کہ بیٹا نہیں ہے اور بات ٹھیک تھی کہ بیٹا نہیں ہے۔ لیکن آیۃ مباہلہ میں جو جملہ ارشاد فرمایا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَ اَبۡنَآءَکُمۡ[2] تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں۔ یہ میرے پیغمبر نے اپنی طرف سے نہیں کہا، اللہ نے حکم دیا۔ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَ اَبۡنَآءَکُمۡ میرے محبوب فرمادیں تم اپنے بیٹوں کو لے آؤ اور ہم اپنے بیٹوں کو لے آتے ہیں۔ اور کسی کی جرات نہیں تھی مجمع میں کہنے کی کہ تمہارا تو کوئی بیٹا نہیں ہے۔ ڈائریکٹ لفظ ابناء استعمال کیا، ڈائریکٹ بیٹے کا لفظ استعمال کیا۔ بیٹوں کی جگہ میرے آقا حسنین کریمین کو لیکر

---

[1] صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ کہا گیا: "کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟" نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہاں"، پوچھا گیا: "کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟" نبی ﷺ نے فرمایا: "ہاں"، پھر پوچھا گیا: "کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟" نبی ﷺ نے فرمایا: "نہیں"۔ موطا امام مالک

[2] سورۃ آل عمران: 61

گئے۔ ویسے میرے آقا ﷺ نے گھر آکر پوچھا تھا کہ علی بیٹے کا نام کیا رکھا ہے؟ ظاہر ہے اب علی مجاہد آدمی ہیں، انہوں نے کہا کہ حرب رکھا ہے۔ سرکار نے فرمایا کہ نہیں یہ حسین ہے۔ جنگ بھی کریگا اور ایسی کریگا۔ قیامت تک لوگ یاد رکھیں گے۔ چونکہ یہ روایت سارے بیان کرتے ہیں، تمام مکاتب فکر کے لوگ بیان کرتے ہیں نہ اسکی سند پہ کبھی بات ہوئی ہے اور نہ اسکی صحت پہ کبھی بات ہوئی ہے حُسینُ مِنّی وَاَنا مِن الحُسَین[1]۔ اس روایت پہ کسی کا کوئی اعتراض نہیں۔ پہلے یہی فرمایا کہ حسین مجھ سے ہے۔ ڈائریکٹ جو بات ہے وہ یہی ہے کہ حسین مجھ میں سے ہے۔ میں کئی دفعہ اس پہ سوچتا ہوں کہ ایک طرف تو حدیث قدسی موجود ہے کہ ساری کائنات ہی حضور کی وجہ سے ہے۔ اس کائنات میں سے ایک حسین بھی حضور میں سے ہے۔ لیکن پھر پلٹ کہ جب فرمایا وَاَنا مِن الحُسَین۔ کربلا تک تو لوگ یہی کہیں گے کہ حسین نبی کا بیٹا ہے اور کربلا کے بعد پھر قیامت تک میں حسین میں سے ہوں۔ بس ایک جملہ اگر آپ کے ذہن میں رہ جائے کہ میرے پیغمبر ﷺ کے کل کردار کی بقا کا نام حسین ہے۔ وَاَنا مِن الحُسَین کا جو میں ترجمہ کیا کرتا ہوں کہ اب میرا کردار قیامت تک اگر زندہ رہیگا تو حسین میں سے رہیگا۔

ارسطو نے کہا تھا کہ اگر کسی بندے کے 100 بیٹے ہوں اور اسکا مشن مر جائے تو وہ مر جاتا ہے۔ بیٹوں کیوجہ سے کوئی زندہ نہیں رہتا۔ وہ کہتے ہیں ناں کہ بیٹا ہو گا تو میرا نام زندہ رہیگا۔ نہیں، جسکا مشن مر جائے، وہ مر جاتا ہے۔ وہ زندہ نہیں رہتا۔ اور پاک پیغمبر ﷺ کے کل کردار کی یہ بات ہو رہی ہے وَاَنا مِن الحُسَین۔ جب میں اپنے نبی کے یہ جملے آپ تک پہنچا رہا ہوں اور آپ کا دل خوش ہو رہا ہے تو یہی تو مبارک ہم سیدہ فاطمہ کی بارگاہ میں پیش کرینگے۔ تو یہی تو ہدیہ عقیدت ہم انکو پیش کرینگے۔ اور میرے خواجہ غریب نواز کا تو یہ جملہ، اس کردار میں پہلی بات کیا تھی؟ توحید، تو میرے خواجہ غریب نواز نے تو قیامت تک کیلئے یہ مہر لگا دی کہ "حقّا کہ بنائے لا الٰہ است حسین" اگر وہ مشن توحید کا زندہ ہے تو حسین کیوجہ سے۔ سچائی کا، استقامت کا، صبر، شکر، جو یہ صفات انبیاء کرام میں تھیں وہ ساری صفات حسین نے زندہ رکھیں۔ اس لیے فرمایا تھا کہ جس نے حسین کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی، اس نے اللہ کو تکلیف دی۔ ان آیات میں پیچھے جو آرہا ہے ناں معاملہ وہ تین اذیتوں کا آرہا

---

[1] سنن ترمذی: 3775 / ابن ماجہ: 144

ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ [1] کہ وہ اذیت دیتے ہیں اللہ کو اور اسکے رسول کو، آگے پھر مومنین کا ذکر ہے۔ تو پیچھے جو آیات چل رہی ہیں، ان اذیتوں میں تین اذیتیں ہیں۔ اللہ کو اذیت دیتے ہیں، تو مفسرین اکرام لکھتے ہیں کہ اللہ تک تو کسی کی پہنچ ہی نہیں ہے تو اسکو کوئی کیا اذیت دیگا۔ تو اصل میں جو آپ نبی کو اذیت دیتے ہیں وہ اللہ ہی کو اذیت ہے۔ اور ساتھ مومنین کا بھی ذکر ہے کہ جس نے ایمان والوں کو بھی اذیت دی اس نے بھی اللہ کو ہی اذیت دی۔ تو اس ساری اذیت کو جو ایک جملہ میں قرآن نے بیان کیا ہے وہ کیا ہے؟ وہ ہے جھوٹ۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بھی اپنے پیغمبر پر جھوٹ باندھ کر اپنے پیغمبر کو تکلیف دی۔ مومنوں تم کہیں ایسے نہ ہو جانا کہ تم جھوٹ بولو اور تمہارے نبی کو اذیت ہو۔ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا بس ایک وعدہ کرلو کہ بات سچی کروگے، سیدھی کروگے، جھوٹ نہیں بولوگے۔ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ اب تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں، تمہارے اعمال اللہ ٹھیک کر دیگا۔ تمہارے اعمال کی اصلاح اللہ کریگا وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیگا۔ یہ بھی ایک علیحدہ موضوع ہے کہ بات ہو رہی تھی تقویٰ کی اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ، زندگی کا حاصل ہے ناں کہ ایمان کے بعد تقویٰ مل جائے۔ تو کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ جو ہے وہ بڑا مشکل کام ہے۔ اپنے لباس کو سمیٹ کے جھاڑیوں میں سے گزرنا کہ کوئی کانٹا نہ چُبھ جائے۔ یہ صحابی نے تعریف کی ہے، حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب سے پوچھا تھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ تو آپ نے پوچھا کہ کبھی جھاڑیوں میں سے سفر کیا؟ کانٹے دار جھاڑیاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اپنے کپڑے سمیٹ کر کہ کہیں ہمارا دامن تار تار نہ ہو جائے۔ تو فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیوں سے ایسے ہی کپڑے سمیٹ کر گزر جانے کا نام تقویٰ ہے۔ لیکن یہاں پہ اللہ نے کہا کہ کبھی ذہن میں یہ آجائے کہ تقویٰ کی راہ بڑی مشکل راہ ہے تو اس کا حل بھی اسی میں ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۔ اور ایک کام کرسکتے ہو کہ نہیں؟ بات سچی کرو، تقویٰ مل جائے گا۔ اگر اب بھی خدشہ ہے کہ تقویٰ ملے یاں نہ ملے؟ تو ایک اور بات قرآن نے کی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ [2]۔ اور اب بھی ڈر ہو کہ تقویٰ ملے گا یا نہیں ملیگا، یہاں تو یہ فرمایاناں کہ جھوٹ نہ بولو، اوہ وہاں تو یہ فرمایا

[1] سورۃ الاحزاب:57

[2] سورۃ التوبہ:119

کہ کسی سچے کے پاس ہی بیٹھ جا۔ اب اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اور کیا پروگرام رکھے؟ اوہ! اس سے بڑا پروگرام تمہاری اصلاح کا، تمہاری آخرت کا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو کسی سچے کے پاس ہی بیٹھ جا۔ وہاں بھی تقویٰ ہے ناں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ سچوں کے ساتھ ہو جا۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

24۔ ایک قولِ سدید پر آجاؤ(حصہ: دوم)

قرآن: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭوَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (69) يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا(70) سورة الاحزاب

ترجمہ: "اے ایمان والو اُن جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا تو اللہ نے اسے بَری فرمادیا اس بات سے جو انہوں نے کہی اور موسیٰ اللہ کے یہاں آبرو والا ہے۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔"

خاکہ:

1. سدید کیا ہوتا ہے؟
2. قول سدید کا پہلا درجہ: شک سے پاک سچ
3. قول سدید کا دوسرا درجہ: خطا سے پاک سچ
4. قول سدید کا تیسرا درجہ: طنز سے پاک سچ
5. بے ادبی اور گستاخی تقویٰ سے دور کر دیتی ہے۔
6. ایمان والا جب بھی بولتا ہے تو فائدے کیلئے ہی بولتا ہے۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

گفتگو ہماری قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا پر ختم ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایمان الوں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی تھی، تکلیف دی تھی، اللہ نے تو اپنے نبی کو اس سے، وہ جو جھوٹ انکے متعلق بیان کرتے تھے، اللہ نے برّی کر دیا اپنے پیغمبر کو۔ چونکہ وہ جو چہرہ تھا اللہ کے نزدیک بڑا وجیہ تھا، قابلِ احترام تھا۔ اے ایمان والو! اللہ کیلئے تقویٰ اختیار کرو اور بات سیدھی کرو۔ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ایک بات تو میں نے عرض کی تھی کہ یہاں نہ تو صدق کی بات ہوئی ہے، نہ مستقیم کی بات ہوئی ہے۔ یعنی لفظِ صدق بھی قرآنِ کریم نے مختلف جگہوں پر استعمال کیا ہے۔ صادقین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ میں نے پچھلے جمعہ عرض کیا تھا کہ سدید کے متعلق اگلے جمعہ میں عرض کرونگا۔ سدید کیا ہوتا ہے؟ ویسے تو ترجمہ اسکا یہی ہے کہ سیدھی بات کرو، سچی بات کرو۔ لیکن عربی زبان میں سدید کو چار پہلوؤں سے دیکھا جاتا ہے۔

جب آپ سدید کہتے ہیں ناں، قولِ سدید، تو اسکا پہلا درجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سچ جس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ چونکہ بات بہت بڑیا تھی جو پچھلے جمعہ ہم نے سیکھی تھی کہ ایک یہ کام کرلو کہ قولِ سدید پہ آجاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے سارے اعمال کی اصلاح کر دیگا اور تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیگا۔ یعنی صرف ایک کام کرلو۔ تو قولِ سدید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان وہ سچ بولے جس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ بالکل سیدھی بات۔ علامہ اقبال آپ کو پتہ ہے کہ مولانا رومی سے بڑے متاثر تھے اور انکو پیرِ رومی کہا کرتے تھے اور خود کو مریدِ ہندی کہتے تھے۔ تو علامہ اقبال جن باتوں سے زیادہ متاثر ہوئے تھے ان میں مولانا روم کا ایک جملہ یہ بھی تھا کہ مولانا روم فرمایا کرتے تھے کہ اتنا جھوٹ نہ بولو کہ تمہارے سچ کا بھی اعتبار ختم ہو جائے۔ تو اگر تم شبہ والی باتیں یعنی سچ اور جھوٹ کو مِکس کر کے بولو گے تو پھر تمہارا اعتبار ختم ہو جائے گا۔ پھر تمہارے خالص سچ پر بھی کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔ تو وہ سچ بولو جس میں جھوٹ کا شبہ بھی نہ ہو۔

دوسرا اسکا درجہ ہے اسکو عربی زبان میں صواب کہتے ہیں۔ یہ ث والا ثواب نہیں۔ یہ ص والا صواب ہے۔ آجکل مصیبت یہ ہے کہ مطالعہ کرنے کا شوق نہیں رہا، نہ کوئی تفسیر کی کتاب نہ کوئی سیرت کی کتاب اور میں تو کئی دفعہ یہ بات کہتا ہوں کہ ہماری قوم یہ کہتی ہے کہ ہم نے تو سُن کے ہی علم حاصل کرنا ہے۔ خود مطالعہ نہیں کرنا۔ تو دوسری قومیں اس لیے بھی ہم سے آگے بڑھ گئیں کہ انہوں نے خود مطالعہ کیا اور تحقیق کی۔ کبھی آپ کسی مفتی صاحب کا فتویٰ دیکھیں گے ناں تو اس کے آخر میں لکھا ہوتا ہے " واللہ اعلم بالصواب " یاں کوئی قرآنِ کریم کی تفسیر بیان کریگا تو یہ لکھ دیگا واللہ اعلم بالصواب۔ تو صواب کا یہ معنیٰ ہوتا ہے کہ جو علم اور یقیین خطا سے پاک ہو۔ یعنی میں نے تو یہ فتویٰ لکھ دیا ہے لیکن یقینی علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ اچھا میں فتویٰ کا بھی آپکو بتادوں کہ اصل میں فتویٰ ہوتا کیا ہے؟ آپ کہتے ہیں ناں کہ میں فتویٰ لینے جارہا ہوں۔ فتویٰ کیا ہوتا ہے کہ میں کوئی کام کرنے لگا ہوں یاں کر لیا ہے تو میرے دل میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اس کام سے اللہ راضی ہے یا ناراض ہے؟ تو میں کسی عالمِ دین سے پوچھ لوں کہ میرے اس کام سے اللہ راضی ہے یا ناراض ہے؟ تو اب دو صورتیں ہونگی، ایک تو یہ ہے کہ اس عالم دین نے جو آپ کو بات بتائی کہ اس کام سے اللہ راضی ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں وہ بات صحیح نہ ہو۔ اس نے تو اپنے علم کے مطابق بات کی ہے ناں۔ اگر تو اللہ کی بارگاہ میں وہ بات ٹھیک ہے تو پھر صحیح ہے لیکن اگر وہ بات اللہ کی بارگاہ میں اور ہے اور فتویٰ اور ہے تو پھر وہ اپنے نقصِ علم کیلئے کہہ دیا جاتا ہے کہ حقیقی علم تو اللہ کے پاس ہے، میرا علم تو خطا والا ہے، اس لیے مجھے نہیں پتہ کہ میرا یہ فتویٰ اللہ کی بارگاہ میں صحیح ہے کہ نہیں ہے۔

ایک اور مثال میں دوں آپکو مثلاً اگر امام صاحب چار کی جگہ تین رکعتیں پڑھ کے بیٹھ گئے، چوتھی رکعت کیلئے کھڑے ہونا تھا تو وہاں بھی ہمیں حکم کیا ہے کہ پیچھے سے آپ کہیں کہ سبحان اللہ۔ یعنی امام صاحب کو یاد کروانے کیلئے آپ نے کیا کہنا ہے؟ سبحان اللہ، کہ غلطی ہو گئی ہے، وہ اپنی غلطی کی اصلاح کر لیں۔ تو سبحان اللہ کیوں کہنا ہے؟ ویسے یہ بعد میں حکم ہوا تھا، پہلے لوگ ہاتھ پہ ہاتھ مار کر متوجہ کرتے تھے کہ تجھ سے غلطی ہو گئی۔ صحابہ کے دور میں یہ بھی رہا ہے، اور بھی کئی طریقے تھے۔ تو سبحان اللہ کیوں کہنا ہے؟ سبحان اللہ اس لیے کہنا ہے کہ تو انسان ہے تو بھول گیا ہے لیکن اللہ پاک ہے وہ بھولتا نہیں ہے۔ اس کے پیچھے بھی یہ حکمت ہے۔ تو کبھی آپ کسی کتاب میں یہ ص والا

صواب دیکھیں تو آپ کو پتہ ہو کہ اس کا معنیٰ کیا ہے؟ وہ علم جس میں خطا کا پہلو نہ ہو۔ تو قولِ سدید میں ایک یہ بھی بات ہے کہ تم اپنی کوشش پوری کرو کہ اس میں خطا نہ ہو۔ تم جو بات کر رہے ہو وہ خطا سے پاک ہو۔ یہ دوسرا درجہ ہے اس کا۔ پہلا تو یہ ہے کہ سچائی ایسی ہو کہ اس میں جھوٹ کا شبہ نہ ہو اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس میں خطا کا شبہ نہ ہو۔

تیسری چیز قولِ سدید میں یہ ہوتی ہے کہ اس میں ھزل نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کی گفتگو سے کسی کو طنز یا مذاق سے بھی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ وہ قول جس میں نہ مذاق کسی کو کیا جائے اور نہ طنز کی جائے۔ یہ قولِ سدید کا تیسرا درجہ ہے۔ اور چوتھا قولِ سدید کا یہ درجہ ہے کہ تمہارے لہجے میں تلخی نہ ہو۔ لہجے میں نرمی ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب اگر تمہارے لہجے میں سختی ہوتی تو اس طرح لوگ تمہارے ارد گرد نہ بیٹھتے۔ یہ تمہاری شفقت، تمہاری مہربانی ہے جس نے لوگوں کو تمہارے ارد اگرد اکٹھا کر دیا۔ اور میں کئی دفعہ یہ بات کہا کرتا ہوں کہ جب میرے پاک پیغمبر ﷺ کو یہ اعتبار بنانے کیلئے چالیس سال لگ گئے تھے تو ہم تو بڑی جلدی کرتے ہیں۔ وہ جو قرآنِ کریم میں فرمایا ناں اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ[1] اگر اللہ کی طرف کسی کو دعوت دینی ہو تو حکمت سے دو وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ اور مواعظِ حسنہ سے دو۔ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ پہلی بات تو یہ ہے کہ جھگڑا نہیں ہے اور کہیں نوبت آ ہی جائے، بحث و تکرار کی نوبت آ بھی جائے تو پھر بھی حسنِ اخلاق کا دامن نہیں چھوڑنا، یہ نہ ہو کہ تم آپے سے باہر ہو جاؤ۔ تو یہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے ایمان والو! بات کرنی ہے تو سدید کرو۔ ایسا سچ جس میں جھوٹ نہ ہو، خطا کا پہلو نہ ہو، کسی کو مذاق کیساتھ توہین نہیں کرنی، طنز نہیں کرنی کسی کو۔ وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ[2] بڑا سخت حکم ہے برباد ہو گئے وہ لوگ جس نے کسی کو الزام دیا اور طنز کی۔ وہ شخص برباد ہو گیا۔ طنز کا میں نے آپ کو بتایا تھا کہ تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو آپ اپنی زبان سے طنز کر کے کسی کو تکلیف دیتے ہیں۔ اور ایک ہاتھ کے اشارے سے اور تیسرا آنکھ کے اشارے سے۔ ان تینوں چیزوں سے منع کیا گیا ہے، آنکھ کے اشارے سے بھی کسی کو

---

[1] سورۃ النحل:125

[2] سورۃ الھمزہ:1

برائی کیطرف متوجہ نہیں کرنا۔ ہاتھ کے اشارے سے بھی نہیں اور زبان سے بھی نہیں کرنا۔ یہاں پہ ایک بات بڑی اہم جو تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اتنا سا کام تم کرلو، تمہارے اعمال کی اصلاح ہو جائے گی۔ اللہ کریگا، اللہ نے اپنی ذمہ داری لی ہے اور تمہارے گناہ معاف کردیگا۔

بات شروع کہاں سے ہوئی تھی؟ بات شروع یہاں سے ہوئی تھی کہ اے ایمان والو! تم ایسے نہ ہو جانا ان لوگوں کیطرح جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی تھی۔ طنز کی تھی ناں، مذاق اڑایا تھا کہ اس کے جسم میں عیب ہے۔ یہ بات ہم نے پچھلے جمعہ تفصیل سے دیکھ لی تھی اور بات ختم ہوئی تھی کہ منزل ہماری ہے تقویٰ۔ یہاں بھی یہی ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۔ تو یہاں دونوں باتیں مفسرین کرام نے بیان کیں کہ جو اللہ کے بندے ہیں، انبیاء ہیں، اولیاء ہیں، متقین ہیں، پرہیز گار ہیں، اگر تم ان کو تکلیف دوگے تو تم کبھی متقی نہیں بن سکتے۔ جس نے اللہ کے بندے کو تکلیف دی وہ کبھی متقی نہیں بن سکتا۔ یعنی پہلی آیت اس لیے یہاں سے شروع کی کہ تم موسیٰ کو اذیت دو اور سمجھو کہ تم متقی بن جاؤ گے؟ اور یہ جو سترھویں پارے میں اللہ نے مزید اس کی وضاحت کی وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ [1] اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے اس کو دل کا تقویٰ نصیب ہو جاتا ہے۔ تو تقویٰ سے دور کرنے والی چیز بے ادبی اور گستاخی ہے اور ادب جو ہے یہ تقویٰ کے قریب کرتا ہے۔ تو یہ زندگی میں جو اہم چیز ہے اور اس کے بعد پھر اللہ فرماتا ہے کہ یہ قولِ سدید کی اگر تم گارنٹی دے دو تو پھر یہ جو تمہارے مسائل ہیں ناں اعمال کی اصلاح کے وہ اللہ نے اپنی ذمہ داری لے لی ہے کہ تمہارے اعمال کی اصلاح کردیگا اور تمہارے گناہ بھی معاف کردیگا۔ تو ایک کام تو کرلو کہ جب بات کرو تو قولِ سدید کہو۔ اس کی تفسیر جب میں بیان کرتا ہوں تو ایک روایت میں لوگوں کو ضرور عرض کرتا ہوں کہ جب میرے پاک پیغمبر ﷺ نے مومن کی نشانیاں بیان فرمائیں تو مختصر سا ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ ایمان والا جب بولتا ہے تو کسی کے فائدے کیلئے بولتا ہے ورنہ خاموش رہتا ہے[2]۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس آیت کی، قولِ سدید کی تشریح اس سے بڑی ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ قول

---

[1] سورۃ الحج:32

[2] سنن ابن ماجہ:3971

قولِ سدید ہے جو آپ کسی کے فائدے کیلئے بات کرتے ہیں۔ آپ غصہ بھی کریں تو کسی کے فائدے کیلئے۔ آپ کی پیشانی پہ کبھی سلوٹ آئے تو وہ بھی کسی کے فائدے کیلئے آئے۔ کسی کو دکھ دینے کیلئے نہیں، کسی کو تکلیف دینے کیلئے نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں سے منع کیاناں، ایک تو فرمایا وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ[1] یہ قرآن کریم کی آیت ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی کے جھوٹے خدا کو گالی نہ دو کیونکہ وہ اپنی بے علمی کیوجہ سے تمہارے سچے خدا کو گالی دیگا۔ یعنی قولِ سدید اگر آپ کی سمجھ میں آجائے، اگر تمہاری وجہ سے تمہارے خدا کو کوئی بُرا بھلا کہتا ہے، تمہارے رسول کو کوئی برا بھلا کہتا ہے، اس بات پہ غور کرو کہ اس بے ادبی کا باعث میں تو نہیں بن گیا؟ میری وجہ سے تو نہیں کوئی اللہ کو گالیاں دے رہا، میرے پیغمبر کو برا بھلا کہہ رہا؟ اس میں کیا فائدہ ہے؟ اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ مزید گستاخی کرے گا تو اس کا نامہِ اعمال اور بھاری ہو جائے گا۔ تو کم از کم اس کو اور گناہوں سے ہی بچالو۔ دوسری آیت میں کیا فرمایا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا[2]۔ کوئی جاہل تم سے بحث کرنے لگے تو اس کو سلام کر کے گزر جاؤ، اس سے بحث نہ کرو۔ کیوں؟ بحث میں وہ جتنی غلطیاں کرے گا، اس کا نقصان ہو گاناں۔ تو قرآن کہہ رہا ہے کہ اگر تم دیکھ رہے ہو کہ ایک بندہ پہلے ہی نقصان میں ہے تو تم مزید اس سے بحث کر کے اس کو نقصان میں ڈالو۔ اس کا طریقہ کار کیا ہے؟ وہ جو طریقہ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے بتایا کہ پہلے تم ثابت کرو کہ میں تیرا ہمدرد ہوں۔ جس کو آپ دین کی بات بتانا چاہتے ہیں، اسکی مثال میں دیتا ہوں کہ میرا ایک ہمسایہ بھوکا مر رہا ہے تو میں اسکو کھانا تو پوچھتا نہیں اور یہ کہوں کہ نماز پڑھی ہے کہ نہیں؟ کوئی زخمی راستے میں پڑا ہے اور میں اسکو ہسپتال میں لیکر تو نہیں جا سکتا اور اسکو کہوں کہ نماز پڑھا کر۔ پہلے اس بندے کو ثابت کریں کہ آپ اس کے ہمدرد ہیں۔ جب آپ اس کو یہ بات سمجھا لیں گے کہ آپ اس کے ہمدرد ہیں تو پھر اللہ رسول کی بات اس کے سامنے رکھیں۔

[1] سورۃ الانعام:108

[2] سورۃ الفرقان:63

اور میں نے یہ مثال آپکو دی بھی تھی کہ حضور خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جب اس برصغیر میں تشریف لائے تو کیا آتے ہی لوگوں کو یہ کہنا شروع کر دیا کہ نماز پڑھا کرو اور روزے رکھا کرو؟ نہیں۔ جس کو کھانے کی ضرورت ہے اس کو کھانا فراہم کیا۔ جسکو کپڑے کی ضرورت ہے اس کو کپڑا فراہم کیا اور جس کو عزت کی ضرورت ہے اس کو عزت دی ہے۔ یعنی ہندو، چھوٹی ذات کے ہندوؤں کو تو انسان ہی نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے مندروں میں انکو عبادت کیلئے نہیں جانے دیتے تھے کہ تم چھوٹی ذات کے ہو۔ وید، انکی جو مقدس کتاب ہے وہ نہیں سننے دیتے تھے۔ تو وہ جو معاشرے کہ جہاں انسان جس کو ہر طرف سے بے عزت کیا جاتا تھا، اللہ کا ولی خواجہ غریب نواز ان کا اٹھ کر استقبال کرتے تھے۔ انکو عزت دیتے تھے، سینے سے لگاتے تھے۔ عزت بھی دیتے، کھانا بھی کھلاتے، کپڑا بھی لیکر دیتے، جلدی نہیں تھی پڑی، اور پھر جب وہ چلا جاتا تو پھر دعا کرتے کہ یااللہ اس کو اب ایمان بھی دے دے۔ یہ سلیقہ ہے میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا، یہی اولیاء کرام نے اختیار کیا۔ اور اگر آپ کے ذہن میں ہی کسی کیلئے دشمنی ہے، نفرت ہے تو آپ اسکو اللہ رسول کا پیغام کیسے دے سکتے ہیں؟ تمہارے دل میں ہر انسان کیلئے ہمدردی کا ہونا ضروری ہے۔ یہ ہے قولِ سدید؟ نہ مذاق کے ذریعے، نہ طنز کے ذریعے، بس یہ بات یاد رکھنی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننے والا اگر بولتا ہے تو کسی کے فائدے کیلئے بولتا ہے۔ ورنہ خاموش رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

25۔ ماہ شعبان کی فضیلت

اب دیکھئے یہ ماہِ مبارک، بڑا عزت والا مہینہ، پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ رجب، ویسے بھی رجب حرمت والے مہینوں میں سے ہے۔ آپ کو یہ بات میں نے یاد کروائی ہوئی ہے، پھر آپ بھول جاتے ہیں۔ چار مہینے حرمت والے ہیں، تین اکٹھے ہیں، ذیقعد، ذی الحج اور محرم، اور چوتھا یہ رجب۔ یہ اسلام سے پہلے بھی حرمت والے تھے۔ تو پاک پیغمبر ﷺ فرماتے تھے کہ رجب اللہ کا مہینہ ہے، شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری گناہ گار امت کا مہینہ ہے[1]۔ بڑی ترتیب ہے اس کی۔ اس میں دعا بڑی عجیب تھی، جب رجب طلوع ہوتا تو پاک پیغمبر ﷺ فرماتے تھے کہ مولا کریم خیریت سے مجھے شعبان میں داخل کر اور رمضان تک پہنچا دے۔ اور جیسے اماں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان کے علاوہ نبی پاک ﷺ روزے شعبان میں رکھتے تھے[2]۔ پوری تیاری کرتے تھے۔ رمضان کا استقبال کرتے تھے۔ اسکی بہت سی وجوہات لکھی ہیں کہ جب سرکار فرماتے ہیں کہ یہ میرا مہینہ ہے۔ تو اس کی عزت کیلئے تو یہی بڑی بات ہے کہ حضور فرمائیں کہ یہ میرا مہینہ ہے۔ اور عظمتیں تو ایک طرف۔ جس مہینہ کو نبی پاک ﷺ نسبت اپنی طرف دیں۔ تو باقی تو علماء آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں کہ کچھ کہتے ہیں کہ یہ رات ایسے ہی لوگوں نے بنالی ہے۔ لیکن ہم تو پتہ ہے متفقہ جو بات ہے وہ کرتے ہیں۔ اس پہ کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ پندرہ شعبان کا جو روزہ ہے، اس پہ ساری امت کا اتفاق ہے۔ یہ روزہ بڑی اہمیت والا ہے۔ ویسے تو سرکار لگاتار روزے رکھتے تھے۔ پندرہ کے بعد منع بھی کیا گیا کہ پھر آپ رمضان کی تیاری کریں۔ اور آخر کے دو تین روزے نہ رکھیں کہ فرق ہو، رمضان اور شعبان کا۔ لیکن پندرہ کا جو روزہ ہے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ جو روایت ہے، وہ بھی حسن درجے کی، علماء مانتے ہیں اور جو اختلاف کرتے ہیں، وہ بھی مانتے ہیں کہ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی روایت

---

[1] شعب الایمان، امام بیہقی، جلد 3، حدیث نمبر 3814

[2] عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل روزہ رکھنے لگتے تو ہم (آپس میں) کہتے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھنا چھوڑیں گے ہی نہیں۔ اور جب روزہ چھوڑ دیتے تو ہم کہتے کہ اب آپ روزہ رکھیں گے ہی نہیں۔ میں نے رمضان کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی پورے مہینے کا نفلی روزہ رکھتے نہیں دیکھا اور جتنے روزے آپ شعبان میں رکھتے میں نے کسی مہینہ میں اس سے زیادہ روزے رکھتے آپ کو نہیں دیکھا۔ صحیح بخاری: 1969

کرتی ہیں کہ ایک رات پاک پیغمبر ﷺ بستر پہ موجود نہیں تھے تو میں اٹھ کے تلاش کرنے کیلئے نکلی تو میں نے کیا دیکھا کہ نبی پاک ﷺ جنت البقیع میں تشریف فرما تھے اور قبرستان میں موجود تھے اور ان کیلئے بار بار دعا کر رہے تھے۔ تو میں واپس گھر آ گئی، تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ تو کیا سمجھتی ہے کہ میں تیرے ساتھ خیانت کروں گا؟ اس خیانت کا کیا مطلب تھا کہ اگر باری تیری ہے تو میں کسی اور بیوی کے پاس تو نہیں جاؤں گا ناں، تیری باری ہے تو ظاہر ہے تیرے گھر ہی رہوں گا۔ تو اماں جی نے کہا کہ میرے دل میں تو یہی تھا کہ کسی اور زوجہ محترمہ کے پاس چلے گئے ہیں۔ انسانی فطرت ہے۔ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ جو پندرھویں رات ہے شعبان کی، اس رات اللہ تعالیٰ بنو کلب جو قبیلہ ہے، اسکی بکریوں کے جتنے بال ہیں، ان کے برابر اللہ گناہ گاروں کو نجات عطا فرماتا ہے[1]۔ یعنی اس روایت سے کسی کا اختلاف نہیں۔ چاہے کوئی ضعیف کر کے اسکو بیان کرے، کوئی حسن کہہ کر بیان کرے۔ اس روایت کو سارے بیان کرتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کیلئے یہ چیزیں رکھی ہوئی ہیں کہ کبھی کوئی رات دے دی جو ہزار مہینوں سے افضل ہے کہ پورے سال کی کمی بیشی ہم ایک رات میں ہی پوری کر لیں۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا۔ شرک کرنے والوں کو اس رات بھی معاف نہیں کیا جاتا، جب تک وہ توبہ نہیں کرتا۔ الحمد للہ مسلمانوں میں ایسی بات نہیں ہے جو عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے یا یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ تو مسلمان تو کوئی ذاتی شرک میں مبتلا نہیں ہوتا۔ تو اسکی صفات میں بھی پتہ ہے کہ ہم روز یہی بات کرتے ہیں کہ نہ کوئی اس کی ذات میں شریک ہے اور نہ اسکی صفات میں کوئی شریک ہے۔ ہم تو ہر جمعہ یہ یاد کرواتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے اور صفات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے۔ تو مشرک جب تک توبہ نہیں کرتا۔ توبہ کر لے، اس رات کو اپنے اللہ سے معافی مانگ لے تو اس کے لیے بھی فائدہ ہے۔ تو وہ جو سرکار مولا علی روایت فرماتے ہیں کہ ساری رات اللہ کی رحمت آوازیں دیتی ہے کہ ہے کوئی بخشش مانگنے والا جسکو بخش دیا جائے۔ تو یار اگر اللہ کی رحمت اتنی قریب ہو گئی ہے تو ہماری مرضی ہے کہ ہم اس سے استفادہ کرتے ہیں کہ نہیں۔ کوشش کریں کہ یہ شعبان کی ساری راتوں میں اللہ تعالیٰ سے اپنے

[1] سنن ابن ماجہ: 1389

گناہوں کی مغفرت طلب کریں۔ دوسرا وہ شخص جو مسلمانوں کیلیئے دل میں کینہ رکھتا ہے، اسکی بھی بخشش نہیں۔ یہ جو میں بار بار کہتاہوں ناں کہ کیاہمارے اکٹھ کیلیئے کلمہ کافی نہیں ہے؟ لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ کافی نہیں ہے ہمارے اکٹھا ہونے کیلیئے؟ مت اپنے دل میں کینہ رکھیں۔ جس دل میں کینہ ہوتا ہے، اسکی تو اس بابرکت رات میں بھی بخشش نہیں ہوتی۔ تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرتا ہے۔ جو رحم کے رشتوں کو توڑتا ہے، خون کے رشتوں کو توڑتا ہے، اسکی بھی بخشش نہیں ہوتی۔ یہ میں باتیں اس لیے بیان کررہاہوں کہ یہ نہ ہو کہ آپ ساری رات عبادت کرتے رہیں تو رزلٹ زیرو ہو۔ جن چیزوں نے آپ کی عبادت کو غارت کر دینا ہے۔ ماں باپ کا گستاخ، ساری رات سجدے میں رہے، اسکو کوئی فائدہ نہیں ہونا۔ یعنی جو چیزیں رکاوٹ ہیں، پہلے ان رکاوٹوں کو دور کریں۔ اگر قطع رحمی کر رہے ہیں تو اسکو صلہ رحمی میں بدلیں۔ ماں باپ کی کوئی بے ادبی گستاخی ہے تو اسکو تعظیم میں بدلیں۔ اور وہ شخص جو بڑھاپے میں بھی بدکاری کی طرف رغبت رکھتاہے۔ بوڑھازانی ہو، اسکے لیے کوئی مغفرت نہیں۔ کیونکہ اب تو اسکے جسم کی طلب بھی ختم ہوگئی تھی، اب وہ جان بوجھ کر اس طرف جارہاہے۔ بڑھاپا بھی ہو اور پھر وہ بدکاری کی طرف راغب ہو۔ عادی شرابی، کسی صورت بھی شراب کو نہیں چھوڑتا۔ تو یہ جو چند لوگ ہیں، یہ اللہ سے توبہ کریں اور آئندہ اللہ سے وعدہ کریں کہ نہ ماں پاب کی گستاخی کروں گا، نہ قطع رحمی کرونگا، نہ مسلمانوں کیلیئے دل میں کینہ رکھونگا، نہ شراب پیوں گا، نہ بدکاری کرونگا، اللہ کے حکموں کی فرمانبرداری کرونگا۔

تو یہ دن اور راتیں بڑی ہی اہم ہیں۔ جن کو یہ نصیب ہو جائیں، وہ بڑے ہی مقدر والے، قسمت والے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے، کہ ہے کوئی بخشش مانگنے والا جسکو بخش دیا جائے۔ تو ان لمحات کو ضائع نہ کریں۔ اسکو اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کے صدقے ایسی راتیں دی ہیں۔ پہلی امتوں کو ایسی نہیں دی تھیں۔ تو یہ نہیں ہے کہ آپ نے کوئی پٹاخے شٹاخے چھوڑنے ہیں، یعنی جو دن اور راتیں جہنم سے آزادی کیلیئے تھیں اور ہم جہنم میں جانے والے کام کرنے لگ جاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ جی وہ بچوں کا شوق بھی تو پورا کرنا، یعنی بچوں کا دوزخ میں جانے والا شوق پورا کرنا۔ تم نے روکنا تھا، تم نے بچوں کو منع کرنا تھا۔ اور تم نے خود ہی اپنے آپ کو ان کاموں میں لگا لیا۔ اور یہ میں خصوصی کہا کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں یہ بھی بڑا ہوتا ہے کہ جی اجتماعی محافل کا، صلوۃ التسبیح کا انتظام

کرتے ہیں، مسجدوں میں اجتماعی محافل، لیکن میں ایک بات کہا کرتا ہوں کہ یہ راتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنہائی کیلئے دی ہیں۔ علیحدہ بیٹھ کر اپنے گناہوں کو یاد کرنا۔ چونکہ وہ جو سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا جملہ، مجھے تو بڑا فائدہ ہوا اس سے، سرکار مولا علی فرماتے ہیں کہ اگر تو ساری رات عبادت کرے اور صبح کو اس عبادت پہ تکبر کرے۔ اوہ! میں تو ساری رات جاگتا رہا ہوں اور یہ سویا رہا، یہ تو گھٹیا ہے میرے سے۔ یعنی تُو تکبر کرے اس عبادت پہ تو اس عبادت سے توبہ کر، معافی مانگ اور اس ساری رات جاگنے سے بہتر تھا کہ تو کسی کونے میں اکیلا بیٹھ کر اپنے گناہوں کو یاد کر کے رولیتا۔ زیادہ کرنا ہے، اپنے گھر میں بیوی بچوں کو ساتھ لیں، آؤ آج توبہ کریں۔ جب آپ اپنے بیوی بچوں کیساتھ بیٹھ کر توبہ کرتے ہیں تو وہ منظر بھی اللہ کو بہت اچھا لگتا ہے۔ ٹھیک ہے اگر کوئی اجتماعی عبادت ہے وہ بھی کریں لیکن تنہائی میں اپنے اللہ سے بات کریں۔ اور وہ جو میں جملہ کہا کرتا ہوں ناں کہ اس دنیا میں ہر انسان کی یہی خواہش ہے کہ وہ اپنے محبوب کو تنہائی میں ملے۔ محبوب کو تو سارے تنہائی میں ملنا چاہتے ہیں۔ تو کوشش کریں کہ ان راتوں میں استفادہ کریں، صدقہ و خیرات کریں، قبرستان میں جا کر ان کیلئے دعا کریں اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے رولیں۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

26۔ اللہ تمہیں عدل کا حکم دیتا ہے، انصاف کا نہیں

قرآن: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۔(سورۃ الحدید: 25)

ترجمہ: "بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور عدل کی ترازو اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا، اس میں سخت لڑائی (کا سامان) ہے اور لوگوں کے لئے فائدے ہیں اور تاکہ اللہ اس شخص کو دیکھے جو بغیر دیکھے اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے، بیشک اللہ قوت والا، غالب ہے۔"

خاکہ:

1. ہم نے اپنے رسول بھیجے، واضح نشانیوں اور میزان کیساتھ۔
2. لوہا آزمائش کیلئے دیا۔
3. باطل کبھی فاتح نہیں ہو گا بظاہر کتنا ہی طاقتور ہو۔
4. عدل کا لغوی معنیٰ کیا ہے؟
5. انصاف اور عدل میں فرق
6. گفتگو کا مقام کیا ہے؟
7. اصل شرمندگی کیا ہے؟
8. مومن کسی کو دھوکہ نہیں دیتا۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

گفتگو ہماری عدل کے حوالے سے چل رہی تھی۔ اصل میں تو یہ سارا ٹاپک جو ہم نے شروع کیا تھا وہ عقیدہ آخرت پہ کیا تھا کہ یہ زندگی عدل کی وہی گزارے گا ناں جسکو آخرت پہ یقین ہے۔ جس کو یہ دنیا چاہئے اسکو عدل کی ضرورت نہیں۔ تو جو اپنی آخرت کیلئے فکر مند ہے، جسکو پتہ ہے کہ میں نے یہ دنیا چھوڑ کر چلے جانا ہے، وہ تگ و دو کرتا ہے کہ میں یہ زندگی ایسے گزاروں کہ میں آخرت میں کامیاب ہو سکوں۔ اس نظام کو چلانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا۔ تو پچھلے جمعہ ہم جو یہ آیت سیکھ رہے تھے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى اللہ تعالیٰ تمہیں عدل کا حکم دیتا ہے، احسان کا حکم دیتا ہے۔ اپنی قریبی رشتہ داروں کو کچھ عطا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ آج اس کو میں نے آگے بڑھانے کیلئے یہ سورۃ حدید ہے، اسکی آیت 25 ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا۔ ہمارے ذہن میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ یہ بندہ بڑا اچھی دار ہے، تو ذہن میں ایک تصور ابھرتا ہے کہ یہ نماز پڑھتا ہوگا، روزہ رکھتا ہوگا، تہجد پڑھتا ہوگا، سر پہ پگڑی باندھتا ہوگا۔ یہ ایک تصور ہمارے ذہن میں نیک آدمی کے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہی ایک تصور ہم انبیاء کے متعلق بھی لے کے بیٹھے ہوئے ہیں کہ نبی بھی بس ٹھیک ہے اللہ کا سادہ سادہ حکم دیتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ لیکن میرا اللہ فرماتا ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم نے اپنے رسول بھیجے، واضح نشانیوں کیساتھ۔ یعنی ہم جس نبی کو بھیجتے تھے اس کو واضح نشانیاں دیکر بھیجتے تھے تاکہ اس کی نبوت کو کوئی جھٹلا نہ سکے۔ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ رسول کیساتھ دو چیزیں، ہم نے دو چیزیں نازل کیں۔ یہ نہیں کہا کہ رسول بھیجے، معجزات دے دیے اور کام ختم ہو گیا۔ پتہ چل گیا کہ یہ پیغمبر، اللہ کا پیغمبر ہے، سچا رسول ہے۔ وہ تو بات بِالْبَيِّنٰتِ تک مکمل ہو جاتی۔ فرمایا وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ اور انہیں رسولوں کیساتھ ہم نے نازل کیا الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ اللہ نے اپنی کتاب بھی نازل کی اور ترازو بھی نازل کیا۔ اب تین چیزیں ہیں نبی کیساتھ، ایک تو بینات ہیں، یعنی معجزات، یہ معجزات ہیں کہ نبی کو کوئی نہ جھٹلا سکے، واضح نشانیاں، اور نبی نے آکر اس دنیا میں جو کرنا

ہے وہ کتاب کے ذریعے اور عدل کے ذریعے۔ یہ پیغمبر کے دو کام قرآنِ کریم نے بیان کیے۔ کتاب اور میزان اس لیے نازل کیے لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ تا کہ وہ انسانوں میں عدل قائم کریں۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ دیکھئے اب اس کے مقابلہ میں ایک چیز آ گئی۔ وہاں فرمایا وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ کہ نبیوں کیساتھ کتاب بھیجی اور میزان، جسے آپ ترازو کہتے ہیں۔ ویسے یہ ہمارے لیے اللہ نے لفظ استعمال کیا ہے، ویسے آگے ایک لفظ قسْطِ ہے۔ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ اور ہم نے لوہا نازل کیا۔ اس سورۃ کا نام بھی حدید ہے، حدید لوہے کو کہتے ہیں۔ فرمایا اس کے ساتھ ہم نے لوہا نازل کیا۔ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ اس میں شدید جھگڑا ہے۔ جس کے پاس لوہا ہے ناں، اس لوہے میں شدید لڑائی ہے۔ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ اور اسی لوہے میں انسانوں کیلئے نفع بھی ہے۔ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ۔ یہ لوہا اس لیے ہم نے دیا تھا انسانوں کو۔ لفظ بڑا عجیب ہے وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ، اللہ جاننا چاہتا ہے۔ اللہ تو علیم ہے، اللہ کو تو ہر بات کا پتہ ہے۔ لیکن یہاں فرمایا کہ اللہ جاننا چاہتا ہے۔ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ کون ہے جو اللہ کی مدد کرتا ہے اور اس کے رسول کی مدد کرتا ہے۔ بِالْغَيْبِ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اللہ دیکھنا چاہتا ہے، جاننا چاہتا ہے کہ کون ہے جو اللہ کی مدد کرتا ہے، اس کے رسول کی مدد کرتا ہے۔ کس لیے؟ بِالْغَيْبِ وہ آخرت جو انسان نے دیکھی نہیں، صرف اللہ پہ یقین کر کے صرف اللہ رسول کی مدد کر رہا ہے۔ یومنون بالغیب کو اس میں بیان کیا ہے۔ اس کو یقین ہے اپنی آخرت پہ کہ اللہ مجھے اجر دیگا۔ یہ ہیں وہ جن کو لوہا دیا ہے اور آزمائش کیلئے دیا ہے۔ ویسے تو اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ قوی بھی ہے اور عزیز بھی ہے۔ بھائی اس کی حکومت سے تو کوئی باہر نہیں نکل سکتا۔

وہ میں نے جو پچھلے جمعہ اسلام کا نظام حکومت بیان کیا تھا۔ ابتدا میں، بلکہ آج کل بھی ایسے ہی ہے کہ جو طاقتور قبیلہ ہوتا تھا وہ کمزور قبیلوں پہ قبضہ کر لیتا تھا۔ بڑے خاندان چھوٹے خاندانوں پہ قبضے کر لیتے تھے، انکو غلام بنا لیتے تھے۔ ان کے گلے کاٹ دیتے تھے۔ ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیتے تھے۔ بچوں کو غلام بنا لیتے تھے۔ اور ان ظالموں کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نمرود کیساتھ اور یہ بھی کیا بتاؤں آپ کو کہ نمرود کو ساڑے تین سو سال عمر دی اور ابراہیم علیہ السلام کو کوئی دو سو سال سے زیادہ دی۔ ظالموں کو وقت بھی

زیادہ دیتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا کیا جھگڑا ہے فرعون کیساتھ؟ ابراہیم علیہ السلام کا کیا جھگڑا ہے نمرود کیساتھ؟ یہی ایک جھگڑا ہے کہ ظلم نہ کرو۔ بھائی یہ پیغمبر کوئی کسی کا نقصان کرنے آتے ہیں؟ کسی کا حق مارتے ہیں؟ کسی کی زمینوں پہ قبضے کرتے ہیں؟ بس یہی کہتے ہیں کہ انسانوں پہ ظلم نہ کرو۔ جو کہ قرآن بھی کہہ رہا ہے کہ ہم نے صرف کتاب ہی نہیں دی تھی نبی کو، عدل کرنے کیلئے ترازو بھی دیا تھا۔ تو پیغمبر جب اس عدل کی بات کرتا ہے تو ظالم طاقتیں اس عدل کے خلاف کھڑی ہو جاتی ہیں۔ تمام ظالم طاقتیں ہر طرف سے اس کا گھیراؤ کر لیتی ہیں۔ یہ بھی تاریخ انسانی کی عجیب صورت حال ہے کہ ظالم طاقتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں، انکے پاس لوہا بھی زیادہ ہوتا ہے اور وسائل بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ نمرود پتہ ہے کہ پہلا وہ شخص تھا جس نے پوری دنیا پہ حکومت کی۔ چار لوگ ہیں جنہوں نے پوری دنیا پہ حکومت کی اور نمرود پہلا وہ شخص ہے جس کے سر پہ پوری دنیا کی بادشاہت کا تاج رکھا گیا۔ اب ایک طرف پوری دنیا کا بادشاہ اور دوسری طرف ابراہیم علیہ السلام جن پہ ایمان لانے والے صرف دو لوگ۔ ایک بھتیجا لوط علیہ السلام اور ایک بیوی حضرت سارہ علیہا السلام۔ حضرت ہاجرہ تو بعد میں آئیں ناں۔ یہ تو ابتدا کی بات ہے۔ تو آخری جملہ جو ہے اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ کیا شان ہے، قوی تو پھر اللہ ہی ہے، غالب تو پھر اللہ ہی ہے۔ پوری دنیا کا بادشاہ شکست کھا جائیگا۔ فاتح میرا ابراہیم رہے گا۔ یہ تاریخ اصل میں جو انسان کی آنکھیں کھولنے کیلئے ہے۔ ظاہراً تو فرعون بادشاہ ہے لیکن مہلت کے بعد فاتح میرا موسیٰ رہے گا۔ فرعون فاتح نہیں رہے گا۔ باطل کبھی فاتح نہیں ہو گا۔ جھوٹ کبھی فاتح نہیں ہو گا۔

آخرت کی بہتری کیلئے میں نے جو زندگی گزارنی ہے اس کے لیے عدل بنیاد ہے، وہ میری زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی۔ عدل کا معنیٰ آپ سمجھ لیں۔ عدل کا لغوی معنیٰ ہے کہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنا۔ اچھا قرآن کریم جب کہتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ[1] اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ معاف نہیں کرتا، باقی وہ جو چاہے گا معاف کر دیگا۔ کیوں؟ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ[2] شرک جو ہے یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ پہلے بھی میں نے بات عرض کی تھی کہ عدل کا متضاد ظلم ہے۔ جہاں عدل نہیں ہوتا وہاں ظلم ہوتا ہے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ

---

[1] سورۃ النساء:48

[2] سورۃ لقمٰن:13

سب سے بڑا ظلم جو ہے وہ شرک ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ آپ نے اللہ کے مقام پہ کسی اور کو رکھ دیا۔ اب لغوی معنیٰ جو میں نے عرض کیا تھا کہ ہر چیز کو اس کے مقام پہ رکھنا۔ تو جب آپ اللہ کے مقام پہ کسی اور کو رکھیں گے تو اس سے بڑا ظلم تو کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے، نہ اس کی صفات میں کوئی شریک ہے۔ اس میری ٹوپی کا، پگڑی کا مقام سر ہے، اگر اس کو میں پاؤں میں پہنوں گا تو یہ ظلم ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ میں نے اسکو اس سے مقام سے ہٹا دیا۔ مچھلی کا مقام پانی ہے۔ اگر میں اس کو پانی سے نکال کر بہترین مخمل کے بستر پہ لٹا دوں گا تو یہ ظلم ہے۔ کیوں کہ میں نے اس کو اس کے مقام سے ہٹا دیا۔ یہ میں سادہ مثالیں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ لفظِ عدل آپکی سمجھ میں آجائے۔ یہ دونوں چیزیں بھی ذہن میں رکھنا، آپکا گھر ہو، آپکا ادارہ ہو، معاشرہ ہو، ملک ہو یا دنیا کے تمام ممالک کے معاشرے۔ دو لفظ، امن اور فساد، انہیں دونوں لفظوں کیساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ جہاں عدل ہے وہاں امن ہے اور جہاں ظلم ہے وہاں فساد ہے۔ یہ پر امن معاشرے کی تشکیل کیلئے ہے۔ یہ قرآن کریم نے اتنی بڑی بات ایسے ہی نہیں کر دی کہ نبی کی نبوت کو ثابت کرنے کیلئے ہم نے معجزے دے دیے لیکن معاشرے کو صحیح کرنے کیلئے کتاب دی اور میزان دیا تاکہ وہ عدل کریں۔ ہر چیز کو اس کے اپنے مقام پر رکھنا عدل ہے۔

ہمارے ہاں چونکہ ایک لفظ استعمال ہوتا ہے انصاف۔ عدل جو ہے یہ تو عربی زبان کا لفظ ہے۔ ہم اس کا معنیٰ کیا کرتے ہیں انصاف، اور عدل کرنے والے کو کہتے ہیں منصف۔ فلاں بندہ بڑا منصف ہے، یعنی انصاف کرنیوالا ہے۔ انصاف لفظ جو ہے یہ عدل کا صحیح معنیٰ نہیں ہے۔ یہ ہماری چونکہ اردو زبان کی مجبوری ہے تو ہم یہ ترجمہ کر لیتے ہیں۔ انصاف نکلا ہے لفظ نصف سے۔ نصف کہتے ہیں آدھے کو۔ یعنی جہاں آپ کسی چیز کو آدھا آدھا برابر کر دیتے ہیں۔ دونوں طرف پلڑا برابر کر دینا انصاف ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انصاف نہیں کرنا، عدل کرنا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ باپ کو بھی تم اپنے بیٹے کی جگہ رکھو اور کہو کہ میں نے برابر کر دیا ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ انصاف نہیں کرنا، ہر چیز کو اس کے اپنے مقام پر رکھنا ہے۔ اس لیے کہ انصاف کرنے سے امن نہیں آتا۔ امن عدل کرنے سے آتا ہے۔ ایک دفعہ میرا ایک لیکچر تھا، وہاں کوالیفائیڈ لوگ تھے انہوں نے مجھے یہ سوال دیا ہوا تھا۔ تو یہ جو سوال اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو ایک جیسی دولت کیوں نہیں دی؟ سب کو ایک جیسا کیوں نہیں بنایا؟ کیوں کہ انصاف تو یہ کہتا ہے کہ ناں

سب کو نصف نصف کر دو، برابر کر دو۔ تو اللہ نے تو سب کو برابر نہیں کیا، اس لیے کہ وہ عادل ہے۔ عدل کرنیوالا ہے، ہر چیز کو اس کے مقام پہ رکھتا ہے۔ اس کے پیغمبر بھی عادل ہیں، عدل کرتے ہیں۔ تو میں نے ان سے ایک سوال کیا تھا میں نے کہا کہ ماشاء اللہ آپ سارے پڑھے لکھے لوگ ہیں، مجھے یہ بتائیں، آپ میں سے کچھ ملازمین ہیں تنخواہ لیتے ہیں، کسی کی ایک لاکھ تنخواہ ہے، کسی کی دو لاکھ ہے، آپ کو اللہ نے تین یا چار بیٹے دیے، ایک آپ کا بچہ یونیورسٹی میں پڑھتا ہے اور ہوسٹل میں رہتا ہے، ایک جو ہے وہ میٹرک میں پڑھتا ہے، ایک نرسری میں ہے اور ایک ابھی گھر میں ہے۔ تو کیا تم جب تنخواہ لے کے جاتے ہو تو چاروں بیٹوں میں برابر تقسیم کرتے ہو؟ نہیں وہ جو یونیورسٹی میں پڑھتا ہے، ہوسٹل میں رہتا ہے اسکی ضروریات اور ہیں، جو میٹرک میں پڑھتا ہے اسکی ضرورت اور ہے، جو نرسری میں پڑھتا ہے اسکی ضرورت اور ہے۔ تو میں نے کہا کہ پھر مجھ سے یہ نہ پوچھنا، تم نے خود ہی جواب دے دیا کہ تم بڑے عدل والے ہو کہ تمہیں پتہ ہے کہ کس کو کس جگہ پہ رکھنا ہے اور خالق کو نہیں پتہ کہ کس کو کس جگہ پہ رکھنا ہے؟ تو خالقِ کائنات عادل ہے، وہ عدل کا حکم دیتا ہے۔ اگر تو اپنی ماں کو اپنی بیوی کی جگہ رکھے گا، تو کبھی عادل نہیں ہو سکتا، ہو سکتا ہے کہ تو منصف ہو۔ انصاف ہو سکتا ہے کہ تو نے کیا ہو، لیکن تو عادل نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تجھے عدل کا حکم دیتا ہے۔ تو نے باپ کو اور بیٹے کو ایک جیسے پیسے دے کر انصاف تو کیا ہو گا لیکن عدل نہیں کیا۔ عدل کا معنیٰ کیا ہے کہ ہر چیز کو اس کے مقام پہ رکھنا۔ یہ کبھی آپ نے سوچا نہیں، قرآن کریم کو اگر ہم پڑھیں گے تو ہمارے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ ہمارے گھروں میں جھگڑا کیا ہے؟ معاشرے کو تو چھوڑیں۔ باپ کو گلا ہے کہ مجھے میرا مقام نہیں دیا جاتا۔ ماں کو بھی گلا ہے کہ مجھے میرا مقام نہیں دیا جارہا۔ جہاں ساس تگڑی ہے وہاں بہو کو گلا ہے کہ مجھے میرا مقام نہیں دیا جارہا۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ بہو ہی ظالم ہو کہیں ساس بھی بڑی ظالم ہوتی ہے۔ کہیں نند ظالم آجاتی ہے۔ تو قرآنِ کریم میں وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ[1] اس امن کو جوڑا ہے عدل کیساتھ۔ Equilibrium State توازن کی حالت آہی نہیں سکتی جب تک آپ ہر چیز کو اس کے مقام پر نہیں رکھتے۔ تو قرآن کریم نے امن کو

[1] سورۃ الرحمٰن:9

جوڑا ہے عدل کیساتھ اور جہاں ظلم ہے وہاں امن نہیں آسکتا، چاہے آپ ہر بندے کو دو دو کروڑ روپیہ بھی دے دیں۔ چاہے آپ فیکٹریاں لگا دیں، جہاں ظلم ہو گا وہاں پہ فساد ہو گا، anarchy ہو گی۔

جب میں گفتگو کروں تو اپنے الفاظ کو اپنے مقام پر رکھوں۔ کیوں اللہ تعالیٰ نے ڈانٹ دیا تھا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا[1]۔ اے ایمان والو! خبر دار میرے پیغمبر کو راعنا نہ کہا کرو۔ نبی پاک ﷺ گفتگو فرماتے تھے تو کچھ لوگ ظاہر ہے سمجھ نہ پاتے ایک دفعہ تو وہ کہتے راعنا۔ یارسول اللہ ﷺ ہماری رعایت فرمائیں اور اس بات کو دہرا دیں تاکہ ہمیں سمجھ آجائے۔ اس میں کوئی غلط بات نہیں تھی۔ راعنا کا معنیٰ ہے ہماری رعایت فرمائیں اور ایک دفعہ اس بات کو دہرا دیں۔ لیکن وہ جو کفار تھے انہوں نے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ دیا۔ انہوں نے راعینا کہنا شروع کر دیا۔ راعی عربی زبان میں کہتے ہیں چرواہے کو۔ راعینا: ہمارا چرواہا۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو منع کر دیا، اے ایمان والو میرے پیغمبر کو راعنا نہ کہنا۔ حالانکہ اس میں کوئی غلطی نہیں تھی۔ بلکہ کہا کرو وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا یارسول اللہ ﷺ نظرِ کرم فرمایئے۔ یہ قرآن سنا رہا ہوں آپ کو۔ یہ جو ہم کہتے ہیں ناں یارسول اللہ انظر حالنا۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے۔ میرے پیغمبر ﷺ کو متوجہ کرنا ہو تو کہا کرو وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا۔ یارسول اللہ ﷺ نظر کرم فرمایئے۔ اور آگے ادب کا اور اعلیٰ مقام فرما دیا۔ فرمایا یہ جملہ بھی نہ کہنا پڑے وَ اسْمَعُوْا ؕ تم سنا ہی غور سے کرو۔ کیوں میرے پیغمبر کو دوبارہ بات دہرانے کی تکلیف دیتے ہو۔ تم سنا ہی غور سے کرو۔ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اور منکروں کیلئے تو دردناک عذاب ہے۔ تو ہر لفظ کو بھی اس کے مقام پر رکھنا یہ بھی عدل ہے۔ یہ نہیں ہے کہ میرے پاس زبان ہے تو میں جیسے چاہے استعمال کرتا پھروں؟ پہننے میں عدل، گفتگو میں عدل، سونے میں عدل، تو یہ کائنات اللہ تعالیٰ نے نظامِ عدل پہ، میزان پہ قائم کی ہے۔ توازن بگڑ جائے تو کائنات تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اخلاق بگڑ جائیں تو انسان تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ تو یہ چونکہ ایک لفظ ایسا ہے، آج کل میں آپ کو قرآن کریم سے وہ لفظ بتا رہا ہوں جن سے آپ کے زندگی کے مسائل حل ہو جائیں۔ تاکہ آپ کو کوئی لمبی چوڑی تگ و دو نہ کرنی پڑی۔ تو آپ کی اولاد ہے اس کو اپنی جگہ پہ رکھیں، بیوی کو اپنی جگہ پہ رکھیں، والدین کو اپنی جگہ پہ رکھیں۔ ہر کسی کو جب آپ اس کے مقام پر رکھیں گے تو یہ عدل ہے۔ لیکن کبھی

[1] سورۃ البقرۃ:104

کبھی جہالت میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم کسی دوسرے کے مقام کا مطالبہ کر دیتے ہیں۔ ملوکیت کو اسلام کیوں پسند نہیں کرتا؟ بادشاہت کو اسلام پسند نہیں کرتا۔ قرآن کریم نے ہمیں نظام چلانے کیلئے کیا اصول دیا ہے؟ آپ نے کوئی بھی ادارہ چلانا ہے، گھر چلانا ہے، ملک چلانا ہے وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [1] اللہ فرماتا ہے، اپنے جو تمہارے کام ہیں، جتنے بھی، وہ باہمی مشورے کیساتھ کیا کرو۔ تو نبی پاک ﷺ نے بھی اپنی مجلسِ شوریٰ بنائی ہوئی تھی۔ اور مجلس شوریٰ میں کون ہوتے ہیں؟ جاہل ہوتے ہیں؟ نہیں۔ جو جس فیلڈ کا ماہر ہے وہ مجلس شوریٰ میں ہو۔ تو ملوکیت میں، بادشاہت میں چونکہ یہ بات نہیں ہوتی۔

ایک بات علامہ اقبالؒ نے کی میں نے پڑھی، یقین جانیئے بہت فائدہ ہوا مجھے۔ یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے بیٹوں، بیٹیوں کو، بیوی کو، ماں باپ کو اپنی اپنی جگہ پہ صحیح رکھیں گے تو وہ کوئی خوش ہو جائیں گے۔ اصل میں، میں نے یہ بات کہی تھی کہ کئی دفعہ ہم دوسرے کے مقام کو طلب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً بیوی اگر یہ تقاضہ کر دے کہ مجھے اپنی ماں کے مقام پر رکھ تو پھر آپ کیا کر سکتے ہیں؟ یہ بھی تو ایک جہالت ہے ناں، جاہلوں کیساتھ اگر پالا پڑ جائے۔ تو علامہ اقبال کا بڑا جملہ، اس موقع پر علامہ اقبال نے فرمایا تھا، دیکھو جب تم عدل کی زندگی گزارتے ہو تو تنہائی میں بیٹھ کر سوچ لینا۔ اگر تنہائی میں بیٹھ کر سوچو گے کہ میں نے ہمسائے کیساتھ بھی عدل کیا ہے، میں ٹیچر ہوں تو اپنے شاگردوں کیساتھ عدل کیا ہے، آپ نے ملنے والوں سے، اپنے بہن بھائیوں سے عدل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تنہائی میں بیٹھ کر سوچ لینا کہ تیرا دل تو مطمئن ہے ناں۔ تو اپنے ضمیر کے سامنے شرمندہ تو نہیں ہے؟ تو علامہ اقبال نے اس سے آگے جو بات لکھی تھی، آپ نے فرمایا تھا کہ دیکھو! دنیا کے سامنے شرمندہ ہونا اتنی بڑی شرمندگی نہیں ہوتی، اصل شرمندگی یہ ہے کہ انسان اپنی نظروں میں گر جائے۔ اپنے ضمیر کے سامنے گر جائے۔ اپنی نظروں میں اسکی عزت نہ رہے کہ تو ظالم ہے۔ یہ بات کیوں میرے ذہن میں آئی؟ اس لیے کہ یہ دھوکے انسان کی زندگی میں آتے ہیں۔

[1] سورۃ الشوریٰ:38

ایک شخص نے پوچھا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ امیر المومنین سے، وقت چونکہ ہو گیا لیکن یہ بات بڑے کام کی ہے اگر آپ کی زندگی میں کام آسکے۔ کیونکہ مومن کی جو نشانی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے ناں کہ مومن دھوکہ نہیں دیتا کسی کو[1]۔ ایمان والے کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ مومن دھوکہ باز نہیں ہوتا۔ اس سے اگلی بات بھی بتادی کہ مومن دھوکہ کھاتا بھی نہیں۔ وہ میں کسی دن انیسویں پارے میں آیت ہے، اللہ فرماتا ہےوَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا[2]مومن جب کبھی ان بدمعاشوں کے پاس سے بھی گزرتا ہے تو اپنی عزت کی حفاظت کر کے گزرتا ہے۔ انکے دھوکے میں نہیں آتا۔ تو سرکار عمرِ فاروق سے کسی نے پوچھا کہ مومن تو کسی کو دھوکہ نہیں دیتا۔ جب چاروں اطراف لوگوں میں تو یہی ہے کہ دھوکے سے کام نکالنا ہے۔ تو پھر ایک مومن کامیاب کیسے ہو گا؟ وہ تو دھوکہ نہیں دیتا لیکن باقی ساری دنیا تو اسکو دھوکہ دینے کیلئے تیار ہے۔ لوگوں کا تو مزاج یہی ہے کہ وہ دھوکہ دیتے ہیں۔ مال بیچے گے، گفتگو کریں گے تو منافقت تو کرینگے۔ بڑیا جملہ، بہت بڑیا جملہ، سرکار امیر المومنین حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کسی کو دھوکہ تو نہیں دیتے لیکن دھوکہ کی ہر قسم سے واقف ہیں۔ اس قرآن نے ہمیں شعور کے اس لیول پر پہنچایا ہے، ہم اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہیں، ہم دھوکہ نہیں دیتے لیکن دھوکہ بازوں کی ہر قسم سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لیے مومن دھوکہ کھاتا بھی نہیں ہے۔ ایک دفعہ اعتبار کر لے لا يلدغ المؤمن من جحر واحد مرتين[3] لیکن دوسری دفعہ وہاں سے نہیں ڈسا جاتا۔ تو یہ قرآن کریم کا ایک یہ بھی کمال ہے کہ انسان کا شعور اس لیول پر چلا جاتا ہے۔ فیصلہ کرنے کی قوت اس لیول پر چلی جاتی ہے۔ یہ چونکہ عدل کرنے کیلئے ضروری

---

[1] سنن ترمذی:1315

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلہ کے ڈھیر سے گزرے، تو آپ نے اس کے اندر اپنا ہاتھ داخل کر دیا، آپ کی انگلیاں تر ہو گئیں تو آپ نے فرمایا: "غلہ والے! یہ کیا معاملہ ہے؟" اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! بارش سے بھیگ گیا ہے، آپ نے فرمایا: "اسے اوپر کیوں نہیں کر دیا تاکہ لوگ دیکھ سکیں"، پھر آپ نے فرمایا: "جو دھوکہ دے، ہم میں سے نہیں ہے")

[2] سورۃ الفرقان:72

[3] صحیح مسلم:7498

(حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔")

ہے۔ ہر چیز کو اس کے قام پر رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ آپ دھوکے کی بھی ہر قسم کو سمجھتے ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ دھوکے میں کسی ایسے انسان کو اس مقام پر بٹھا دیں، جس کے وہ لائق ہی نہیں تھا۔ اس لیے دھوکے کی ہر قسم سے واقف ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ تو کوشش کریں اپنی زندگی میں گفتگو سے لیکر معاملات تک، اپنے رشتوں تک عدل قائم کریں۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

27۔ امن والی جگہ وہ ہے جہاں عدل ہو

قرآن: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ-یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (سورة النحل: 90)

ترجمہ: "بیشک اللہ عدل اور احسان اور رشتے داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے اور بے حیائی اور ہر بری بات اور ظلم سے منع فرماتا ہے۔وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

خاکہ:

1. اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل کرو، احسان کرو اور قریبیوں کی خدمت کرو۔
2. زمین ظلم سے ناپاک ہوتی ہے۔
3. زمین پہ امن کے حوالے سے دو آیات سمجھیں۔
4. گھروں میں ظلم کی مثالیں
5. حبشہ کی طرف ہجرت کا مقصد
6. اسلام کا نظام حکومت اور عدل
7. مکہ کی سرزمین پہ پہلا انقلاب۔
8. ہمارا معاشرہ ظلم سے بھر گیا ہے۔

اللہ کی حمد وثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

ہم صرف ایک بات کو سیکھ رہے تھے کہ اگر انسان قولِ سدید پر آجائے تو انسان کی بھی اصلاح ہو سکتی ہے اور معاشرے کی بھی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اور اس سے پہلے ہم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی گفتگو کی تھی۔ آج ہم نے یہ سورۃ نحل کی آیت 90 جو ہے یہ تلاوت کی ہے۔ مشہور آیت ہے یہ، ہم اسے خطبہ جمعہ کے آخر میں تلاوت کرتے ہیں۔ تقریر کے بعد جو خطبہ جمعہ ہوتا ہے، اس میں یہ تلاوت کی جاتی ہے لیکن ہمیں چونکہ ترجمہ نہیں آتا تو اس لیے شاید آپ کیلئے یہ نئی چیز ہوگی۔ ان کو شامل کروایا تھا حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے جن کو پانچویں خلیفہ راشد کہا جاتا ہے۔ اور اس کے متعلق صحابہ سے لیکر تابعین تک، تبع تابعین تک کہ انسان جب مسلمان ہوتا ہے تو اس کے اعمال، اسکے اخلاق، اس کے معاملات، یہ جتنی بھی چیزیں ہیں، اس ایک آیت میں موجود ہیں۔ اس لیے ہر جمعہ پہ یہ آیت آپکو یاد کروائی جاتی ہے۔ اور اگر یہ آیت انسان سیکھ لے تو اس کے تمام معاملات کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل کا حکم دیتا ہے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کرلو گے تو ٹھیک ہے اور نہ کروگے تو کوئی بات نہیں۔ نہیں۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ زندگی عدل والی گزارنی ہے۔ وَ الْاِحْسَانِ اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ وَ اِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی اللہ حکم دیتا ہے کہ اپنے قریبیوں کو کچھ دو۔ جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہیں انکی خدمت کرتے رہا کرو۔ وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ اور اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے بے حیائی سے اور منکرات سے جتنی بھی برائیاں ہیں جن سے اللہ نے منع کیا ہے۔ وَ الْبَغْیِ اور سرکشی سے، بغاوت سے اللہ تمہیں منع کرتا ہے۔ یَعِظُكُمْ اللہ تمہیں نصیحت کررہا ہے۔ دیکھئے شروع کہاں سے ہوا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ یہ تین کام کرنے ہیں اور تین نہیں کرنے۔ اور آخر میں پھر فرمایا کہ اللہ تمہیں نصیحت کررہا ہے۔ نصیحت تو ویسے تمہیں کوئی بھی کرے تو اس کا شکریہ ادا کرتے ہو اب تو تمہارا اللہ تمہیں نصیحت کررہا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ شاید کہ تم ذاکر بن جاؤ، اللہ کو یاد کرنے والے بن جاؤ۔

اللہ نے جتنے بھی نبی بھیجے ہیں، ان کا بھی یہی کام ہے کہ اس زمین پر عدل کریں اور حضرتِ امام مہدی کا جو ظہور ہونا ہے، اسکے متعلق بھی نبی پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ میرا بیٹا آکر اس زمین کو عدل سے بھر دے گا[1]۔ ہمارے ذہنوں میں جب لفظِ عدل آتا ہے تو پولیس کی طرف نظر جاتی ہے، کچہری کیطرف، ججوں کی طرف اور بڑا محدود سا معنیٰ ہے ہمارے ذہنوں میں کہ شاید عدل پولیس نے کرنا ہے، یا FIA نے کرنا ہے یا ججوں نے کرنا ہے۔ عدل کا الٹ ہے ظلم۔ یہ میں نے آپکو پہلے بھی بتایا ہے کہ عربی والے کہتے ہیں اَلْاَشْیاءُ یُعْرَفُ بِاَضْدادِہا کہ اگر آپ نے کسی چیز کی حقیقت کو سمجھنا ہو تو اس کی ضد کو پہچانو۔ اگر آپ اس کے متضاد کو پہچان جائیں گے تو آپ اسکی حقیقت کو پہچان جائیں گے۔ تو عدل کا جو متضاد ہے وہ ظلم ہے۔ یعنی اگر عدل نہیں ہے وہ تو ظلم ہے۔ یہ شاید کسی موقعہ پہ میں نے بات کی تھی یا نہیں کی تھی کہ کچھ چیزیں ہیں جو مجھے پاکیزگی عطا کرتی ہیں۔ مثلاً مٹی ہے، اب تو پانی وافر مقدار میں ہے ناں، پہلے تو آپ کو پتہ ہے کہ ہم نے مٹی کیساتھ ہی طہارت کرنا ہوتی تھی۔ اب بھی تیمم مٹی کیساتھ ہی کرتے ہیں۔ تو مٹی جو ہے یہ پاکیزہ چیز ہے اور پاکیزگی عطا کرتی ہے لیکن اگر اسی مٹی پہ نجاست پھینک دی جائے تو وہی مٹی نجس ہو جاتی ہے، اس پہ آپ پاخانہ کر دیں، پیشاب کر دیں، گوبر آجائے۔ تو یہ مٹی نجس ہو جائے گی، پلید ہو جائے گی۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ زمین ان نجاستوں سے ہی پلید نہیں ہوتی بلکہ ظلم سے بھی پلید ہوتی ہے۔ اچھا یہاں ایک چیز ذہن میں رکھیں کہ کچھ نجاستیں وہ ہیں جو مجھے نظر آتی ہیں اور کچھ نجاستیں وہ ہیں جو مجھے نظر نہیں آتیں۔ مثال کے طور پر اگر طہارت کی بھی بات آتی ہے تو میرے کپڑوں کو بھی گوبر وغیرہ پیشاب لگا ہو تو یہ ظاہر نجاست ہے، اسکو میں پانی کیساتھ دھولونگا۔ اور کچھ نجاستیں ہیں، حکمی نجاستیں ہیں نظر نہیں آرہیں لیکن حکم ہے کہ نجس ہے۔ آپ کو احتلام ہو گیا، وہ نجاست آپ کے سارے جسم پہ نظر تو نہیں آرہی لیکن آپ کا سارا جسم پلید ہے، حکم ہے۔ اسکو حکمی نجاست کہتے ہیں۔ یعنی ایک نجاست جو نظر آرہی ہے وہ حقیقی نجاست ہے اور ایک نجاست جو نظر نہیں آرہی وہ حکمی نجاست ہے۔ جیسے میں نے شہید کے متعلق بھی کہا تھا کہ میری تمہاری زندگی حقیقی زندگی ہے اور شہید کی زندگی حکماً زندگی ہے۔ وہ زندگی ماننا اللہ کا حکم ہے، حالانکہ میری سمجھ میں وہ زندگی نہیں آرہی۔ اب

[1] سنن ابی داؤد: 4285

چونکہ ظلم سے زمین نجس ہوتی ہے، وہ ہمیں نظر نہیں آتی تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ زمین بڑی پاکیزہ ہے، ہم نے بڑی ٹائل، پتھر لگوائے ہیں اور اوپر سے ڈاکٹرز کے کہنے پہ ڈیٹول کیساتھ واش بھی کیا ہے، جراثیم بھی مار دیے۔ جراثیم مجھے نظر تو نہیں آتے وہ تو ڈاکٹروں کو نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹروں کے کہنے پہ ہم نے وہ بھی واش کر دیا لیکن دین ہمارا یہ کہتا ہے کہ جب تک ظلم والی نجاست دور نہیں ہو گی، زمین پاکیزہ نہیں ہو گی۔ تمہارے ٹائل پتھر لگانے سے، پانی سے دھونے سے یہ زمین نے پاک نہیں ہونا۔

قرآنِ کریم کی ایک دو آیات اس حوالے سے ہم سیکھتے ہیں۔ پہلے تو یہ فرمایا اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ[1]۔ اس زمین پہ جو سب سے پہلا اللہ کا گھر بنایا گیا تھا وہ مکہ میں ہے۔ مُبٰرَکًا بڑا برکت والا ہے۔ اور عالمین کیلئے ہدایت دے رہا ہے۔ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًاؕ[2] اس میں اللہ کی بہت نشانیاں ہیں اور ان نشانیوں میں سے ایک نشانی مقامِ ابراہیم ہے کہ ایک پتھر پہ ابراہیم علیہ السلام کے قدم لگے ہیں۔ اور اگلی بات جو قرآن نے لکھی وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًاؕ اس کی برکت سب سے بڑی یہ ہے کہ اس میں جو داخل ہو گیا وہ امن پا گیا۔ تو زمین جو سب سے زیادہ پاکیزہ ہوتی ہے وہ امن کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جب تک آپ کی زمین پہ ظلم ہو رہا ہے وہ زمین پاکیزہ نہیں ہوتی۔ آپ نے ظاہری نجاستوں کو دھونا ہے پانی کیساتھ، ڈیٹول کیساتھ لیکن ظلم کو آپ نے دھونا ہے عدل کیساتھ۔ جب تک آپ اس زمین کو دھوئیں گے نہیں، یہ زمین پاکیزہ نہیں ہو گی۔ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ(1)اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيْفِ(2)فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ(3)الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ(4) یہاں پہ کیا ہے؟ اُس کعبہ کے رب کی عبادت کرو۔ جس نے تمہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف میں امن دیا۔ اب دیکھیے جب زمین ظلم سے بھر جاتی ہے تو پھر وہ کانپتی ہے اور زلزلے آتے ہیں۔ انسانیت کی بربادی ہو جاتی ہے اور انسان جو یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں نے شاید کتنا کچھ اکٹھا کر لیا۔ ترکی میں آپ نے دیکھا ناں کہ کتنی کتنی عمارتیں تھیں اور سب کچھ تہہ وبالا ہو گیا۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ[3] اللہ فرماتا ہے اس میں شک نہ

[1] سورۃ آل عمران:96

[2] سورۃ آل عمران:97

[3] سورۃ الانعام:31

کرنا، یہ بات پکی ہے جو قرآن میں لکھ دی ہے کہ سب سے بڑا گھاٹے والا انسان وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ اس نے اللہ سے نہیں ملنا۔ جس بندے کے دل میں یہ بات آجائے کہ اس کی اللہ سے ملاقات نہیں ہونی، اس سے بڑا گھاٹے والا انسان اس دنیا میں ہی کوئی نہیں۔

اب ایک تو یہ چیز تھی کہ مت خیال کریں کہ ہمارے گھر بڑے پاکیزہ ہیں کہ ڈیٹول سے دھو کر صاف کر دیے گئے ہیں۔ اگر ایک ماں نے اپنے بیٹے کو تو کھانے کو اچھی چیز دی لیکن بیٹی کو نہ دی تو اس نے بھی ظلم کیا ہے۔ وہ گھر امن والا نہیں ہو سکتا۔ جس گھر میں بہن اور بھائی میں، بیٹے اور بیٹی میں فرق کیا جائے، بیٹے کی پیدائش پہ مٹھائیاں اور بیٹی کی پیدائش پہ سوگ منایا جائے وہ گھر امن والے گھر نہیں ہوتے۔ مت خیال کریں کہ آپ کا عدل صرف وہاں تک ہے۔ آپ کا عدل گھر سے شروع ہوتا ہے۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ اتقوا اللہ اللہ سے ڈرو۔ واعدلوا بین أولادکم اور اپنی اولاد میں عدل کرو[1]۔ جن گھروں میں عدل ہوتا ہے۔ یہ میں بات اس لیے کر رہا ہوں کہ کہاں سے گھر جو ہے وہ پلید ہوتا ہے۔ نجاست آتی ہے گھر میں اور شاید یہ چیزیں ہمیں نظر نہیں آرہی ہوتیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ گھر بڑا پاکیزہ ہے؟ اور ایک بات اور یاد رکھیں کہ جسمانی تشدد سے ذہنی تشدد برا ہوتا ہے۔ یہ جو پچھلے دو جمعہ ہم نے آیات سیکھی تھیں کہ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام کو کوئی انہوں نے سوٹے مار کر تکلیف دی تھی؟ ذہنی تکلیف دی تھی۔ اگر پچھلے دونوں جمعے آپکو یاد ہیں تو وہ بات ہم نے تفصیل سے کر لی تھی۔ ایک بچہ پڑھنے کیلئے میرے پاس آتا ہے۔ کلاس روم میں اگر میں بچوں کیساتھ عدل نہیں کر سکا تو میں نے وہاں پہ بھی میں نے تشدد کیا ہے، ظلم کیا ہے۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ماسٹر یا مولوی کا بیٹا بھی کلاس میں ہوتا ہے تو اس کو علیحدہ پروٹوکول دیا جاتا ہے۔ یا کسی امیر اور غریب بچے میں فرق کیا جاتا ہے۔ آپ مسجد میں آجاتے ہیں، یہاں امیر اور غریب میں فرق ہو گا تو یہ بھی ظلم ہے۔ یہ ظلم ہر جگہ ہو رہا ہے اور ہم نے اس زمین کو پاک کرنا ہے عدل کیساتھ۔

یہ آیات آپ نے سیکھ لیں کہ سب سے بڑی امن والی جگہ اللہ کا گھر ہے وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا جو یہاں داخل ہو گیا، وہ امن پا گیا۔ یہ اللہ کی گارنٹی ہے۔ وہاں آپ کو شاید مسائل کا نہیں پتہ، آپ کسی جانور کا شکار بھی نہیں

[1] صحیح بخاری:2587

کر سکتے۔ وہاں آپ کسی درخت کا پتہ بھی نہیں توڑ سکتے، اب تو ظاہر ہیں حالات اور ہیں، اس دور میں کسی پتہ کو بھی نہیں توڑا جاتا۔ وہاں جو بھی داخل ہو گیا، امن پا گیا۔ لیکن اگر اس سرزمین پہ بھی ظلم ہو گا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسّی ڈال کر کھینچا جائے گا۔ خباب رضی اللہ عنہ کو جلتے ہوئے کوئلوں پہ لٹایا جائیگا۔ مکہ میں ظلم ہوا، زیادتی ہوئی جو سب سے بڑی امن والی جگہ ہے تو 5 سنِ نبوت کو جو مسکین لوگ تھے، غریب لوگ تھے جو ظلم کا سامنا نہیں کر سکتے تھے۔ تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقدس سرزمین کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ مقدس، پاکیزہ۔ آپ ترانے میں کہتے ہیں پاک سرزمین۔ میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے مقدس کہا تھا، پاکیزہ کہا تھا۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مقدس سرزمین کونسی ہے جسے اللہ کے رسول پاکیزہ کہہ رہے ہیں؟ فرمایا حبشہ کیطرف ہجرت کر جاؤ۔ سوال ہوا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تو عیسائی حکمران ہے۔ وہاں کا حکمران عیسائی ہے۔ کافر ہے اور آپ فرما رہے ہیں کہ وہ زمین مقدس ہے، پاکیزہ ہے۔ میرے آقا نے فرمایا کہ ہاں نجاشی عیسائی ہے لیکن عادل ہے۔ وہ اپنی سرزمین پہ ظلم نہیں ہونے دیتا۔ اگر مکہ جیسی سرزمین پہ بھی ظلم ہو گا تو میرے پیغمبر اس کو نہیں کہہ رہے کہ یہ مقدس سرزمین ہے، فرمایا کہ حبشہ کیطرف چلے جاؤ[1]۔ جہاں زمین ظلم سے بھر جائے وہاں عدل کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں میں نے اپنے گھر سے عدل شروع کرنا ہے۔ سب سے پہلے میں نے اپنے بچوں میں یہ احساس نہیں پیدا ہونے دینا کہ میں بیٹی اور بیٹے میں ظلم کروں۔ بہن بھائیوں میں ظلم کروں۔ 5 سنِ نبوت کو یہ قافلہ ہجرت کر گیا۔ وہاں جا کر کچھ لوگوں نے افواہ پھیلا دی کہ مسلمانوں کی مشرکین مکہ سے صلح ہو گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ میڈیا کا دور نہیں تھا، وہ مسلمان واپس آ گئے، ان پہ پھر زیادہ ظلم و ستم شروع ہو گیا۔ 6 سنِ نبوت پھر یہ 83 مرد اور 19 عورتوں نے حبشہ کیطرف ہجرت کی۔ تو میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکہ میں سے بھی نکل جانے کا حکم دیا تھا جہاں ظلم ہو رہا تھا اور اس حبشہ کو مقدس زمین کہا تھا کہ جہاں پہ عدل ہو رہا ہے چاہے عیسائی حکمران ہے۔

ہماری زمین ظلم سے بھر گئی ہے اس لیے میں نے آج اس آیت کا انتخاب کیا ہے کہ اللہ تمہیں عدل کا حکم دیتا ہے۔ ظلم کا مقابلہ عدل کیساتھ کرنا ہے لیکن پہلے اپنی ذات سے شروع کرنا ہے کہ میں کسی کیساتھ ظلم نہ کروں۔

---

[1] سیرت ابن ہشام 182-181/1

اگر ہماری، گھروں میں یہ تربیت ہو گئی ہوتی تو یہ جو حال ہمارے ملک کا ہے یہ ایسے نہ ہوتا۔ پوری دنیا جس چیز پہ عمل کر رہی ہے ناں یہ چیز اسلام نے دی تھی۔ پہلے اس دنیا میں یہ نظام نہیں تھا۔ پہلے دو ہی چیزیں ہوتی تھیں، عوام ہوتی تھی اور حکمران ہوتے تھے۔ ایک طبقہ عوام کا اور ایک حکمرانوں کا۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کا قرآن میں واقعہ ہے کہ یہ قبطی قبیلہ تھا اس نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا تھا۔ جو بھی طاقتور ہوتے لوگوں کی بستیوں پر قبضہ کرتے اور انکو غلام بنالیتے اور جن پر ظلم ہوتا تھا وہ اپنے ظلم کے خلاف کہیں جا نہیں سکتے تھے۔ وہ کس کے سامنے جاکر اپنی فریاد کریں۔ لیکن اسلام نے نیا نظام دیا۔ اسلام نے کہا کہ اگر حکمران ظلم کرے تو اس کے خلاف عدالت میں جانا ہے۔ اب تین چیزیں بنادیں اسلام نے: ایک معاشرہ، ایک ریاست اور ایک حکومت۔ اب یہ اسلام کا انقلاب تھا کہ اگر کسی بندے کو امیر المومنین سے بھی شکایت ہے تو جج بادشاہ کو بھی طلب کرلیتا تھا اور اس عام بندے کو بھی طلب کرلیتا تھا۔ آپکو پتہ ہے کہ حضرت عمرِ فاروق بھی عدالتوں میں پیش ہوتے تھے، مولا علی بھی قاضی ابو شریح کی عدالت میں پیش ہوتے تھے۔ سپہ سالار بھی پیش ہوتے تھے۔ تو یہ سٹیٹ کا جو تصور ہے یہ اسلام نے دیا تھا اور ظلم کی راہ کو لگام دی تھی کہ اگر حکمرانوں کو کھلا چھوڑ دیا تو یہ تو عوام کی زندگی اجیرن بنادیں گے۔ یہ تو تہہ وبالا کر دیں گے ہر چیز کو۔ لیکن بات جہاں سے میں نے شروع کی تھی کہ ہمارا کوئی بھی ادارہ گھر سے لیکر معاشرے تک، کوئی بھی عدل کرنے کیلئے تیار نہیں۔ ہم دوسروں سے توقع کرتے ہیں۔ یہ میں کوئی اپنی شان بیان کرنے کیلئے نہیں کر رہا۔ میں صرف آپکو ایک مثال دینا چاہتا ہوں۔ ابھی وہ لوگ زندہ ہیں، آپ ان سے جاکر پوچھ سکتے ہیں۔ ہمارے گھر میں جو ہماری والدہ نے تربیت کی کہ میرے گاؤں کا کوئی کمزور آدمی آجاتا، کوئی طاقتور آجاتا تو ماں کہتی تھی کہ سب کا ادب کرنا، سب کا احترام کرنا۔ حتیٰ کے میرے گاؤں کا عیسائی آجاتا تو میں انکو بھی ماموں جان کہتا۔ ان کو بھی ویسے چائے پانی پلایا جاتا جیسے ایک امیر آدمی کو پلایا جاتا۔ چونکہ میری ماں نے یہ تربیت کی تھی کہ عزت سب کی برابر ہے۔ عزت سب کی ایک جیسی ہوتی ہے۔ اس کا اثر پھر کیا ہوا، میں جس بھی سکول جاتا تھا، ہیڈ ماسٹر کے کمرے میں ہم اساتذہ بیٹھے ہوتے تو ہمارا کوئی مالی آجاتا، کوئی چپڑاسی آجاتا تو جیسے میں کھڑا ہو کر ہیڈ ماسٹر کو ملتا تھا، ایسے ہی میں چپڑاسی کو بھی ملتا تھا۔ اس مالی کو بھی ویسے ہی عزت سے ملتا تھا۔ تو اعتراض ہوتا، میرے اساتذہ مجھ سے کہتے یہ کونسا نیا کام آپ نے شروع کرلیا۔ میں کہتا کہ نہیں، یہ کام کی تقسیم ہے، کوئی ہیڈ ماسٹر ہے، کوئی ڈی سی ہے، کوئی مالی ہے، لیکن بحثیت

انسان تو ہم سارے برابر ہیں۔ اور وہ درجہ چہارم کے لوگ آج بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ چیز تو، اساتذہ تو سارے ہی تھے، لیکن وہ تو کمزوروں کا ادب نہیں کرتے تھے۔ کیوں کہ انکی ماؤں نے انکی یہ تربیت نہیں کی تھی۔ ان کے گھروں میں یہ تربیت نہیں تھی۔ اس مسجد میں کوئی آکڑ خاں آجائے کہ میں بڑا پیسے والا ہوں تو ہم یہ نہیں ہونے دیتے۔ عزت کا معیار تقویٰ ہے پرہیز گاری ہے۔ لیکن کیا کریں یہ بات دکھ سے کہنی پڑتی ہے کہ نہ ہمارے گھروں میں عدل ہے۔ نہ ہمارے سکولوں میں عدل ہے۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ جس بچے کو آپ غلیظ سمجھ کر نظر انداز کرتے ہیں، اسکے ذہن پہ جو تشدد ہوتا ہے وہ ساری زندگی اسکو قائم رکھتا ہے۔ جب اس کو موقع ملتا ہے، جب وہ کہیں پولیس میں جاتا ہے، پٹواری بنتا ہے، کسی ادارے میں جاتا ہے تو پھر وہ معاشرے کیساتھ وہی تشدد کرتا ہے۔ اسکو پتہ ہے کہ اس معاشرے میں تشدد ہوتا ہے، یہ ذہنی تشدد کی مثال ہے۔ تو ایسے یہ زمین ظلم سے بھر جاتی ہے۔ اسلام نے یہ نظام اس لیے دیا تھا کہ حکمرانوں کو بھی کٹہرے میں کھڑا کیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلا خطبہ جو دیا تھا، اسلام کا کمال ہے، پہلا خطبہ جو دیا تھا خلیفۃ الرسول نے، آپ نے فرمایا تھا یہ اسلامی ریاست ہے، یہاں مظلوم طاقتور ہے۔ اس ریاست میں مظلوم طاقتور ہے اور ظالم کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضور وہ کیسے؟ فرمایا کیونکہ اس ریاست کی عدلیہ، اسکی پولیس، اسکے سارے ادارے مظلوم کے ساتھ کھڑے ہیں۔ یہ وہ چیز ہوتی ہے جو اس ملک کیساتھ پھر محبت پیدا کرتی ہے۔ اس سرزمین کیساتھ محبت پیدا ہوتی ہے لیکن اگر ظالموں کی رسّی لمبی کر دی جائے اور عدم تحفظ کی فضا پیدا ہو جائے اور ڈرو اس وقت سے کہ آج میں جس بندے کی زبان سے بھی سنتا ہوں، کسی کی ڈکیتی ہو جائے، کسی کا قتل ہو جائے، کسی کیساتھ ظلم ہو تو وہ کہتا ہے کہ میں اپنا معاملہ اللہ پہ چھوڑتا ہوں۔ کہیں سے کوئی امید نہیں ہے۔ میں اگلے دن ایک رپورٹ دیکھ رہا تھا اسرائیل کی، آپ کہتے ہیں ناں بڑا ظلم کرتے ہیں فلسطین پہ، 600 فوجیوں نے استعفے دیے، انکے پائلٹوں نے استعفے دیے کہ ہم بچوں پہ ظلم نہیں کر سکتے۔ ہم عورتوں پہ ظلم نہیں کر سکتے۔ کیا میرے کسی ادارے کا کوئی فرد اس قابل ہے؟ کوئی میرا پولیس والا بھائی کہہ دے کہ میں نے یہ نوکری نہیں کرنی جس میں ظلم کر رہا ہوں اپنی عوام پہ۔ کوئی پٹواری یہ کہے کہ میں نے یہ نوکری نہیں کرنی جس میں اپنے بھائیوں پہ ظلم کر رہا ہوں۔ اوہ! جس کی چوری ہو، پرچہ بھی اسی پہ کٹوا دیا جائے؟ جس کا قتل ہو پرچہ بھی اسی پہ کٹوا دیا جائے؟ مظلوم کیساتھ کھڑے رہنے والا بھی کوئی نہیں اور اللہ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ۔ اللہ تمہیں عدل

کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے یہ بات ہمارے آئین میں لکھ دی گئی تھی کہ اگر آپ کا کوئی بڑا آفیسر یہ حکم دے، جس میں کوئی ظلم کا پہلو ہو، انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو تو آپ نے اپنے بڑے افسر کا حکم نہیں ماننا۔ کوئی بندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے کسی کی گاڑی توڑی ہے، میں نے کسی پہ تشدد کیا ہے، تو شاید یہ اوپر والے افسروں پہ یہ بات چلی جائے گی؟ اللہ پوچھے گا کہ تو نے اس ظلم میں حصہ کیوں لیا تھا۔

یہ زندگی بہت تھوڑے دن ہے اور یہ میرے پیغمبر ﷺ کا مکہ کی سرزمین پہ پہلا انقلاب تھا۔ مکہ کی سرزمین پہ پہلا انقلابی نعرہ کس نے لگایا تھا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے۔ ابوجہل مار رہا تھا حضرتِ عمار کو۔ کوڑے مار مار کے تھک گیا۔ امیہ بن خلف جو حضرت بلال کا مالک تھا اس وقت۔ خرید اہوا تھا، اس نے۔ زر خرید غلام تھے آپ اس کے۔ اس نے کہا یہ بڑا طاقتور ہے۔ حضرت بلال کی قیمت اس لیے زیادہ لگتی تھی کہ آپ طاقتور بہت تھے۔ کہنے لگا کہ یہ میرا غلام بڑا طاقتور ہے، اسکو کوڑا دو۔ جب حضرت بلال کے ہاتھ میں کوڑا دیا گیا ناں کہ حضرت عمار کو کوڑا مارو، تو سرکار حضرتِ بلال نے وہ کوڑا پھینک دیا اور فرمایا کہ میں اپنے بھائی پہ ظلم نہیں کر سکتا۔ یہ میرے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پہ ظلم نہیں کرتا[1]۔ نہ اسکو کسی ظالم کے حوالے کرتا ہے۔ یہ مکہ کی سرزمین پہ پہلی بغاوت تھی۔ اور دوسرا وہ نظریہ جو آج بھی دنیا کہتی ہے کہ حُر بھی تو یزید کا ملازم تھا۔ امام حسین کو راستے میں اسی نے روکا تھا ناں۔ کربلا وہی لیکر آیا تھا لیکن جب ظلم کرنے کی باری آئی تو یہ نہیں کہا کہ میں اپنے افسر کی بات ماننے پر مجبور ہوں۔ اس نے کہا کہ اگر ظلم کرنا ہے تو میں یزید کیساتھ نہیں رہ سکتا۔

یہ کیسا معاشرہ ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو مار رہے ہیں۔ اپنی بہنوں کو مار رہے ہیں، اپنی بچیوں کو مار رہے ہیں اور ساتھ پاک سرزمین بھی کہتے ہیں۔ جہاں ظلم ہو وہ جگہ پاک نہیں ہوتی۔ مت خیال کریں کہ وہ زمین پاکیزہ ہے۔ لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ محراب و منبر سے بھی ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھی بلکہ ان ظالموں کو عزت دی گئی۔ ہمارے پیروں نے بھی ان ظالموں کو عزت دی، مظلوموں کو عزت نہیں دی۔ آج ہم اس نہج پر پہنچ گئے۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا،

---

[1] صحیح مسلم:1775

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہائے ہم ناکام ہو گئے، سارا کارواں اور اسکا سارا مال و متاع لٹ گیا۔ کہتا پھر بھی کوئی بات نہیں، قافلہ لٹ گیا، قافلے لٹتے رہتے ہیں۔ مال و متاع لٹ گیا، کوئی بات نہیں، لٹتے رہتے ہیں۔ دکھ تو اس بات کا ہے، کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا۔ بربادی تو یہ ہے وہ جو سوٹا مار رہا ہے بہن کے سر میں، اسکا دل غمگین ہی نہیں ہوتا کہ میں اپنی بہن کو مار رہا ہوں۔ وہ کیسے سو لیتا ہے۔ ایک جج غلط فیصلہ دیکر کیسے سو لیتا ہے؟ جھوٹا پرچہ کرواکے کسی کو کیسی نیند آجاتی ہے؟ یہ دل مردہ ہو گئے؟ اور یہ بات میں نے آپکو بار بار کہی ہے کہ اگر ان چیزوں سے ہم نے پوری دنیا میں چھا جانا ہوتا کہ یہ میلاد کی محفلیں کروالو، جلوس نکال لو، یہ سبیلیں لگالو، یہ ہرے، کالے، پیلے چولے پہن لو، تو پھر اس دنیا کو فتح کر چکے ہوتے۔ ہمیں اس طرف لگا دیا ہے کہ گیارھویں کا ختم دلوادو۔ عرس کروالو۔ اور وہ ظالم جو ہیں وہ سبیل کیلئے پیسے دیں کہ ٹھیک ہے سبیل کیطرف لگے رہو۔ کیا محفلِ میلاد ہم نے کروائی؟ کیا عرس ہم نے کروائے؟ اور ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بڑی دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ نہیں وہ جو بات، وہ جملہ جو میں بار بار کہتا ہوں کہ اسلام یہ نہیں کہتا کہ آپ ڈنڈا اٹھائیں اور کسی جج کے سر پہ مار دیں، کسی جرنیل کے سر پہ مار دیں۔ اسلام کہتا ہے کہ کم از کم ان ظالموں سے نفرت تو کرو۔ تم نے آخری یہ کام بھی نہیں کیا کہ ظالموں کیساتھ نفرت تو کرو۔ مجھے وہ ملک اللہ یار صاحب کا جملہ بڑا یاد آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب میں سیشن جج تھا تو میری ماں ایک دن غصہ میں آگئی، اس نے کہا کہ خبردار! اگر مجھے پتہ چلا کہ تو نے کسی ہوٹل سے کھانا کھایا ہے۔ اگر تیری تنخواہ 60 روپے ہے تو میرے گھر میں 61 روپے نہیں آنے چاہئے۔ کیا میرے گھر میں یہ ماحول ہے کہ میرا بھائی ظلم کرکے آئے اور گھر والے پوچھیں کہ تو نے کیوں ظلم کیا ہے؟ ہم ظلم کیساتھ نفرت نہیں کرتے اور اس کا آج نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے گھر بھی برباد ہو گئے اور ہمارا معاشرہ بھی برباد ہو گیا۔ میری آواز جہاں تک جاتی ہے میں اپنے اداروں سے بھی یہ درخواست کرتا ہوں کہ یہ نفرت اس حد تک پھیل گئی ہے کہ اب قوم کو اپنے اداروں سے نفرت ہونا شروع ہو گئی ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ میرے اوپر ظلم ہو گا تو میں کسی پولیس والے کے پاس جاؤں گا تو وہ میری مدد کو آئے گا۔ یا کسی فوجی بھائی کے پاس جاؤں گا کہ وہ میری مدد کو آئے گا۔ اب اداروں سے نفرت شروع ہو گئی ہے اور لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے

کہ ہمارے کام اب اللہ کے سپرد۔ پھر آسمانوں سے جب عذاب آتا ہے ناں تو پھر گھنٹے اور دن نہیں لگتے۔ پھر ایک لمحہ میں پورے ملک تہہ و بالا ہو جاتے ہیں۔ یہ مت خیال کرو کہ ہم اپنے محلات میں محفوظ ہیں یا تمہاری اولادیں محفوظ ہیں۔ ابھی یہ ترکی اور شام کا زلزلہ دیکھ لو کہ ایک سیکنڈ میں کیا سے کیا ہو گیا۔ میرے مولا علی سرکار کرم اللہ وجہہ الکریم کا وہ تاریخی جملہ، پوری دنیا میں یہ سنایا جاتا ہے کہ کافر کی حکمرانی کو اللہ برداشت کرلیتا ہے لیکن ظالم کی نہیں کرتا۔ اس نے یہ کوئی مخلوق ظالموں کے حوالے نہیں کر دی۔ ہوتا اصل میں یہ ہے کہ ظالم یہ سمجھتا ہے کہ میں نے وقت اور ظلم کو کنٹرول کرلیا ہے۔ وقت بدلتا رہتا ہے۔ وقت آگے بڑھتا رہتا ہے اور مولانا رومؒ نے جو بات بیان فرمائی تھی کہ ریشم کا کیڑا اپنے اردگرد ریشم بُنتا رہتا ہے۔ یہ جو سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم دنیا کی دولت اکٹھی کر کے اپنے آپ کو محفوظ کر رہے ہیں۔ مولانا روم نے فرمایا تھا کہ ریشم کا کیڑا ابھی اپنے اردگرد ریشم بُنتا ہے اور بالآخر اسی میں اس کا دم گھٹتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔ انہیں محلات میں تمہیں چین نہیں آئے گا۔ سکون نہیں آئے گا۔ خدا کیلئے اس ملک کو رہنے دیں۔ یہ بڑی قربانیوں کے بعد ملا ہے۔ ہماری ماؤں، بہنوں بیٹیوں نے اپنی عزتوں کے صدقے یہ ملک ہمیں لیکر دیا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے خون بہایا ہے، اس سرزمین کیلئے۔ اور آج اگر مجھے یہ احساس ہو کہ میرا بھائی ہی مجھے مار رہا ہے، میرے ادارے ہی میرے اوپر ظلم کر رہے ہیں تو پھر اللہ فرماتا ہے کہ ظلم کے معاشرے باقی نہیں رہتے۔ پھر یہ جذباتی باتیں شروع ہو جاتی ہیں کہ یہ ملک قائم رہنے کیلئے بنا ہے۔ کون بکواس کرتا ہے یہ؟ جب میرے پیغمبر ﷺ فرمادیں یہ کہ تم سے پہلی قومیں اس لیے برباد ہوئیں تھی کہ وہاں غریب کو سزا دی جاتی تھی اور امیر کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور اللہ نے برباد کر دیا انکو[1]۔ اور پھر ہم نے اسی ظلم کی صورت میں پاکستان کو گوایا نہیں ہے بنگلہ دیش کی صورت میں؟ جذباتی باتیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کے قوانین اٹل ہیں۔ اگر عدل ہو گا تو زمین پر امن ہو گا اور اللہ کی رحمتیں ہو نگی۔ اور میرے پاک پیغمبر ﷺ کا یہ جملہ ذہن میں رکھنا کہ جب مکے میں بھی ظلم ہو تو میرے آقا فرماتے ہیں کہ اب یہ امن والی جگہ نہیں رہی، مقدس جگہ حبشہ ہے، اب وہاں چلے جاؤ، جہاں عادل حکمران ہے، ظلم نہیں ہونے دیتا۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

[1] صحیح بخاری:4304

28۔ دین کا مرکز اور ماخذ: یا رسول اللہ ﷺ

قرآن: وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ سورة الحشر:10

ترجمہ: اوران کے بعد آنے والے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کیلئے کوئی کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب! بیشک تو نہایت مہربان، بہت رحمت والا ہے۔

خاکہ:

1. اس دنیا میں انسان کو آزمائش کیلئے بھیجا گیا ہے۔
2. سوشل میڈیا پہ جو فتنے پھیل رہے ہیں۔
3. دراصل دین کا ایک ہی ماخذ ہے اور وہ ہے اطاعتِ رسول ﷺ۔
4. ایمان والوں کے تین گروہ کون سے ہیں؟
5. مالِ غنیمت اور مالِ فے میں فرق۔
6. مہاجرین کی اللہ کی راہ میں قربانیاں
7. انصارِ مدینہ کا ذکر کیوں ضروری ہے؟
8. حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی دین کیلئے خدمات
9. آپ نے سب کا احترام اپنے نبی کریم ﷺ کی وجہ سے کرنا ہے۔
10. سیدھے راستہ سے ہٹو گے تو ابلیس گھیر لے گا۔
11. ایمان کا دعویٰ اور سابقون اولون کی محبت

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

ایک چیز جو قرآن کریم میں طے شدہ ہے کہ انسان اس دنیا میں آزمائش کیلئے بھیجا گیا ہے۔ اس بات کو کبھی فراموش نہیں کرنا۔ انسان اکثر اس بات کو اپنے ذہن سے نکال دیتا ہے اور پھر اس کو اسباب اور علت کا فرق محسوس نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں انسان کو آزمائش کیلئے بھیجا گیا ہے۔ یہاں پہ آکر انسان دھوکہ یہ کھاتا ہے کہ جو غریب ہے، مفلس ہے، بیمار ہے تو شاید وہ آزمائش میں سے گزر رہا ہے۔ اور جو بندہ کسی منصب پہ ہے، مال و متاع والا ہے، طاقت والا ہے تو شاید اس پہ اللہ کی بڑی مہربانی ہے۔ تو یہاں پہ انسان دھوکہ کھاجاتا ہے۔ اللہ فرمارہا ہے۔ اللہ فرماتا ہے فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَكْرَمَنِ [1] کہ جب ہم انسان کو اس آزمائش میں ڈالتے ہیں۔ اس کو تکریم دیتے ہیں، اس کو عزت دیتے ہیں اس کو نعمتیں دیتے ہیں۔ تو اللہ نے پہلی آزمائش رکھی ہی ان لوگوں کیلئے ہے جن کو منصب دیا ہے، جن کو دولت دی ہے۔ غریب کے ذمہ اتنے حقوق نہیں ہوتے جتنے امیر کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اگر اس کو دولت دی ہے تو اس کے ذمہ حقوق بھی بڑے ہیں جو قیامت والے دن اس سے پوچھے جائیں گے۔ اس کی اگلی آیت میں پھر فرمایاوَ اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ [2] کہ جب ہم کبھی اس آزمائش میں بھی انسان کو ڈالتے ہیں کہ اس کا رزق تنگ کر دیتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ میری توہین ہو گئی، میرے بے عزتی ہو گئی۔ تو یہ بتانے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ کے نزدیک تم سب آزمائش میں ہو۔ یہ بنیادی نقطہ کبھی نہیں بھولنا۔ یہ تو میں نے دنیاوی لحاظ سے آپ کو ایک سمت بیان کی لیکن سب سے بڑی آزمائش جو ہوتی ہے وہ ایمان کے معاملے میں ہوتی ہے۔ عقیدہ کے معاملے میں ہوتی ہے۔ یعنی شیطانی وسوسے جو ہیں وہ آپ کو توحید کی مخالفت میں ابھارتے ہیں۔ پیغمبر ﷺ کی مخالفت میں ابھارتے ہیں۔ پیغمبر کے ساتھیوں کی مخالفت میں۔ تو یہ فتنہ، فتنہ عربی زبان میں آزمائش کو کہتے ہیں۔ اس

[1] سورۃ الفجر:15

[2] سورۃ الفجر:16

کو قرآن کریم میں جہاں بھی استعمال کیا ہے، مثلاً مال اور اولاد کیلیئے بھی فرمایا اِنَّمَآ اَمۡوَالُکُمۡ وَ اَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ[1]۔ تو اس کا مطلب آزمائش ہے۔

اب دیکھیئے اس ماہ مبارک (ذی الحج) کے آخری ایام ہیں۔ ایک تو اس میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور پھر آگے چل کے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ہیں۔ 25 ذی الحج سے یکم تک کا معاملہ ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے متعلق کچھ نے تاریخ 12 ذی الحج لکھی ہے، کچھ نے 14 لکھی نے اور کچھ نے 18 لکھی ہے۔ یہ تاریخیں مختلف ہیں لیکن یہ مہینہ یہی ہے ذی الحج کا ہے۔ اسی طرح کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا کسی نے 25 ذی الحج لکھی ہے، کچھ نے یکم محرم لکھی ہے۔ لیکن فتنوں کی جو میں بات کر رہا ہوں کہ آج کی میری گفتگو بہت ضروری ہے۔ چونکہ بہت سے لوگ، کل بھی ایک نوجوان نے آکر اس کے متعلق پوچھا کہ آج کل یہ باتیں عام سوشل میڈیا پہ پھیل رہی ہیں کہ حضرت عثمانِ غنی کی شہادت کا حکم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔ اب دیکھیئے ایک عام مسلمان جب یہ چیزیں دیکھتا ہے، پڑھتا ہے سوشل میڈیا پہ، جس کا علم اس لیول پہ نہیں ہوتا، قرآن کا اتنا فہم نہیں ہوتا۔ وہ پھر کیا کرتا ہے کہ صحابہ کو بھی گالیاں دینا شروع کر دیتا ہے، امہات المومنین کو بھی گالیاں دینا شروع کر دیتا ہے۔ اب دیکھیئے عقیدہ میں فتنہ کیسے پھیلایا جاتا ہے۔ شیطان کوئی خاموشی کیساتھ تو نہیں بیٹھا ہوا ناں۔ بھائی اس نے قیامت تک زندگی مانگی ہوئی ہے۔

آج میں نے اس آیت کا انتخاب اس لیے کیا ہے۔ میرا اللہ فرماتا ہے وَ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ وہ لوگ جو آئے ان کے بعد یَقُوۡلُوۡنَ کہتے ہوئے رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما وَ لِاِخۡوَانِنَا اور ہمارے بھائیوں کی بھی الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وہ لوگ جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے انکی بھی مغفرت فرما اور جو ہمارے سے پہلے ایمان لائے ان کی بھی مغفرت فرما۔ وَ لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اور مولا کریم اگر ہمارے دل میں دشمنی ہے، بغض ہے، کینہ ہے، ان سابقون اولون کیلیئے لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وہ جو ایمان لائے ہم سے پہلے۔ تو مولا کریم ہمارے دل ان کی دشمنی سے پاک کر دے۔ ہمارے دلوں میں انکے لیے کوئی دشمنی اور بیر نہ ہو۔ رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ اے

[1] سورۃ التغابن:15

ہمارے رب بیشک تُو رؤف بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ ہم چونکہ قرآن کریم کے طالبعلم ہیں۔ ابتداء میں ایک بات سمجھ لیں کہ جب ہم دین کی بات کرتے ہیں تو ہم یہ دین سیکھیں گے کہاں سے؟ یہ ہے وہ بنیادی چیز۔ بھائی اللہ نے اپنی شریعت اپنا دین انسانوں تک پہنچانا چاہا تو کیا کیا؟ آج آپ کسی عالم سے پوچھیں گے تو وہ کہے گا کہ بنیادی طور پہ جو ماخذ ہیں، ذرائع ہیں وہ قرآن ہے اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ۔ یہ ہیں اس دین کے بنیادی دو ماخذ۔ جہاں سے ہم دین حاصل کرتے ہیں۔ اللہ کی مرضی کو پاتے ہیں۔ اجماع امت اور اجتہاد۔ یہ چار چیزیں ہیں لیکن بنیادی طور پہ یہ دو ہیں۔ کتاب اور سنت رسول ﷺ۔ لیکن اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو میں نے جتنا تھوڑا بہت قرآن کریم کو اور حضور ﷺ کی سنت کو دیکھا ہے تو میرے نزدیک تو ماخذ ایک ہی ہے اور وہ اللہ کے نبی کی اطاعت ہے۔ اس لیے کہ یہ کتاب بھی تو اللہ کے نبی سے ہی ملی ناں۔ ظاہری تو آپ یہی کہیں گے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ۔ لیکن اگر غور کریں گے تو کتاب بھی اسی در سے ملی اور سنت بھی اسی در سے ملی۔ اسی لیے اگر آپ دین کے ماخذ کو ایک نقطہ پہ لیکر جائیں تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہیں۔ اگر آپ اس ماخذ سے تعلق رکھیں گے جہاں سے مجھے دین ملنا ہے تو پھر آپ فتنہ سے بچ جائیں گے۔ لیکن جونہی آپ کی نگاہ اِدھر اُدھر ہوئی تو آپ ابلیس کے ہتھے چڑھ گئے۔

اب کتاب اللہ میں ایمان والوں کے تین ہی گروہ بیان کیے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح آج سمجھ لینی ہے۔ یہ جتنے بھی امہات المومنین کو گالیاں دینے والے، صحابہ کو گالیاں دینے والے، اب دیکھئے قرآن دعا کیا سکھا رہا ہے۔ یا اللہ جو پہلے ایمان لائے تھے اگر ان کے متعلق میرے دل میں دشمنی ہے تو میرا دل پاک کر دے۔ یعنی یہ کتنی اہم چیز ہے۔ قرآن کریم نے ایمان والوں کے صرف تین ہی گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ سورۃ توبہ میں ارشاد فرمایا وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ-رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ[1]۔ جو سبقت لے گئے، جو پہلے ایمان لائے، جنہوں نے پہلے میرے پیغمبر ﷺ کو مانا۔ وہ کون ہیں مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ۔ وہ مہاجرین ہیں اور انصارِ مدینہ ہیں۔ مہاجرین مکہ ہیں اور انصارِ مدینہ ہیں۔ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ اس کے بعد جن لوگوں نے ان کی اتباع کی نیکی کے معاملے میں، ان کے نقشِ قدم پہ چلے۔ کیا اللہ تعالیٰ بُرے لوگوں کے نقشِ قدم پہ

[1] سورۃ التوبہ:100

چلنے کا حکم دے رہا ہے؟ یہ کچھ خدا کا خوف کھائیں یہ کہاں آپ اس امت کو لیکر جا رہے ہیں۔ اللہ حکم دے رہا ہے جن لوگوں نے مہاجرین اور انصار کی اتباع کی۔ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا وہ اللہ سے راضی۔ تو یہ تین ہی گروہ ہیں، مہاجرین ہیں، انصار ہیں اور قیامت تک آنے والے لوگ ہیں جو انکی اتباع کرتے ہیں۔

یہ جو پچھلی آیات میں سورۃ حشر میں مالِ غنیمت اور مالِ فے کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ مالِ غنیمت، جہاں مسلمان گھوڑے دوڑاتے ہیں، زخمی ہوتے ہیں، شہید ہوتے ہیں۔ جدوجہد کرتے، قتال ہوتا ہے اور اس کے بعد دشمن پہ غلبہ پا کر، انکا مال جو مسلمانوں کو آتا ہے اس کو مالِ غنیمت کہتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کسی پہ رعب طاری کر دے اور وہ لڑائی کے بغیر ہی مغلوب ہو جائیں تو وہ جو مال متاع ملے گا اس کو مالِ فے کہیں گے۔

اب دیکھئے دونوں ایمان والے تھے ناں۔ اللہ کہہ دیتا کہ جو سابقون اولون، میرے نبی پہ پہلے ایمان لائے۔ دونوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا کہ جو پہلے پہل ایمان لائے ان میں مہاجرین ہیں اور انصار ہیں۔ کیوں؟ مہاجرین کیلئے فرمایا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا[1] ان کو انکے گھروں سے نکالا گیا وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ اور ان کو میری راہ میں اذیت دی گئی۔ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا میری راہ میں قتل ہوئے بھی اور قتل کیے بھی۔ یہ قرآن ہے، کسی مولوی پیر کی بات نہیں ہے۔ اللہ ان کی یہ تعریف بیان کر رہا ہے۔ اور آج کا مسلمان اٹھ کے ان کو گالیاں دے، بدتمیزی کرے؟ اللہ کہے کہ میں ان سے راضی ہوں اور وہ کہے کہ میں ان سے راضی نہیں ہوں؟ یعنی اللہ سے مقابلہ شروع کر دیا۔ یعنی فتنوں کی بھی انتہا ہو گئی۔ میں تو کل سن کے حیران ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا۔ جو قرآن کہہ رہا ہے يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ[2] اے نبی کی بیویوں تم جیسی عورت تو اس دنیا میں ہے ہی کوئی نہیں۔ ایمان والا کیسے یہ بات کر سکتا ہے کہ جب اللہ قرآن میں یہ فرمائے وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ[3] میرے نبی کی بیویاں تو مومنوں کی مائیں ہیں۔ اپنی ماں کے متعلق کوئی کیسے

[1] سورۃ آل عمران:195

[2] سورۃ الاحزاب:32

[3] سورۃ الاحزاب:6

بد تمیزی کر سکتا ہے؟ لیکن ہمارے لوگ ہیں جو آگے اس کو شئیر بھی کرتے جا رہے ہیں اور سنتے بھی جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانیوں کا ذکر کیا کہ مہاجرین نے میری راہ میں اپنا گھر چھوڑا ہے، اپنے کاروبار چھوڑے ہیں، اپنی جان قربان کی ہے، اپنے مال قربان کیے، اپنی اولادیں قربان کیں، وقت دیا ہے۔ یہ کوئی معمولی لوگ نہیں ہیں کہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیا۔

انصار کا ذکر کیوں؟ بنو قینقاع، یہ یہود کا ایک قبیلہ تھا۔ تو وہ جنگ کے بغیر ہی فتح ہو گیا تو مالِ غنیمت تو ظاہر ہے کہ تمام مجاہدین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اب یہ جو مالِ فے جو ہے اس پہ اللہ کے نبی کا حق ہے کیونکہ مسلمانوں نے تو کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ تو اللہ کے نبی کا رعب ان پہ پڑا تو سب کچھ مسلمانوں کے حصے میں آ گیا۔ یہ تفصیل طلب موضوع ہے، مجھے کسی دن یاد کروانا ہم مالِ غنیمت اور مالِ فے کا فرق اسی سورۃ مبارکہ کے حوالے سے بیان کریں گے۔ اب نبی پاک ﷺ نے انصار اور مہاجرین کو اکٹھا کیا۔ میرے پاک ﷺ نے فرمایا انصارِ مدینہ، یہ دو بڑے سردار تھے انصار کے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، آپ نے فرمایا کہ تم نے مہاجرین کو اپنے آدھے آدھے گھر دیے ہوئے ہیں، اپنے باغات، اپنے کاروبار۔ تو یہ مالِ فے ہے تو اگر میں یہ مال ان مہاجرین کو دے دوں تو یہ تمہارے گھروں سے چلیں جائیں اور اپنے گھر بنا لیں۔ تمہارے کاروبار چھوڑ دیں۔ ایک تو یہ ہے کہ میں یہ مال مہاجرین میں تقسیم کروں اور اس کے بدلے میں جو کچھ تم نے انکو دیا ہوا ہے وہ تمہارا حصہ چھوڑ دیں۔ اور دوسرا یہ ہے کہ جیسے میں مالِ غنیمت تقسیم کرتا تھا، ویسے ہی یہ مالِ فے مہاجرین اور انصار میں تقسیم کر دوں اور پھر کاروبار اور گھر تمہارے اکٹھے ہی رہیں گے۔ انصار کا ذکر قرآن نے اس لیے کیا۔ تو انصارِ مدینہ نے اس وقت جملہ کہا وہ بڑا کمال کا تھا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ سارا مال ہمارے مہاجرین بھائیوں میں تقسیم کریں اور آقا یہ ہمارے گھروں میں بھی رہیں۔ یہ اسی طرح ہمارے باغات پہ بھی قابض رہیں، ہمارے گھروں میں بھی رہیں اور یہ مال بھی سارا ان کو تقسیم کر دیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ تم ان جیسے ہو گئے؟ مہاجرین جیسے ہو گئے یا انصار جیسے ہو گئے۔ یہ کوئی معمولی بات تھی کہ جب آپ آخری حج پہ گئے تو میرے پیغمبر ﷺ کے سارے خاندان والے تو سارے مکہ میں تھے۔ تو بنو ہاشم کی بوڑھی عورتیں اور مرد، سارے خاندان والے اکٹھے ہو کر آ گئے اور کہنے لگے کہ اب آپ اپنے شہر میں ہی رہیں۔

میرے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تھا میں اپنے انصارِ مدینہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میرے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انصار کیساتھ رہنا پسند فرمایا۔ یہ جو پچھلی آیت اس میں اللہ نے فرمایا وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[1]۔ جس دل کو، جس نفس کو اللہ نے لالچ سے پاک کر دیا وہ کامیاب ہو گیا۔ جس نفس میں حرص، کینہ، بغض، کنجوسی ہو، وہ کامیابی والا نفس ہی نہیں۔ جس دل میں لالچ موجود ہوتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنا یہ اصول کی بات ہے۔ وہ نہ کسی کا بھائی ہوتا ہے اور نہ کسی کا دوست ہوتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ فلاح نہیں پاسکتا، وہ کامیاب نہیں ہو سکتا، اسلیے کہ وہ اپنے بھائی کو ترقی کرتا ہوا دیکھ ہی نہیں سکتا۔ پھلتا پھولتا دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اس کی آسائش اور آرام کو دیکھ کر لالچی بندہ جو ہے وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ تو اللہ فرما رہا ہے کہ یہ تھے میرے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابہ۔ یہ تھے انصار مدینہ جو کہہ رہے تھے کہ آقا سارا مال بھی انکو دے دیں اور یہ ہمارے گھروں میں بھی رہیں۔

اور ان میں سب سے بڑی ہستی حضرت عثماں غنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔ آپ میں سے شاید کچھ لوگوں کو پتہ ہو۔ 2016 میں جب میں حج کیلئے گیا تھا وہاں ایک بینک میں جانے کا موقع ملا۔ وہاں میرے دوست تھے لاہور سے تو انہوں نے وہاں سے کچھ پیسے لینے تھے۔ یہ میرے پیغمبر کا واحد صحابی ہے عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، جن کا اکاؤنٹ آج بھی سعودی عرب کے بینک میں کھلا ہوا ہے۔ جنکے باغات کی آمدن آج بھی غرباء اور مساکین میں تقسیم ہوتی ہے۔ کوئی بندہ تصور کر سکتا ہے؟ وہ اکاؤنٹ آپ کے نام پہ ہے۔ جتنی آپ نے جائیداد اسلام کیلئے وقف کی تھی وہ آج بھی حضور کی امت پہ خرچ ہو رہی ہے۔ اور یہ واحد ہستی ہے کہ جن کو تین موقعوں پہ میرے پاک پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جنت کی خوشخبری دی۔ اگر مسلمانوں کو پانی کی ضرورت پڑی تو کنواں خرید کر دیا[2]۔ کس کو نہیں پتہ؟ وہ کنواں آج بھی موجود ہے۔ مسجد کیلئے ضرورت پڑی تو پیسے خرچ کیے۔ مسجد نبوی شریف آپ نے جگہ خرید کر دی۔ غزوہ تبوک کے موقع پہ، وہ منظر تو صحابہ فرماتے ہیں کہ وہ منظر ہی بڑا عجیب تھا کہ جب آدھے لشکر کی ذمہ داری حضرت عثمانِ غنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے اٹھائی اور وہ جو اشرفیاں پیش کیں۔ میرے پاک پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جھولی میں لا کر ڈال دیں۔ تو سرکار ان اشرفیوں کا الٹ پلٹ رہے

---

[1] سورۃ الحشر:9

[2] صحیح بخاری:3695

تھے اور ساتھ کہہ رہے تھے کہ مولا میں عثمان پہ راضی ہوں، تُو آسمانوں پہ اس پہ راضی ہو جا۔ اب یہ واحد مسلمانوں کا سر خیل ہے جس کیلئے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ آج کے بعد اگر عثمان کوئی نفلی عبادت نہ کرے تو اس کو کوئی ضرورت نہیں ہے[1]۔ مولا علی سرکار کی شادی پہ نبی پاک ﷺ نے آپ سے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ ہے تو عرض کی یارسول اللہ ﷺ ایک زرہ ہے۔ آپ بازار فروخت کرنے کیلئے گئے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ 10، 20 درہم کی تھی۔ اب جب بولی لگنی شروع ہوئی تو حضرت عثمان نے اس کو 400 درہم میں خریدا۔ وہ پیسے پھر مولا علی نے نبی پاک ﷺ کو دیے اور اسی سے حضرت فاطمۃ الزہرا کا جہیز بنا۔ اسی میں سے حق مہر ادا کیا گیا اور وہی جو زرہ خریدی تھی وہ تحفے کے طور پہ مولا علی کو پھر واپس کر دی۔ ان بدبختوں کو یہ بھی نہیں پتہ کہ آپ کی شہادت 12 ذی الحج کو ہوئی یا کچھ نے 14 ذی الحج کو لکھی ہے، تو ان دنوں سارے مسلمان حج پر گئے ہوئے تھے۔ مدینہ خالی تھا۔ بڑے منصوبے کے تحت یہ حملہ کیا گیا تھا۔ جب مدینہ شریف اور گردو نواح کے سارے لوگ حج پہ گئے ہوئے تھے لیکن اس موقع پہ بھی چونکہ وقت کم ہے، کوئی بھی کتاب اٹھا کر آپ دیکھیں۔ جب یہ حملہ ہوا، محاصرہ ہوا تو میرے مولا علی سرکار نے یہ ڈیوٹی لگائی امام حسن اور امام حسین کی کہ کوئی ان کے گھر داخل نہ ہو سکے۔ کوئی باغی گھر میں داخل نہ ہو۔ اوہ! جس گھر کی حفاظت کیلئے امام حسن اور حسین کھڑے ہوں، اسکے متعلق بات کرتے ہوئے تو شرم آنی چاہئے۔ اور جب آپ کی شہادت کی خبر سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ملی تو یہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ نے آکر ایک گھونسا امام حسن کو مارا، ایک تھپڑ امام حسین کو رسید کیا کہ تمہاری موجودگی میں عثمان کو شہید کر دیا گیا۔ پھر جب لوگوں نے بتایا کہ دروازے میں سے کوئی داخل نہیں ہو سکا، وہ تو حسنین کریمین پہرہ دیتے رہے۔ پچھلی دیوار پھلانگ کے باغی آئے تھے اور انہوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا۔

تو یہ آیت ہمیشہ ذہن میں رہے کہ اگر نبی کے صحابہ سے محبت کرنی ہے تو نبی کی وجہ سے کرنی ہے۔ اگر حضور کی اہل بیت سے محبت کرنی ہے تو پاک پیغمبر ﷺ کی وجہ سے کرنی ہے۔ جب آپ اس مرکز کو چھوڑیں گے اور کسی اور کی بات سننا شروع کر دینگے تو پھر شیطان راستے میں بیٹھا ہوا ہے۔ جب تک آپ قرآن و سنت کو دیکھتے رہو

[1] مسند احمد: 20630

گے تو یہ میرے پیغمبر ﷺ نے وعدہ کیا تھا، یہ آخری حج کے موقع پہ کہا تھا کہ جب تک قرآن و سنت کو دیکھتے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے [1]۔ مجھے کوئی کروڑ کتابیں لا کر رکھ دے تو کیا میں مانوں گا؟ میں نہیں مانوں گا۔ اس لیے کہ میرا اللہ فرما رہا ہے کہ میں ان سے راضی ہو گیا۔ میں کسی کی کتاب کی دلیل کو کیا دیکھوں۔ یہ کتاب اللہ آپ کو گمراہ نہیں ہونے دیتی۔ سنت رسول آپ کو گمراہ نہیں ہونے دیتی۔ میرے نبی تو عثمان کیساتھ محبت کریں اور آج کا مسلمان کہے کہ میں ان کیساتھ دشمنی رکھوں؟ اسی لیے میرے پاک پیغمبر ﷺ نے ایک لائن کھینچی اور اس کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے خط کھینچے۔ شاید کسی موقع پہ میں نے یہ جملہ کہا تھا کہ آپ جہاں بھی جائیں گے ناں لوگ آپ کو اللہ کا راستہ ہی بتائیں گے۔ بھائی کوئی ایسا نہیں ہے کہ جو کہے کہ ہم کوئی اور بات کر رہے ہیں۔ سارے یہی کہیں گے کہ ہم اللہ کی بات کر رہے ہیں۔ یہودی بھی یہی کہیں گے کہ ہم آپ کو اللہ تک لے جاتے ہیں۔ عیسائی بھی یہی کہیں گے۔ بلکہ ہندوؤں کی وید میں بھی یہی کچھ لکھا ہے۔ زرتشتوں کی اوستا میں بھی یہی کچھ لکھا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا۔ ساری دنیا تمہیں اللہ کا راستہ بتاتی ہے لیکن کوئی راستہ اللہ تک نہیں جاتا۔ اللہ تک صرف ایک ہی راستہ جاتا ہے وہ صرف مدینہ سے ہو کر جاتا ہے۔ باقی کوئی راستہ اللہ تک نہیں جاتا۔ جب تک آپ کا مدینہ والے سے، اللہ کے رسول سے تعلق ہے، آپ نہ نبی کی اہل بیت کی مخالفت کر سکتے ہیں اور نبی کے اصحاب کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ دونوں سے میرے پیغمبر نے محبت کی۔

لائن ڈرا کی اس کے ارد گرد چھوٹی لائنیں لگائیں اور پھر صحابہ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے وہی جواب جو وہ دیا کرتے تھے۔ اللہ اور اسکا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ جو سیدھی لائن ہے یہ صراط مستقیم ہے [2]۔ یہ ہدایت کا راستہ ہے۔ پتہ چل گیا ناں سیدھا راستہ جو مدینہ شریف سے ہو کر اللہ تک جاتا ہے۔ ایک ہی راستہ ہے۔ یہاں میں ایک فلسفہ کی گفتگو آپ کو عرض کر دوں۔ فلسفہ والے کہتے ہیں کہ انسان پریشان کب ہوتا ہے؟ جب اس کے سامنے دو یا تین راستے ہوتے ہیں۔ تو ان میں سے اس نے انتخاب کرنا ہوتا ہے کہ ان دو

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح:186 / رواہ الحاکم والبیہقی۔ /رواہ موطا

[2] سنن ابن ماجہ:11

تین میں سے میں کس راستے کا انتخاب کروں؟ تو پھر وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ انسان کی بنیادی پریشانی اصل میں یہ ہے۔ یقین اور شک میں بنیادی فرق اصل میں یہی ہے۔ شک والے کے سامنے راستے ایک سے زیادہ ہوتے ہیں۔ میں اپنے شاگردوں سے اکثر یہ کہا کرتا ہوں کہ ہمارے لیے پریشانی اس لیے نہیں ہے کیونکہ ہمارے سامنے تو راستہ ہی ایک ہے۔ جب راستہ ہی ایک ہو تو پریشانی کی کیا بات۔ ہم سیدھے سیدھے اس راستہ پہ چلتے رہتے ہیں۔ جب ایک سے زیادہ راستوں پہ دیکھیں گے تو پریشان ہونگے۔ یقین والا اسی لیے یقین پہ ہوتا ہے کہ اس کے سامنے راستہ ہی ایک ہوتا ہے۔ کوئی confusion نہیں ہوتی اس کو عقیدہ کے معاملے میں۔ تو سرکار ﷺ نے فرمایا کہ جس نے صراط مستقیم کو چھوڑا۔ اب وہ ابتدائی جملہ ذہن میں رہے کہ ماخذ ایک ہی ہے۔ ظاہراً ہم کہہ دیتے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ۔ اصل میں ماخذ ایک ہی ہے۔ کیونکہ قرآن بھی اسی در سے ملا اور سنت بھی اسی در سے۔ منزل بھی چونکہ ایک ہے اور راستہ بھی ایک ہے۔ تو میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اس راستے کو چھوڑا تو یہ جو ارد گرد لائنیں ہیں ناں، یہاں پہ ابلیس بیٹھا ہوا ہے۔ جونہی وہ اس راستے کو چھوڑتا ہے ابلیس اس کو قابو کر لیتا ہے۔ پھر آپ کے سامنے میں نے جو اس دن آپ کو کہا تھا کہ اگر کتابوں کی بات کرینگے تو کتابوں میں تو بڑا کچھ لکھا ہوا ہے۔ آپ نے ماخذ کیطرف دیکھنا ہے کہ میرے پیغمبر ﷺ نے کس سے محبت کی اور کس سے نفرت کی۔ قرآن کن کی محبت کی بات کرتا ہے؟ آج کل یہ ہمارے مذہبی لوگ جو ہیں ناں، میں نے کئی دفعہ آپ سے کہا ہے کہ جب کوئی مفتی صاحب، مولوی صاحب فوت ہو جائیں تو ان کے بچے بھی لڑتے ہیں کہ مدرسے پہ میں نے قبضہ کرنا ہے۔ مسجد پہ میں نے قبضہ کرنا ہے۔ اسی طرح پیر خانوں پہ بھی ہوتا ہے۔ دربار پہ قبضہ کی بڑی جنگیں ہوتی ہیں۔ جون کے مہینے میں بڑے عرس ہوئے، مجھے کافی جگہ جانے کا موقع ملا، پچھلے جمعہ بھی میں ایک جگہ گیا ہوا تھا تو ان کے سامنے میں قرآن کا یہی اصول بیان کرتا ہوں کہ جب تمہاری نظر مرکز پہ رہے گی تو گمراہ نہیں ہوگے۔ گمراہ وہ ہوتا ہے جو مرکز سے ہٹتا ہے۔ وہ کہنے لگے یہ کیسے تو میں نے انہیں کہا کہ آپ کے شیخ کا وصال ہوا ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ آپ کے شیخ کا کیا حکم تھا۔ اگر مرکز پہ نظر رہے گی تو آپ کسی کی باتوں میں نہیں آئیں گے۔ جونہی آپ اس مرکز کو چھوڑیں گے تو آگے ابلیس بیٹھا ہوا ہے وہ آپ کو قابو کر لے گا۔

یہ جو آجکل بکواس سوشل میڈیا پہ شروع ہوئی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔ حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا پہ دروازہ گرا کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو شہید کر دیا۔ پتہ نہیں کیسی کیسی بکواس؟ جب آپ قرآن کو دیکھتے ہیں تو قرآن کہتا ہے کہ جس نے بھی ان صحابہ کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ تو مرکز کی طرف نگاہ رکھا کریں۔ یہ آیت اب ذہن میں رہے گی ناں وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وہ لوگ جو آئے ان کے بعد يَقُوْلُوْنَ کہتے ہوئے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ہمارے رب ہماری مغفرت فرما وَ لِاِخْوَانِنَا اور ہمارے بھائیوں کی مغفرت فرما الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ جو ایمان ہم سے پہلے لائے۔ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اگر ان کے متعلق ہمارے دل میں کوئی دشمنی، کوئی بیر، کوئی غِل ہے، تو یا اللہ ہمارا دل ان کی دشمنی سے پاک کر دے۔ کوئی بندہ ایمان کا دعویٰ کر نہیں سکتا ان سابقون اولون سے محبت کے بغیر۔ ظاہر ہے یہ دعا اس لیے سکھائی گئی ہے کہ آپ کبھی کسی فتنہ میں آجائیں، صحابہ کے متعلق کوئی بات دل میں آسکتی ہے، تو دعا سکھا دی کہ اگر کبھی آئے دل میں تو فوری طور پہ اللہ سے یہ دعا کر لینی ہے۔ ایک شخص نے سرکار امام حسین رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمانِ غنی کی مخالفت میں چند جملے کہے۔ تو سرکار امام عالی مقام نے یہ سوال اس سے کیا۔ فرمایا کہ تُو مہاجرین میں سے ہے؟ کہنے لگا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تُو انصار میں سے ہے؟ کہنے لگا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جو قرآن نے تیسرا طبقہ بتایا ہے مہاجرین اور انصار کی اتباع کرنے والا۔ تُو ان میں سے ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تُو پھر میری مجلس سے اُٹھ جا، ایمان والوں کے تو اللہ نے تین گروہ ہی بیان کیے ہیں۔ پھر میری مجلس میں نہ بیٹھ اور اگر تُو تیسرے گروہ میں سے ہے تو تیسرے گروہ کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے لیے بخشش مانگتے ہیں اور پہلوں کیلئے بھی بخشش مانگتے ہیں اور ساتھ یہ دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ شیطان ہمارے دل میں ان کے متعلق کوئی وسوسہ ڈال دے تو ہمارا دل پاک کر دے۔ ہمارے دل میں ان کیلئے کوئی دشمنی نہ ہو۔ تو یہ آج کی آپ نے میری وصیت یاد رکھنی ہے کہ کوئی صحابہ کے متعلق گفتگو، بدتمیزی کرے، امہات المومنین کے متعلق کرے، حضور کی اہل بیت کے متعلق کرے، آپ نے سب کا احترام نبی کی وجہ سے کرنا ہے۔ میرے پیغمبر نے ان سے محبت کی ہے۔ میرے پیغمبر نے ان کو چاہا۔ تو جب آپ مرکز پہ نگاہ رکھیں گے تو پھر آپ کبھی گمراہ نہیں ہونگے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

29۔ علم کسی زندہ سینے میں ہوتا ہے

قرآن: قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ- سورة الزمر:9

ترجمہ: تم فرماؤ: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟

خاکہ:

1. مرتا وہ ہے جس کا مشن مر جائے اور بچتا وہ ہے جسے "وہ" اپنے لیے خالص کر لے۔
2. آج کے دور کے سوالات اور ان کے جواب
3. علم اور اعتبار علم
4. معنی جہان معنی میں ہوتا ہے۔
5. کتاب میں علم نہیں بلکہ علامات ہوتی ہیں۔
6. علم کے چار فیز ہیں۔
7. وجود سے وجود کا سفر
8. جو جس مقام کا نہیں وہاں بیٹھ جائے تو وہی ابلیس ہے

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز علماء سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

ظاہر ہے یہ 30 دسمبر کا دن، ہمارے لیے دونوں کیفیتیں، غم کی بھی اور شکر کی بھی۔ ظاہر ہے ایک غم کی داستان بھی ہے، ایک جدائی کا مرحلہ بھی ہے اور جب ان کا یہ گلشن آگے بڑھتا دیکھتے ہیں تو شکر کا پہلو بھی ہے۔ ارسطو نے کہا تھا کہ مرتا وہ نہیں جس کی اولاد نہ ہو، لوگ سمجھتے ہیں ناں کہ جس کا پیچھے کوئی وارث نہ ہو وہ مر جاتا ہے، ارسطو نے کہا تھا کہ نہیں اگر کسی کے ہزار بیٹے بھی ہوں ہو سکتا ہے وہ مر جائے، کسی کا کوئی نہ ہو پیچھے لیکن وہ زندہ رہے۔ تو لوگوں نے پوچھا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس نے کہا بیٹوں کی وجہ سے کوئی زندہ نہیں رہتا، زندہ وہ رہتا ہے جس کا مشن زندہ رہے۔ تو جب اس مشن کو زندہ دیکھتے ہیں تو وہ شکر کا پہلو ہوتا ہے۔ بہر حال بھائی اقبال صاحب نے، ان کے بیٹوں نے، ہماری بہن نے، اہل خانہ نے، سارے ظاہر ہے اس میں شریک ہوتے ہیں۔ بس پتہ نہیں یہ بات مجھے ابتداء میں کہنی چاہیے تھی کہ آخر میں کہنی چاہیے تھی. ابلیس نے ایک جملہ کہا تھا "قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ[1]" کہ میں ان سب کو راہ راست سے ہٹا دوں گا، گمراہ کر دوں گا۔ "اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ[2]" مصیبت پھر ترجموں کی، علامہ صاحب، پڑ جاتی ہے کیا کریں؟ ترجمے یہی ہوتے ہیں کہ سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔ یہی کرتے ہیں ناں؟ اب مصیبت یہ ہے کہ یہاں مُخلِص نہیں ہے، مُخلَص ہے، یہ اسم مفعول ہے مُخلِص اسم فاعل ہے۔ ابلیس نے بھی یہ کہا تھا کہ بچے گا وہ جسے تو اپنے لیے خالص کر لے گا یہ نہیں کہا تھا کہ جو تیرا مخلِص ہو۔ کہا تھا جسے تو خالص کر لے۔ یہی مُرشِد اور مُرشَد میں فرق ہے۔ مُرشَد اسم مفعول ہے مُرشِد اسم فاعل ہے۔ تو قرآن نے بھی ابلیس کا وہ جملہ لکھا ہے بچتا وہی ہے جسے وہ خالص کر لے۔ میری تمہاری کیا جرات؟ اب اپنی قسمت پہ ناز کریں کہ آپ سب کو اس نے خالص کر لیا۔

---

[1] سورۃ ص:82

[2] سورۃ ص:83

بہر حال آج کے اس پروگرام کے لیے زوار حیدر صاحب سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ عِلم پہ گفتگو ہو گی۔کافی دنوں سے یہ ایک موضوع ہمارے سامنے رکھ رہے تھے۔میں نے کہا کہ انشاءاللہ عرس مبارک پہ اس پر discuss کریں گے ۔ بات تو ظاہر ہے تھوڑی سی مشکل ہو گی عام فہم نہیں ہو گی۔ لیکن یہ خاندان چشت اہل بہشت کا فیض ہے کہ ہم وہ جو موضوعات آپ تخصیص میں سیکھتے اور پڑھتے ہیں اور یونیورسٹیوں میں تحقیق کے دوران وہ موضوع آتے ہیں ہم اسی سٹیج پہ ان کو بیان کر دیتے ہیں اور بڑے عام فہم ان کو بیان کر دیتے ہیں بھائی اس لیے کہ اس نے خالص کیا ہے ناں اس میں ہمارا کچھ نہیں۔ آجکل جو ہماری یونیورسٹیوں میں بحث ہے تحقیقی اداروں میں۔وہ یہ ہے کہ علم حاصل بھی کیا جاسکتا ہے کہ نہیں۔کیا کسی چیز کا مکمل علم کسی کو حاصل بھی ہے یا نہیں۔ پھر پہلے بات یہ ہوتی ہے کہ علم کہتے کسے ہیں؟ کہیں مغالطے کو علم تو نہیں سمجھ لیا۔ یہ چند سوالات ہیں اس دور سے۔ چونکہ اساتذہ اکرام بیٹھے ہیں۔ان کا یہ کہنا تھا تو میں نے اس پیچیدہ موضوع کے لیے آج کے دن کا انتخاب کیا۔ اس کی پتہ وجہ کیا ہے؟اس دن انکی مکمل توجہ ہماری طرف ہوتی ہے اس لیے ہم نے اس پیچیدہ موضوع کا انتخاب کیا۔ علم، علم کب بنتا ہے ؟ یہ ہے بنیادی سوال آج کے دور کا۔ آپ کو بڑے بڑے دعوے کرنے والے ملیں گے۔ آج چونکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے سائنس نے ویسے ایک کام آسان کر دیا ہے سائنس نے ہمیں یہ بتایا کہ ہر ذرے کے پیچھے علم ہے، ہر قطرے کے پیچھے علم ہے، ہر پتے کے پیچھے علم ہے کوئی پتہ بغیر سبب کے ہلتا بھی ہے پتہ نہیں میں پہنچا پایا کہ نہیں۔ کیا میں ذرے کو علم کہوں گا؟ پتے کو علم کہوں گا؟ قطرے کو علم کہوں گا؟ نہیں۔

علم کی Definition یہ ہے کہ علم وہ ہوتا ہے جو ظرفِ زندگی میں ہو۔ علم کسے کہتے ہیں؟ جو ظرفِ زندگی میں ہو۔ اس لیے کہ اللہ عالم ہے۔ وہ علم کیوں ہے اس لیے کہ وہ "الحیّ" ہے۔ جو ظرف زندگی میں نہ ہو وہ علم نہیں ہوتا۔ اسی لیے جس کے پاس علم نہ ہو اسے مردہ کہتے ہیں۔ ابھی میں نے آیت کو نہیں چھیڑا اس طرف سے۔ پہاڑ، پہاڑ ہے۔ پتھر، پتھر ہے۔ ذرہ، ذرہ ہے۔ جب سے کائنات بنی ہے یہ ذرے ایسے ہی ہیں۔ پہاڑ ایسے ہی ہیں۔ پانی ایسے ہی ہے۔ وہ ایک ذرہ جب خوردبین کے نیچے، Microscope کے نیچے آتا ہے۔ اب اس ذرے کا علم کسی زندہ ذہن میں منتقل ہوتا ہے تو اسے علم کہتے ہیں۔ جب تک وہ زندہ ذہن مین نہیں آیا تھا وہ پتھر تھا۔ زندہ ذہن میں آیا تو علم بن گیا علم کے لیے ظرف زندگی کا ہونا ضروری ہے ورنہ علم، علم نہیں ہوتا۔ یہ بحث تو مشکل ہوتی

ہے لیکن اس اسٹیج کا، یہ علاقہ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے حضور خواجہ غریب نواز کو عطا کیا ہوا ہے۔ تو عطائے رسول کے وسیلے کے ساتھ ہم یہ چیزیں جو ہیں، بیان کر دیتے ہیں۔ اب دیکھا پتہ، پتہ ہے علم نہیں ہے قطرہ، قطرہ ہے علم نہیں ہے۔ ذرہ، ذرہ ہے علم نہیں ہے۔ جب کسی زندہ وجود میں آئے گا تو علم بن جائے گا۔ تو ایک بات تو یہ طے ہوئی کہ علم کے لیے زندگی کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے اگلہ مرحلہ ہے اعتبار علم۔ علم پہ اعتبار کب آتا ہے؟ جب ایک زندہ سے علم دوسرے زندہ میں منتقل ہوتا ہے تو اس کو اعتبارِ علم کہتے ہیں۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَؕ قرآن کہتا ہے کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے برابر ہو گئے؟ قرآن نے خود اسکی وضاحت کی" وَ مَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ[1]" جیسے اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے ویسے علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے برابر نہیں ہوتے، جیسے زندہ اور مردہ برابر نہیں ہوتے، جیسے دھوپ اور چھاؤں برابر نہیں ہوتے۔ یہ قرآنی مثالیں ہیں۔ ایسے ہی علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے برابر نہیں ہوتے۔

آپ معنیٰ کہاں تلاش کرتے ہیں؟ ڈکشنری میں، علامہ فضل کریم صاحب فرمائیں گے ہم معجم میں دیکھتے ہیں، ڈکشنری میں دیکھتے ہیں ناں، لُغت میں دیکھتے ہیں۔ لُغت میں معنیٰ نہیں ہوتا، لغت میں متبادل لفظ ہوتا ہے۔ لغت میں معنی نہیں ہوتا، معنی جہانِ معنی میں ہوتا ہے۔ جہاں پہ اس معنی کا جہاں ہے وہاں معنی ہوتا ہے۔ آپ نے پانی، انگلش کی ڈکشنری میں دیکھا وہاں "Water " آگیا، متبادل لفظ ہے ناں، فارسی کی دیکھی تو "آب" آگیا، عربی کی دیکھی تو "ماء" آگیا، اس میں معنی کہاں ہے بھائی متبادل الفاظ ہیں ناں، کیوں بھلا، اس لیے کہ ڈکشنری زندہ نہیں ہے، علم کے لیے زندہ ہونا ضروری ہے۔ پانی کا معنی پانی کے اندر ہے جہاں پانی کا وجود ہے، جس جگہ پہ پانی موجود ہے ناں ،اس کے اندر اس کا معنی ماجود ہے، اگر وہ معنی ڈکشنری میں آجائے تو ڈکشنری باقی نہیں رہ سکتی، لغت باقی نہیں رہ سکتی، ڈکشنری میں کیا ہو گا متبادل لفظ ہو گا۔ آپ پانی پانی کرتے رہیں پیاس بجھ جائے گی؟ لکھتے رہیں پانی پانی پیاس بجھ جائے گی؟ یہی تو حضور داتا صاحب نے لکھا ہے، حضور داتا صاحب نے بھی کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ میرے پاس بھی کچھ منکرینِ حدیث آ گئے، کہنے لگے اگر اتنی ہی لاکھوں حدیثیں ہوتیں تو سب سے زیادہ وقت تو ابو بکر

[1] سورۃ فاطر:19

صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گزارہ تھا پھر چاہیے تھا کہ سب سے زیادہ ابو بکر صدیق حدیثیں روایت کرتے، ابو بکر نے تو 100 حدیثیں بھی روایت نہیں کیں، جو بچپن سے لے کر، غار سے لے کر ہر وقت ساتھ رہا وہ تو 100 حدیثیں بھی روایت نہیں کرتا، تُو نے لاکھوں حدیثیں کہاں سے لے لیں۔ کتنا بڑھیا اعتراض ہے کہ کہتے ہیں ابو ہریرہ نے کیں، کہتے ہیں وہ تو مدینہ آ کر مسلمان ہوئے تھے۔ اب 13 سالہ مکی زندگی کون بیان کرے گا؟ تم کہتے ہو امام بخاری نے 7 لاکھ حدیثیں اکٹھی کیں، امام احمد بن حنبل 10 لاکھ حدیثیں یاد کیں، یہ لاکھوں کہاں سے آ گئیں ؟ ابو بکر نے تو لاکھوں نہیں لکھیں، ہزاروں نہیں لکھیں بلکہ سینکڑوں بھی نہیں لکھیں، کتنی حدیثیں ہیں جو حضرت عمر نے روایت کیں ؟ عثمانِ غنی نے روایت کیں ؟ اور جس بیٹی کے ساتھ جزو کا تعلق تھا، شاید کسی موقعہ پہ میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ جزو کل سے جدا ہو جائے تو کل کو ناقص کر دیتا ہے۔ اور جس بیٹی کو سرکار نے ساری زندگی اپنا جزو رکھا، بخاری میں صرف پانچ حدیثیں ان سے روایت ہیں۔ صرف پانچ حدیثیں۔ علامہ راشد صاحب، مولا علی سے کتنی حدیثیں روایت ہیں ؟ دیکھیے کتنا بڑا سوال ہے۔ حضور داتا صاحب فرماتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ برتن میں، گلاس میں، پیالے میں پانی ہوتا ہے ناں، جو بات اصل میں مثال آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں، تو وہ کہتے ہیں کہ برتن جو ہوتا ہے ناں، یہ الفاظ ہوتے ہیں اس کا معنٰی تو وہ پانی ہے ناں وہ اس کے اندر ہے۔ پیاس پیالے سے نہیں بجھتی معنی سے بجھتی ہے۔ بھائی جس کے پاس معنی نہیں ہے ناں اسکی پیاس نہیں بجھے گی۔ آپ پانی پانی ساری رات کرتے رہیں پیاس نہیں بجھے گی۔ پیالے، گلاس لے کر پھرتے رہیں پیاس نہیں بجھے گی۔ بہر حال وہ بحث تو لمبی ہے جملہ بس سنیے حضور داتا صاحب کا، سرکار فرماتے ہیں مَیں نے اس سے کہا، ابو بکر لفظوں کے پیچھے اس لیے نہیں گیا کہ اس کو معنٰی نصیب ہو گئے تھے۔ پتہ چلا ڈکشنری میں متبادل الفاظ ہیں۔ معنی جہانِ معنی میں ہے۔ جہاں پہ وہ جہان ہے وہیں پہ اس کا معنی ہے۔

جو لوگ کتاب حاصل کرتے ہیں اور صاحبِ کتاب کو چھوڑ دیتے ہیں وہ بڑے بد بخت ہوتے ہیں۔ محرومیِ قسمت دیکھیے، یہ "زوار حیدر صاحب کا سوال تھا" کتاب اور صاحب کتاب، قرآن اور صاحب قرآن۔ کتاب میں علم نہیں ہوتا، یہ جملہ میں نے اُس دن اِن سے کہا تھا، کتاب میں علم نہیں ہوتا، کتاب میں کچھ علامات ہوتی ہیں۔ اُن علامتوں کا علم کسی سینے میں ہوتا ہے۔ کتاب میں کیا ہوتا ہے علامت ہوتی ہے اُس علامت کا علم کسی سینے میں ہوتا

ہے۔ ویسے تو اگر کوئی بندہ بازار میں جائے اور کتابیں خرید لے تو وہ عالِم ہو جائے گا؟ زور "سے لے لے یا "زر" سے لے لے۔ نہ زور سے کوئی عالِم بنتا ہے نہ زر سے کوئی عالم بنتا ہے۔ چونکہ عینِ علم اللہ کی ذات ہے۔ وہی عالم ہے وہی علیم ہے۔ ہماری کیا حیثیت، جن کی زندگی بھی مستعار، جن کا علم بھی مستعار، ہماری کیا حقیقت، ہیں؟ وہ الحیّ القیوم۔ اگر وہ میلاد شریف والی رات کے جملے بھی آپ کو یاد ہوں! "حیّ" کے لیے دو صفات کا ہونا ضروری ہے۔ "علم اور تصرف" اگر یہ دو صفتیں نہ ہوں وہ "حی" نہیں ہوتا۔ بس مثال دوں، سُنی ہوئی ہے آپ نے، علامہ راشد صاحب بھی بیان کرتے ہوں گے، علامہ فضل کریم صاحب بھی۔ مشہور مثال ہے، جملہ میں نے کہہ دیا کہ کتاب میں علامتیں ہوتی ہیں ان علامتوں کا علم کسی سینے میں ہوتا ہے۔ جبرائیل نے کہا "یارسول اللہ ﷺ آج ایک کلام لے کر آیا ہوں جس کی مجھے سمجھ نہیں آئی۔ فرمایا پڑھو، "ک" سرکار نے کیا فرمایا سمجھ گیا۔ "ھ" سمجھ گیا، "ی" "ع، ص (کٓهٰیٰعٓصٓ) شاید آپ وہاں تک پہنچے نہیں ہیں۔ "علامت "جبرائیل کے پاس ہے "علم "محمد ﷺ کے سینے میں ہے۔ یہ نہیں فرمایا قرآن تو لے کر آیا ہے تجھے معنی کا پتہ ہو۔ جبرائیل عالم نہیں ہے۔ فرمایا تُو توڈاکیا ہے، خط بھیجنے والے کو پتہ ہے جس کہ پاس آیا ہے اسے پتہ ہے خط میں کیا لکھا ہے۔ اب پتا چلا کہ کتاب میں علامتیں ہیں ان علامتوں کا علم کسی سینے میں ہوتا ہے اور یہ علم کا سفر وجودی سفر ہوتا ہے۔ یہ ہے اصل بات شاہد صاحب، علم کا سفر وجودی سفر ہوتا ہے، ہو جس سینے میں علم ہے وہ آگے سینے میں منتقل کرتا ہے۔ اسی لیے کسی جبرائیل کا انتخاب نہیں کرتا علی کا انتخاب کرتا ہے۔ اب دیکھیے یہ وجودی سفر، یہ صاحبزادہ صاحب لاہور سے آئے ہیں، یہ گوجرانوالہ سے دوست آئے ہیں، پسرور سے، نارووال سے، یہ علم کا وجودی سفر ہے۔ یہ کتابی سفر نہیں ہے۔ پتہ نہیں آپ کے ہاں یہ باتیں پڑھائی جاتی ہیں کہ نہیں۔

یہ چار Phases ہیں، یہ جو وجودی Phases ہیں ناں یہ چار ہیں۔ پہلا فیز ہے وجودِ کتبی، دوسرا ہے وجودِ لفظی، تیسرا ہے وجودِ ذہنی اور چوتھا اور آخری ہے وجودِ حقیقی۔ آپ یہاں تلاوت سن رہے تھے، میں بھی نیچے سن رہا تھا، یہ وجودِ لفظی ہے۔ یہ جو آپ قرآن اُٹھا کے پڑھتے ہیں یہ وجودِ کتبی ہے۔ کسی کے ذہن میں ہے تو وہ وجودِ ذہنی ہے۔ اس قرآن کا وجودِ حقیقی، وجودِ محمد ﷺ ہے۔ اس اُمت کے درد کا مداوہ اس لیے نہیں ہو رہا کہ وجودِ کتبی بھی

موجود ہے، وجودِ لفظی بھی، وجودِ ذہنی بھی، وجودِ حقیقی ﷺ سے تعلق توڑ لیا اُمت نے۔ اور معنی کہاں تھا؟ معنی تو وجودِ حقیقی میں تھا۔ قرآن کا معنی کہاں پر تھا؟ ذات مصطفیٰ ﷺ۔

ساری زندگی اقبال کا شعر پڑھتے رہے،

وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰس، وہی طٰہٰ

لیکن کبھی اس پہ غور ہی نہیں کیا۔ اسی لیے اس نے کہا تھاناں۔ جب اسرارِ بے خودی کا ترجمہ انگلینڈ میں ہوا ناں، تو انھوں نے کہاناں کہ تقریب رونمائی میں آئیں، اقبال رو دیا کہ جس قوم کے لیے لکھی تھی اس نے پڑھی ہی نہیں۔ ایک دفعہ ادھر لاہور میں یومِ اقبال پہ اِدھر لاہور میں ایک پروگرام ہوا۔ فرانس سے، جرمنی سے بڑے اچھے لیکچر ہوئے۔ انڈیا سے ایک سکھ پروفیسر آئے ہوئے تھے۔ وہ جملہ، ہم سٹوڈنٹس تھے اس وقت، لیکچر سننے گئے ہوئے تھے، وہ سکھ کا جملہ آج بھی مجھے یاد ہے۔ اس نے کہا فرانس والوں نے بھی اچھا لیکچر دیا، جرمنی والوں نے بھی، انگلینڈ والوں نے بھی، اٹلی والوں نے بھی لیکن ایک بات یاد رکھنا "اقبال کے شعر کی تشریح کے لیے بھی کسی اقبال کی ہی ضرورت ہے۔ مت سمجھنا فرانس والے اقبال کے شعر کی تشریح کریں گے مت سمجھنا جرمنی والے اقبال کے شعر کی تشریح کریں گے۔ اقبال کے شعر کی تشریح کوئی اقبال ہی کر سکتا ہے۔ تم نے ساری زندگی یہ شعر پڑھا آج سمجھ آئی وجودِ حقیقی کیا ہے؟

نگاہِ عشق و مستی میں، وہی اول وہی آخر　　　　وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰس، وہی طٰہٰ

کیوں۔۔۔؟ یہ وسیلے ہیں۔ یہ ہمارے طالب علموں کے لیے ضروری ہیں۔ یہ ترجمے ضروری ہیں۔ لیکن یہ معنی نہیں ہیں۔ یہ ترجمے ہیں۔ "الحمد لله رب العلمین" آپ رب کے نیچے لکھ دیں پالنے والا، یہ اس کا معنی نہیں ہے یہ متبادل لفظ ہے۔ حقیقتِ معنی لفظِ رب کے اندر ہے۔ اسی لیے وہ رب کہتا ہے کہ ترجمے نہیں پڑھنے۔ نماز میں میرے قرآن کا متن پڑھنا ہے۔ کیونکہ کوئی ترجمہ قرآن کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ معنی جہانِ معنی میں ہوتے ہیں ترجمے میں نہیں ہوتے۔ اب ہم وجودِ کتبی میں لگے ہوئے ہیں۔ بھئی دیکھیے، چلو ماشاء اللہ یہ پڑھے لکھے لوگ ہیں، عام لوگوں کے لیے میں اپنی مثال عرض کر دوں۔ یہ 30 دسمبر کا پروگرام ہے۔ بھائی اقبال صاحب نے یہ فلیکس چھپوادی یہ کیا ہے؟ وجودِ کتبی ہے ناں۔ شاہد صاحب نے میرا اعلان کیا، وجودِ لفظی ہو گیا۔ بھئی جب آپ نے فلیکس پڑھی

ذہن میں بھی کوئی وجود آ گیا ہو گا۔ اب فلیکس بھی موجود ہو، شاہد صاحب اعلان بھی کر رہے ہوں، آپ کے ذہن میں بھی موجود ہو، اگر یہاں فلیکس رکھ دی جائے میری جگہ، اب اس سیٹ پہ فلیکس رکھ دو، شاہد صاحب اعلان کرتے جائیں کچھ حاصل ہو جائے گا؟ یہ تینوں چیزیں بے معنی ہیں اگر وجودِ حقیقی موجود نہ ہو۔ ہم نہ بھی رہیں گے دنیا میں تو یہ علم لوگ حاصل کرتے رہیں گے۔ تو یہ اصل میں سفر ہے وجود سے وجود کا۔ یہاں ایک دھوکا نہ کھانا۔ ہاں میں دیکھ رہا ہوں ابھی بھی مغالطے میں ہیں آپ۔ آپ وجود جسم کو سمجھ رہے ہیں۔ وجود جسم کو نہیں کہتے۔ اب یہ ایک نئی چیز شروع ہو جائے گی۔ "یعرف الاشیا باضدادھا" بھئی ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے ناں۔ تو علامہ راشد صاحب کو پتہ ہے اس بات کا کہ "وجود" کا متضاد کیا ہے "عدم"۔ تو عدم کا کیا معنی ہے "نہ ہونا" اب وجود کا معنی کیا ہو گیا "ہونا"۔ جسم تو نہیں ہے ناں۔ بھئی وجود کا معنی جسم نہیں ہے وجود کا معنی ہے ہونا اور ہوتا صرف زندہ ہے۔

یہ سفر ہے وجود سے وجود کا۔ لوگ ابھی اسی کشمکش میں تھے " اَلرَّحْمٰنُ(1)عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ(2) خَلَقَ الْاِنْسَانَ(3)عَلَّمَهُ الْبَيَانَ(4) رحمٰن کون ہے؟ جس نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا، اس انسان کو بولنا سکھایا۔ بڑی عجیب بات ہے انسان بعد میں بنایا، اسے بولنا بعد میں سکھایا اور کسی کو قرآن پہلے ہی سکھا دیا۔ اب اس بات کی سمجھ آئی جب جبرائیل نے کہا تھا مجھے نہیں سمجھ آئی، اوہ! تُو تو اس وقت تھا ہی نہیں جب میں نے قرآن سیکھ لیا تھا۔ "نگاہِ عشق و مستی میں، وہی اول" میرا ذہن ابھی اُدھر اقبال کی طرف ہی ہے۔ اب حقیقی وجود قرآن کا سینۂ مصطفٰی ﷺ ہے۔ جہاں علم ہے اُس کا زندہ ہونا ضروری ہے۔ اول میں بھی زندہ ہونا ضروری ہے آخر میں بھی زندہ ہونا ضروری ہے۔ اسلیے کہ علم ظرفِ زندہ میں رہ سکتا ہے۔ اب وہ تو انکی مہربانی ہے کسی کو مخلص کر لیں اپنے لیے۔ خالص کر لیں۔ علی کو عطا کر دیں، حسن کو عطا کر دیں، حسین کو عطا کر دیں، فاطمہ کو عطا کر دیں۔ ان کو وہ جدا بھی نہیں ہونے دیتے، ہاں ان کو جدا نہیں ہونے دیتے۔ اس لیے کہ اگر یہ جدا ہو جائیں تو کل جو ہے وہ ناقص ہو جاتا ہے۔ یہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اب یہ انکی مرضی ہے وہ معین الدین چشتی کو خالص کر لیں، وہ علاؤالدین علی احمد صابر کو خالص کر لیں، وہ صوفی محمد یوسف کو خالص کر لیں۔ تو جہاں علم رہتا ہے وہاں زندگی رہتی ہے۔ جنہوں نے ترجمے پہ پابندی لگائی، اجازت نہیں تھی پہلے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر کفر کے فتوے لگے، کیوں؟ وہ ہمارے اسلاف کہتے تھے قرآن کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ اوہ! اقبال کے شعر کا نہیں ہو سکتا تو خالق کے کلام کا کوئی کیا ترجمہ

کرے گا؟ کیا کوئی خالق کے کلام کا ترجمہ کرے گا؟ وہ کہتے تھے قرآن کا کوئی لفظ تبدیل کر کے نہیں لکھا جا سکتا۔ آپ "رب اللعلمین" کی جگہ "خالق اللعلمین" لکھ دیں، اسی کی صفت ہے ناں؟ جب قرآن کا لفظ تبدیل نہیں ہو سکتا، زیر زبر تبدیل نہیں ہو سکتی، نقطہ اوپر نیچے نہیں ہو سکتا، وہ لوگ بڑی احتیاط کرتے تھے، جب قرآن کی کوئی چیز آگے پیچھے نہیں ہو سکتی، خالق کے نام سے بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتی تو اس کے معنی میں کوئی تبدیلی کیسے کر سکتا ہے؟ اسکے ترجمے میں کوئی تبدیلی کیسے کر سکتا ہے، اسکی ترجمانی میں کوئی تبدیلی کیسے کر سکتا ہے۔ جس کو وہ خلیفہ بنائے "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً [1]" جو اسکی جگہ پہ بیٹھنے کی کوشش کرے وہی ابلیس ہے۔ اسلیے کہ جسے وہ حجت بنائے اسے کوئی دوسرا بدل نہیں سکتا۔

پتھروں کا کیا قصور ہے؟ کیوں لعنت کی گئی جو کعبے میں پڑے تھے، وہ جو بت پتھر کے پڑے ہوئے تھے ان پر لعنت کیوں کی؟ ہاں، اسلیے کی تھی کہ یہ انکی جگہ نہیں ہے جہاں آ کر یہ بیٹھ گئے ہیں۔ یہ انکی جگہ نہیں ہے۔ ابلیس کی وہ جگہ نہیں ہے جہاں وہ بیٹھ گیا ہے۔ بھئی مرزا قادیانی کو کیوں لعنتی کہتے ہو؟ تُو اس مقام پہ بیٹھ گیا ہے جو تیرا مقام نہیں ہے۔ تو علم جو ہے وہ صرف زندہ ظرف میں موجود ہوتا ہے۔ اسلیے یہ طالبعلمانہ ضرورتیں پوری کرتے رہیں، یہ کتبی قرآن بھی پڑھتے رہیں، لفظی بھی پڑھتے رہیں، سینوں میں حفظ بھی کرتے رہیں لیکن یاد رکھنا اس اقبال نے کہا تھا

اگر بہ اُو نہ رسیدی، تمام بولہبی است

"اگر تُو وجودِ حقیقی تک نہ پہنچ سکا تو تیرا قرآن پڑھنا بھی ابولہب والا کام ہے"

بمصطفیؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

"سارے کا سارا دین کیا ہے؟ کہ تُو اس وجودِ حقیقی تک پہنچ جا"

اب آپ کیا سوچیں گے کہ ہم نے بیٹھنا ہے؟ میرے شیخ نے تہجد کے وقت حضور قبلہ عالم نے مجھے یہ دعا سکھائی۔ تہجد کے وقت پاس بیٹھا، کہنے لگے بیٹا جب بھی اللہ سے دعا کرنا تو کہنا "مولا اگر میں چاہوں تو بہت مشکل ہے، تُو چاہے

---

[1] سورۃ البقرۃ:30

تو بڑا آسان ہے" تیرا کام اس در کی طرف نگاہ لگا کر رکھنا ہے، وہ چاہیں گے تجھے مخلص کر دیں گے، تجھے اپنے لیے خالص کر لیں گے، اور ایک مثال دی انھوں نے، آپ کو بھی سنائی ہو گی، مولانا روم کی مثنوی سے وہ واقعہ ایک غوطہ خور، یہ چیزیں اب ذہن میں رہیں کہ میں قاری بہت اچھا ہوں، حفظ بہت اچھا ہے۔ ایک بندہ سمندر میں اپنی سانس پکی کر کے غوطے لگاتا ہے لیکن موتی تک نہیں پہنچ پاتا، بڑی بڑی دیر تک وہ سانس روک کے سمندر میں غوطے لگاتا ہے، حضرت صاحب قبلہ فرمانے لگے "بیٹا ایک سمندر کے کنارے بیٹھ جاتا ہے کہتا ہے یا اللہ تیرا سمندر بہت بڑا ہے مَیں بہت چھوٹا ہوں، مجھے اپنے غوطے پہ کوئی غرور اور تکبر نہیں ہے، تیری رحمت کے ساتھ واسطہ ہے فرمایا جب وہ اپنے دل سے یہ باتیں کرتا ہے تو سمندر جوش میں آجاتا ہے اور ہزاروں موتی کنارے پہ پھینک دیتا ہے" اسی وجودِ حقیقی کی شعاعیں ہیں یہ ساری۔ کبھی یہ نہ کہنا کہ میں محنت کر کے وہاں پہنچا ہوں انکی مہربانی ہے کہ انھوں نے تمھیں اپنے لیے خالص کر لیا۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

30۔ باپ کی رضا میں اللہ کی رضا ہے

قرآن: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (14) وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (15) بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا(16) وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى (17) سورة الاعلىٰ

ترجمہ: بیشک جس نے خود کو پاک کرلیا وہ کامیاب ہو گا۔ اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھتا رہا۔ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

خاکہ:

1. ایصال کا معنی اور طریقہ
2. تمام اعمال رضائے الٰہی کے لیے
3. بڑی محفل وہی جو اسکی بارگاہ میں قبول
4. نبی ﷺ کی ایک صفت کا انکار تو بندہ مومن نہیں
5. کس کی قبر پر کھڑے نہیں ہونا
6. ہدایت کسی کے ساتھ چمٹاتے نہیں
7. قرآن کا تقاضہ اور آخرت پہ یقین
8. خوف اور امید کی درمیانی کیفت
9. بیٹے کی باپ کیلئے دعا
10. باپ کی رضا میں اللہ کی رضا
11. گھر والوں سے آخرت پہ بات کرنا
12. دوسروں سے دعائے بخشش کروانا

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز علماء، سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

آپ ظاہر ہے سارے دوست رضوان بٹ صاحب اور اس کے گھر والوں کیساتھ تعزیت کرنے کیلئے آئے ہیں اور ان کے والدِ محترم کے ایصالِ ثواب اور دعا کیلئے تشریف لائے ہیں۔ ایصال جو ہوتا ہے وہ شخص کر سکتا ہے جس کے پاس کچھ موجود ہو۔ مثلاً آپ کسی کو پانی کا گلاس پلاتے ہیں، اس کا اللہ آپ کو اجر دیتا ہے۔ آپ راستے پر سے کوئی کانٹا ہٹا دیتے ہیں، کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دیتے ہیں، اللہ اسکا آپ کو اجر عطا کرتا ہے۔ تو وہ جو آپ کو ملا اس میں آپ کسی دوسرے کو شریک کر سکتے ہیں۔ ہاں یہ سمجھ ہونی چاہئے کہ وہ جو میں عمل کر رہا ہوں پہلے مجھے اس کا ثواب ملے۔ تو پھر اس ثواب میں سے میں کسی دوسرے کو بھی حصہ دار بنا سکتا ہوں، شریک کر سکتا ہوں۔ جس کی اپنی ہی مغفرت نہیں ہوئی اس نے دوسرے کیلئے کیا دعا کرنی ہے؟ پہلے کسی شخص کو یہ پتہ ہے کہ میری مغفرت ہو گئی ہے کہ میں دوسرے کی مغفرت کی دعا کروں؟ اسی لیے قرآں کریم یہ کہتا ہے کہ مرنے والے کیلئے بعد میں دعا کر، پہلے کہہ ربنا اغفرلی یا اللہ میری مغفرت فرما۔ جب تیری ہی نہیں ہوئی تو تو نے کسی دوسرے کی کیا کروانی ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ[1]۔ میں تو چونکہ قرآن کریم کا طالب علم ہوں۔ یہ جتنی آپ آیات دیکھیں گے مغفرت والی، بڑی عجیب بات ہے کہ پہلے اپنی مغفرت ہے پھر دوسروں کی مغفرت۔ پہلے اپنی فکر کر کہ تیرے پاس کچھ ہے کہ نہیں ہے۔

دیکھئے یہ کھانا ہم پکاتے بھی اللہ کیلئے ہیں اور کھلاتے بھی اللہ کیلئے ہیں۔ اجر تب ملے گا اگر آپ کوئی کام اللہ کیلئے کرینگے۔ اگر آپ دکھاوے کیلئے کرینگے تو اس کا کوئی اجر نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس کو دکھانے کیلئے کیا تھا جاؤ اس سے اجر لے لو۔ ریاکاری کے تو اللہ سجدے قبول نہیں کرتا، تو سجدے قبول کریگا؟ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ(4) الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِہِمْ سَاهُوْنَ(5) الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ[2](6)۔ تو دکھاوے کے تو وہ سجدے قبول نہیں کرتا۔ کیا میرے کھانے

---

[1] سورۃ الحشر:10

[2] سورۃ الماعون

قبول کرلے گا؟ تو بنیادی بات یہ ہے کہ آپ کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی کریں تو اسکی رضا کیلئے۔ آپ کی توجہ سے ایک بات یاد آگئی۔ یہ سامعین کی توجہ کی وجہ سے ہوتا ہے کہ بندے کو کوئی بھولی ہوئی بات یاد آجائے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک قبر پہ بیٹھے ہوئے تھے۔ کشف فرمایا تو دیکھا کہ جنت کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ تو اس سے پوچھا کہ کونسی نیکی تیرے کام آئی۔ اس نے کہا کہ حضور میں نے رزق حلال کمایا اور سات حج پیدل کیے۔ اور یہ میرے ذہن میں ہوتا تھا کہ یہ ایک نیکی ہے جو میں نے بڑی محنت سے کی ہے تو اس کے صدقے اللہ مجھے بخش دیگا۔ تو فرشتوں نے کہا کہ اللہ نے تو تیرے وہ حج قبول ہی نہیں کیے۔ بھائی مالک ہے وہ۔ کہنے لگا کہ میں مایوس ہوگیا کہ اس نیکی پہ تو مجھے بڑا فخر تھا۔ فرشتوں نے مجھے خوشخبری دی۔ کہنے لگا کہ میں نے فرشتوں سے کہا کہ میری کونسی نیکی کام آئی کہ اللہ نے میری بخشش فرمادی اور میرے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا۔ کہنے لگے کہ ایک دن تو راستہ پہ چل رہا تھا۔ تو تجھے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ تو نے ایک پتھر اس لیے ہٹایا تھا کہ اس کی مخلوق کو تکلیف نہ پہنچے۔ وہ کام تُو نے اس کی رضا کیلئے کیا تھا۔ یعنی عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اجر تب ملے گا جب آپ اس کے لیے کرینگے۔ ریاکاری نہ ہو۔

جب عمل آپ اس کے لیے کرینگے تو پھر اس کو چھوٹا بھی نہیں کہنا۔ کئی بندے کہہ دیتے ہیں کہ وہ چھوٹی سی محفل میں گئے تھے۔ یہ بھی اکثر ہوتا ہے ناں؟ تو میں ان سے پوچھتا ہوں آپ چھوٹی کسے کہتے ہیں؟ بھائی ہمارے نزدیک تو جو دو بندوں نے میلاد پڑھا تھا، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے۔ اللہ نے تو ان دو کی محفل کو بھی بڑی محفل کہا ہے۔ تم لوگوں کی تعدا کو بڑی محفل کہتے ہو۔ بڑی محفل وہی ہوتی ہے جو اس کی بارگاہ میں قبول ہوجائے۔ وہی بڑا ذکر ہے جو اس کی بارگاہ میں قبول ہوجائے۔ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ یہ نہ ذہن میں ہو کہ میلاد کروایا تھا تو دو چار ہی بندے آئے تھے۔ إن الله لا ينظر إلى صوركم، وأموالكم، ولكن ينظر إلى قلوبكم، وأعمالكم[1]۔ وہ نہ تمہاری شکلوں کو دیکھتا، نہ تمہارے مال کو دیکھتا۔ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ وہ تو تمہارے دل کے تقویٰ کو دیکھتا ہے۔ یہ بات میں اس لیے کر رہا ہوں کہ آج کل ہم یہ سارا اہتمام کرتے ہیں اور ذہن کے کسی کونے میں یہ بات

---

[1] صحیح مسلم:6543

آجاتی ہے کہ لوگ کہیں کہ کیا بات ہے۔ تو ہم اپنا عمل ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ تو عمل کریں تو اس کو سنبھالیں۔ اس میں سے پھر آگے آپ کسی کو دے سکتے ہیں۔

دیکھئے یہ جملہ اکثر آپ بولتے ہیں اور لوگوں سے بھی کہتے ہیں۔ اعمال بعد میں ہیں پہلے عقیدہ ہے۔ سب سے بنیادی عقیدہ، عقیدہ توحید ہے۔ جس عقیدہ کیساتھ باقی سارے عقیدے جڑے ہوئے ہیں۔ آپ لا الہ الا اللہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوسکتے۔ جب تک محمد رسول اللہ نہیں پڑھتے۔ اور کیسے پڑھنا ہے؟ جیسے توحید کا عقیدہ ہے کہ اس کی ذات پر بھی ایمان، اسکی صفات پر بھی ایمان۔ نہ اسکی ذات میں کسی کو شریک کرنا ہے اور نہ اسکی صفات میں کسی کو شریک کرنا ہے۔ اسی طرح محمد رسول اللہ پڑھنا ہے۔ حضور کی ذات پر بھی ایمان اور حضور کی ساری صفات پر بھی ایمان۔ اگر ایک صفت کا بھی انکار ہو گیا تو بندہ مومن نہیں ہو گا۔ یہ بڑا تفصیلی موضوع ہے۔ میں نے ایک جملہ میں اس کو سمیٹا ہے۔ مثال عرض کر دوں، قادیانی، مرزائی، نبی پاک ﷺ کی باقی صفات کو مانتے ہیں۔ نبی بھی مانتے ہیں، رسول بھی مانتے ہیں، رحمت اللعالمین بھی مانتے ہیں۔ صرف ایک صفت کا انکار کرتے ہیں ختم نبوت کا۔ تو آپ انکا جنازہ نہیں پڑھتے، انکے لیے دعا نہیں کرتے۔ جو میرے نبی کی ایک صفت کا بھی منکر ہو گا۔ اب اللہ فرمائے کہ ہم نے تمھیں نور بنایا ہے۔ وہ صاحبِ ایمان نہیں رہ سکتا جو میرے پیغمبر کی ایک صفت کا بھی انکار کرے۔ اس طرح کلمہ پڑھنا ہے۔ اللہ کی بھی ذات پر اور تمام صفات پر۔ نبی پاک ﷺ کی ذات پر اور تمام صفات پر ایمان۔

ابھی بھی ایمان مکمل نہیں ہوا۔ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْن۔ ایمان والا تب بنے گا جب آخرت پہ یقین کرے گا۔ آخرت پہ یقین کیا ہے؟ مرنے تک تو بھائی سارے ہی ایمان رکھتے ہیں۔ دنیا کا کوئی ایسا انسان نہیں ہے جو موت کا منکر ہو۔ بلکہ بڑی عجیب بات آپ کو بتاؤں کہ اس دنیا میں اللہ کا انکار کرنے والے ہیں۔ لیکن موت کا منکر کوئی نہیں۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ کفار یہ کہتے ہیں کہ یہی ایک زندگی ہے۔ مادی جو زندگی ہے، کھاؤ پیو، عیش کرو، مر جاؤ تو بات ختم ہو گئی۔ ہمارا دین یہ کہتا ہے کہ نہیں، اس مرنے کے بعد تم نے پھر اٹھنا ہے اور اس زندگی گزاری ہوئی زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہے۔ علماء کثیر تعداد میں موجود ہیں، ان سے سورۃ یٰس کا آخری رکوع ضرور پڑھنا۔ ہڈیاں ناں مردوں کی اٹھا کے لے آئے اور آکر کہا مَنْ

یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَ ہِیَ رَمِیۡمٌ[1] ان گلی سڑی ہڈیوں کو اللہ کیسے زندہ کرے گا؟ کافروں کا عقیدہ آپ کو عرض کر رہا ہوں۔ اور یہ میں سورۃ توبہ کی آیت بھی آپ کو عرض کر دوں وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِہٖ[2]۔("اور ان میں سے کسی کی میّت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بے شک وہ اللہ و رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے") یہ آیت بھی آپ نے سیکھنی ہے اپنے علماء سے۔ اللہ فرماتا ہے وَّ لَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِہٖ کہ اس کی قبر پہ بھی کھڑے نہیں ہونا۔ جو بے ایمان مرا ہے اس کی قبر پہ بھی کھڑے نہیں ہونا۔ دعا صاحبِ ایمان کیلئے ہے۔ بے ایمانوں کیلئے کوئی دعا نہیں۔ ہم نے تو ظاہر کو دیکھنا ہے ناں کہ ظاہراً کوئی انسان کلمہ پڑھتا تھا، توحید کا، رسالت کا، فرشتوں کا، کتابوں کا، آخرت کا، یہ جو بنیادی عقائد ہیں، ان پہ یقین رکھتا تھا۔ اگر ظاہراً تو وہ ایمان والا نظر آتا تھا لیکن دل سے وہ مومن نہیں تھا۔ اب آپ نے اس کیلئے دعا کرنی ہے۔ اس کا جنازہ بھی پڑھنا ہے۔ لیکن دعا اس تک رُکے گی نہیں۔ اس کی نسل میں پیچھے کوئی ایمان والا تھا تو دعا وہاں جا کر رُکے گی۔ دعا ایمان کے علاوہ کہیں نہیں رکتی۔ اسلیے اگر کوئی جھگڑے نہ تو دعا کیلئے تو جھگڑنا نہیں۔ دعا ہے ہی ایمان والوں کیلئے۔ ان کی قبر پہ بھی آپ نے کھڑے نہیں ہونا۔ یہ قرآن سنا رہا ہوں آپ کو، اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کر رہا۔

اچھا ایک بات اور بھی میں بتا دوں آپ کو۔ اللہ فرماتا ہے اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی ہُدٰىہُمۡ[3] کہ ہم ہدایت کسی کے ساتھ چمٹاتے نہیں ہیں کہ کوئی فرشتہ آئے گا اور کہے گا یہ لو ہدایت۔ نہیں۔ اگر تم کراہت کرتے ہو، تم ہدایت نہیں لینا چاہتے تو ہم ہدایت دیتے بھی نہیں ہیں۔ یہ مت خیال کرنا کہ آپ ہدایت اس سے طلب ہی نہ کریں اور ہدایت تمہارے پیچھے پیچھے بھاگتی پھرے گی؟ یہ بھی قرآن کی آیت سیکھیں۔ اور وہ بھی اکثر آپ آیت سنتے رہتے ہیں وَ رَحۡمَتِیۡ وَ سِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ فَسَاَکۡتُبُہَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ[4]۔ اس کی رحمت نے ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے۔ لیکن وہ رحمت پہنچتی کہاں پہ ہے؟ جو ایمان والے ہیں، متقی ہیں وہاں وہ رحمت رکتی ہے۔

---

[1] سورۃ یٰس:78

[2] سورۃ التوبہ:84

[3] سورۃ النحل:37

[4] سورۃ الاعراف:156

جو اس رحمت کے حقدار ہیں وہاں وہ رحمت رکتی ہے جا کر۔ یہ نہیں ہے کہ میں زندگی اپنی مرضی سے گزار لوں اور بعد میں ایک دعا ہو جائے گی اور سارا معاملہ پار ہو جائے گا؟ ایسے نہیں ہو گا۔ یہ زندگی ایمان اور عمل صالح والی گزارنی پڑے گی۔ تو جب مشرکین مکہ نے کہاں کہ کیسے زندہ کرے گا وہ؟ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ[1] ۔ فرمایا میرے محبوب ﷺ ان کو فرما دو۔ اچھا یہ ویسے بڑا عجیب reference ہے، سادہ سا، عام فہم۔ اللہ نے کوئی لمبی چوڑی دلیلیں نہیں دیں۔ ان کے ذہن کے مطابق جواب دیا۔ ہڈیاں اٹھائے ہوئے تھے کہ اب ہڈیوں سے کیسے بنائے گا؟ فرمایا ان سے کہو کہ جب اس نے تمہیں پہلی دفعہ بنایا تھا اس وقت تو یہ ہڈیاں بھی نہیں تھی۔ جو ہڈیوں کے بغیر بنا سکتا ہے تو کیا وہ ہڈیوں سے نہیں بنا سکتا؟ یہ تو نے کیسے سوچ لیا؟ جو بغیر کسی وسیلے کے بنا سکتا ہے وہ ان ہڈیوں سے دوبارہ تمہیں زندہ کرے گا اور تمہارا حساب لے گا۔

یہ جو علم ہے ناں یہ جو میں گفتگو کر رہا ہوں، یہ جتنی بھی آیات قرآن کریم کی آپ کو سنا رہا ہوں، کوئی ایک بندہ بھی اس پہ عمل کر لے گا تو بھائی عارف صاحب (مرحوم) کیلئے وہ صدقہ جاریہ ہو جائے گا۔ دیکھئے اس محفل کا یہ فائدہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ہم انکے ایصال ثواب کیلئے آئے ہیں۔ اگر کسی کے دل پہ اثر ہو جائے۔ یہ جو میں بات کرنے لگا ہوں، اس کو علم عقلی کہتے ہیں۔ عقلی دلائل ہیں یہ قرآن کریم کے جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد کی جو کیفیت ہے اس کو علم حالی کہتے ہیں۔ جو کیفیت پیدا کرے۔ دیکھئے آپ کہہ رہے ہیں کہ اگلا سانس آئے گا کہ نہیں آئے گا؟ پتہ نہیں میں نے کل ہونا ہے کہ نہیں ہونا؟ لیکن کوئی کیفیت آرہی ہے؟ نہیں آرہی۔ کوئی کھانا پینا چھوٹ جائے، کوئی غصہ ہی ٹھنڈا ہو جائے۔ کسی کیساتھ میں حسن سلوک کیساتھ میں پیش آؤں۔ نہیں کوئی کیفیت نہیں آرہی بس کہہ رہا ہوں میں زبان سے۔ پتہ نہیں کل دن چڑھے گا کہ نہیں، رات آئے گی کہ نہیں۔ ایک بندے کو عدالت سے سزائے موت سنادی جائے کہ دو مہینے کے بعد اس کو تختہ دار پہ لٹکا دیا جائے گا۔ میں کہہ رہا ہوں کہ پتہ نہیں رات بھی ہونی ہے کہ نہیں۔ اس کو عدالت دو مہینے کا وقت دے رہی ہے۔ اس کا کھانا پینا چھوٹ جائے گا۔ اس کی نیند برباد ہو گئی۔ میں نے جتنے سزائے موت کے قیدیوں کی آخری ملاقات دیکھی ہے یا پڑھی ہے تو وہ اپنے

---

[1] سورۃ یٰس:79

گھر والوں سے یہی کہتے ہیں کہ یار اگر کوئی گال وی کڈھے تے لڑیوں نہ کسے نال۔ اکثر آپ دیکھیں گے ان کی آخری وصیت کہ یار کوئی بات نہیں گال کھا کر بھی چپ کر رہنا۔ اس پہ کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کا کھانا پینا چھوٹ گیا، رات کی نیند خراب ہو گئی، اسکے اندر جو غصہ کے جذبات تھے وہ ختم ہو گئے۔ کیوں؟ میں کہہ رہا تھا کہ رات بھی پتہ نہیں ہو گی کہ نہیں ہو گی اور اس کو دو مہینے کا وقت کا۔ بس اتنا ہی فرق ہے کہ میں کہہ تو رہا ہوں لیکن مجھے یقین نہیں۔ اس کو یقین ہے کہ میں نے مر جانا ہے۔ میں صرف اس ایک جملے کو سمجھانے کیلئے یہ ساری بحث کر رہا ہوں۔ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ[1] غیب پر ایمان لاتے ہیں، میں صرف اشارے کرتا جاؤں۔وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَۚ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور اس سے پہلی کتابوں پر۔ ہر جگہ آپ کو لفظ ایمان ملے گا۔ لیکن جب آخرت کی بات آئی تو پھر لفظ ایمان نہیں ہے۔ پھر ہے وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ[2]۔ آخرت پر **یقین** رکھتے ہیں۔ جس کو آخرت کا لفظ سن کر کیفیت پیدا نہ ہو، اس کا یقین نہیں ہے۔ یہ ساری گفتگو میں نے اس لیے کی ہے اور قرآن کا تقاضہ یہ ہے کہ تمہارا آخرت پہ یقین ہو۔ جیسے ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زندگی میں ایک دفعہ بس میں نے اپنے غلام کو مارنے کیلئے ہاتھ اٹھایا۔ پیچھے سے آواز آئی خبردار۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور سرکار نے مجھے فرمایا ابو مسعود! جتنا اختیار تم اپنے غلام پہ رکھتے ہو، تم سے کہیں زیادہ اختیار تیرا خدا تجھ پہ رکھتا ہے[3]۔ پھر جب بھی کبھی کسی کمزور پہ غصہ آتا تھا تو یاد آجاتا تھا کہ تُو بھی کسی کا بندہ ہے اور آخرت میں تُو نے بھی اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ وہ ہاتھ ظلم کیلئے اٹھ نہیں سکتا۔ وہ بہن بھائیوں کے حق نہیں مار سکتا۔ وہ ملاوٹ نہیں کر سکتا۔ وہ ظلم نہیں کر سکتا، جس کو اپنی آخرت پہ یقین ہے۔ اور میں حیران ہوتا ہوں کہ باقی ہر جگہ لفظ ایمان استعمال کیا اور جب آخرت کی بات آئی تو لفظ یقین استعمال کیا۔ ایمان والے جو ہیں وہ آخرت پہ یقین رکھتے ہیں۔ یعنی ان کے اوپر ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ:3

[2] سورۃ البقرۃ:4

[3] صحیح مسلم:4306

ہمیں کیا پتہ تھا۔ جنہوں نے قرآن ایسے ہی پڑھا ہے جیسے میرے پاک پیغمبر ﷺ پہ نازل ہوا۔ ڈائیریکٹ صحابہ کی سینوں میں منتقل ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ان رخساروں پہ رو رو کر آنسوؤں کی لکیریں پڑ گئی تھی۔وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْن ہے کیا۔ کسی نے پوچھا امیر المومنین اتنا روتے ہیں؟ فرمایا بس اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہونے سے ڈرتا ہوں۔ یہ جو آپ کہتے ہیں ناں کہ اے تے میرے کولوں بُھل کے ای زیادتی ہو گئی۔ اے غصہ وچ گناہ ہو گیا۔ نہیں۔ قرآن کہتا ہےوَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى [1]۔جو اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا۔ پھر اس نے اپنی خواہشوں کو روک لیا۔ اس نے اپنے غصہ کو روک لیا۔ یہ خواہشات نفس کو روکنے کا قرآن نے سبب بیان کیا کہ وہ بندہ جس کو خوف ہو کہ میں نے اپنے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ تو سرکار عمرِ فاروق فرماتے ہیں کہ ڈرتا ہوں کہ قیامت والے دن اعلان ہو گیا کہ ساری دنیا جنت میں جائے گی اور ایک بندہ جہنم میں جائے گا۔ خطاب کا بیٹا عمر ڈر رہا ہے کہ کہیں وہ بندہ میں نہ ہوں۔ یہ ہے خوفِ خدا۔ یہ ہے وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْن۔ ایمان کیا ہے؟ خوف اور امید کے درمیان کی کیفیت کا نام ایمان ہے۔ اگر اپنے ایمان کو پرکھنا ہو تو یہ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے ایک مقیاس دیا ہے۔ ایک پیمانہ دیا ہے۔ اللہ کا خوف بھی اور اللہ کی رحمت کی امید بھی[2]۔ ان دونوں کے درمیان اگر آپ کھڑے ہیں تو آپ صاحبِ ایمان ہیں۔ اور دوسری طرف حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ اگر قیامت والے دن اعلان ہو جائے کہ ساری دنیا جہنم میں جائے گی اور ایک جنتی ہے تو عمر کو یہ یقین ہے کہ وہ ایک بھی میں ہی ہوں گا۔ اللہ کا خوف اور اللہ کی رحمت کی امید۔ بھائی دیکھئے بھائی عارف صاحب کی زندگی آپ کے سامنے ہے کہ آپ جب بھی کہیں تعزیت کیلئے جائیں تو اس کی خوبیاں بیان کریں۔ سرکار نے فرمایا کہ تم مرنے والے پہ گواہ ہو۔ جب تم اچھی گواہی دیتے ہو تو یہ پھر کوئی مستحب نہیں بلکہ وَجَبَت، اس پہ اللہ جنت واجب کر دیتا ہے اگر تم اچھی گواہی دو گے۔ اور اگر تم کہو گے کہ چلو جان چھوٹی تو اس پہ بھی وَجَبَت ہی ہے لیکن جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ ماشاء اللہ

---

[1] سورۃ النزٰعت:40

[2] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو جس دن بنایا تو اس کے سو حصے کئے اور اپنے پاس ان میں سے ننانوے رکھے۔ اس کے بعد تمام مخلوق کے لیے صرف ایک حصہ رحمت کا بھیجا۔ پس اگر کافر کو وہ تمام رحم معلوم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہے تو وہ جنت سے ناامید نہ ہو اور اگر مومن کو وہ تمام عذاب معلوم ہو جائیں جو اللہ کے پاس ہیں تو دوزخ سے کبھی بے خوف نہ ہو۔ صحیح بخاری:6469

انہوں نے ایک اچھی زندگی گزاری۔ اللہ کیساتھ محبت والی زندگی، نماز کیساتھ محبت، مسجد کیساتھ محبت۔ اور یہ بھی ایک حکم ہے کہ جو بندہ مسجد سے محبت کرے اس کے ایمان کی گواہی دے دیا کرو[1]۔ تو ماشاء اللہ انہوں نے اللہ کی یاد میں زندگی گزاری اور اولاد بھی خوفِ خدا والی۔ یہ کسی بھی ماں باپ کیلئے صدقہ جاریہ، یہ سب سے بڑا صدقہ جاریہ ہے۔

یہ میں اکثر کہاں کرتا ہوں کہ میں دعا کرنے کیلئے آیا ہوں، آپ دعا کرنے کیلے آئے ہیں۔ ہم سارے بھی مل کر وہ دعا نہیں کرسکتے جو بیٹا باپ کیلئے دعا کر سکتا۔ یقین جانیے جو بیٹا کر سکتا ہے وہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ بیٹے کیلئے بھی کیا حکم ہے؟ آیتیں چونکہ لمبی ہیں، وقت ہو گیا، بس اتنا سا جملہ۔ میرے نوجوان سن لیں جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ[2]۔ اپنے ماں باپ کے سامنے تم نے کھڑے کیسے ہونا ہے؟ ان کی قبر پہ بھی ایسی ہی کھڑے ہونا ہے۔ یہ تیرے شانے جھکے ہوئے ہوں۔ جناح کہتے ہیں جب پرندہ پَر سمیٹ کر زمین کی طرف آتا ہے۔ یہ شانے جھکے ہوئے ہوں، یہ گردن جُھکی ہوئی ہے۔ صرف جُھکی ہوئی نہ ہو بلکہ اس جُھکے ہوئے پن سے ذلت ظاہر ہو رہی ہو۔ کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہے۔ یہ کیفیت قران بیان کر رہا ہے۔ ماں باپ کے سامنے تُو کھڑا تو تیری ذلت ظاہر ہو رہی ہو کہ تُو غلام ہے اور تیرا باپ آقا ہے۔ باپ کو بتانا نہ پڑے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ تیرے کھڑے ہونے کا انداز ایسا ہو کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ بیٹا ہے اور یہ باپ ہے۔ لیکن اس ذلت میں سے بھی رحمت جھلک رہی ہو۔ اس ذلت میں سے رحمت کا پہلو بھی ہو۔ کیسے اپنے باپ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں؟ کیسے جواب دے دیتے ہیں۔ اباجی کہیں کہ پانی لے آو۔ بھرے مجمع میں بیٹھے ہوں۔ آپ پانی کا گلاس لیکر آئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے تمہیں کب کہا تھا؟ اب آپ کہیں گے کہ اباجی آپ کا تو دماغ خراب ہوا، ابھی آپ نے کہا تھا۔ نہیں۔ نہیں۔ جَنَاحَ الذُّلِّ کی تفسیر میں یہ بات لکھی ہے کہ اب تُو آگے سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے تو کہا تھا کہ پانی لے آ۔ ہاں مجھ سے غلطی ہو گئی۔ یہ ہے

---

[1] سنن ابن ماجہ:802

[2] بنی اسرائیل:24

جَنَاحَ الذُّلِّ۔ اس ذلت کیساتھ اپنے ماں باپ کے سامنے کھڑے ہونا۔ اب جب میں یہ جملہ کہتا ہوں تو کئی پیروں کو بھی بڑی پریشانی ہوتی ہے کہ پیروں کے ہاتھ تُو چومتے ہو کبھی ابا جی کے ہاتھ بھی چُومے ہیں؟

باپ کی رضا میں اللہ کی رضا ہے[1]۔ یہ کوئی چھوٹی بات ہے؟ آج کل یہ بھی بڑا جملہ ہے کہ ہمارا باپ تو پرانے دور کا ہے، آج کے نئے دور کا اس کو کیا پتہ۔ وہ کسی کاروبار کے متعلق آپ کو مشورہ دیں۔ آپ آرام سے پیار سے سمجھائیں۔ نہیں سمجھ آتی، کر دو، اللہ تیرا نقصان نہیں ہونے دیتا۔ کبھی یہ کر کے دیکھنا، میں مسجد میں بیٹھا ہوں، میں نے تو یہ کر کے دیکھا ہے۔ باپ کے کہنے پہ کر کے اپنا نقصان کر دو۔ لیکن ذہن میں یہ ہو کہ باپ کی رضا میں اللہ کی رضا ہے۔ کروڑوں کا سرمایہ تھا اس دور میں، باپ کا پیغام آگیا کہ واپس آجاو، لوگوں نے سمجھایا بڑا، مال تجارت اونٹوں پہ لدا ہوا، لوگوں نے کہا کہ دیکھو غرق ہو جاؤ گے۔ تجارت تباہ ہو جائے گی، کنگال ہو جاؤ گے۔ اس نے کہا کہ کچھ بھی ہو جائے۔ واپس آگیا، وہی ہوا۔ چونکہ وقت نہیں، صرف اشارہ ہی کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ کتنا بیوقوف ہے۔ باپ بھی فوت ہو گیا، مال تجارت بھی تباہ کر لیا۔ اب کنگال ہو کر بیٹھا ہوا۔ اللہ نے فرمایا نہیں، تمہیں نہیں پتہ۔ ماں نے کہا کہ اُدھر بچھڑا ایک جنگل میں چھوڑا ہوا تھا، وہ لے آو۔ بازار جا، سودا کر لیکن کہنا کہ آخری فیصلہ ماں کرے گی۔ کتنے کا بیچوں، دو درہم میں؟ فرشتہ آگیا انسانی شکل میں، اس نے کہا کہ چار درہم لے لو لیکن یہ شرط نکال دو کہ ماں سے پوچھ کے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ گھر آیا، پوچھا ماں سے کہ چار درہم ملتے ہیں لیکن یہ شرط درمیان سے نکال دو۔ ماں نے کہا کہ نہیں یہ شرط رکھنا۔ چھ درہم، دس درہم تک سودا گیا۔ آخر اس فرشتے نے کہا کہ میں فرشتہ ہوں۔ یہ بچھڑا گھر لے جا۔ تُونے جو ماں باپ کا احترام کیا ہے۔ یہ سورۃ بقرۃ سُنا رہوں۔ اب وہ قتل ہوا تو فرمایا کہ کہنا کہ اس کی چمڑی میں سونے سے بھر کر لُوں گا۔ اُسی بچھڑے کے نام پہ ہے سورۃ بقرہ۔ ماں باپ کے سامنے کبھی ضد نہ کرنا، نفع نقصان کا مالک تو اللہ ہے۔ ماں باپ کیلئے یہ آیت ہمیشہ ذہن میں رکھنا، انکے سامنے جب بھی کھڑے ہونا ہے تو ذلت کیساتھ، سر جھکا کر۔ اب ایک جگہ ہے جہاں ان کا فرمان نہیں ماننا اگر وہ اللہ رسول کے خلاف کھڑے ہو جائیں۔ اگر وہ اللہ رسول کے خلاف کھڑے ہو جائیں تو پھر ماں باپ کا حکم نہیں ماننا۔ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا

[1] سنن ترمذی:1900

لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا[1]۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ بُت پرستی کرنی ہے۔ شرک کرنا ہے تو پھر اطاعت نہیں ہے۔ اب وہ کہیں کہ نماز نہیں پڑھنی۔ تو پھر نہیں۔ جہاں میرے اللہ کا حکم آجائے تو پھر میں اپنے اللہ کا بندہ ہوں۔ باپ کے کہنے پہ شراب نہیں پینی، چوری نہیں کرنی۔ کسی پہ ظلم نہیں کرنا۔ جہاں اللہ کا حکم آجائے وہاں ماں باپ کی اطاعت نہیں ہے۔ کسی مخلوق کی بھی نہیں۔ خالق کے مقابلے میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت نہیں۔

وہ آیات تو رہ گئیں کہ تم میں سے کامیاب وہ شخص ہوا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ جس نے اپنے آپ کو پاکیزہ کر لیا۔ بس آخری دو آیتیں جو تھیں بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۔ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ۔ یہ ہے وہ نظامِ حیات۔ اللہ فرماتا ہے کہ تم جب بھی بیٹھتے ہو تو دنیا کی باتیں کرتے ہو۔ تم جب بھی گھروں میں بیٹھتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ دنیا کی باتیں کرتے ہو۔ آپ میں سے کسی کو یاد ہے کہ عشاء کے بعد کوئی گھر گیا ہو اور اس نے بیوی بچوں کو اکٹھا کر کے کہا ہو کہ آج آخرت پہ گفتگو کریں؟ آج قبر پہ گفتگو کریں؟ کتنے لوگ ہیں جن کے گھروں کا یہ ماحول ہے؟ کبھی مہینے بعد، چھ ماہ بعد؟ پھر کہنا کہ اولاد کہنا نہیں مانتی۔ اولاد کو تم نے آخرت کے متعلق بتایا ہی نہیں۔ جب بھی بیٹھتے ہو بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا دنیا کی ہی گفتگو کرتے ہو۔ اتنے پلاٹ لے لیے، اتنی گاڑیاں، فلاں نفع۔ اللہ فرما رہا ہے ایک کام کر لو۔ اوہ! کبھی گھر والوں کو اکٹھا کر کے، یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا[2] بھائی والدین کی تو ذمہ داری یہی ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچا لو۔ یہ ماحول بنائیں اپنا، اپنے گھروں میں، کبھی اپنی بیوی بچوں کو اکٹھا کر کے ان سے کہو وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ۔ آخرت اس دنیا سے بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔ اپنے بچوں کے ذہن میں یہ بات ڈال دو کہ بیٹا تم بنگلے خرید لو، کوٹھیاں بنا لو، دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ آخرت کی ہر چیز باقی ہے۔ بھائی قرآن آپ سے یہ کہہ رہا ہے کہ بھائی اپنے بچوں میں اتنی سی بات تو ڈال دو کہ دنیا کے مقابلے میں آخرت بہتر ہے۔ بہتر کیوں ہے؟ اس لیے کہ یہ فنا ہونے والی اور وہ باقی رہنے والی ہے۔ وہاں کی ہر نعمت باقی رہنے والی ہے۔ تو تم فانی چیزوں کے پیچھے بھاگ کر اپنی بقا کو برباد کر رہے ہو؟

---

[1] سورۃ لقمٰن:15

[2] سورۃ التحریم:6

اب آپ کہیں گے کہ اگر رضوان نے ہی دعا کرنی تھی، اعزاء واقرباء نے ہی کرنی تھی تو باقی سب لوگوں کو کیوں بلایا ہے؟ یہ بھی حضور ﷺ کا حکم ہے۔ یہ بھی سنت پیغمبر ﷺ ہے۔ اور حکم کس کو دیا؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اویس قرنی سے جب ملنا تو بخشش کی دعا کروانا۔ دوسروں سے کہنا کہ بخشش کی دعا کرو یہ بھی میرے پیغمبر ﷺ کی سنت ہے۔ یہ گارنٹی کسی مولوی، کسی پیر کی نہیں، پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جب جوان بیٹا، ماں باپ کی قبر پہ کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ یا اللہ میرے ماں باپ کو بخش دے۔ تو پھر اللہ فرماتا ہے کہ مجھے حیاء آتی ہے کہ ہاتھ خالی واپس کیسے کروں۔ اس لیے کوشش کریں، جانا تو سب نے ہی ہے لیکن یہ صدقہ جاریہ ہے کہ آپ نیک اولاد پیچھے چھوڑ جائیں۔ ان کے لیے صدقات وخیرات کرنی والی اولاد۔ ہاں یہ بڑی اہم بات ہے، کہیں رہ نہ جائے۔ آپ ٹھیک ہے کہ ختم شریف کرتے ہیں لیکن اگر مال خرچ کرنا ہو تو پہلے یہ نیت کریں کہ ان مصارف پہ خرچ کریں جو فرائض اور واجبات ہیں۔ اگر ان کا کوئی روزہ رہتا تھا تو اس کا فدیہ ادا کریں۔ اگر حج ان پہ فرض تھا تو حج انکی طرف سے کریں۔ یعنی ان کے جو فرائض اور واجبات رہتے تھے، مال وہاں خرچ کریں۔ اگر ان پہ کوئی زکوٰۃ نہیں رہتی تو ثواب تو ان کو پھر بھی مل جائے گا۔ لیکن یہ ختم سے ان کے زکوٰۃ اور روزے کے معاملات جو ہیں یہ حل نہیں ہونگے۔ اس لیے مال جب خرچ کرنا تو اس طریقے سے کرنا ہے کہ یا اللہ اگر ان کا کوئی روزہ رہتا تھا تو اس کا فدیہ ادا کر دوں۔ زکوٰۃ رہتی تھی تو وہ ادا کروں۔ حج کا معاملہ کروں۔ تو یہ بہت ضروری ہے ان کے لیے۔ ہم ختموں پہ بڑا خرچہ کر دیتے ہیں لیکن انکے واجبات اور فرائض پہ ہم توجہ نہیں دیتے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

31۔ اللہ کی مدد سے نیکی کی توفیق ملتی ہے

قرآن: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (سورۃ فاتحہ: 4)

ترجمہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

خاکہ:

1. سورۃ الفاتحہ کی سات آیات کی ترتیب
2. عبادت اور استعانت ساتھ ساتھ کیوں ہیں؟
3. "میں اس سے بہتر ہوں" یہ شیطانی جملہ ہے۔
4. عبادت کا تکبر ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں دیتا
5. شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ
6. سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کا واقعہ
7. حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ
8. قیامت کے دن حساب آسان لینے کی دعا
9. نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کی عاجزی کا اظہار
10. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت
11. غزوہ تبوک کا واقعہ
12. نیکی اللہ کی توفیق سے اور گناہ اپنے نفس کیوجہ سے
13. اللہ سے اپنی عاجزی کا اظہار

اللہ کی حمد وثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں اور قرآن کریم فرقان حمید میں اس کو اس طریقے سے بھی بیان کیا گیا ہے وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ[1] یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آیتیں اور قرآن۔ یعنی ان سات آیتوں کا علیحدہ ذکر کیا ہے۔ سورۃ فاتحہ اس امت کیلئے اللہ تعالیٰ کی خاص عطا ہے۔ انکی ترتیب اتنی خوبصورت ہے کہ یہ جو پہلی تین آیات آپ نے سنی، انکے متعلق گفتگو سنی، ان تینوں کا تعلق اللہ کی ذات کیساتھ ہے، اس کی صفات کیساتھ ہے۔ آخری تین آیات جو ہیں انکا تعلق بندوں کیساتھ ہے۔ اور یہ جو درمیان والی جس آیۃ کریمہ کو آج تلاوت کیا گیا ہے، اس کے آدھے حصے کا تعلق اللہ تعالیٰ کیساتھ ہے اور آدھے کا تعلق بندوں کیساتھ ہے۔ یعنی آیات سات ہیں لیکن اسکی تقسیم اس طریقے سے کی ہے۔ عبادت جو ہے وہ اللہ کی کرنی ہے اور جب مدد کی ضرورت پڑے تو ظاہر ہے مدد کی ضرورت بندوں کو ہی پڑتی ہے۔ یہاں پہ گرائمر کے حوالے سے جو ٹیکنیکل چیز ہے، اگر چند لوگ اس کو سمجھنا چاہیں۔ ہمارے عربی گرائمر والے یہ کہتے ہیں کہ جب مفعول فعل سے پہلے آجائے تو اس میں زور دینا ہوتا ہے اس بات پہ۔ اور یہاں بھی مفعول فعل سے پہلے آیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا، نعبد، ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ نستعین، ہم تیری مدد چاہتے ہیں۔ لیکن یہاں پہ کہا گیا ایاک نعبد، اور یہ اس کی ٹیکنیکل وجہ ہے کہ زور دینے کیلئے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ یعنی اس میں کوئی اور شریک نہیں ہے۔ وایاک نستعین اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اور اس دنیا میں مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

اس آیت پہ بڑی لمبی چوڑی بحث ہو سکتی ہے اور ہم انشاء اللہ، اللہ نے موقع دیا تو، ہم اپنے علم کے مطابق اور سرکار کی عطا کے مطابق کوشش کریں گے۔ آج میں نے جس نقطہ پہ آپ کے سامنے چند گزارشات رکھنی ہیں اس کو عام طور پہ بیان نہیں کیا جاتا۔ بلکہ کچھ مفسرین اس کو تفسیر میں نظر انداز بھی کر دیتے ہیں اور اگر کچھ اس کو لکھتے بھی ہیں تو ایک آدھ لائن لکھ کر آگے چلے جاتے ہیں۔ لیکن میں چونکہ اس کو بڑا اہم سمجھتا ہوں تو آج ہم نے اس

[1] سورۃ الحجر:87

کو دیکھنا ہے کہ یہ جو ایاک نعبد وایاک نستعین جو اکٹھے جملے آئے ہیں، یہ جو تفسیر آج ہم نے دیکھنی ہے کہ اس کی اہمیت کیا ہے؟عبادت کیساتھ استعانت کا جو سلسلہ اللہ تعالیٰ نے جوڑا ہے تو تفاسیر تو ظاہر ہے اس کی بہت سے ہو سکتی ہیں اور انشاء اللہ اپنے وقت یہ اس پہ گفتگو بھی ہو گی۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ جو انسان کی فطرت ہے کہ انسان جب عبادت کرتا ہے تو وہ متکبر ہو جاتا ہے۔ یہ بڑی عجیب چیز ہے کہ انسان کے اندر عبادت سے تکبر پیدا ہوتا ہے۔ ایک نمازی جو ہے وہ بے نمازی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا۔ ایک تہجد گزار جو ہے وہ عام نمازی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا۔ تو یہ اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے، اسکی یہ تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ جب انسان کے اندر یہ تکبر پیدا ہو کہ میں عبادت کر رہا ہوں، میں عابد ہوں تو فوری طور پر دوسرے جملے کی طرف اس کی نظر جائے کہ مولا کریم اگر میں عبادت کر رہا ہوں، کسی غریب کی مدد کر رہا ہوں، کسی کی دلجوئی کر رہا ہوں، درسِ قرآن سننے کیلئے آرہا ہوں یا سنانے کیلئے آرہا ہوں، جو بھی میں نیکی کا کام کر رہا ہوں، ایاک نستعین، مولا کریم یہ تیری مدد کیساتھ ہی کر رہا ہوں۔ یہ جو دھیان ہے انسان کا عبادت کیساتھ استعانت کی طرف یہ انسان کو متکبر نہیں ہونے دیتا۔

یہ آپ ظاہر ہے حیران ہونگے کہ ایک انسان عبادت کرے اور متکبر ہو جائے اور یہ ہوتا ہے، آپ بھی دیکھتے ہیں۔ اسی لیے قرآن نے یہ دعا سکھائی، آپ بھی پڑھتے ہونگے اور سنتے بھی ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں یہ التماس کرتے ہیں رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا۔ مولا کریم ہدایت کے بعد دل ٹیڑھا نہ کر دے۔ یعنی کہ آپ جب ہدایت کے راستے پر آئیں گے تو اسی وقت شیطان سب سے زیادہ حملہ کرے گا۔ اسی وقت یہ تکبر آئے گا۔ اور ابلیس کی بھی سجدہ نہ کرنے کی ایک یہ بھی وجہ تھی۔ ایک تو اس نے کہا ناں خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ[1] کہ مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے تُو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اور آگ مٹی سے افضل ہے تو افضل ادنیٰ کو کیسے سجدہ کر سکتا ہے؟ ایک وجہ یہ بیان ہوئی ہے اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ۔ میں اس سے بہتر ہوں۔ بہتری کی وجہ کیا تھی؟ بہتری کی وجہ یہ تھی کہ آدم تو اب تخلیق ہوا ہے۔ اس نے کوئی سجدہ نہیں کیا، کوئی عبادت نہیں کی۔ اور میں ہزاروں سال سے عبادت کر رہا ہوں۔ بھائی یہ بھی تو عجیب بات ہے ناں کہ ایک وہ تخلیق جس کو ابھی پیدا کیا ہے۔ اس کے پاس تو کوئی عبادت نہیں، کوئی

[1] سورۃ الاعراف:12

سجدہ نہیں، کوئی عہدہ نہیں اور ایک وہ جو ہزاروں سالوں سے سجدے کر رہا ہے۔ اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کے پاس عبادت کچھ بھی نہیں ہے اور میرے پاس ہزاروں سالوں کی عبادت ہے۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ۔ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو وہ جو چیز تھی کہ میں اس سے بہتر ہوں، یہ اس لیے پیدا ہوئی کہ اگر اس کو یہ پتہ ہوتا کہ ساری عبادت تو اس کی مدد سے میں نے کی ہے تو پھر اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ نہ کہتا۔ پھر یہ نہ کہتا کہ میں بہتر ہوں۔ اس لیے یہ دعا سکھائی رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا۔ ہدایت کے بعد بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے دھیان کی۔

اب آپ پاک پیغمبر ﷺ کی طرف دیکھیں۔ يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ(1) قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا(2) نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا (3)[1]۔ یہ صفات کیساتھ کسی کو جو پکارنا ہوتا ہے ناں وہ محبت کی علامت ہے۔ مثلاً آپ نام لیے بغیر جب حافظ صاحب کہتے ہیں، قاری صاحب کہتے ہیں، علامہ صاحب۔ فرمایا! اے چادر اوڑھنے والے۔ نبی تو اور بھی گزرے ہیں، کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول سمجھ کر یہ باتیں کی ہیں۔ بھائی اگر نبی اور رسول سمجھ کر یہ باتیں کی جاتی تو اللہ اور نبیوں کو بھی پھر ایسے مخاطب کرتا۔ اور نبیوں کو ایسے مخاطب کیا؟ یہاں نبی اور رسول سمجھ کر نہیں بلکہ اللہ نے اپنا محبوب سمجھ کر مخاطب کیا۔ اب ہماری عبادت تو کسی کھاتے میں ہی نہیں ہے ناں۔ ہم کیا عبادت کریں گے اللہ کی؟ وہ غالب نے بڑی کمال کی بات کی کہی تھی کہ جب لوگوں نے کہا تُو شاعر تو بڑا کمال کا ہے لیکن نعت نہیں کہتا۔ اس نے کہا کہ تم تو بیوقوف لوگ ہو۔ یہ دنیا کے جو محبوب ہیں ان کا ذکر میں اس لیے کرتا ہوں کہ ان کو میں جانتا ہوں۔ ان کو پہچانتا ہوں۔ تو جس ہستی کو میں جانتا ہی نہیں اس کی میں صفت کیسے بیان کروں؟ اس لیے اُس نے کہا

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

میں تو اپنے اللہ سے کہتا ہوں کہ تُو اپنے محمد کی نعت پڑھ۔ اس لیے کہ تیرے سوا ان کے مقام کو اور کوئی نہیں جانتا۔ نعت تو وہ کہے ناں، جس کو مقام کا پتہ ہے۔ جس کو مقام کا ہی نہیں پتہ وہ کیا تعریف بیان کرے گا؟ اب نبی

---

[1] سورۃ المزمل

پاک ﷺ کی یہ جو بات اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ رات کو قیام کیا کرو، آدھی رات کو، یا اس کا بھی تھوڑا حصہ۔ اب اللہ تعالیٰ کو بندوں سے گلہ ہے کہ بندے عبادت کا حق ادا نہیں کرتے لیکن محبوب محبوب ہوتا ہے۔ پاؤں میں ورم آگئے، سورۃ مزمل نازل ہوئی کہ آپ ساری رات عبادت نہ کریں۔ آدھی رات یا اس سے بھی تھوڑا حصہ کر لیا کریں۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ جیسی حمد اور تعریف کسی نے نہیں کی۔ اس لیے کہ آسمانوں پہ میرے پاک پیغمبر ﷺ کا نام احمد ہے۔ جب آپ سورۃ صف پڑھتے ہیں تو حضرت عیسیٰ یہی کہتے ہیں مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ[1]۔ میں ان کی بشارت دینے والا ہوں، وہ میرے بعد تشریف لائیں گے اور ان کا نام احمد ہے۔ یہ آسمانوں پہ احمد اس لیے کہ فرشتوں نے یہ بات کہی وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ[2]۔ مولا ہم تیری تسبیح اور حمد بیان کرنے کیلئے کافی ہیں۔ تو ان کو یہ بتایا گیا ہے کہ تم لاکھوں کروڑوں فرشتے مل کر بھی وہ حمد بیان نہیں کر سکتے جو احمد کر سکتا ہے۔ یہ بات جو ہے ناں وہ بیان کر دی گئی۔ احمد جو ہے ناں یہ superlative degree ہے۔ تفصیل کل ہے، جس جیسی حمد کسی نے بیان نہیں کی۔ لیکن جب یہ نقطہ آتا ہے۔ آپ نے اسی بات پہ رہنا ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ جو بھی میں عبادت اور سجدے کر رہا ہوں تیری مدد سے ہی کر رہا ہوں۔ تیری توفیق سے ہی کر رہا ہوں۔ اب میرے پاک پیغمبر ﷺ اس آیت کے جواب میں اپنے اللہ سے کیا عرض کرتے ہیں۔ عرض کی مولا سبحانك ما عبدناك حق عبادتك[3]۔ مولا میں تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا۔ یہ تعلیم امت ہے۔ آپ کا اس کی طرف دھیان ضرور جانا چاہئے۔ یہ تکبر جو ہے ناں عبادت کا، یہ ذلیل کر دیتا ہے انسان کو۔ میں عابد ہوں، میں سخی ہوں، میں بڑا مقلد ہوں۔ یہ وہی شیطان والا جملہ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ کہ میں بہتر ہوں۔ تو وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ساتھ اس لیے لگایا گیا ہے کہ کسی انسان کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ میں جو بھی نیکی کا کام کر رہا ہوں وہ شاید میں اپنی مرضی سے کر رہا ہوں، اس کے پیچھے جو مدد ہے وہ میرے اللہ کی ہے۔ اس کی توفیق ہے، اس کی رحمت ہے، اس کا فضل ہے۔ کس طرح ہم کوئی نیکی کا کام سر انجام دے سکتے ہیں جب تک اس کی مدد نہ شامل حال ہو؟

---

[1] سورۃ الصف:6

[2] سورۃ البقرۃ:30

[3] سلسلہ احادیث صحیحہ:3762

اب میرے پاک پیغمبر ﷺ نے یہ تعلیم امت کو فرمائی جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ اگر ہم اس کو نیچے لیکر آتے ہیں تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خوبصورت بات اس موقع پہ کہی۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر پر جارہے تھے۔ اس قافلے میں کافی لوگ بزرگ تھے، تہجد گزار تھے۔ میرے والد صاحب بھی ساتھ تھے تو میں اس دن اٹھا اور تہجد کی نماز پڑھی۔ باقی سارے لوگ جو تھے وہ سو رہے تھے۔ تو میں نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ یہ کتنے غافل لوگ ہیں۔ میرے والد صاحب نے کہا کہ تمہیں ان میں کیا برائی نظر آئی؟ میں نے کہا کہ میں اٹھا ہوں اور تہجد پڑھی ہے تو میرے والد صاحب نے فرمایا کہ یہ تجھ سے بہتر ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے کہا کہ یہ سوئے ہوئے جو ہیں یہ تجھ سے بہتر ہیں۔ میں نے کہا کہ اباجی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بندہ سویا ہوا ہے اور ایک اٹھ کے تہجد پڑھتا ہے تو سویا ہوا کیسے تہجد پڑھنے والے سے بہتر ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سعدی یہ جو تُو نے تہجد پڑھ کر کہا ہے نے کہ میں نے پڑھی ہے۔ تیری تہجد تو ضائع ہو گئی اور تُو نے اپنی نیند بھی خراب کی۔ ان لوگوں نے کم از کم اپنی نیند تو خراب نہیں ناں کی۔ تُو کون ہوتا ہے کہنے والا کہ میں نے تہجد پڑھی۔ مولا جو بھی کر رہا ہوں تیری توفیق سے کر رہا ہوں۔ اگر تیری مدد شامل حال نہ ہو تو میں کسی منزل پہ نہیں پہنچ سکتا۔

آپ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی بڑی عزت کرتے ہیں، بڑا احترام کرتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑے مقام سے نوازا۔ آج میں آپ کے سامنے جو بات رکھنے لگا ہوں کہ یہ اس دنیا میں ایک ایسا شخص ہے جو خضر علیہ السلام کو بھی یہ کہتا ہے خضر آ مجھ سے محمد ﷺ کا کلام سُن۔ خضر کو بڑا رہنما سمجھا جاتا ہے لیکن میرے غوث پاک خضر کو بھی مخاطب کرتے ہیں۔ لیکن بیت اللہ شریف کے قریب کعبہ کا غلاف پکڑ کہ جب سارے لوگ سو جاتے ہیں تو ایک شخص آ کر روتا ہے اور کہتا ہے کہ مولا اگر تُو نے میری عبادتیں قبول نہیں کیں، اگر میرے صدقات و خیرات تُو نے قبول نہیں کیے، میرے سجدے اگر تُو نے قبول نہیں کیے تو مجھے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھانا۔ کہیں میں تیرے محبوب کے سامنے شرمندہ نہ ہو جاؤں۔ ایک شخص اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بڑی دردناک آواز میں کون رو رہا ہے؟ یہ کون ہے اس وقت؟ خاموش ہو جاتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد یہی جملے کہتے ہیں کہ مولا کریم اگر تُو نے میرے عبادتیں قبول نہیں کیں، میری بندگی قبول نہیں کی تو مجھے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھانا۔ جب تیسری مرتبہ

پوچھا گیا۔ تو فرمایا کہ میں شیخ عبد القادر جیلانی ہوں۔ کہا حضور یہ آپ کی کیفیت؟ فرمایا کہ ایک بندے کا اللہ کے سامنے عاجزی کا یہی ایک طریقہ ہے کہ وہ یہ نہ کہے کہ میں نے کچھ کیا ہے بلکہ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ اللہ کی مدد سے ہی کر رہا ہے۔ وہ قبول نہ کرے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، جن کی ولایت پہ سب لوگوں کا اتفاق ہے۔ ایک قبر پہ بیٹھ گئے اور قبر والے سے پوچھا کہ تیری قبر میں جنت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا حضور کیا بتاؤں یہ بڑا عجیب معاملہ ہے۔ میں نے سات حج پیدل کیے تھے اور دل میں ایک دن یہ بات آگئی کہ اللہ تعالیٰ میری کوئی اور نیکی قبول کرے یا نہ کرے لیکن یہ جو میں نے سات حج پیدل کیے ہیں رزق حلال کیساتھ، اس نیکی کیساتھ میری بخشش ضرور ہو جائے گی۔ لیکن بڑا عجیب معاملہ ہوا کہ فرشتوں نے کہا کہ ہم نے تو تیرا کوئی حج بھی قبول نہیں کیا۔ بھائی مالک ہے ناں، اس کی مرضی ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہی ایک نیکی تھی جس پہ مجھے بڑا فخر تھا، بڑا مان تھا کہ اس نیکی کے صدقے اللہ تعالیٰ مجھے ضرور بخش دے گا۔ لیکن پھر فرشتوں نے خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس کی قبر میں جنت کا دروازہ کھول دو۔ میں نے پوچھا فرشتوں سے کہ کون سی نیکی کام آگئی۔ انہوں نے کہا کہ تیرے نامہ اعمال میں ایک نیکی ہے۔ ایک دن تُو راستے پہ چل رہا تھا۔ تُو اکیلا جا رہا تھا اور راستے پہ ایک پتھر پڑا ہوا تھا۔ تجھے کوئی دیکھ نہیں رہا تھا اور تُو نے وہ پتھر اس لیے ہٹا دیا کہ اللہ کی مخلوق کو تکلیف نہ پہنچے۔ وہ کام چونکہ صرف تُو نے اللہ کی رضا کیلئے کیا تھا۔ اس نیکی کے صدقے اللہ تعالیٰ نے تیری بخشش فرما دی۔ اب یہ جن پہ مان ہوتا ہے ناں ان کا حشر بہت بُرا ہوتا ہے۔

یہ جو ایاک نستعین کی باریک سی لائن ہے اس کا ہمارے دل میں پختہ ہونا ضروری ہے کہ مولا کریم مجھ سے جو بھی کوئی نیکی سرزد ہو رہی ہے وہ تیری مدد سے ہو رہی ہے۔ تیری توفیق سے ہو رہی ہے۔ جس جگہ یہ بات آگئی کہ میں کر رہا ہوں، وہاں پہ بیڑا غرق ہو جائے گا۔ اقبال نے تو یہاں پہ بڑی ایک عجیب بات پھر کہہ دی، اقبال نے تو یہاں پہ کہا،

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روز محشر عذر ہائے من پذیر

ور حسابم را تو بینی ناگزیر

از نگاہ مصطفٰے پنہاں بگیر

یہ رباعی اقبال نے اپنی وفات سے تین دن پہلے لکھی کہ مولا کریم تُو بادشاہ ہے، تو مالک ہے اس کائنات کا۔ دونوں جہانوں کا مالک ہے اور میرے اعمال اس قابل نہیں ہیں کہ اس کا حساب لیا جائے۔ میری عاجزی اور انکساری یہ ہے کہ میرے اعمال حساب کے قابل نہیں ہیں۔ مولا درگزر فرما۔ میں حساب کے قابل نہیں ہوں۔ اور یہ بات میرے پاک پیغمبر ﷺ نے سکھائی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے پاک پیغمبر ﷺ نے یہ دعا سکھائی اللهم حاسبني حسابا يسيرا[1]۔ یا اللہ میرا حساب آسان فرما۔ میں نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ آسان حساب کیا ہے؟ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ آسان حساب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا نامہ اعمال کھلے بغیر ہی اسے معاف فرمادے۔ یہ سب سے آسان حساب ہے۔ اور اگر کسی کی فائل کھل گئی اور پھر اللہ نے پوچھ لیا کہ تُونے یہ کیوں کیا تھا تو وہ ہلاک ہو گیا۔ یہ استعانت کوئی یہ نہیں ہے کہ آپ کون کونسی مدد مانگ رہے ہیں۔ یہ آج بڑی تگ و دو کے بعد اس موضع کا انتخاب کیا تھا۔ چونکہ ہمارے معاشرے میں یہ برائی بہت زیادہ ہے کہ ہم مسجد میں بھی آتے ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں اور پھر ان نمازوں کو ضائع بھی کر دیتے ہیں۔ سخاوت بھی کرتے ہیں اور اس سخاوت کو ضائع بھی کر دیتے ہیں۔ میں رات بھی ایک جگہ دوستوں سے یہی عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیزوں کو قبول فرماتا ہے۔ نیت پاکیزہ ہو۔ عقیدہ پاکیزہ ہو۔ دل پاکیزہ ہو۔ عبادت کے اندر کوئی ملاوٹ نہ ہو۔ سود اور حرام کے پیسوں سے میلاد کی محفل نہیں کروائی جاسکتی۔ چوری کے پیسوں سے گیارھویں کا ختم نہیں دلایا جاسکتا۔ یہ ہمیں اپنے اندر سے یہ چیزیں دور کرنا پڑیں گی۔ دین میں اگر داخل ہونا ہے تو مکمل داخل ہونا ہے۔ خوفِ خدا ہی ہے ناں، اقبال نے کہا کہ مولا میرا حساب نہ لینا۔ اور اگر یہ بڑا ناگزیر ہو گیا ہے، بڑا ضروری ہو گیا ہے کہ تُونے میرا حساب ضرور ہی لینا

[1] مشکوٰۃ المصابیح:5562

ہے تو پھر مصطفیٰ کریم ﷺ سے او جھل کر کے میرا احساب لینا۔ میں اپنے نبی کی محبت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ میں عاشق رسول کہلاتا ہوں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اقبال کو بڑی محبت ہے اپنے پیغمبر ﷺ کیساتھ۔ لیکن مولا کریم مجھے میرے نبی کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔

یہ جو میں نے پہلے بھی آپ سے عرض کیا تھا کہ عبادات بدنام ہو رہی ہیں آج کل کہ حاجی جھوٹے ہوتے ہیں۔ نمازی کم تولتے ہیں۔ مولوی بڑے بد عہد ہیں۔ مثلاً ہر جو نیک چیز ہے اس کے ساتھ برائی جوڑ دی گئی۔ اس کی وجہ ہمارے اعمال ہیں۔ وہ بڑا ایک تفصیل سے واقع لکھا ہوا تھا کہ ایک دودھ وہ ہے بکری کے نیچے سے جو آپ خود نکالتے ہیں۔ اور جب اس دودھ کا زور ہو جاتا ہے تو اس کے تھنوں سے خود بخود نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ تو اصل بندگی اور سجدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا دل اس کیفیت میں آجائے کہ میرے مولا کے میرے اوپر اتنے احسانات ہیں تو پھر وہ اپنا سر سجدے میں رکھ دے۔ یعنی اس وقت جو سر سجدے میں رکھا جاتا ہے وہ اصل میں اللہ کی اصل بندگی ہوتی ہے؛ جب وہ اپنے جسم پہ اللہ کی حکومت کو نافذ کر لیتا ہے۔ یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک آپ کا عقیدہ clear نہ ہو کہ میرا ہر کام اللہ کی مدد کیساتھ ہے۔ اس کی مدد کے بغیر آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ مجھے تو آج کل یہ بھی بڑی پریشانی ہوتی ہے، کئی لوگوں سے یہ میں سنتا ہوں کہ وہ جو فلاں شخص کہتا ہے کہ میرے مرید ہو جاؤ تو تمہاری بخشش ہو جائے گی۔ میرے خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ لوگوں نے کہا کہ حضور قیامت والے دن کیا آپ ہماری سفارش فرمائیں گے؟ آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ بڑا روئے آپ۔ مریدوں نے کہا حضور اس میں تو کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ ہم نے تو یہی کہا ہے کہ آپ ہماری سفارش فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ پہلے سب رو کر میرے لیے دعا کرو کہ اللہ مجھے اپنے بندوں میں شامل کر لے۔ یعنی یہ ہے جنہوں نے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھا ہے کہ جب انسان اس منزل پہ پہنچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے بندوں میں شامل فرما لے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے بندوں میں شامل فرما لیا تو میں پھر ضرور اللہ کی بارگاہ میں تمہارے لیے سفارش کروں گا۔ پہلے تو مجھے اپنا ہی نہیں پتہ۔ تو یہ عاجزی اور انکساری ہمارے بزرگانِ دین ہمیں دے کر گئے ہیں۔ یہ ہمیں قرآن کا مفہوم

سمجھا کر گئے ہیں کہ تمہارے اندر سے یہ جو تکبر ہے عبادت کا کہ میں بڑا عابد ہوں، میں بڑا نمازی ہوں، میں بڑا سخی ہوں۔۔۔

اور آخر میں میں یہ چاہتا تھا کہ میں پاک پیغمبر ﷺ کی وہ حدیث آپ کے سامنے رکھوں۔ اس کی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ بھی بڑے حیران ہوئے اس بات سے جب میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شہید، ایک عالم، قاری اور ایک سخی کو گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیے جائیں گے۔ پوچھا گیا یارسول اللہ ﷺ عالم جہنم میں جائے گا؟ سخی جہنم میں جائے گا؟ شہید جہنم میں جائے گا؟ یہ کام تو انسان کرتا ہے کہ وہ بخشا جائے، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے، اللہ تعالیٰ اس کو منزل مقصود تک پہنچائے۔ جس آدمی کو شہید کیا گیا، اسے لایا جائے گا، اللہ تعالی اسے اپنی نعمتوں کا تذکرہ کرے گا تو وہ اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالی پوچھے گا کہ تو کیا عمل کرکے لایا ہے؟ وہ کہے گا مولا کہ میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا، حتٰی کے شہید ہو گیا۔ اللہ تعالی فرمائے گا کہ تو جھوٹ بول رہا ہے، تو نے اس لئے جہاد کیا تھا تا کہ تجھے بہادر کہا جائے اور وہ تیری خواہش دنیا میں پوری کر دی۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور یہ بات تو قرآن میں سورۃ یٰس میں بیان فرمادی اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ[1]۔ اس دن اگر کوئی چالاکی کرنے لگے گا تو اس کے منہ پہ مہر لگا دی جائے گی اور اسکے ہاتھ اس کے خلاف گواہی دیں گے اور اس کے پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ پھر عالم اور قاری کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالی اسے اپنی نعمتوں کا تذکرہ کرے گا تو وہ اقرار کرے گا۔ اللہ تعالی فرمائے گا کہ تو کون سا عمل کر کے لایا ہے؟ وہ کہے گا مولا کہ میں نے تیری خاطر علم سیکھا سکھایا اور قرآن مجید پڑھا۔ اللہ تعالی فرمائے گا: تو جھوٹ بول رہا ہے، تو نے علم اس لیے حاصل کیا تھا کہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن اس لیے پڑھا تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں۔ وہ خواہش تو تیری ہم نے دنیا میں پوری کر دی۔ اس کو پھر گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ پھر سخی سے پوچھا جائے گا کہ ہم نے تجھے بڑا مال و متاع دیا ای نعمتوں سے نوازا، بڑی دولت عطا کی۔ تُو نے ہمارا شکر کیسے ادا کیا؟ وہ کہے گا مولا کریم میں تیرے بندوں کی

[1] سورۃ یٰس:65

خدمت کرتا تھا۔ کس لیے خدمت کرتا تھا؟ ارادہ کیا تھا تیرا؟ اب اس کو یہ کہنا پڑے گا کہ مولا کریم اس لیے کہ لوگ مجھے سخی کہیں۔ میری عزت کریں۔ میرا دنیا میں اعتبار ہو۔ اللہ فرمائے گا کہ یہ تو ہم نے تجھے دنیا میں ہی عطا کر دیا۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب "مَیں" کا تصور انسان کے دل میں آتا ہے تو پھر ایک شہید کا بھی یہ حشر ہوتا ہے۔ ایک سخی کا بھی یہ حشر ہوتا ہے اور ایک عالم کا بھی یہ حشر ہوتا ہے [1]۔

سب سے زیادہ اعانت کیلئے، مدد کیلئے غزوہ تبوک میں کہا گیا۔ یہ میرے نوجوان ساتھی خصوصی طور پر اس کو اپنے ذہنوں میں جگہ دیں۔ یہ وہ موقع ہے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا سامان لے آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا آدھا سامان لیکر آئے۔ سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے تین دفعہ اشرفیوں کی تھیلیاں، اونٹ اور بہت کچھ دیا تھا۔ جب انسان کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ اس کی استعانت سے کر رہا ہوں، اس کی مدد سے کر رہا ہوں تو پھر اسکا نتیجہ پھر انسان کو کیا ملتا ہے؟ ایک بندہ اس کے پاس کچھ نہیں۔ گھر بھی خالی ہے۔ ساری رات ایک یہودی کے باغ میں مزدوری کی کہ میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آج دین کو مدد کی ضرورت پڑی ہے۔ جو کچھ ہے زیادہ سے زیادہ جو بھی کر سکتے ہو، کرو۔ ساری رات مزدوری کی اور صبح اس یہودی نے ایک مٹھی کھجوریں اس کو دیں۔ ایک مٹھی کے اندر چند کھجوریں آتی ہیں۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نقشہ کھینچتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی شریف کے صحن میں بیٹھے ہیں اور لوگوں کے سامان کے وہاں ڈھیر لگے ہوئے سونے چاندی اور اشرفیوں کے۔ اب وہ شخص جب مسجد میں داخل ہوتا ہے اور وہ ڈھیر دیکھتا ہے تو آبدیدہ ہو جاتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں کہ اگر میں کچھ لیکر بھی آیا ہوں تو اس کی حیثیت کیا ہے؟ اب ذرا آپ بھی تصور کریں کہ یہ وہ ڈھیر ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کا سارا سامان پڑا ہوا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر کا آدھا سامان پڑا ہوا ہے۔ یہ وہ ڈھیر ہے، کوئی معمولی ڈھیر نہیں ہے۔ اب صحابہ فرماتے ہیں کہ اس نے آکر زبان سے تو کوئی بات نہ کی۔ وہ جو کہتے ہیں کہ

[1] سلسلہ احادیث صحیحہ:147

ہم نے چھپائی لاکھ، محبت نہ چھپ سکی
آنکھوں نے رو کے یار سے اظہار کر دیا

نبی پاک ﷺ کے سامنے، زبان سے کچھ نہ کہا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور اپنا ہاتھ کھول کے آگے پیش کر دیا۔ جب سرکار کے سامنے اس نے مٹھی کھولی۔ میرے پیغمبر ﷺ نے ایک نظر اس کو دیکھا اور کھڑے ہو کر اس کو اپنے سینے سے لگایا۔ اس کے ہاتھ سے وہ کھجوریں پکڑیں اور اس ڈھیر کے اوپر لگانی شروع کر دیں اور ایک کھجور اس ڈھیر کے سِرے پہ لگائی۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھجور سارے ڈھیر سے بھاری ہے۔ یہ چیز انسان میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ سمجھتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ اللہ کی مدد سے کر رہا ہوں۔ اور یہ چیز اللہ ایک انسان میں دیکھنا چاہتا ہے۔

پانچویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی۔ فرمایا مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ-وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ[1]۔ یہ کلیہ جو ہے وہ ذہن میں رکھنا ہے۔ یہ نہیں کہنا کہ میں بڑا کام کیا۔ فرمایا۔ جب بھی تم کوئی نیک کام کرتے ہو تو یہ کہو کہ یہ میرے اللہ کی طرف سے ہے۔ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ اور جب تم سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو کہو کہ یہ میرے نفس کا قصور ہے۔ برائی کو کبھی بھی اللہ کی طرف منصوب نہیں کرنا۔ اور ہماری ذلت اس دور کی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے ہر گھاٹا اللہ کی طرف منصوب کر دیا اور ہر اچھائی کو اپنے نفس کی طرف منصوب کر دی ہے۔ تو منع کیا گیا اس بات سے۔ یہ پانچویں پارے کی آیت میں نے آپکو سنائی ہے۔ اس کو زندگی کا اصول بناؤ۔ اگر کوئی آپ سے کہتا ہے ناں کہ آپ نے تلاوت بہت اچھی کی ہے تو یہ نہیں کہنا کہ میں نے محنت بھی بڑی کی۔ بلکہ کہنا کہ یہ میرے اللہ کا فضل ہے۔ آپ نے درسِ قرآن بہت اچھا دیا۔ یہ میرے اللہ کا فضل ہے۔ آپ نے محفل بہت اچھی کروائی۔ یہ میرے اللہ کا فضل اور اگر کوئی کمی بیشی رہ گئی ہے تو کہو کہ یہ میرا قصور ہے۔ جہاں غلطی ہو جائے تو وہاں اپنے نفس کو کوسو یہ میرا قصور ہے۔

[1] سورۃ النساء:79

اس پہ گفتگو تو اور بہت ہو سکتی ہے لیکن میں نے کہا کہ باقی ٹیکنیکل چیزوں سے پہلے، اس چیز کا تعلق چونکہ ہمارے عقیدے اور روحانیت کیساتھ ہے کہ یہاں عبادت اور استعانت کو ساتھ ساتھ لانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے۔ وہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا پڑھ رہا تھا کہ رات کو کھڑے ہو کر ایک ہزار رکعت پڑھی۔ ایک ہزار نوافل پڑھنے کے بعد پتہ کیا کہا؟ فرماتے ہیں مولا کریم میری کوئی اطاعت تیری بارگاہ کے قابل نہیں اور میرا کوئی سجدہ تیری شایان شان نہیں۔ تو بندگی کا تصور جو ہے یہ سمجھیں کہ اللہ کے سامنے ہمارا رویہ کیا ہونا چاہئے۔ اس لیے اللہ کے جو ولی ہیں وہ عبادت کرتے ہیں لیکن تکبر نہیں کرتے بلکہ استغفار کرتے ہیں۔ غالب نے کہا تھا،

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس لیے نماز پڑھتے ہوئے یہ دھیان ہونا چاہئے کہ مجھ جیسا گناہگار بندہ اور تُو نے انتخاب کیا کہ میں تیری بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاؤں۔ میں تیرا کیسے شکر ادا کر سکتا ہوں؟ وہ اللہ کی ذات ہے۔ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے والوں نے بھی یہ بات کہی اور بڑے بڑے اقلیم سخن کے تاجدار اور فصاحت کے شاہکار جب اس منزل پہ پہنچے تو پکار اٹھے،

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنا منہ ہزار مرتبہ بھی گلاب کے عرق سے دھولیں تو پھر بھی آپ کا نام لینا بے ادبی سمجھتے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر یہی عرض کرنی ہے کہ مولا کریم تیری مہربانی کہ مجھ جیسا گناہگار بندہ تُو مسجد تک لے آیا اور توفیق دی کہ تیری بارگاہ میں سجدہ ریز ہوا۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم جو بھی نیکی کا کام کر رہے ہیں وہ تیری توفیق کیساتھ کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

32۔ فتنہ قادیانیت کی حقیقت

قرآن: اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاَحْکُمُ بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ (سورۃ آل عمران: 55)

ترجمہ: یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا- اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا اور تیرے پیروؤں کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دوں گا پھر تم سب میری طرف پلٹ کر آؤ گے تو میں تم میں فیصلہ فرمادوں گا جس بات میں جھگڑتے ہو۔

خاکہ:

1. شمسی سال اور قمری سال میں فرق
2. ہلال ک متعلق سوال
3. چار حرمت والے مہینے
4. 6 ستمبر یوم دفاع پاکستان اور 7 ستمبر یوم تحفظ ختم نبوت
5. مرزا قادیانی کے جھوٹے نبی بننے کے 12 مراحل
6. مرزائیوں کا اس آیت کا سہارا لینا
7. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق چار عقائد
8. یہود کے عقیدے کو قرآن میں رد کر دیا گیا
9. مکر کا عربی میں کیا معنیٰ ہے؟
10. یہود کو کیسے شبہ میں ڈالا گیا: دوسری روایت
11. اللہ تعالیٰ کے عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدے
12. عذابِ الٰہی کے دو طریقے
13. عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی تفصیل کیوں بیان کی گئی؟
14. مفسرین کرام کا جواب
15. ڈی سی سیالکوٹ نے مرزا قادیانی کی بطور نبی تقرری کی
16. قادیانیوں کے نزدیک کلمہ طیبہ کا کیا مطلب؟
17. مرزائی ہم مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں
18. عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ کا چوتھا وعدہ
19. یہود اپنی حیثیت میں نہیں رہ سکتے
20. قرب قیامت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر آنا

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

آج محرم کی بھی 6 تاریخ ہے اور شمسی سال کی بھی 6 ستمبر ہے (2019)۔ یہ عجیب ویسے واقع ہوا ہے کہ شمسی سال اور قمری سال کی تاریخیں اکٹھی چل رہی ہیں۔ کسی جگہ میں یہ بات کر رہا تھا تو مجھے پہلے نہیں تھا پتہ کہ یہ کنفیوژن لوگوں کے ذہنوں میں ہے۔ یہ قمری سال کو لوگ شاید اسلامی سال بھی کہتے ہیں۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ دنوں کا حساب کتاب ہے جو لوگ چاند کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور ایک شمسی سال ہے جو آپ سورج کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ تو یہ آپ کو جو جنوری فروری والا سال ہے یہ شمسی سال ہے اور یہ جو محرم صفر والا سال ہے یہ قمری سال ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ بندے بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم تو آج تک یہی سمجھتے رہے کہ یہ جو چاند والے مہینے ہیں یہ اسلامی سال ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیوں؟ وہ کہنے لگے کہ ہماری عبادات جو ہیں وہ چاند کے ساتھ چلتی ہیں۔ جیسے رمضان جو ہے وہ چاند کیساتھ چلتا ہے۔ حج بھی ہم 9 ذی الحج کو کرتے ہیں۔ میں نے ان کی توجہ مبذول کروائی، میں نے کہا کہ جو سب سے اہم عبادت ہے وہ نماز ہے، نمازیں ہم چاند کو دیکھ کر نہیں بلکہ سورج کو دیکھ کر پڑھتے ہیں۔ یعنی وہ سورج چلے گا تو ظہر شروع ہو گی اور پھر اس کا سایہ دوگناہ ہو گا۔ یعنی نمازیں آپ نے سورج کو دیکھ کر پڑھنی ہیں۔ اس طرح رمضان چاند دیکھ کر شروع ہو گا لیکن روزہ افطاری سورج کو دیکھ کر کرنی ہے۔ تو یہ پتہ نہیں کس نے یہ بات پھیلا دی کہ یہ اسلامی سال ہے یا غیر اسلامی سال ہے؟

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ[1] یہ دوسرا پارہ ہے، سورۃ بقرۃ، اللہ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ لوگ آپ سے ہلال کے متعلق پوچھتے ہیں۔ یہ جو پہلے دن کا چاند ہوتا ہے، اس کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ تو لوگوں کو بتادو یہ وقت کے حساب کتاب کیلئے، مَوَاقِيْتُ وقت کی جمع ہے اور حج کیلئے لوگوں نے یہ سلسلہ رکھا

[1] سورۃ البقرۃ:189

ہے۔اس کے علاوہ تو اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ آپ اس میں اسلامی اور غیر اسلامی کی بحث میں پڑ جائیں۔تو یہ قمری سال جو ہے اس کا پہلا جمعۃ المبارک ہے۔

باقی محرم کی اہمیت اپنی ہے۔یہی آیت جو میں نے تلاوت کی ہے اسی میں آگے جاکر ہے کہ مہینوں کی تعداد جو ہے وہ بارہ ہے۔اس میں چار جو ہیں وہ حرمت والے مہینے ہیں۔تین جو ہیں وہ اکٹھے آتے ہیں، ذی القعد ہے، ذی الحج ہے اور محرم ہے اور درمیان میں آتا ہے رجب۔محرم جو ہے یہ شروع سے ہی حرمت والے، عزت والے مہینوں میں شامل ہوتا ہے۔اس کی تفصیل ہم پھر کسی موقع پہ عرض کرینگے۔یہ شروع میں اس لیے بتادیا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ یہ اسلامی اور غیر اسلامی سال ہے تو سورج بھی اللہ نے پیدا کیا ہے اور چاند بھی اللہ نے پیدا کیا ہے۔ہماری عبادات بھی ملی جلی ہیں۔کچھ عبادات ہم سورج کو دیکھ کر کرتے ہیں اور کچھ چاند کو دیکھ کر کرتے ہیں۔

یہ 6 ستمبر آپ کو پتہ ہے کہ دفاع پاکستان کے حوالے سے بھی منایا جاتا ہے۔6 ستمبر 1965، ہمارے مجاہدین نے اور پوری قوم نے مل کر اپنے سے کئی گنا بڑے ملک کا مقابلہ کیا، ایمانی طاقت کیسا تھ۔ان چیزوں کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔کل جو 7 ستمبر ہے، یہ دن اس لیے اہم ہے کہ 1974 کو یہ جو برصغیر میں ایک فتنہ اٹھا تھا قادیانیوں کا، جھوٹی نبوت کا، وہ ہماری اسمبلی، آئین پاکستان نے ان کو کافر قرار دیا گیا۔اقلیت قرار دیا گیا۔ہماری نئی نسل کو پتہ ہونا چاہئے ان چیزوں کا۔

آج جو میں نے آیۃ مبارکہ تلاوت کی ہے سورۃ آل عمران سے، یہ ایک خاص موضوع ہے جس کو قادیانی بہت اُچھالتے ہیں۔وہ جب آپ سے گفتگو کرتے ہیں تو ڈائریکٹ یہ نہیں کہیں گے کہ ہم مرزا کو نبی مانتے ہیں۔میں فہرست ویسے آپ کو عرض کر دیتا ہوں کہ مرزا نے پہلے جو اعلان کیا تھا وہ اپنے مجدد ہونے کا کیا تھا۔پہلے اس نے اپنے نبی ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا۔تو مجدد سے وہ ترقی کرتا ہوا محدث کے مقام پہ پہنچا اور اس نے کہا کہ اللہ مجھ سے گفتگو کرتا ہے۔پھر تیسرے درجے میں اس نے اعلان کیا کہ وہ جو امام مہدی اس دنیا میں آنے تھے، میں انکی شکل میں آگیا ہوں۔پھر چوتھے مرحلے میں اس نے کہا کہ وہ جو عیسیٰ علیہ السلام نے آنا تھا، مسیح موعود میں ہوں۔اس کے اگلے درجے میں اس نے کہا کہ میں عیسیٰ سے بھی افضل ہوں۔آگے چل کر اس نے کہا کہ میں ظل نبی ہوں۔ظل کا

معنٰی ہوتا ہے سایہ۔ میرے اوپر نبوت کا سایہ پڑا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ میں بروزی نبی ہوں۔ میں چھپا ہوا نبی ہوں۔ یہ اس کی ترتیب ہے کہ اس نے کہاں سے شروع کیا اور کہاں تک پہنچا۔ ظل نبی اور بروزی نبی کے بعد اس نے اعلان کیا کہ میرا جی تو نہیں چاہتا لیکن مجھے خواب آتے ہیں کہ تُو اعلان کر کہ میں نبی ہوں لیکن میں صاحب شریعت نبی نہیں ہوں۔ اس کے اگلے درجے میں پھر اس نے کہا کہ میں حقیقی نبی ہوں، یعنی میرے اوپر شریعت کے احکام نازل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ میں ختم نبوت کے خلاف نہیں ہوں، میں اسی شریعت کو لیکر چلوں گا جو شریعت حضرت محمد ﷺ لیکر آئے۔ پھر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی پاک ﷺ کا وصال ہو گیا ہے تو نبوت جو ہے وہ ایک نعمت ہوتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کو نبوت جیسی نعمت سے محروم کر دے؟ اب وہ جو نبی پاک ﷺ مبعوث ہوئے تھے، اللہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان کو دو دفع مبعوث کر دیا جائے۔ ایک دفعہ تو چودہ سو سال پہلے مبعوث ہوئے تھے اور دوسری دفعہ میں انکی شکل میں مبعوث ہوا ہوں۔ یہ ساری چیزیں ذہن میں ہونی چاہیئے، جب وہ آپ سے گفتگو کرتے ہیں تو جس چیز میں ان کا زور چلتا ہے کہ مجدد مان لو، امام مہدی مان لو۔ آخر میں اس نے پاک پیغمبر ﷺ کی بھی توہین جو ہے اس نے شروع کر دی کہ میں ان سے بھی بڑا نبی ہوں۔ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ[1]۔

تو یہ بارہ درجات ہیں اس کے یعنی اس نے مجدد سے شروع کیا تھا اور یہاں تک وہ پہنچا تھا لیکن زیادہ تر ان کا جو فوکس ہوتا ہے وہ مسیح موعود پہ ہوتا ہے۔ وہ جو عیسیٰ علیہ السلام نے آنا تھا وہ میں آگیا ہوں۔ باقی جو سلسلہ ہے وہ بعد میں کرتے ہیں۔ اب اس آیت کا وہ سہارا لیتے ہیں۔اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں جب تمہیں وفات دوں گا۔وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ اور تمہیں میں اپنی طرف اٹھالوں گا، بلند کروں گا۔وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور یہ جو کفار تیرے اوپر تہمتیں لگاتے ہیں اس سے تمہیں پاک کر دوں گا۔وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔اور تیری اتباع کرنے والے، تیرے ماننے والوں کو قیامت تک کافروں پر فوقیت دیے

[1] سورۃ آل عمران:61

رکھوں گا۔ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ پھر تم سب میری طرف پلٹوں گے۔فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ اور پھر میں تمہارے درمیان فیصلہ کر دوں گا۔فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک یہودیوں کا عقیدہ ہے۔یہود یہ کہتے ہیں کہ ان کو صلیب پر چڑھا دیا گیا، انکی پھانسی ہوگئی اور ان کو دفن کر دیا گیا۔عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کو صلیب پر تو چڑھا گیا لیکن صلیب پر چڑھانے کے بعد انکو دفن نہیں کیا گیا بلکہ وہ پھر زندہ ہوئے اور ان کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔یہ عقائد جو ہیں انکو اپنے ذہن میں رکھنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ کیا ہے۔ہم مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا، اب وہ قرب قیامت پھر اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور یہ جن لوگوں نے ان کے خلاف سازش کی تھی یعنی یہودیوں نے، ان کے خلاف وہ جنگ کریں گے، اس زمین پہ نظام عدل جو ہے وہ قائم ہو گا اور پھر انکو طبعی موت آئے گی اور پھر انکو دفن کر دیا جائے گا۔ایک چوتھا عقیدہ ہمارے مسلمانوں کے اندر بھی موجود ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھایا ہے لیکن وفات کے بعد اٹھایا ہے۔تو یہ چار عقائد ہیں جو عیسیٰ علیہ السلا کے متعلق اس دنیا میں چل رہے ہیں۔

پہلے عقیدے کو تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہی رد کر دیا۔فرمایا مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ[1] نہ تو ان کو قتل کیا گیا اور نہ ان کو صلیب پہ چڑھایا گیا۔ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ بلکہ ہم نے ان کو شبہ میں ڈال دیا۔یہودیوں کو شبہ میں ڈال دیا۔ وہ جو لوگ ان کو گرفتار کرنے گئے تھے ان میں سے ایک شخص کی شکل جو ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنادی۔ آگے کیا فرمایاوَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ[2]۔ان کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا۔تو اس عقیدے کو قرآن نے سیدھا سیدھا condemn کر دیا۔نہ عیسیٰ علیہ السلام قتل ہوئے ہیں اور نہ صلیب پہ چڑھے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ یہودی جس کی شکل بنادی گئی وہ چینختا چلاتا بھی رہا کہ میں تو فلاں ہوں لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں تُو ہی عیسیٰ ہے اور اس کو صلیب پہ چڑھا دیا گیا۔کیونکہ یہ سازش یہودیوں نے کی تھی۔انہوں

---

[1] سورۃالنساء:157

[2] سورۃالنساء:158

نے بادشاہ وقت سے کہا تھا کہ یہ تیری حکومت پہ قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ لوگوں کو تیرے خلاف بہکاتا ہے اور بادشاہ نے صلیب پہ چڑھانے پہ فیصلہ کر لیا۔

لیکن اس سے جو پچھلی آیت ہے ناں، یہ جو آیت ہم سیکھ رہے ہیں سورۃ آل عمران کی، اس میں بڑی عجیب بات ہے۔ اللہ فرماتا ہےوَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ [1]۔ ایک یہودیوں نے خفیہ تدبیر کی اور ایک اللہ نے خفیہ تدبیر کی۔ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ اور اللہ بہترین خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔ پچھلی آیت یہ ہے اس کی۔ اب یہودیوں نے تو سوچا تھا کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پہ چڑھا دینگے۔ بھائی یہ مکر جو لفظ ہے ناں اس کا اردو اور عربی میں فرق ہے۔ کئی ہمارے دوست کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی مکر کیا اور اللہ نے بھی مکر کیا۔ تو یہ اردو والا مکر نہیں ہے۔ اردو والا مکر یہ ہے کہ جب آپ ظاہراً کسی کے ساتھ بہت اچھے ہوتے ہیں اور اندر سے آپ اس کو تکلیف پہنچانے کی سازش کرتے ہیں۔ اس کو نقصان پہنچانے کی سازش کرتے ہیں۔ اردو میں مکر اِسے کہتے ہیں۔ عربی میں مکر کہتے ہیں خفیہ تدبیر کو۔ وہ خفیہ تدبیر اگر اچھی ہے تو نیکی ہے اور اگر وہ خفیہ تدبیر بری ہے تو گناہ ہے۔ تو عربی زبان میں مکر جو ہے وہ خفیہ تدبیر کیلئے آتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ یہودیوں نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی کی۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ جو عیسیٰ علیہ السلام کا اپنا حواری تھا۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے سامنے بیچ دیا۔ انہوں نے کہا کہ اچھا اب ہمیں کیسے پتہ چلے؟ جس کمرے میں حواری اور عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ وہ اندر داخل ہوا، 19 لوگ تھے ٹوٹل۔ اس نے کہا کہ جب کمرے سے لوگ باہر نکلیں گے تو جس شخص کو میں استاذی المکرم کہوں گا وہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے اس کو پکڑ لینا۔ اب وہ جو میرے اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ ہم نے ان کو شبہ میں ڈال دیا۔ ہم نے شبیہ بنادی، ان کی صورت کوئی اور بنادی۔ وہ جو حواری تھا عیسیٰ علیہ السلام کا، اس کی شکل عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنادی۔ اب جب وہ باہر نکلا تو باقی حواری کہنے لگے کہ یہ ہمارے استاذ ہیں۔ اب اس کی شکل جو عیسیٰ علیہ السلام جیسی تھی۔

---

[1] سورۃ آل عمران:54

اب اس آیت میں اللہ نے فرمایا اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ۔ عربی زبان میں وفات کا جو معنیٰ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے پورا پورا لینا۔ میں تجھے یہودیوں کے ہاتھوں مرنے نہیں دوں گا بلکہ پورے کا پورا تجھے لے لوں گا۔ اس لیے جب کوئی بندہ مرتا ہے تو اس کے لیے لفظ فوت استعمال کرتے ہیں ہم۔ یعنی اس کو جو اللہ نے زندگی دی تھی وہ پوری کی پوری اس نے استعمال کرلی اور اب فرشتوں نے پوری کی پوری روح اس سے واپس لے لی۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا[1]۔ اللہ موت کے وقت پوری پوری جو جان ہے وہ واپس لے لیتا ہے۔ تو یہ قرآن کریم نے اور جگہوں پہ بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ اے عیسیٰ ہم تمہیں یہودیوں کے ہاتھوں مرنے نہیں دیں گے بلکہ پورے کا پورا تجھے اپنے پاس لے لیں گے۔ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ اور تمہیں اٹھالیں گے اپنی طرف۔ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور تجھے پاک کر دیں گے یہ جو الزامات کافر تیرے اوپر لگاتے ہیں۔ یہودیوں نے اصل بات یہ پھیلائی ہوئی تھی کہ عیسیٰ چونکہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو ان کے نسب پہ بہت بری باتیں وہ کرتے تھے۔ دوسرا وہ یہ کہتے تھے کہ صلیب پہ وہ شخص چڑھتا ہے، ہم تو وہ لفظ بھی استعمال نہیں کر سکتے لیکن بات آپ تک پہنچانی ہے، تو وہ کہتے تھے کہ لعنتی آدمی صلیب پہ چڑھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو تیرے نسب پہ بات کرتے ہیں اور تیری موت پہ بات کرتے ہیں تو ہم تجھے ان چیزوں سے تمہیں پاک کر دیں گے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ نے کام کب کیا؟ جب میرے اور تمہارے آقا و مولا سرکار مدینہ ﷺ تشریف لائے۔ سرکار نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا تذکرہ بھی پاکیزگی کیساتھ کیا اور آپ کا زندہ آسمانوں پہ اٹھایا جانا بھی بیان فرما دیا۔ وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ اور ہم بنادیں گے ان لوگوں کو جو تیری اتباع کرتے ہیں فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا کافروں کے اوپر برتری دیں گے اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت تک۔ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ یہ پانچ وعدے ہیں جو اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کیساتھ کیے۔

اب اس کا بھی دعویٰ یہ ہے کہ یہ مسیح موعود ہے، چونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے آنا تھا۔ یہاں پہ آپ سے ایک بات خصوصی طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مخلوق خدا جب اللہ کی نافرمانی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے دو طریقے ہیں جو قرآن کریم نے بیان فرمائے۔ ایک تو قوم نوح، اللہ کے نبی کا انکار کیا، عذاب آیا، قوم غرق کر دی گئی۔ قوم عاد،

[1] سورۃ الزمر:42

عذاب آیا، غرق کر دی گئی۔ قوم ثمود، عذاب آیا، ختم کر دی گئی۔ ایک تو یہ طریقہ ہے کہ جو اللہ رسول کی نافرمانی کرے نبی اپنی حجت مکمل کرتا ہے، دلائل دیتا ہے، نہیں مانتے تو ان پہ عذاب آجاتا ہے۔ لوط علیہ السلام کی قوم، یہ سارے تذکرے موجود ہیں قرآن میں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم نہیں مانتی تو اللہ تعالیٰ نبی کو حکم دیتا ہے کہ حجرت کر جاؤ۔ ڈائریکٹ عذاب نہیں آتا۔ ابراہیم علیہ السلام عراق سے حجرت کر کے شام گئے۔ موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت کر کے شام چلے گئے۔ میرے اور تمہارے آقا و مولا سرکار مدینہ ﷺ مکہ پاک سے ہجرت کر کے مدینہ شریف چلے گئے۔ تو دوسرا طریقہ اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتے ہیں کہ ہجرت کر جائیں۔ اور وہی نبی پھر اپنی پوری شان و شوکت کیساتھ آکر انکو تہس نہس کر دیتا ہے۔

یہاں یہ بات بڑی عجیب ہے کہ اس قوم پہ ظاہراً عذاب بھی نہیں آیا اور نبی کو زمین پہ ہجرت کا حکم بھی نہیں دیا گیا۔ بلکہ ہجرت بھی کروائی تو زمین سے آسمان کی طرف کروائی۔ یہ جو چوتھی بات ہے ناں کہ ہم تمہیں پھر لیکر آئیں گے فوقیت دیں گے۔ یہ بڑی حیرانگی والی بات تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام کیلئے یہ خصوصی معاملہ کیوں ہوا؟ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بھی عجیب ہوئی۔ انکا بچپن میں بولنا بھی عجیب تھا۔ اللہ نے قرآن کریم میں کسی نبی کا اس طرح تذکرہ نہیں کیا جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا کیا بلکہ اپنے محبوب ﷺ کی پیدائش کا ذکر بھی ایسے نہیں کیا جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا۔ اور صرف عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہی نہیں بلکہ ان کی ماں کی پیدائش کا بھی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کی نذر کا بھی اللہ نے ذکر کیا۔ یہ کسی نبی کو پروٹوکول اللہ نے نہیں دیا کہ مریم علیہ السلام کی ولادت کیسے ہوئی، انکی کفالت کس نے کی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کیسے ہوئی؟ کیسے انہوں نے دین کی تبلیغ کی؟ یہ مفسرین کرام بڑے حیران ہیں کہ اس طریقے سے مکمل ولادت کی تفصیل کسی نبی کی ہے تو وہ عیسیٰ علیہ السلام کی ہے قرآن کریم میں۔ یہ کیوں ہے؟ ایسا کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی ولادت تو ایسے بیان نہیں فرماتا۔ ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کو ایسے بیان نہیں کرتا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بھی نہیں کرتا۔

اس کی وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ نبی پاک ﷺ چونکہ خاتم النبین ہیں، نبوت میرے پیغمبر ﷺ پہ ختم ہو گئی۔ اب قیامت تک، چونکہ سرکار ﷺ فرماتے ہیں ناں وإني تارك فيكم الثقلين کہ میں تمہارے درمیان

دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جارہاہوں۔ اس میں پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے۔ اب یہ اہتمام میرے پاک پیغمبر ﷺ نے کیا کہ قیامت تک گمراہ لوگوں کی فہرست بھی دے دی اور جن سے تم نے ہدایت لینی ہے ان کی فہرست بھی دے دی۔ یہ میں بڑی اہم بات آپ سے کر رہاہوں چونکہ قیامت تک اب نبی کوئی نہیں آنا تو اس امت کو جن لوگوں نے گمراہ کرنا ہے ان کی نشانیاں بھی بتادی اور جن لوگوں سے تم نے ہدایت لینی ہے وہ بھی صاف صاف بتادی۔ تو گمراہی میں جو سب سے بڑی علامت تھی وہ دجال کی تھی۔ اس لیے دجال کی بھی پوری علامات بیان کی گئیں۔ اور اس کے مقابلے میں میرے پیغمبر ﷺ کے جس خلیفہ نے آنا تھا وہ عیسیٰ علیہ السلام تھے، انکی بھی نشانیاں پوری کی پوری بیان کی گئی۔ بھائی جس بندے نے میرے پیغمبر ﷺ کا خلیفہ بن کے آنا ہے اور دنیاوالے اس کو پہچان ہی نہ سکیں تو پھر وہ ہدایت کیسے لیں گے؟ اس کا ساتھ ہی نہ دے سکیں؟ عیسیٰ علیہ السلام نے میرے پیغمبر ﷺ کا خلیفہ بن کر آنا ہے۔ اس لیے آپ کو یہ دعائے ہدایت میں بھی بتادیا گیا تھا کہ تم نے ہدایت کس سے لینی ہے۔مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ[1]۔ ہاں میرے پیغمبر ﷺ نے کسی کو دھوکے میں نہیں رکھا صاف صاف بات بتائی ہےاِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ بھائی یہ فہرست کیوں بیان کی کہ تم نے نبیوں سے ہدایت لینی ہے، تم نے سچوں سے ہدایت لینی ہے، تم نے شہداء سے ہدایت لینی ہے اور تم نے اللہ کے ولیوں سے ہدایت لینی ہے، صالحین سے۔ بھائی کیا نبی سچے نہیں ہوتے؟ نبیوں سے بڑا شہید، گواہ کون ہوتا ہے؟ نبیوں سے بڑا صالح کون ہوتا ہے؟ پھر اتنا ہی کافی تھا کہ تم نبی کی ہدایت میں آجاؤ۔ لیکن چونکہ قیامت تک اس سلسلے کو آگے چلانا تھا تو فرمایا کہ گمراہ کرنے والے لوگ بھی آئیں گے۔ اس لیے کہاصِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ۔ یااللہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پہ چلا جن پہ تیراانعام ہوا اور ان لوگوں کے راستے سے بچا جن پہ تیرا غضب ہوا ہے، جو گمراہ ہوئے ہیں۔ تو چونکہ گمراہی میں سب سے بڑی علامت دجال تھی تو اس کی بھی علامتیں بیان کیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ایک ایک علامت بیان کر دی گئی۔ تاکہ جب وہ دنیامیں آئیں تو کسی کو شک نہ ہو۔

---

[1] سورۃ النساء:69

اسی لیے تو جب اس بدبخت نے جب اعلان کیا اور امت مسلمہ نے انکار کیوں کر دیا؟ ہم نے پہلی بات اس سے یہ کہی تھی کہ اوہ! بیو قوف پاک پیغمبر ﷺ کے جس خلیفہ نے آنا ہے وہ مریم کا بیٹا عیسیٰ ہے وہ گھسیٹی کا بیٹا نہیں ہے۔ مرزا کی اماں کا نام گھسیٹی ہے اور جس عیسیٰ نے میرے نبی کا خلیفہ بن کر آنا ہے وہ عیسیٰ ابن مریم ہے۔ پھر چونکہ احادیث میں یہ تھا کہ ان کو مینار پر فرشتے آکر اتاریں گے۔ پھر اس بدبخت نے کیا کیا کہ وہ مینار ربوہ میں اس نے تعمیر کروایا۔ ویسے یہ دنیا کا واحد بندہ ہے جس کی نبوت stepwise چلتی ہے، مجدد سے شروع ہو کر نبی تک آتی ہے۔ باقی تو نبی آتے ہیں اور ڈائیریکٹ آکر اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور دوسرا یہ وہ نبی ہے جس کی appointment سیالکوٹ کے ڈی سی نے کی تھی۔ اوہ بھائی باقی نبی تو اللہ کے ہوتے ہیں ناں۔ یہ میں چیدہ چیدہ باتیں آپ کو بتا رہا ہوں۔ پہلے پتہ ہے کس کو کہا گیا تھا نبوت کے دعوے کیلئے؟ پہلے سر سید احمد خان کو کہا گیا تھا۔ انڈین لائبریری میں ان سے ملاقات کی گئی تھی۔ تو سر سید نے انکار کر دیا تھا۔ اور بندے پھر select کیے گئے تو ان کا پھر ڈی سی نے انٹرویو کیا اور پھر ایک ڈی سی نے ایک نبی کی appointment کی۔

میں صرف آپ کو یہ بات بتانا چاہتا ہوں۔ میں یہ صرف خلاصہ عرض کر رہا ہوں اس کی ساری کتابوں کا تاکہ آپ کے ذہن میں ہو۔ ان سے بچنا ضروری کیوں ہے؟ پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ بڑی بات فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی بندہ ڈائیریکٹ نبی پاک ﷺ کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً میں درود پڑھتا ہوں اور نیکی کے کام کرتا ہوں اور اپنے نبی احکامات پہ عمل کرتا ہوں تو یہ indirect ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی میرے نبی کی direct خدمت کرنا چاہتا ہے وہ میرے نبی کی ختم نبوت کی بات کیا کرے۔ چونکہ یہ وردی ایک ہی ہے اس کائنات میں، ختم نبوت کی وردی اور کسی نبی کے پاس بھی نہیں ہے۔ اس وردی کی توہین برداشت نہیں ہو سکتی۔ اب آپ کو یہ بتانا ضروری تھا کہ عام لوگوں میں سے کسی کے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ یار وہ بھی تو کلمہ ہی پڑھتے ہیں ناں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی پڑھتے ہیں۔ نماز بھی پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اور اگر ان کو اجازت ملے تو حج کیلئے بھی چلے جاتے ہیں۔ عام لوگوں کو یہ پریشانی ہو جاتی ہے۔ اب ذرا غور سے سننی ہے یہ بات جو میں بتانے لگا ہوں۔ میرا اور ایک ہندو کا فرق کیا ہے؟ ہندو کا عقیدہ کیا ہے کہ یہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والا مسلمان ہے۔ ہندو مجھے ایک مسلمان سمجھتا ہے

کہ یہ اللہ کی توحید کا اقرار کرتا ہے اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا ہے اس لیے یہ مسلمان ہے اور میں اپنے اوتاروں کو مانتا ہوں اور اپنی ویدوں کو مانتا ہوں اور میں ہندو ہوں۔ ہندو کو یہ پتہ ہے کہ یہ مسلمان ہے اور میں ہندو ہوں۔ عیسائی کو بھی یہ پتہ ہے۔ عام لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ عیسائیوں کیساتھ تو اٹھتے بیٹھتے ہیں، ہندوؤں کیساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں، سکھوں کیساتھ، تو ان کیساتھ قطع تعلقی کیوں؟ ان کیساتھ اتنی نفرت کیوں؟ اس بات کا پتہ ہونا چاہئے آپ کو۔ ایک عیسائی کو پتہ ہے کہ میں عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والا عیسائی ہوں اور یہ حضرت محمد ﷺ کو ماننے والا مسلمان ہے۔ ایک یہودی کو یہ پتہ ہے کہ یہ مسلمان ہے اور میں یہودی ہوں۔ سکھ کو بھی پتہ ہے۔ دنیا کے ہر کافر کو پتہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والا مسلمان ہے اور ہم مخالفین ہیں۔ لیکن ایک مرزائی پتہ کیا کہتا؟ وہ جو 12 سٹیپ میں نے اس کے بتائے تھے ناں کہ محمد ﷺ دوبارہ مبعوث ہوئے ہیں۔ اب جب وہ کلمہ پڑھتے ہیں ناں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو اس سے مراد اُن کا مرزا محمد رسول اللہ ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ۔

اب انکا نظریہ یہ ہے یہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، مرزا کا کلمہ پڑھ کر ہم مسلمان ہیں اور یہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، محمد بن عبد اللہ کا کلمہ پڑھنے والے کافر ہیں۔ آپ بڑے آرام سے ان کیساتھ، اوہ! یہ بھی تو کلمہ پڑھتے ہیں؟ آپ کو پتہ ہی نہیں کہ یہ کلمہ پڑھتے کیا ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم مرزا کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان ہیں اور یہ محمد ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے کافر ہیں۔ 1974ء کی اسمبلی میں جب ان کو کافر قرار دیا گیا تھا، وہاں آخری سوال پتہ ہے کیا ہوا تھا؟ بھائی جب ان کو کافر قرار دیا گیا تھا تو اسمبلی بھی پھنس گئی تھی۔ ان کیلئے اور چارہ ہی کوئی نہیں تھا۔ اس فیصلے کے بغیر چارہ ہی کوئی نہیں تھا ہماری اسمبلی کے پاس۔ جب اٹارنی جنرل نے مرزا ناصر سے یہ سوال کیا کہ جو شخص مرزا کو نبی نہ مانے، تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ تو مرزا ناصر نے کہا تھا کہ ہم اسے کافر سمجھتے ہیں۔ یہ کوئی ایسے ہی بات نہیں ہو گئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ جو ہمارے مرزا کو نبی نہیں مانتا، ہم اسے کافر سمجھتے ہیں۔ اب اسمبلی کے اندر جتنے بھی لوگ تھے، یا تو وہ مرزا کو مان کر مسلمان ہوتے یا پھر اسے کافر کہتے۔ یعنی اب ان کے پاس اور چارہ ہی کوئی نہیں تھا۔ اب اس کے آگے وہ کیا فیصلہ کرتے؟ مرزا ناصر نے تو اپنا فیصلہ سنا دیا اور یہ وہ فیصلہ کوئی آج سے نہیں سنا رہے تھے۔ پاکستان بنا، پہلا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان، یہاں آپ کے ڈسکہ کا رہنے والا تھا۔ قائد اعظمؒ 1948 کو

فوت ہوئے، دو جنازے ہوئے۔ پہلا، وہ جو انکا خاندانی مسلک تھا، اسماعیلی فرقہ، انہوں نے جنازہ علیحدہ پڑھا۔ پھر عام جو تھا مسلمانوں نے جنازہ پڑھا۔ تو وزیر خارجہ دونوں جنازوں میں کھڑا رہا، اس نے نماز نہیں پڑھی۔ یہ مرزائی تھا۔ تو صحافیوں نے پوچھا کہ تم نے بانیِ پاکستان کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا؟ تو یہ 1948 میں اس نے کہا تھا، اس نے کہا کہ یا تو ایک مسلمان نے کافر کا جنازہ نہیں پڑھا؟ یا ایک کافر نے مسلمان کا جنازہ نہیں پڑھا؟ تو یہ فکر اِن کی ابتدا سے تھی، وہ باقی تمام کلمہ پڑھنے والوں کو کافر کہتے تھے۔ اب جب اٹارنی جنرل نے یہ سوال کیا کہ جو مرزے کو نہ مانے تو تمہارا اس کے بارے میں کیا خیال ہے تو اس نے کہا کہ ہمارے نزدیک وہ کافر ہے۔ اب یا تو اسمبلی یہ کہتی ہے کہ یہ اسمبلی ساری کافر ہے اور یہ ملک سارا کافر ہے اور یا کہتی کہ مرزا کافر ہے؟ اب کوئی اور آپشن نہیں بچا تھا۔ باقی تو وہ تحریری طور پہ مل جاتی ہے، on the record جو نورانی صاحب کے دلائل تھے۔ تین چار دن چلتا رہا وہ سلسلہ۔ اس لیے یہ ذہن میں رکھنا کہ اب آپ جب بھی کسی مرزائی کے پاس بیٹھتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو کہتا ہے کہ میں مرزا کو ماننے والا مسلمان ہوں اور یہ محمد رسول اللہ ﷺ کو ماننے والا کافر ہے۔

اب یہ آخری بات ہے، اس پہ تفصیل سے بات کرنی تھی لیکن چلو جاتے جاتے، وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ یہ پانچ وعدے اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام سے کیے تھے۔ ہم یہودیوں کے ہاتھوں تمہیں مرنے نہیں دیں گے، آسمانوں پہ اٹھائیں گے، آپ کے اوپر یہ جو بہتان لگتے ہیں اس سے آپ کو بری کریں گے، یہ سارے معاملے ہو گئے۔ چوتھی بات یہ تھی کہ جو آپ کو ماننے والے ہیں ان کو قیامت تک ہم فوقیت دیں گے۔ اب یہاں یہ معاملہ اٹھتا تھا کہ اس وقت جو دنیا میں عیسائی ہیں ان کو فوقیت ہے۔ مسلمانوں تو وہ فوقیت ہی نہیں ہے۔ اس لیے یہ بتایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے احکامات پہ کوئی عمل نہ بھی کرے لیکن جو ان کو صرف نبی کہتا ہے، عقیدہ بھی رکھتا ہے اور انکو نبی کہتا بھی ہے، احکامات پہ عمل نہیں کرتا تو اس کی آخرت تو برباد ہو گئی لیکن دنیا میں صرف اتنا کہنے پہ بھی ہم ان کو فوقیت دیں گے۔ تو اصل جو متبع ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے وہ مسلمان ہیں۔ اس لیے یہودیوں نے جب بھی مسلمانوں سے جنگ کی ہے، شکست کھائی ہے۔ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں یروشلم فتح ہوا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں ہوا۔ یہ چونکہ اللہ نے فیصلہ کیا کہ جو اتباع کرے گا عیسیٰ کی اللہ اس

کو فوقیت دے گا۔ تو اس وقت عیسائی چونکہ ظاہراً عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں اور مسلمان ان کے احکامات کو بھی مانتے ہیں۔ عیسائی ان کے احکامات پہ عمل نہیں کرتے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے کیا فرمایا تھاوَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ[1]۔ میں تو اس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد وہ آئیں گے ان کا نام احمد ہے۔ انہوں نے چونکہ اس بات کو نہیں مانا لیکن ان کا نام احمد ہے۔ انہوں نے چونکہ اس بات کو نہیں مانا تو ان کی آخرت تو برباد ہو گئی لیکن دنیا میں انہوں نے جو وعدہ کیا تھا وہ آج تک پورا ہو رہا ہے۔

یہودی جو ہیں وہ اپنی حیثیت میں نہیں رہ سکتے یا تو امریکہ ان پہ ہاتھ رکھے یا روس ہاتھ رکھے یا فرانس ہاتھ رکھے۔ اپنی حیثیت میں وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ یروشلم میں ایک دیوار ہے اس کو دیوارِ گریہ کہتے ہیں۔ یہودی صبح اس کے پاس جا کر روتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں کہ ہمارا نجات دہندہ بھیج دے کہ یا اللہ دجال کو بھیج دے۔ دجال آئے گا تو ہم عیسائیوں اور مسلمانوں کو ماریں گے۔ وہ بھی اپنے طور پہ لگے ہوئے ہیں۔ ان دنوں میں نے کئی لوگوں سے سنا کہ وہ جی اسرائیل آ کر کشمیر میں بیٹھ گیا۔ یہ اللہ نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ یہ جو یہودی ہیں وہ ان لوگوں کے سامنے کبھی نہیں ٹھہر سکیں گا جو عیسیٰ کی اتباع کرتے ہیں۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں انکی اتباع کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ فوقیت دے گا۔

پانچویں بات یہ تھی ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاَحْکُمُ بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ سب جب لوٹ کر اللہ کے پاس آؤ گے تو اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا جس بات پر تم جھگڑا کرتے ہو۔ تو یہ قیامت والے دن بات پوری ہونی ہے۔ یہ میں نے خصوصی بات پہ میں نے کہ اگر وہ مسیح موعود پہ بات کریں تو ان کو کہو کہ بکواس نہ کرو کہ گھسیٹی کا بیٹا نہیں بلکہ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے آنا ہے۔ وہ میرے پیغمبر ﷺ کے خلیفہ نے آنا ہے۔ اس کو فرشتوں نے پکڑا ہوا ہو گا۔ پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا ان کے بال ایسے ہوں گے جیسے ان سے پانی ٹپک رہا ہو۔ سرخ و سفید رنگت ان کی ہو گی۔ ہر چیز میرے پیغمبر ﷺ نے ان کی بیان فرما دی ہے۔ قران کریم نے بیان فرما دیا ہے اور پھر وہ وقت آئے گا کہ جب اونٹ بھی چر رہا ہو گا اور سانپ اس کے قریب ہو گا لیکن اس کی جرات نہیں ہو گی کہ اس کو ڈس لے۔ نظامِ

[1] سورۃ الصف:6

عدل ایسا اس زمین پہ قائم ہو گا اور پھر اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو وفات دے گا۔ کیوں؟ یہ جو عیسائی کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا بیٹا تھا اور اس کو موت نہیں آسکتی، ان کے عقیدے کی بھی نفی کی گئی ہے۔ یہودیوں کے عقیدے کی بھی نفی کی گئی ہے اور عیسائیوں کے عقیدے کی بھی نفی کی گئی ہے مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ۔ نہ ان کو قتل کیا گیا اور نہ وہ صلیب پہ چڑھائے گئے۔ اللہ نے عیسائیوں کو بھی شبہ میں ڈال دیا اور یہودیوں کو بھی ڈال دیا۔ اور عقیدہ وہ جو میرے اور تمہارے آقا و مولا سرکار مدینہ ﷺ نے بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

33۔ اسلام میں شادی کا تصور

قرآن: وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا(8) اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا(9) سورة الدهر

ترجمہ: اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تمھیں خاص اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔

خاکہ:

1. بیوی جو اطاعت خداوندی میں شوہر کی مددگار
2. لڑکی سے ولی کی شادی کیلئے اجازت طلب کرنا
3. ظاہری مال و دولت دیکھ کر رشتہ کرنا کیسا ہے؟
4. حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مولا علی کرم اللہ وجہہ کو شادی کا تحفہ
5. نکاح کے لیے مرد کی ذمہ داریاں
6. اسلام میں بارات کا کوئی تصور نہیں
7. نکاح کا خطبہ اور روایات
8. بیوی کے لیے خاوند کا حکم والدین سے بڑھ کر
9. حسنین کریمین کا واقعہ
10. مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلانا

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

30 دسمبر کو چونکہ حضرت صاحب قبلہ کا وصال ہوا اور دن بھی پیر شریف کا تھا اور آج قاری صاحب نے بتایا سیدۃ النساء العالمین سیدہ فاطمۃ الزہرہ سلام اللہ علیہا کا یوم وصال بھی ہے۔ میں اس دن کو اس حوالے سے صرف جانتا ہوں کہ مَیں جب بن باجوہ ہائی سکول میں پڑھتا تھا تو رمضان شریف آتا۔ یہ چھٹی، ساتویں کی بات ہے، 1986، 87 کی تو عصر کے وقت حضرت صاحب مجھے سائیکل پہ بھیجتے تھے کہ کوئی شرینی وغیرہ لے آؤ، سیدہ پاک کا ختم شریف ہے۔ تو وہ تربیت جو ہے، ظاہر ہے 30، 40 سال کی، تو یہ credit تو سارا اُنہیں کو جاتا ہے۔ قیامت تک لوگوں نے، کائنات کی تمام عورتوں نے سیدہ پاک سے فیض حاصل کرنا ہے۔ زندگی گزارنے کے اصول سیکھنے ہیں۔ معاشرہ جو ہوتا ہے اس کا بنیادی یونٹ جو ہوتا ہے وہ میاں بیوی ہوتا ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت جب شادی کرتے ہیں تو اس سے ایک معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اس سے آگے پھر اولاد ہوتی ہے۔ آگے پھر پھوپھیاں ہیں، خالائیں ہیں، یہ سارے رشتے جو ہیں یہ اسی حوالے سے ہیں۔ اب یہ جو جوڑا تھا بنیادی۔ سرکار علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اور سیدۃ النساء العالمین، اس جوڑے نے جو صدیاں پیچھے گزر گئیں اور جو صدیاں آگے آئیں گی۔ مردوں کیلئے بھی مشعل راہ ہیں اور عورتوں کیلئے مشعل راہ ہیں۔ صرف ایک بات، شادی ہوگئی، ایک دن میرے سرکار پاک پیغمبر ﷺ نے مولا علی سے پوچھا، علی تُو نے فاطمہ کو بحثیت بیوی کیسا پایا؟ بڑا سوال ہے۔ حضرت علی کی بھی پرورش نبی پاک ﷺ نے خود کی ہے۔ فرمایا تُو نے فاطمہ کو بحثیت بیوی کیسا پایا؟ میں جب اس سیرت کو دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔ ایک جملہ سرکار مولا علی کا، کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے اللہ کی عبادت کرنے میں فاطمہ کو معاون پاتا ہوں۔ اپنے رب کی عبادت کرنے میں فاطمہ کو معاون پاتا ہوں۔ یہ ایک جملہ ہے اصل میں اس معاشرے کی تشکیل کیلئے کہ بیوی ہوتی ہی اس لیے ہے کہ وہ اطاعت خداوندی میں تمہاری مددگار ہو۔ عبادت میں تمہاری مدد کرے۔ صبح سے شام تک دونوں میاں بیوی یہی سوچیں کہ آج اطاعت میں کیا کمی رہ گئی؟ شاید کسی جمعہ پہ مَیں نے آپ سے یہ عرض کیا ہو کہ مَیں نکاح کے معاملے میں بھی جہاں جاتا ہوں تو یہی کہتا ہوں کہ ہمارے ہاں نکاح کا جو معاملہ ہوتا ہے وہ یہ ہوتا

ہے کہ آگے اولاد جو ہے وہ پیدا ہو گی، ہماری نسل آگے چلے گی، ہمیں دنیا کے وارث مل جائیں گے۔ ہماری جنسی ضروریات جو ہیں وہ پوری ہو جائیں گی۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ دونوں کام تو ایک مشرکہ عورت بھی کرتی ہے۔ ایک مشرکہ عورت جو ہے وہ بھی بچے پیدا کرتی ہے، تیری جنسی ضرورت پوری کرتی ہے۔وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ[1] قرآن کہتا ہے کہ مشرکہ سے شادی نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان والی ہو جائے۔ مَیں نے قرآن کی یہ آیت بڑی جگہ پہ سنائی، بڑی تقریریں کی لیکن جب میں نے سرکار مولا علی کا یہ جملہ پڑھا تو اس آیت کی تشریح جو تھی وہ واضح ہو گئی کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے فاطمہ کو رب کی عبادت کرنے میں بڑا معاون پایا۔ اس کا مطلب ہے کہ میرے لیے بیوی اس لیے نہیں ہوتی جو میں نے سوچا ہوا۔ بیوی اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں میری مدد کرے۔ میرے ساتھ تعاون کرے۔ اور پھر اس مومنہ عورت سے پیدا ہونے والی اولاد بھی اطاعت رسول ؐمیں تمہاری مددگار ہوتی ہے۔ پھر بات یہاں تک تو نہیں نہ رکے گی۔

اچھا اس دور کا جو سوشل سٹیٹس تھا۔ جیسا ہمارا ہے آج کل، یہی اس دور میں بھی تھا کہ حسب نسب دیکھا جاتا تھا۔ مال و دولت دیکھا جاتا تھا۔ یہی چیزیں تھی جو آج دیکھی جاتی ہیں۔ سیدہ پاک کے نکاح کیلئے بڑے صحابہ نے درخواست پیش کی۔ کلچر جو ہے وہ میں عرض کر رہا ہوں۔ ہمارے ہاں تو یہ بات بڑی معیوب سمجھی جائے گی کہ میرے پاس کوئی آکر میری بچی کا رشتہ مانگے۔ لیکن اس کلچر میں یہ بات نہیں تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درخواست پیش کی تھی کہ میں سیدہ فاطمہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور صحابہ کرام نے بھی درخواست پیش کی تھی۔ لیکن نبی پاک ﷺ نے اپنے اخلاق اور تدبر کیساتھ ہر کسی کو یہ بتادیا کہ یہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کرنا ہے۔ مختصر مَیں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ سرکار مولا علی کی شرم وحیاء کا، یہاں پر بھی یہ بات کرنا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ہمت بندھائی جب وہ اس کا پوچھنے کیلئے آئے۔ آنکھیں جھکا کر کہا کہ میں سیدہ پاک سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ ہم نے معاشرہ تشکیل کرنا ہے۔ اصل میں ہمیں پتہ نہیں کہ ہمارا دین ہمیں بتاتا کیا ہے۔ ولی جو گھر کا سربراہ ہے وہ بیٹی کی شادی کر سکتا ہے۔ اس کو اجازت ہے۔ اختیار ہے پاک پیغمبر ﷺ کے پاس، لیکن فرمایا

---

[1] سورۃ البقرۃ:221

کہ علی میں فاطمہ سے پوچھ کے بتاؤں گا۔ میں فاطمہ سے اجازت لے لوں۔ یہ ہماری طرح نہیں ہے کہ بارات گھر آکر بیٹھ جائے اور مولوی صاحب جاتے ہیں اجازت لینے۔ بچی سے یا بچے سے یہ جب رشتہ طے ہونا ہے تو اس سے پہلے اس سے پوچھنا ہے کہ وہ اس رشتہ سے راضی ہے کہ نہیں۔ یہ ہے سنت پاک پیغمبر ﷺ کی۔ سیدہ پاک خاموش رہیں۔ یہیں سے ہی فقہاء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر آپ بیٹی سے پوچھیں اور بیٹی خاموش رہے تو وہ رضا ہوتی ہے۔ نکاح کے معاملے میں وہ رضا ہوتی ہے۔ اس کو ہاں ہی تسلیم کیا جائے گا یہ سیدہ فاطمہ کی سنت ہے خاموش رہنا۔

پاک پیغمبر ﷺ نے آکر پوچھا کہ علی تیرے پاس حق مہر کیلئے کچھ ہے۔ کہنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کو تو پتہ ہے کہ میں فقیر آدمی ہوں۔ ایک گھوڑا ہے، ایک تلوار ہے اور ایک زرہ ہے۔ یہی کل کائنات ہے۔ یہ میں بتانا اس لیے چاہتا ہوں کہ اس دور میں بھی نبی پاک ﷺ نے مال و دولت کا status نہیں دیکھا۔ یہ نہیں دیکھا کہ مال و دولت جس کے پاس ہے میں بیٹی کی شادی اس سے کروں۔ یقین جانیے یہ جملہ تو، آجکل طلاقوں کے مسئلے بہت زیادہ ہیں تو میں ان لوگوں کو یہ بتاتا ہوں کہ میرے پاک پیغمبر ﷺ اس وقت فرما گئے تھے۔ جس نے صرف مال و دولت اور عہدہ دیکھ کر اپنی بیٹی کا نکاح کیا کہ فلاں بندے کے پاس پیسے بڑے ہیں یا فلاں بندہ کوئی افسر لگا ہوا ہے۔ حالانکہ وہ شرابی ہے، اللہ کا نافرمان ہے۔ کسی شرابی سے آپ اپنی بیٹی کا نکاح اس لیے کر دیتے ہیں کہ اس کے پاس دولت ہے اور منصب ہے۔ اس شخص نے اپنی بیٹی کو قتل کر دیا۔ آج ہر جگہ طلاقوں کی شرح کیوں زیادہ ہے؟ بھائی جب آپ نے نکاح کا فیصلہ کیا تھا تو آپ نے دیکھا تھا کہ میرے پیغمبر ﷺ نے اپنی بیٹی کے نکاح کیلئے کیا کچھ دیکھا تھا؟ کیا آپ نے غور و فکر کیا تھا کہ مولا علی کے پاس کیا کچھ تھا اس وقت؟ کہا یارسول اللہ ﷺ میرے پاس تو یہ تینوں چیزیں ہیں۔ فرمایا تم بہادر آدمی ہو، گھوڑے کی اور تلوار کی تو ظاہر ہے ضرورت ہے۔ جہاد کیلئے بھی جانا ہوتا ہے۔ یہ مدینہ شریف آکر نکاح ہوا ہے۔ میں پورا scenario آپ کو بتادوں۔ جنگوں کا سلسلہ جو ہے وہ شروع ہو گیا۔ فرمایا اس کی تو ضرورت، تو تم بہادر آدمی ہو تو یہ زرہ جو ہے، یہ لوہے کا لباس جو ہے اس کی اتنی ضرورت نہیں تو یہ فروخت کر لو۔ تو مولا علی سرکار بازار گئے فروخت کرنے کیلئے۔

اگلے دن ایک جگہ گفتگو ہو رہی تھی تو بات صحابہ کے متعلق چل نکلی۔ تو عالم آدمی تھا پڑھا لکھا تھا۔ تو مَیں نے اس سے کہا کہ سیدہ پاک کے نکاح کا ہی صرف واقعہ بیان کر دو تو سارے ہی فرقے ختم ہو جائیں۔ صرف ایک نکاح اصلی بیان کر دو تو یہ فرقوں والا معاملہ ختم ہو جائے۔ اب اس نے بیان شروع کیا۔ جب بیان شروع کیا تو یہاں تک پہنچاناں جب کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ زرہ فروخت کر لو تو حضرت علی بازار میں گئے اور زرہ 400 درہم کی فروخت کر کے آ گئے اور آ کر نبی پاک ﷺ کو 400 درہم دے دیے۔ میں نے کہا یہی خیانت اور بددیانتی ہے کہ جب آپ پوری بات نہیں کرتے۔ زرہ کی قیمت زیادہ نہیں لگ رہی تھی۔ کسی نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ علی کو نکاح کیلئے پیسوں کی ضرورت ہے۔ وہ زرہ جس کے دس، بیس اور پچاس درہم لگ رہے تھے۔ اس کو چار سو درہم میں حضرت عثمان غنی نے خریدا تھا۔ اگر اتنی سے بات بھی بتا دیتے تو یہ شیعہ سنی کا رولا ختم ہو جاتا۔ لیکن تم نے وہ حضرت عثمان کی شان بیان نہیں کرنی تھی۔ پتہ چل جاتا کہ کیا معاملہ ہوا ہے۔ تو بس یہ حرکت کرتے ہیں کہ درمیان سے یہ چیزیں چھوڑ جاتے ہیں۔ سرکار عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے وہ ذرہ 400 درہم میں خریدی۔ خریدنا مقصد نہیں تھا۔ سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو شادی کیلئے پیسے فراہم کرنے تھے۔ اس لیے کہ حضرت عثمان نے وہ زرہ رکھی نہیں اپنے پاس۔ آپ جب کسی کے گھر شادی پہ جاتے ہیں تو دلہا اور دلہن کو تحفے تو دیتے ہیں ناں۔ تو حضرت عثمان غنی نے شادی پہ حضرت علی کو وہ زرہ تحفہ میں دے دی تھی۔ یعنی زرہ رکھی نہیں۔

400 درہم لیکر سرکار مولا کائنات نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ یہ جو آپ کہتے ہیں ناں جہیز۔ اس کو جہیز نہیں کہنا۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ نے اپنی طرف سے کوئی چیز خرید کے نہیں دی تھی۔ یہ بات جاننا بہت ضروری ہے۔ اس لعنت میں ہم مبتلا ہیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ معاشرے کو وہ awareness نہیں، آگاہی نہیں۔ پہلے تو ہم یہ کوشش کر رہے ہیں کہ ماں باپ کی طرف سے کوئی چیز نہیں دینی بیٹی کو۔ لیکن ہمارا چونکہ ہندوانہ معاشرہ تھا۔ ہندو چونکہ وراثت میں حصہ نہیں دیتے تھے بچی کو۔ اس کا انہوں نے یہ نکالا ہوا تھا کہ تھوڑا سا جہیز دیکر ان کو فارغ کر دو کہ وہ پھر وراثت میں حصہ نہ مانگیں۔ اسلام نے بیٹی کا وراثت میں حصہ رکھا۔ تو یہ جو بیس پچیس برتن، چار تکیے، ایک مشکیزہ، ایک گلاس اور ایک وہ چمڑے کا گدا اور ایک نیچے بچھانے والا اور ایک چکی۔ یہ جو چیزیں

ہیں یہ وہ 400 درہم سے خریدی گئی تھی جو حضرت علی لیکر آئے تھے۔ تو یہ بتایا گیا ہے کہ بچی کیلئے جس بندے نے نکاح کرنا ہے اس کے گھر کی ساری ضروریات مرد نے پوری کرنی ہیں۔ یہ جو جہیز لفظ ہے ناں۔ جہیز، تجہیز اس سے نکلا ہے۔ جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں تجہیز و تکفین۔ تو تجہیز جو ہوتی ہے اس کا معنیٰ ہوتا ہے تیاری کرنا۔ یعنی مردے کو دفنانے کیلئے، آپ غسل دیتے ہیں، قبر نکالتے ہیں، جو بھی کام ہیں، اس تیاری کو تجہیز کہتے ہیں۔ تو جہیز کا مطلب ہے تیاری لیکن اس میں نان، نفقہ اور سکنہ یہ مرد کے ذمہ ہے۔ اسلیے آج کے بعد یہ نہیں کہنا کہ نبی پاک ﷺ نے بھی تو اپنی بیٹی کو جہیز دیا تھا چاہے تھوڑا دیا تھا۔ اس 400 درہم میں سے خریدا گیا تھا۔

نکاح بڑی سادگی کیساتھ ہوا۔ اسلام میں بارات کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہ جو ہم بڑی بڑی باراتیں لیکر آجاتے ہیں ناں۔ اسلام میں اس کو کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلام میں تصور صرف ولیمہ کا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ولیمہ کرنا ہے چاہے ایک بکری کا کرو[1]۔ مَیں جب یہ بات مختلف جگہوں پہ بیان کرتا ہوں تو وہاں میں یہ کہتا ہوں کہ میرے ساتھ بھی یہی پرابلم ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ۔ بھائی یہ معاشرتی مسئلہ ہے۔ پہلے awareness دو۔ کام کو اگر کرتے بھی ہو تو غلط سمجھ کر کرو۔ بارات منگوائی ہے تو سمجھو یہ غلط ہے۔ ذہن میں پہلے یہ تو تصور ہو کہ یہ میں یہ کام غلط کر رہا ہوں۔ جہیز دے رہا ہوں تو اس کو غلط سمجھو۔ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا کہ تم نمائش نہیں کرو گے۔ کم از کم تم نمائش سے تو بچ جاؤ گے۔ شیخیاں نہیں بکھیرو گے۔

ایک بڑی اہم بات نکاح کی، نکاح کا خطبہ نبی پاک ﷺ نے پڑھایا، اللہ کی حمد و ثناء اور قرآن کی آیات پڑھیں اور آخر میں، یہ ہمارے ہاں نہیں ہوتا۔ آخر میں سرکار مولا علی کے اوصاف بیان کیے حضرت فاطمہ کے سامنے۔ یہ پتہ ہے ناں فاطمة بضعة مني کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے[2]۔ آیۃ تطہیر کی وارثہ ہیں۔ طیبہ، طاہرہ ہیں۔ خاتون جنت ہیں۔ دونوں جہانوں کی ملکہ ہیں۔ ان کے سامنے سرکار مولا علی کے اوصاف بیان کیے۔ ان کا صبر، ان کا

---

[1] سنن ابن ماجہ: 1907

[2] صحیح بخاری: 3714

ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا ہم سے ابن عیینہ نے بیان کیا، ان سے عمرو بن دینار نے ان سے ابن ابی ملیکہ نے ان سے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، اس لیے جس نے اسے ناحق ناراض کیا، اس نے مجھے ناراض کیا۔

شکر، انکی شجاعت، انکا تقویٰ، انکا اخلاص۔ آج جب میں نکاح پڑھاؤں تو میں اس دلہن کے سامنے اس دولہے کے کیا اوصاف بیان کروں؟ کیا بتاؤں اس کو کہ یہ جو دولہا آیا ہے یہ شراب پیتا ہے؟ یہ نماز نہیں پڑھتا۔ اس کو خدا کے حکم کی کوئی حیاء نہیں۔ یہ خطبہ کا حصہ ہے لیکن اس کو خطبہ سے نکال دیا ہم نے کہ دونوں کو اکٹھے بٹھانا۔ نکاح کیلئے ضروری ہے کہ مجلس ایک ہو۔ دولہا اور دلہن کو اکٹھا بٹھائیں اور یہ خطبہ نکاح ان کے سامنے پڑھیں۔ پھر اس بچی کے سامنے مرد کے اوصاف بیان کریں۔ اب جو روایت تھی بنی ہاشم تلواریں لیکر کھڑے تھے سواریوں پہ، اونٹوں پہ اور نبی پاک ﷺ نے رخصتی کے وقت دونوں کو اکٹھے بٹھایا اور فرمایا کہ گھر کے سارے معاملات فاطمہ کے ذمہ ہونگے اور باہر کے سارے معاملات علی کے ذمہ ہونگے۔ اگر کبھی علی تھکا ہارا باہر سے آئے گا تو اونٹنی کو چارہ ڈالنا ہو گا تو فاطمہ تعاون کرے گی۔ یہ نہیں کہے گی کہ باہر کام میں نے کام نہیں کرنا اور اگر فاطمہ کو ضرورت پڑے گی تو علی گھر کے کام میں اس کے ساتھ تعاون کرے گا۔ یعنی میں صرف آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے نبی نے معاشرہ کیسا بنایا ہے۔ ہمارے ہاں یہ بتایا جاتا ہے کہ ہم نے مہندی پہ اتنا خرچ کرنا ہے، فلاں دن اتنا خرچ کرنا، سوٹ کونسے چار دن پہننے ہیں۔ آگے زندگی کیسے گزارنی ہے، یہ کوئی نہیں۔

میں تو اس گھر کی سادگی کہ جس گھر کے دروازے پہ جبریل اجازت کیلئے کھڑا ہوتا تھا۔ وہ جو نیچے بچھانے والا تھا ناں، وہ جو کھال جو اونٹ کی دی گئی تھی۔ ایک طرف سے تو وہ رف ہوتی ہے اور دوسری طرف سے چمڑا ملائم۔ تو مولا علی سرکار جب کبھی باہر سے تھکے ہارے آتے تھے تو سیدہ پاک اسی چٹائی کو باہر نکالتی اور اس کو الٹا کر کے اس پہ اونٹنی کو چارہ ڈال دیا کرتیں تھی اور رات کو اسی کو الٹا کر کے اس پہ سولیا کرتیں تھی۔ کیوں؟ یہ بتایا ہے کہ تم جتنی ہی اپنی ضرورتوں کو مختصر کرو گے اتنی ہی زندگی اچھی گزارو گے۔ اور جتنی تمہاری ضرورتیں بڑھتی جائیں گی تمہاری زندگی مشکل ہوتی جائے گی۔ اب یہ نہیں ہے کہ سرکار نے فرمادیا کہ فاطمہ نے گھر کے کام کرنے ہیں تو باہر کی اسکی ذمہ داری ختم۔ نہیں، اگر خاوند کو ضرورت ہے باہر کے کام میں تو وہ بھی کرے گی۔ بھائی اگر حضرت علی موجود نہیں ہیں تو سیدہ فاطمہ مشکیزہ لیکر پانی لینے چلی جاتیں۔ اور پھر کیا نصیحت فرمائی۔ بیٹی کو کیا بتایا؟ اب خاوند کا حکم ماں باپ کے حکم سے بڑا ہے۔ اب یہ نہیں ہے کہ تُو علی کی اجازت کے بغیر کہیں چلی جائے۔ خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے

باہر قدم نہیں رکھنا۔ پھر اس دن فرشتے بھی عش عش کر اُٹھے تھے۔ میرے پیغمبر اپنی بیٹی کو لینے کیلئے گئے۔ سرکار گئے اور جاکر فرمایا کہ فاطمہ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ سیدہ پاک عرض کرتی ہیں کہ یہ نبی کا حکم ہے یا باپ کا حکم ہے؟ کیوں؟ نبی کا حکم تو پھر ماں باپ کے حکم سے بڑا ہے ناں۔ اگر نبی کا حکم ہے تو ابھی چلی جاتی ہوں۔ سرکار نے فرمایا کہ باپ کا حکم ہے۔ سیدہ پاک نے پھر اُسی وقت کہا کہ اگر باپ کا حکم ہے تو پھر علی گھر پہ نہیں ہے۔ جب تک علی آکر اجازت نہیں دینگے میں نہیں جاسکتی۔ ان گھروں میں کھانے کو کچھ بھی نہ ہو، وہ گھر جنت ہوتے ہیں۔ کبھی سیرت کی کتاب میں یہ واقعہ پڑھیں، سرکار آلتی پالی مار کے نیچے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب سرکار مولا علی تشریف لائے، یارسول اللہ ﷺ آپ نیچے صحن میں بیٹھے ہوئے۔ فرمایا میں فاطمہ کو لینے آیا تھا۔ فرمایا یارسول اللہ ﷺ آپ کی بیٹی ہے لے جائیں۔ فرمایا وہ مان نہیں رہی۔ وہ کہہ رہی ہے کہ علی اجازت دے گا تو میں جاؤں گی۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جن کو ہم نے یہ کہہ کر گھر سے رخصت کیا ہے؟ مرد پر سب سے زیادہ حق اس کے ماں باپ کا ہے اور بیوی پر سب سے زیادہ حق اس کے خاوند کا ہے۔

تو یہ جو معاشرے کا بنیادی یونٹ ہے۔ اس بنیادی یونٹ کو نبی پاک ﷺ نے اتنا مضبوط کیا کہ جہاں سے میں نے بات شروع کی تھی کہ علی تُو نے فاطمہ کو بحثیت بیوی کیسا پایا؟ یارسول اللہ ﷺ ، اللہ کی عبادت کرنے میں فاطمہ کو بڑا معاون پایا ہے۔ میری مددگار ہے۔ تعاون کرتی ہے میرے ساتھ۔ یہ تعاون نہ ہو تو بندہ نیکی صحیح طریقے سے کر بھی نہیں سکتا۔ یہ سورۃ دھر کی جو میں نے آیت تلاوت کی تھی، یہ اسی خانوادے کیلئے اتری تھی۔ نذر مانی تھی۔ حسنین کریمین بیمار ہو گئے۔ اگر ان کو اللہ شفاء دے گا تو ہم تین روزے رکھیں گے۔ اللہ نے شفاء دی۔ نذر پوری کرنا تھی۔ روزہ رکھا۔ افطاری کیلئے جو بھی کوئی سامان تھا، سامنے رکھا ہوا۔ دروزے پہ دستک ہوئی۔ میں ایک مسکین ہوں، بڑے دنوں سے بھوکا ہوں۔ مولا علی سرکار نے وہ سارا کھانا اٹھایا اور اس مسکین کو دے دیا۔ خود پانی سے افطاری کی۔ اب اگر بیوی تعاون نہ کرے تو کیا علی کھانا دے سکتا؟ اگر بیوی کہے کہ میں اِدھر بھوکی مر چلی ہوں اور تم مسکینوں کو دے رہے ہو۔ نہیں نہ ہو سکتا؟۔ اگر بچے تعاون نہ کریں تو بندہ نیکی کیسے ایسے کر سکتا؟ حسنین کریمین نے بھی نہیں روکا ناں۔ اللہ کے امتحان، آزمائشیں پھر بڑے لوگوں کی بڑی ہوتی ہیں۔ اگلا دن ہوا، اب جسم

بھی نڈھال ہے، ظاہر ہے کل کھانا نہیں کھایا۔ آج جو کھانے کو موجود ہے وہ آگے رکھا۔ تو دروزازے پہ دستک ہوئی کہ میں یتیم ہوں بڑے دنوں سے بھوکا ہوں۔ مولا علی نے پھر وہ کھانا اٹھایا اور اس کو دے دیا۔ اب اگر وہ جملہ آپ کو سمجھ آجائے کہ فاطمہ، رب کی عبادت میں میری بڑی معاون ہے۔ بڑا تعاون کرتی ہے۔ تیسرے دن تو جسم جواب دے گیا اور اس حالت میں دروازے پہ دستک ہوئی کہ میں ایک قیدی ہوں۔

میں نے جب حضور غوث پاک کی بھی سیرت پڑھی تھی تو میں بڑا حیران ہوا تھا کہ جب آپ گیارھویں شریف کا ماہانہ پروگرام کرتے تھے۔ تو کچھ دیگیں آپ جیل میں قیدیوں کیلئے بھیجا کرتے تھے۔ ہمارے ہاں یہ رواج نہیں ہے۔ لیکن قرآن نے یہ تینوں باتیں کی۔ وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا[1] وہ کھانا دیتے ہیں، کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں۔ کبھی مسکین کو، کبھی یتیم کو، کبھی قیدی کو۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا[2]۔ یہ سورۃ دھر کی آیات آپ کو سنا رہا ہوں۔ کیسے کر لیتے ہیں یہ؟ بچے بھوکے ہوں، بیوی بھوکی ہو۔ کیسے کر لیتے ہیں یہ کہ کھانا اٹھا کر مسکین کو دے دیا۔ یتیم کو دے دیتے ہیں۔ قیدی کو دے دیتے ہیں۔ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا۔ وہ تو اپنے رب کیلئے کرتے ہیں۔ اسکی محبت میں کرتے ہیں۔ دل میں کبھی خیال بھی نہیں آیا کہ مجھے کوئی جزاء دے یا ہمارا کوئی شکریہ ہی ادا کرے۔ وہ تو دل میں یہ بھی نہیں سوچتے کہ یہ جو ہم نے نیکی کی ہے، اگلا ہمارا شکریہ ادا کرے۔ اس کو بھی برداشت نہیں کرتے۔ کسی سے جزا لینا تو بڑی دور کی بات ہے۔ تو یہ ہستیاں قیامت تک ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ ہم ان سے نہیں استفادہ کرتے تو ہماری مرضی ہے۔ حضرت صاحب قبلہ کو اہل بیت اطہار سے خاص محبت تھی، پیار تھا اور وہی چیز انہوں نے ہمارے اندر بھی منتقل کی۔ روزے کی حالت میں مَیں اتنا ہی بیان کر سکتا تھا۔ اللہ آپ سب کی حاضری قبول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] سورۃ الدھر:8

[2] سورۃ الدھر:9

34۔ ہر بوجھ اٹھانے والا اپنا بوجھ اٹھائے گا

قرآن: اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی(33) وَ اَعْطٰی قَلِیْلًا وَّ اَكْدٰی(34) اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَیْبِ فَهُوَ یَرٰی(35) اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی(36) وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی(37) اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی(38)
سورة النجم

ترجمہ: "تو کیا تم نے دیکھا جو پھر گیا اور کچھ تھوڑا سا دیا اور روک رکھا۔ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے تو وہ دیکھ رہا ہے۔ کیا اُسے اس کی خبر نہ آئی جو صحیفوں میں ہے موسیٰ کے اور ابراہیم کے جو احکام پورے بجالایا۔ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتی۔"

خاکہ:

1. ہر نفس نے اپنا بوجھ خود اٹھانا ہے
2. حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ
3. استثنٰی کیا ہوتا ہے؟
4. ناجائز مال کمانا اور اولاد کیلئے چھوڑ جانا
5. اللہ اور رسول کے حکموں کی نافرمانی پر نہ روکنا
6. اللہ جب امتحان لیتا ہے تو مچھلیاں زیادہ آتی ہیں
7. یہ کبھی نہیں کہنا کہ جو جہاں لگا ہے لگا رہے۔
8. اللہ، رسول کو ناراض کرنا کہ لوگوں کو خوش کرنا
9. نیک بندے کو پہلے عذاب دینا
10. استطاعت کے مطابق نہی عن المنکر کرنا

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

مشرکین مکہ کے نبی پاک ﷺ کیساتھ مخالفت کے مختلف انداز تھے۔ اس میں ایک طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص نبی پاک ﷺ کو ملنے کیلئے آتا تو وہ اس سے پوچھتے کہ کہاں جا رہا ہے؟ تو وہ کہتا کہ میں نے سنا ہے یہاں اللہ کے رسول آئے ہیں۔ ان سے ملاقات کیلئے جا رہا ہوں اور انکی کچھ خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ تو وہ کہتے کہ اچھا ایسا کرو کہ تم یہاں سے واپس چلے جاؤ اور اگر تمہیں بوجھ اٹھانے کا مسئلہ ہے تو تمہارا بوجھ ہم اٹھالینگے۔ تو یہ حرکت بھی وہ کرتے تھے لوگوں سے کہتے تھے کہ تمہارے بوجھ ہم اٹھالینگے تم پریشان نہ ہونا۔ ہم بھی ابراہیم کی اولاد ہیں کوئی چھوٹے موٹے لوگ تو نہیں ہے ناں۔ بھائی مکہ والوں کو یہ بھی فخر تھا کہ ہم اولادِ ابراہیم ہیں اور کعبہ کے متولی ہیں۔ تو یہ تھوڑا سیاق و سباق ان آیات کا۔ اللہ فرماتا ہے اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی۔ اے نبی ﷺ! آپ نے دیکھا اس شخص کو جو پلٹ گیا۔ اس پہ کافی لوگ ہیں جن کے نام ملتے ہیں۔ وَ اَعْطٰی قَلِیْلًا وَّ اَکْدٰی اگر اس نے اللہ کی راہ میں خرچ بھی کیا تو تھوڑا سا کیا۔ یہ جو پلٹنے والے لوگ ہیں ناں، انکی باتیں اللہ بیان کر رہا ہے کہ ان کو مال بڑا پیارا ہوتا ہے۔ تو یہ تو پھر اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ جس کو اللہ سے محبت ہے وہ مال کتنا خرچ کرتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ خرچ کرتے ہیں لیکن بہت تھوڑا سا کرتے ہیں۔ تو ان آیات کو بیان کرنے کے بعد کہ یہ چیزیں موسیٰ علیہ السلام کے صحائف میں بھی انہوں نے پڑھی ہیں وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی جو بڑے وفادار تھے۔ آج جو ہمارا موضوع ہے، اللہ نے یہ ساری چیزیں بیان کرنے کے بعد فرمایا اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ کسی شخص نے بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھانا۔ یہ میں نے سارا سیاق و سباق اس لیے بیان کیا ہے کہ وہ جو مشرکین کہتے تھے ناں کہ تم چھوڑ دو نبی پاک ﷺ کو تمہارا بوجھ ہم اٹھالیں گے۔ تو میرا اللہ فرماتا ہے کہ کسی نے بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھانا۔ ہر نفس نے اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا ہے۔

ایک اس کی تفسیر جو مفسرین نے بیان فرمائی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تک جتنے بھی انبیاء گزرے ہیں وہاں تک یہ قانون نہیں تھا۔ چونکہ پچھلی جو آیت ہے وہ ہے وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی۔ آگے یہ آیت ہے اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

اُخۡرٰی۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی تو اس کے بعد یہ قانون اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ قانون عطا کر دیا۔ معروف واقعہ آپ نے سنا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ راتوں کو اٹھ کر اپنی رعایا کی خبر گیری کیا کرتے تھے، کوئی بھوکا تو نہیں سو گیا، کوئی ضرورتمند تو نہیں ہے۔ تو شہر سے باہر ایک خیمہ دیکھا، وہاں بچے رو رہے تھے۔ وہاں جا کر بیٹھ گئے اور پوچھا تو پتہ چلا کہ کئی دنوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا تو اس لیے رو رہے ہیں۔ سرکار عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے لیے جب آٹا، چینی اور گھی وغیرہ لینے کیلئے آئے تو آپ کے غلام نے کہا کہ میں یہ سب کچھ اٹھا لیتا ہوں، آپ امیر المومنین ہیں۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی یہی آیت پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ آج تُو میرا بوجھ اُٹھا رہا ہے، کل قیامت والے دن بھی اٹھا لے گا؟ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخۡرٰی کل قیامت کے دن تو کسی نے بھی کسی کا بوجھ نہیں اٹھانا۔

آج جو ہم نے بات کرنی ہے وہ اسکی دو استثناء پہ بات کرنی ہے۔ یہ نہیں باپ چوری کرے گا تو بیٹے کو سزا دے دی جائے گی۔ بیٹی غلطی کرے گی تو ماں کو پکڑ لیا جائے گا۔ چچا غلطی کرے گا تو بھتیجے کو پکڑ لیا جائے گا۔ ماموں کرے گا تو بھانجے کو پکڑ لیا جائے گا۔ نہیں۔ جس نے جرم کیا ہے سزا اسی کو ملے گی۔ اسی نے اس کا بوجھ اٹھانا ہے۔ ہمارے ہاں تو اسلامی قوانین نہیں ہیں، اس لیے تو پرچہ کسی پہ ہو تو اٹھا کسی کو لیتے ہیں۔ اسلامی مملکت ہو تو وہاں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ جس نے کوئی جرم کیا نہیں ہوتا تو اس کو کوئی پکڑنے کیلئے نہیں آتا۔ کیونکہ یہ اللہ نے قانون بیان فرما دیا ہے۔ اس قانون میں دو استثناء ہیں جو آج ہم نے بیان کرنے ہیں۔ قانون بن گیا اللہ کا یہ عام قانون ہے۔ استثناء یہ ہوتا ہے کہ جہاں پہ قانون لاگو نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ نے نماز پڑھنی ہے تو نماز میں قیام جو ہے، کھڑا ہونا یہ فرض ہے۔ قانون یہی ہے کہ آپ نے تکبیرِ تحریمہ کے بعد قیام کرنا ہے۔ قیام فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہو گی لیکن اس میں استثناء کیا ہے کہ اگر آپ کی ٹانگ زخمی ہے اور آپ کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ کے پڑھ لیں۔ یہ قانون میں استثناء ہے کہ جو کوئی مجبور ہو گا اس پہ قانون نہیں لاگو ہو گا۔ روزہ آپ پہ فرض ہے لیکن اگر آپ بیمار ہیں تو جب تندرست ہونگے تب آپ پورے کر لیں۔ تو اس کو کہتے ہیں استثناء کہ جہاں قانون لاگو نہیں ہوتا۔

اس قانون میں دو استثناء بہت بڑھیاہیں۔ قانون یہی ہے کہ کسی نے بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھانا۔ ہر کسی نے اپنے اپنے اعمال کا حساب دیناہے۔ ایک استثناء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ناجائز مال اس دنیا میں چھوڑ گیا اور اس کو اس کی اولاد، مال تو پہلے ہی غلط تھا پھر اس کی اولاد غلط استعمال کرتی رہی۔ تو وہ جو مال اولاد نے غلط استعمال کیا ہے تو اس کا جواب باپ نے قبر میں دیناہے۔ یہ استثناء ہے اس قانون میں۔ اس لیے ہمارے مفسرین نے یہاں پہ کمال کا جملہ لکھاہے کہ مال اکٹھا کرنے والا ہمیشہ گھاٹے میں رہتاہے۔ وہ اس لیے کہ جب وہ مرتاہے تو اس سے مال چھین لیا جاتاہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تیرا تو وہ ہے جو تُونے پہن لیا اور بوسیدہ کرلیا۔ جو کھالیا وہ تیرا ہے، جو پہن لیا وہ تیرا ہے اور جو تُونے صدقہ کرکے آگے بھیج دیا وہ تیرا ہے[1]۔ باقی تو تیرے وارثوں نے تیرے کپڑے بھی اتار لینے ہیں۔ جلدی پڑی ہوئی ہوگی کہ جلدی جلدی اس کے مال و متاع پہ قبضہ کرلو۔ یعنی مال تو تجھ سے چھن گیا۔ ایک تو یہ نقصان ہوا کہ جو تیرا تھا وہ تجھ سے چھن گیا۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ جب تیری اولاد اس کو غلط استعمال کرے گی تو جواب تُونے دیناہے۔ یعنی استعمال کسی اور نے کرناہے اور جواب تُونے دیناہے۔ اس لیے فرمایا کہ مومن اپنے اہل و عیال کو اللہ کے سہارے چھوڑ دیتاہے۔ ایمان والے جو ہوتے ہیں وہ اپنے اہل و عیال کو اللہ کے سہارے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور جن کو اللہ پہ یقین نہیں ہوتا وہ مال و متاع کے سہارے چھوڑ کے جاتے ہیں۔ اس لیے اپنی اولاد کی یہ تربیت کرکے جائیں کہ اپنے مال کو غلط استعمال نہ کریں۔ ان کے دل میں اللہ کا خوف ہو۔ حلال حرام کی تمیز ہو۔ ان کو پتہ ہو کہ یہ مال ہم نے کہاں پہ خرچ کرناہے۔ تو یہ وہ بوجھ ہے کہ پیسہ بندے نے خود خرچ نہیں کیا لیکن اس کا بوجھ اس نے اٹھاناہے۔

دوسری استثناء اس آیت کی یہ ہے کہ اگر آپ کے سامنے کوئی ظلم ہو رہاہے، اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کی نافرمانی ہو رہی ہے۔ آپ کسی مجلس میں بیٹھے ہیں تو شریعت کی توہین ہو رہی ہے اور آپ اس ظلم کو، اس توہین کو روکنے کی کوشش نہیں کرتے۔ تو اب وہ جرم آپ نے نہیں کیا، نہ آپ اس ظلم میں حصہ دار تھے لیکن وہ بوجھ بھی آپ کو اٹھانا پڑے گا۔ جہاں پہ اللہ رسول کے حکموں کی نافرمانی ہوئی اور آپ نے اس کو روکنے کی کوشش

[1] سنن ترمذی:2342

نہیں کی۔ یہ جو ہمارے ہاں سلسلہ چل نکلا ہے کہ اپنے اپنے گھر جو کوئی کرتا ہے ٹھیک ہے، ہمیں کیا۔ نہیں۔ اگر میں باپ ہوں تو میری ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کو روکوں۔ شراب نہیں پینی، رشوت نہیں لینی، سود نہیں لینا، شکر کرنا ہے صبر کرنا ہے، حیاء والی زندگی گزارنی ہے۔ یعنی جو کام روکنے والے ہیں ان سے روکنا اور جب ہمت جواب دے جائے تو پھر دل سے برا جاننا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا پھر یہ کمزور ترین ایمان کی علامت ہے [1]۔ اس کے بعد تو پھر بندہ ایمان والا ہی نہیں رہتا۔ اگر وہ گناہ سے نفرت ہی نہیں نہ کرتا تو پھر تو وہ مومن ہی نہیں نہ رہتا۔ اور قیامت والے دن شفاعت صرف اس بندے کی ہونی ہے جو صاحب ایمان اس دنیا سے جائے گا۔ اگر ایمان نہیں ہے تو پھر اس بندے کی شفاعت نہیں ہونی۔ شفاعت کیلئے ایمان ضروری ہے۔ تو سب سے کمزور ایمان یہ ہے کہ آپ دل سے تو برا جانیں کہ یہ میرے اللہ رسول کا نافرمان ہے۔ یہ ماں باپ کا گستاخ ہے۔ اس سے محبت نہیں کرنی، اس کو سمجھانا ہے۔ یہ حرام کا مال کماتا ہے، میں نے اس سے محبت نہیں کرنی۔ یہ بہن بھائیوں کا مال کھاجاتا ہے، میں نے اس سے محبت نہیں کرنی۔ تو دل سے برا جاننا، یہ ضعیف ترین ایمان ہے۔ یہ یاد رکھنا۔

اس کی مثال جو قرآن کریم نے دی، پہلے پارے میں بھی ہے اور نویں پارے میں بھی۔ اس مثال کو اچھی طرح سمجھ لینا، یہ جو استثناء ہے۔ چھٹے پارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ [2]۔ نبی ایسے لعنت نہیں کرتے، اللہ فرماتا ہے، بنی اسرائیل کے کافروں پہ لعنت ہوئی، لعنت کروائی۔ کس کی زبان سے؟ داؤد کی زبان سے اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے۔ کن پہ لعنت ہوئی؟ اس کا ذکر پہلے پارے میں بھی ہے اور نویں پارے میں بھی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے ان سے کہا کہ ہفتہ والے دن مچھلیاں نہیں پکڑنی۔ یہودی اب بھی ہفتہ والے دن کوئی کام نہیں کرتے۔ اس حوالے سے میں ویسے بڑا حیران ہوتا ہوں۔ ان کا کاروبار بھی تباہ ہو جائے تو وہ ہفتہ والے دن کاروبار نہیں کرتے کہ ہمارے مذہب نے کہا ہے۔ اور ہم میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہی تو کمائی کے دن ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ ہفتہ والے دن مچھلیاں نہیں پکڑنی۔ لیکن اللہ

---

[1] صحیح مسلم:177

[2] سورۃ المائدہ:78

جب امتحان لیتا ہے تو ہفتہ والے دن مچھلیاں بہت زیادہ آتی تھیں۔ اس کی وجوہات، ظاہر ہے آزمائش تھی اللہ کی طرف سے۔ لیکن ایک وجہ یہ بھی لکھی گئی ہے، اس کی سند پہ اعتراض ہو سکتا ہے کسی کو کہ اس کی سند ضعیف ہے، لیکن ایک بات لکھی ہوئی ہے تو میں عرض کر دوں کہ ہفتہ والے دن وہاں اس مچھلی کا گزر ہوتا تھا جس میں حضرت یونس علیہ السلام رہے تھے اور باقی دریا کی مچھلیاں اس کی زیارت کو آیا کرتی تھیں۔ تو ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے۔ لیکن جو اصل بات ہے کہ ہفتہ کو مچھلیاں بہت زیادہ تعداد میں آتی تھی۔ اب وہ لالچ میں آگئے کہ مچھلیاں تو بہت زیادہ آتی ہیں ہفتہ کو تو انہوں نے نیچے کو سرنگیں کھود کر آگے بڑے بڑے گڑھے بنا دیے۔ وہ سرنگ کے راستے گڑھے میں جو آتی تھیں اسے اگلے دن وہ پکڑ لیتے تھے۔ یا انکی دم پہ کانٹا لگا دیتے تھے اور اگلے دن صبح اس مچھلی کو پکڑ لیتے تھے۔ ہم نے کونسا ہفتہ والے دن پکڑی ہے۔ حیلہ کیا انہوں نے۔ انکی آبادی بھی کوئی ستر ہزار کی قریب لکھی ہوئی ہے، مختلف روایات میں۔ ویسے میں جو آپ سے کہا کرتا ہوں ناں کہ اس کو خود بھی جا کر پڑھا کریں۔ ساتویں پارے کا پہلا رکوع ہے، نویں پارے میں بھی ہے۔ تو وہ کہتے کہ ہم کونسا ہفتہ کو پکڑ رہے ہیں۔ ان گڑھوں میں سے بھی وہ اتوار کو صبح پکڑ لیتے اور جنکی دموں میں کانٹے لگائے ہوتے ان کو بھی پکڑ لینا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حیلے سے بھی منع فرما دیا۔

اب یہاں پہ جو بات میں نے آپ سے عرض کرنی ہے۔ یہاں ان لوگوں کے تین گروہ ہو گئے۔ ایک وہ جنہوں نے کہا کہ دیکھو ہمارے باپ دادا بھی یہ کام کرتے تھے تو وہ بڑے امیر ہو گئے، بڑا کاروبار ان کا چلا۔ اس لیے ہم نے تو ہفتہ کو مچھلیاں پکڑنی ہیں، ہم نے نہیں باز آنا۔ دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے کہا کہ اللہ کے حکموں کی نافرمانی نہ کرو، عذاب آجائے گا، پکڑے جاؤ گے۔ تیسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے مچھلیاں تو نہیں پکڑیں، اس گناہ میں شامل نہیں تھے لیکن منع بھی نہیں کرتے تھے۔ بس جہاں کوئی لگا ہوا ہے اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ اب قرآن کے الفاظ کیا ہیں کہ وہ جو گروہ تھا، جو ان کو منع کرتا تھا۔ باز آجاؤ، اللہ سے ڈرو، اللہ کے حکم کی نافرمانی نہ کرو۔ جب ان کی بات نہ مانی گئی تو انہوں نے دیوار بلند کر کے ان سے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا۔ رشتہ داریاں تھی آپس میں، بھائی تھے، بھتیجے تھے، کوئی غیر نہیں تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے رشتہ داروں سے دیوار بنا کر اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا۔ اب ایک یہ گروہ تھا جو منع بھی کرتے تھے لیکن جب منع نہیں ہوئے تو دیوار بنا کے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا۔ ایک وہ ہے

جو بضد ہے کہ ہم نے گناہ کرنا ہے، اس میں فائدہ ہی بہت ہے۔ جھوٹ ماریں تو نفع ہی بہت ہوتا ہے۔ اب تیسرا گروہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ ہم نے گناہ تو نہیں کرنا، مچھلیاں تو نہیں پکڑنی لیکن ہم نے کسی کو کہنا بھی کچھ نہیں۔ اب قرآن کے الفاظ کیا ہیں؟ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ [1]۔ اللہ نے ان کے دروازوں پہ لکھ دیا؟ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ۔ بن جاؤ ذلیل بندر۔ یہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کے جو نوجوان تھے وہ بندر بنے اور جو بوڑھے تھے وہ خنزیر بنے۔ اس لیے کہ وہ بڑے تھے ان کو ضرور منع کرنا چاہئے تھا۔ اب جب صبح اُدھر سے کسی کے جاگنے کی آواز نہ آئی تو جو دیوار کے اس طرف تھے، مومنین جو تھے۔ یہ جب دیوار پھلانگ کے اس طرف گئے تو کچھ خنزیر بنے ہوئے تھے اور کچھ بندر بنے ہوئے تھے۔ اب وہ انکے قدموں پر سر رکھ کر رو رہے تھے کہ ہمیں معافی لے دو۔ لیکن جب عذاب آجاتا ہے تو پھر توبہ قبول نہیں ہوتی۔ یہ جو اب بندر اور خنزیر ہیں، یہ وہ نہیں ہیں۔ وہ صرف تین دن زندہ رہے تھے اور تین دن کے بعد سب کو مار دیا گیا تھا۔ ختم ہو گئے تھے۔

اب عذاب جب آیا، جہاں میں آپ کو لیکر آنا چاہتا تھا۔ عذاب جب آیا تو ان دونوں گروہوں پہ آیا۔ جنہوں نے مچھلیاں پکڑی تھیں ان پہ بھی عذاب آیا اور جو مچھلیاں نہیں پکڑتے تھے لیکن منع بھی نہیں کرتے تھے۔ اس جرم سے نفرت بھی نہیں کرتے تھے وہ بھی اس عذاب میں مبتلا ہوئے۔ بچے صرف وہ تھے جنہوں نے مچھلیاں نہیں پکڑیں، گناہ نہیں کیا اور ساتھ اس گناہ سے نفرت بھی کی۔ اور ہوتا پتہ کیا؟ یہ اصول پہلے بھی میں نے آپ سے عرض کیا۔ یہ اصول ذہن میں رکھنا۔ آپ تو یہ کہہ رہے ہوتے ہیں ناں کہ اس بندے سے میری سلام دعا نہ خراب ہو جائے۔ اگر میں نے اس کو منع کیا کہ یہ تُو غلط کر رہا ہے، اللہ رسول کی نافرمانی کر رہا ہے تو وہ بندہ ناراض ہو جائے گا۔ اگر میں نے کہا کہ ماں باپ کا بڑا افرمان ہے تو یاری دوستی جاتی رہے گی۔ اللہ کا قانون بڑا سخت ہے۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ اگر تم صرف اپنی سلام دعا بنانے کیلئے اللہ کی نافرمانی کو کچھ نہیں سمجھتے، اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو کرتا رہے، میری سلام دعا قائم رہے تو اس شخص کے ہاتھوں آپ ذلیل ضرور ہوں گے۔ یہ جتنے آج کل کہتے ہیں ناں کہ میں نے فلاں سے بڑی وفا کی لیکن وہ کتنا بے وفا نکلا۔ میں فلاں ٹائم اس کے ساتھ تھانے میں ضمانت کیلئے گیا، بھائی پہلے سوچا تھا کہ

[1] سورۃ البقرۃ:65

اس کی ضمانت کروانی بھی ہے کہ نہیں کروانی؟ کہیں ظالم کا ساتھ دینے تو نہیں چلا گیا؟ کہیں مظلوم کے خلاف تو نہیں چلا گیا؟ اگر ظالم کیساتھ گیا تھا تو اس کے ہاتھوں تیری ذلت جو ہے وہ لکھ دی گئی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ والدین کا احترام کرو وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اب کوئی بندہ اپنی بیوی کو راضی کرنے کیلئے ماں باپ کو گالیاں دے۔ ماں باپ کو ستائے کہ میری بیوی راضی رہے۔ اب وہ بندہ اپنی بیوی کے ہاتھوں ذلیل ضرور ہو گا۔ تو جہاں جہاں بھی اللہ کا قانون توڑیں گے، اپنی سلام دعا بچانے کیلئے تو وہ سلام دعا بچے گی نہیں۔ اس کے ہاتھوں پھر ذلت جو ہے وہ لکھ دی جاتی ہے۔

تو قانون یہی ہے کہ ہر شخص نے اپنا اپنا بوجھ اٹھانا ہے۔ اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ اپنی اپنی قبر میں جانا ہے۔ لیکن یہ دو کام ایسے ہیں کہ اگر تم مال چھوڑ گئے اور اس مال کا غلط استعمال ہوا تو اس کا جواب آپ نے دینا ہے۔ دوسرا یہ کہ آپ کے سامنے اللہ رسول کی نافرمانی ہوئی ہے اور اس کو آپ نے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ نہی عن المنکر نہیں کیا، آپ کے ذہن میں یہ کبھی بات آئی ہی نہیں؟ اس کے لیے ہلا دینے والی، یہ علماء کیلئے بھی ہلا دینے والی روایت ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب میرے پاک پیغمبر ﷺ نے صحابہ کرام سے یہ بات بیان فرمائی کہ بنی اسرائیل کا وہ گاؤں جہاں اللہ کریم نے عذاب دینے کا فیصلہ کیا اور فرشتوں سے کہا کہ اس پہ پتھروں کی بارش کرو۔ بستی الٹ دی گئی۔ امام غزالی نے یہاں ایک بڑا زبردست جملہ لکھا ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ یا اللہ اس بستی میں تیرا ایک نیک بندہ رہتا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں جو بندہ دکھاوے کی نیکیاں کرے، فرشتے اس کو نیک نہیں کہتے۔ جس کو فرشتے نیک کہہ رہے تھے وہ کتنا نیک ہو گا؟ لیکن میرے پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ جو نیک ہے ناں، پہلے اس نیک پہ پتھروں کی بارش کرو۔ پہلے اس کو سزا دو۔ یا اللہ یہ تو ہر وقت تیرے ذکر میں لگا رہتا ہے، نوافل پڑھتا ہے۔ نیکی کے کام کرتا ہے۔ میری سرکار ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا دین باہر گلیوں میں رسوا ہو رہا تھا اور یہ اندر بیٹھ کے اللہ اللہ کرتا رہا۔ اس نے باہر نکل کر کسی کو منع ہی نہیں کیا۔ اور اس میں آگے جا کر یہ بات آتی ہے کہ جب یہ اللہ رسول کی نافرمانی دیکھتا تھا تو کبھی اس کا رنگ بھی نہیں بدلا

تھا۔ یعنی غصہ سے کبھی اس کا رنگ بھی کبھی متغیر نہیں ہوا کہ اللہ کے حکموں کی نافرمانی ہو رہی ہے۔ تو میں اس کی عبادتوں کو کیا کروں (حوالہ)۔

تو یہ وہ بوجھ ہے جو انسان نے اٹھانا ہے۔ وہ میرے گھر میں اللہ رسول کی نافرمانی ہو رہی ہو۔ میرے ادارے میں ہو رہی ہو۔ میرے محلے میں ہو رہی ہو۔ جتنا جتنا کوئی شخص ذمہ دار ہے۔ کسی افسر کے نیچے جتنے ماتحت ہیں۔ کسی باپ کی جتنی اولاد ہے۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ کو بھی اللہ نے پہلا حکم یہ دیا تھا وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ [1]۔ اللہ نے پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ فلاں گاؤں میں چلے جائیں، فلاں جگہ جا کر تبلیغ کریں۔ اللہ نے کہا تھا کہ محبوب سب سے پہلے اپنے قریبیوں کو اللہ سے ڈاروَ۔ اس دین کا حکم سب سے پہلے اپنے قریبیوں کو دو۔ کل کو یہ نہ کہنا کہ یہ تو غلطی ہم نے کی نہیں تھی۔ اس کی سزا کیوں؟ اگلی آیت بھی بڑی سمجھنے والی ہے لیس ما سعی۔ انسان کیلئے کچھ نہیں ہے سوائے جس کیلئے وہ سعی کرتا ہے۔ اس پہ بھی ہم تفصیل سے بات کرینگے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] سورۃ الشعرا:214

35۔ مشیت ایزدی کے خلاف نہ جاؤ

قرآن: قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورۃ الجمعہ: 8)

ترجمہ: تم فرماؤ: بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو پس وہ ضرور تمہیں ملنے والی ہے پھر تم اس کی طرف پھیرے جاؤ گے جو ہر غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال بتا دے گا۔

خاکہ:

1. موت کا سامنا کرنا ہی ہے۔
2. موت محبوب سے ملاقات کا ذریعہ
3. مشیت کیا ہے؟
4. مقامِ ولایت کیا ہے؟
5. حکم اور مشیت میں فاصلہ
6. حضرت آدم کا درخت کے قریب جانا
7. اللہ کا اپنے ولیوں کا ذکر باقی رکھنا
8. عزت، عہدہ دے یا واپس لے دونوں میں خیر
9. مخلوق کے سامنے خالق کے گلے کرنا
10. ولیوں کے پاس بیٹھنے والے بدبخت نہیں رہتا
11. خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد، نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

سورۃ جمعہ پہ ہماری گفتگو چل رہی تھی۔ یہاں پہ جو یہود سے خطاب ہوا کہ اگر تم کہتے ہو کہ ہم اللہ کے ولی ہیں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ[1]۔اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ اگر تمہیں یہ گمان ہے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں، دوست ہیں فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ تو پھر تم موت کی خواہش کرو۔ تمنا کرو موت کی۔ تو یہ ہماری گفتگو چل رہی تھی۔ اللہ نے فرمایا وَ لَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ۝وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ[2]۔وَ لَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا وہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے، بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ جو کرتوت انہوں نے آگے بھیجے ہوئے ہیں۔ وہ کیسے اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے کی تمنا کریں گے؟ اب اس آیت میں فرمایا قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ۔ اے محبوب کریم ﷺ! آپ ان سے فرمائیں کہ اس موت سے تم جتنا جی چاہے فرار اختیار کرو، دوڑ لگالو۔ تم اس موت سے فرار اختیار نہیں کرسکتے۔فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ موت نے تمہارے ساتھ ملاقات کرنی کرنی ہے۔ تم بھاگ نہیں سکتے اس سے۔

یہ عجیب مرحلے پہ ہم آج پہنچے ہیں کہ کچھ لوگ وہ ہیں جو موت سے فرار اختیار کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ موت تو محبوب سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے دونوں جنازوں کا ذکر فرمایا کہ ایک جنازہ اٹھتا ہے تو وہ چیختا چلاتا ہے، کہتا ہے کہ میں نے بڑی مشکل سے یہ گھر بنایا، بنگلہ بنایا، کوٹھی بنائی، مجھے کیوں نکال رہے ہو۔ پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تم اس کو چیخ وپکار سن لو تو تم اپنے مردے دفنانے بند کردو۔ تم اپنے مردے نہ دفناؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ایک پردہ رکھا ہوا ہے۔ بس لمبی چوڑی بات سمجھنے کیلئے، یہ بخاری شریف کی روایت ہے، یہی جملہ کافی ہے کہ جن لوگوں کی آوازیں تم نہیں سنتے، اللہ کے نبی سنتے ہیں۔ اس کی شدت کی ہوتی ہے، وہ بھی بیان فرمارہے ہیں۔ اس لیے آپ نے فیصلہ کرنا ہے۔ فرمایا دوسرا جنازہ اٹھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ جلدی کرو،

---

[1] سورۃ الجمعہ:6

[2] سورۃ الجمعہ:7

مجھے میری منزل تک پہنچاؤ۔ تو یہ خطاب ہے یہودیوں کیساتھ کہ تم دوڑ لو جتنا دوڑنا ہے، تم فرار اختیار کر لو، جتنا کرنا ہے۔ موت نے تو تم سے ملاقات کر کے ہی چھوڑنا ہے۔ اس نے نہیں چھوڑنا۔ آج سے ایک سال قبل یہی دو جمادی الاول (30 دسمبر 2019) کو سرکار پیر محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ لیکن تیاری تو وہ کرتے ہیں ناں، جو اس دنیا کا مال اکٹھا نہیں کرتے۔ جنہوں نے دنیا اکٹھی کی ہوتی ہے ناں، ان کا نہیں جی چاہتا مرنے کو۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى [1]۔ جن کو یقین ہے کہ آخرت اس دنیا سے بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔ وہ نہیں ڈرتے پھر اس موت سے۔ یہ حکم بھی اس لیے دیا تھا کہ دیکھو میرے نبی کے صحابہ نکلتے ہیں باہر اپنی جانیں قربان کرنے کیلئے۔ شہادت کی تمنا لیکر نکلتے ہیں۔ لیکن تم لوگ کبھی اس کی تمنا نہیں کرو گے۔ جن کو یہ ہے کہ یہ دنیا بہتر ہے وہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔

ولی کا لفظ تو بڑے لوگوں کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ یہاں بھی اللہ نے یہود کو یہی کہا ہے کہ تم کہتے ہو کہ ہم اللہ کے ولی ہیں۔ یہ ولی کا دعویٰ تو بڑے لوگوں نے کیا، یہود نے بھی کیا، عیسائیوں نے بھی کیا، مسلمانوں میں بھی لوگ کرتے ہیں۔ لیکن میں ایک آج خاص لطیف سی بات اس قرآن کریم فرقان حمید سے کہ ولی کی پہچان اس کی عبادتیں نہیں ہوتیں۔ اس کی ریاضتیں، عبادتیں اس کی ولایت کی وجہ نہیں ہوتیں۔ اس خالق کائنات نے جب یہ کائنات تخلیق کی، بات ذرا تھوڑی سی مشکل ہے لیکن اگر سمجھ آجائے تو آپ کا بھی جی چاہے گا کہ میں بھی اللہ کا دوست بنوں۔ اللہ کے ولی کے در سے یہی فیض ہوتا ہے کہ اسکی فکری رہنمائی ہو، اس کی روحانی پاکیزگی ہو۔ جس اللہ نے اس کائنات کو بنایا ہے۔ اس سورۃ کے شروع میں کیا فرمایا تھا کہ وہ حکیم ہے۔ اس کا کوئی کام فضول نہیں ہوتا۔ بڑی حکمت کے تحت، منصوبہ بندی کے تحت۔ مجھے حضرت صاحب قبلہ کا وہ جملہ بڑا یاد ہے، کسی بندے نے آکر کہا کہ اچانک ہی یہ کچھ ہو گیا۔ فرمانے لگے کہ اچانک کچھ نہیں ہوتا، جو ہونا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اچانک کچھ نہیں ہوتا۔ حکیم ہے ناں، حکمت سے خالی کوئی کام نہیں۔ اس خالق نے جو اس کائنات کو چلانے کا منصوبہ بنایا۔ اس منصوبہ کو مشیت کہتے ہیں۔ آپ اکثر یہ لفظ استعمال کرتے ہیں مشیت الٰہی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو چلانے کا جو

[1] سورۃ الاعلیٰ:17

منصوبہ بنایا ہے، وہ حکیم ہے، تو اس کے مطابق جب کائنات چلتی ہے تو یہ ہے مشیت الہی۔ اب انسان کیا کرتا ہے؟ انسان یہ کہتا ہے کہ میں نے اس منصوبہ کی خلاف ورزی کرنی ہے۔ میں نے اس کے منصوبہ کے مطابق زندگی نہیں گزارنی۔ اس کو بھی اللہ نے ارادہ دیا ہے۔ اللہ کی صفت جو اللہ کے صفاتی نام ہیں، اس میں ایک اللہ کی صفت مرید ہے۔ آپ بھی کہتے ہیں ناں کہ ہم مرید ہیں۔ یہ مرید اللہ کی صفت ہے۔ ارادہ کرنے والا۔ اب اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادے کی طاقت تو دی ہے۔ اب یہ اپنے ارادے سے اس کے نظام کی مخالفت میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ اب کچھ وہ انسان ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے مشیت کے تابع رہنا ہے۔ تو جو مشیت کے تابع رہتے ہیں وہ اللہ کے ولی ہوتے ہیں۔ مقام ولایت جو ہے وہ عبادتوں کا نام نہیں ہے۔ اس کی مشیت کو تسلیم کر لینے کا نام ہے۔ اب ایک بندہ عبادتیں تو کرتا ہے لیکن اس کے منصوبے کو تسلیم نہیں کرتا، وہ مقام ولایت پہ فائز نہیں ہو سکتا۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حکم اور مشیت میں فاصلہ آجاتا ہے۔ حکم بھی اللہ کا ہی ہوتا ہے۔ یہ چونکہ معرفت خداوندی کی بات ہے۔ ایک اللہ کے ولی کے عرس پہ آپ بیٹھے ہیں تو اگر اللہ کے ولی کے پاس بیٹھ کر اللہ کی معرفت ہی نہ ملے تو پھر کرنا بھی کیا ہے؟ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى-قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ-سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ[1]۔ حکم یہ تھا بیٹا میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا تھا بیٹے کو ذبح کرنے کا لیکن مشیت یہ تھی کہ ذبح نہیں ہونا۔ یہ بڑا ایک باریک سا نقطہ ہے۔ حکم کیا تھا کہ ذبح کرو اور مشیت کیا تھی کہ ذبح نہیں ہونا۔ یہ میں اس مقام پہ آپ کو لیکر آیا ہوں جو میں نے definition عرض کی تھی کہ کائنات نے چلنا اس کی مشیت کے مطابق ہے۔ بھائی عجیب بات ہے ناں کہ حکم بھی اللہ ہی کر رہا ہے۔ تو کبھی کبھی ایسا مرحلہ بھی امتحان کا آجاتا ہے کہ حکم اور ہوتا ہے اور مشیت اور ہوتی ہے۔ کبھی اس میں الجھاؤ پیدا ہو تو مجھ سے رابطہ کر لینا۔ کیونکہ اسی مقام پہ انسان پھسل جاتے ہیں۔ مرشد کی ضرورت اسی مقام پہ ہوتی ہے۔ اس کا مقام رضا کیا ہے؟ اس کا مقام قضاء کیا ہے؟ ارادہ کیا ہے؟ حکم کیا ہے؟ مشیت کیا ہے؟ یہ سارے

[1] سورۃ الصّٰفّٰت:102

درجات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ تو جو اس کی مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کر لے وہ اللہ کا ولی ہوتا ہے۔ اپنا ارادہ جو اللہ نے دیا ہے وہ ارادہ نہیں۔ اچھا پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف قوت ارادی نہیں دی، طاقت بھی دی۔ نمرود نے کہا کہ میں اللہ کے نبی کو جلادوں گا، اللہ کی مخالفت میں کھڑا ہو گیا۔ یہاں چھری کو حکم دے دیا کہ نہ چلو لیکن وہاں لکڑیوں کو حکم نہیں دیا کہ نہ جلو۔ جلنے دیا تا کہ یہ نہ کہہ سکے کہ کاش اگر یہ طاقت میرے پاس ہوتی تو میں کیا کر لیتا۔ پورا موقع دیا۔ منجنیق کو بھی نہیں روکا، ابراہیم کو بٹھا دیا۔ ویسے یہ مقام ولایت کوئی معمولی شے نہیں۔ یہ وہی ابراہیم ہیں جو دعا کر کر رہے ہیں رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ [1]۔ یا اللہ مجھے نیک اولاد دے۔ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ [2] جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ مجھے شفا دیتا ہے۔ ساری زندگی دعائیں کیں لیکن یہ جو مقام مشیت ہے، یہاں جبریل آکر کہتا ہے کہ دعا کریں۔ فرمایا یہ الفاظ اس کی مشیت میں حائل نہ ہو جائیں۔ اب ابراہیم علیہ السلام جب اس مقام پہ پہنچے ہیں تو اب دعا کے الفاظ کو بھی حجاب سمجھا۔ یہ ہر لمحہ ایک جیسا نہیں ہوتا۔ پھر جبریل کو بھی درمیان میں نہیں آنے دیا۔ اگر اس کی مشیت یہ ہے تو ہونا تو وہی ہے جو اس کی مشیت ہے۔ ابراہیم اس کی مشیت کے خلاف کھڑا نہیں ہو سکتا۔ تو جو آگ کو سامنے جلتا ہوا دیکھے اور اس کی مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دے وہ اللہ کا خلیل ہوتا ہے، وہ مقام ولایت پہ فائز ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ قبر سے کوئی دو مہینے ٹانگ باہر رہی تھی۔ کرامتوں سے کوئی ولی نہیں ہوتا۔ میں نے دم کروایا تھا تو مجھے آرام آ گیا تھا۔ نہیں۔ جب اس کی مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ گروہ دو ہی ہیں انسانوں کے، ایک وہ ہیں جو اس کی مشیت کی خلاف ورزی کرتے ہیں لیکن آخر میں ہوتا وہی ہے جو اس کی مشیت ہے۔ اور ایک وہ ہیں جو ش surrender کر دیتے ہیں، اس کی مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

ایک قرآن کریم میں مقام اور ہے۔ زیادہ اس میں الجھنے کی کوشش نہ کرنا، یہ مقام اور ہے۔ جو چند لوگوں کو سمجھ آ جائے۔ حکم یہ تھا لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ [3]۔ لیکن مشیت یہ تھی کہ جائے۔ حکم تھا کہ درخت کے پاس نہیں جانا لیکن مشیت یہ تھی کہ جائے۔ اور آدم علیہ السلام نے بھی کمال کیا کہ مولا حکم کی جو خلاف ورزی ہوئی ہے اس پہ معافی چاہتا

[1] سورۃ الصفٰت:101

[2] سورۃ الشعراء:78

[3] سورۃ البقرۃ:36

ہوں اور مشیت کے سامنے بھی سر جھکا تا ہوں۔ یہ سولہویں پارے کی آیت ذہن میں رہے، پھر یہ مقام آتا ہے وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ[1]۔ اس سے پہلے ہم نے آدم سے عہد لیا تھا کہ درخت کے پاس نہیں جانا۔فَنَسِیَ ۔ پس وہ بھول گیا۔وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا[2]۔ ہم نے اس کے دل میں ارادہ نہیں دیکھا تھا نافرمانی کا۔ پھر ولیوں کو defend اللہ کرتا ہے۔ کوئی انگلی نہ اٹھائے۔ کئی کہہ دیتے ہیں ناں کہ آدم سے خطا ہو گئی۔ قرآن نہیں پڑھتے۔ میرا اللہ فرماتا ہے کہ نہیں۔ ہر گز نہیں۔ دل میں ارادہ ہی نہیں تھا کہ میں اللہ کی نافرمانی کروں۔ بلکہ وہ تو اس کی مشیت کے سامنے سر تسلیم خم تھے۔ اب کبھی سورۃ فاتحہ پڑھیں ناں، صراط الذین۔۔ تو انعام یافتہ وہ ہیں جو اس کی مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور جو اس کی مشیت کے سامنے کھڑا ہو اجاتا ہے اس پہ اس کا غضب ہوتا ہے اور وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔

اب اگلا فیصلہ جو ابراہیم علیہ السلام کیساتھ کیا، فرمایا وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ[2]۔ تم میری مشیت کے سامنے جھک گئے ہو۔ اب ہم بعد میں آنے والوں کیلئے تیرا ذکر قائم رکھیں گے۔ قرآن کریم نے اپنے ولیوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ہم تمہارا ذکر باقی رکھیں گے۔ اس لیے وہ جو کافی سال پہلے حضور داتا صاحب بم دھما کہ ہوا تھا ناں تو وہاں ایک احتجاجی جلوس میں مَیں گیا تو وہاں علماء نے بڑی بڑی تقریریں کیں۔ تو میں نے وہاں بھی یہ جملہ کہا تھا کہ کوئی فکر کرنے والی بات نہیں۔ کوئی فکر والی بات نہیں ہے کہ یہاں اگر بم دھماکے ہونگے تو کیا ذکر ختم ہو جائے گا؟ نہیں۔ جن کا ذکر اللہ باقی رکھتا ہے وہ بم دھماکوں سے ختم نہیں ہو سکتے۔ اب اللہ سے کوئی زور والا ہو گا تو ان کا ذکر بند کروائے گا ناں۔ کہتے ہیں ہم توحید پرست ہیں۔ اوہ بھائی! توحید پرست تو ہم ہیں کہ جنہیں اپنے اللہ کی بات پہ یقین ہے کہ جس کا ذکر اللہ باقی رکھے اس کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ اُسی سلسلہ کی ایک کڑی حضور قبلہ عالم، ایک سال ہو گیا دنیا سے چلے گئے لیکن اللہ نے ان کا ذکر باقی رکھا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ ہماری خوش قسمتی یہ ہوتی ہے کہ ہمیں اللہ اس ذکر میں شامل فرمالیتا ہے۔ تو کبھی کبھی مشیت اور حکم میں ایسا ہو جاتا ہے لیکن ہونا اس کی مشیت کے مطابق ہے۔ ہمارے ہاں مجبوری پتہ ہے کیا ہے؟ ہمارے ہاں مجبوری یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی عہدہ مل گیا ہے تو کہتے ہیں یہ تو اللہ کی

---

[1] سورۃ طٰہٰ:115

[2] سورۃ الصّٰفّٰت:108

مہربانی ہے اور کوئی عہدہ چھن جائے تو یہ تو بڑا کام خراب ہے۔ تو یہ مشیت کی نافرمانی ہے۔ اگر اس نے دولت دی ہے تو یہ تو ٹھیک ہے اور اگر وہ بھوکا رکھے تو یہ تو ٹھیک نہیں۔قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ[1] وہی لفظ مشیت یہاں بھی استعمال ہوا۔وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔ کسی کو اختیار دیتا ہے تو اس کی مشیت ہے۔ اقتدار چھنتا ہے تو بھی اس کی مشیت ہے۔ کسی کو عزت ملتی ہے تو بھی اسکی مشیت کیوجہ سے اور اگر عزت چھین لے تو بھی اس کی مشیت ہے۔ جملہ ایک ذہن میں رکھنا بِيَدِكَ الْخَيْرُ۔ ہم تو سمجھتے ہیں ناں کہ دولت دے تو خیر ہے اور دولت چھین لے تو خیر نہیں۔ منصب دے تو خیر ہے اور منصب نہ دے تو خیر نہیں۔ نہیں۔ میرا اللہ فرماتا ہے وہ اقتدار دے تو بھی خیر اور اقتدار چھین لے تو بھی خیر۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اس کے ہاتھ میں خیر کے سوا کچھ نہیں۔

اس آیت کی میں نے تفسیریں تو بہت پڑھیں لیکن کسی مفسر نے مجھے مطمئن نہیں کیا۔ اس آیت کی تفسیر جو میں نے سیدہ زینب کے حالات زندگی سے پڑھی تو اس کے بعد مجھے اطمینانِ قلب نصیب ہوا۔ ابن زیاد نے سوال کیا کہ زینب تو نے اپنے بھائی کے معاملے میں اللہ کے امر کو کیسا پایا؟ یعنی جو تمہارے ساتھ ہوا ہے کربلا میں، یہ اللہ کے حکم سے ہوا ہے۔ بڑا مشکل سوال ہے یہ۔ یہاں سے جبریہ فرقہ جو ہے وہ چلا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم ظلم کرنے پہ مجبور تھے اور آپ ظلم سہنے پہ مجبور تھے۔ جبریہ فرقہ مسلمانوں کا نہیں ہے۔ ہاں! نہ قدریہ اور نہ جبریہ۔ اس نے کہا زینب تو نے اپنے بھائی کے معاملے میں اللہ کے امر کو کیسا پایا؟ سیدہ پاک نے فرمایا کہ تُو کیا سمجھتا ہے کہ میں اللہ کا گلہ کروں گی؟ تیرے ذہن میں یہ ہے کہ میں یہاں بیٹھ کر کہوں گی کہ یا اللہ تُو نے ہمارے ساتھ کیا زیادتی کی؟ سن اگر تُو نے یہ سوال کیا ہے تو ہمارا عقیدہ بھی سن۔ فرمایا ہم نے اپنے رب کی بارگاہ سے خیر کے سوا کچھ بھی نہیں پایا۔

یہاں پہ آپ کے پیر و مرشد کا یہ فیض، آپ کے سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کا فیض ایک جملہ میں ہے۔ جو بندہ مخلوق کے سامنے خالق کے گلے کرے وہ اللہ کا دوست نہیں ہوتا۔ کبھی مخلوق کے سامنے اپنے خالق کا گلا نہ کرنا۔ ہائے یہ کیا ہو گیا؟ یہ بیماری آگئی؟ یہ نقصان ہو گیا؟ نہیں۔ جو بچی کی پیدائش پہ منہ بنا لیتے ہیں، ان کو کیا پتہ مشیت الٰہی

---

[1] سورۃ آل عمران:26

کیا ہوتی ہے؟ آپ کے پیرومرشد کی زندگی آپ کے سامنے ہے، جتنی جی چاہے بیماری آگئی لیکن مخلوق کے سامنے خالق کا گلہ نہیں کیا۔ معاشی مشکلات بھی آتی رہیں لیکن کبھی گلہ نہیں کیا۔ یہ بنیادی راز ہے اللہ کی معرفت کا۔ اس بندے کو اللہ کی معرفت مل نہیں سکتی جو مخلوق سے اللہ کے گلے کرتا پھرے۔

ابلیس کا لفظی مطلب بھی مایوس ہے۔ جو بیچارا خود مایوس ہے اس نے دوسروں کو کیا دینا ہے۔ جامپور میں تھے حضرت صاحب، پولیس کی نوکری تھی اس وقت۔ اس دور کا بہت بڑا بدمعاش، الٰیہہ بدمعاش، وہ آگیا اُدھر۔ لوگوں نے کانپنا شروع کر دیا، جیسا ہوتا ہے۔ ایک ضلع کی پولیس تو اس کو پکڑتی نہیں تھی، دو تین ضلعوں کی پولیس اکٹھی کر کے تو اس کو پکڑتے تھے۔ جب ہلچل دیکھی ناں لوگوں کی تو فرمایا کیا ہوا؟ وہ بدمعاش آگیا۔ شراب پی ہوئی ہے، پتہ نہیں کیا کرے گا؟ بدتمیزی کرے گا؟ کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ تو سرکار نے فرمایا کہ آنے دو اُسے۔ اب وہ آکر بیٹھ گیا۔ اس کی خیر خیریت دریافت کی، شراب پی ہوئی ہے۔ یہ اللہ کے ولی بھی بھائی عجیب لوگ ہوتے ہیں۔ بدمعاشوں کو دیکھ کر لوگ کہتے ہیں کہ آؤ یار بچاؤ، حضرت صاحب نے باقی لوگوں کو کہا کہ آپ چلے جاؤ۔ اب اس کو میرے پاس اکیلے ہی رہنے دیں۔ کہنے لگا کہ میں نے رات آپ کے پاس گزارنی ہے۔ سرکار نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ بس ایک بات سمجھائی۔ میں نے پوچھا تھا تو فرمانے لگے کہ بیٹا مایوس ہو گیا تھا۔ کہتا تھا کہ میں نے گناہ ہی اتنے کیے ہیں کہ میری معافی نہیں ہونی۔ میں نے اس کو اپنے رب کی رحمت کا یقین دلایا۔ لا یشقی بہم جلیسهم[1] ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہتا۔ فضل کریم صاحب کو پتہ ہے، یہ بڑی معروف حدیث ہے۔ اور ہر قانون میں جو استثناء ہوتا ہے۔ امام بخاری پہلی حدیث یہی لیکر آئے ناں، اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ لیکن اس حدیث میں استثناء دے دی۔ فرشتوں نے جا کر کہا، نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں کہ حالانکہ اللہ کو تو علم ہے۔ اللہ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ فلاں جگہ ذکر ہو رہا تھا، مولا تیری توحید بیان کر رہے تھے۔ فرمایا کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ مولا دیکھا تو نہیں لیکن پھر بھی تیری بڑی تعریف بیان کر رہے تھے۔ فرمایا اگر وہ مجھے دیکھتے تو پھر کیا کرتے۔ اور کیا کر رہے تھے؟ جنت کا

[1] صحیح بخاری:6408

تذکرہ کر رہے تھے۔ کیا انہوں نے جنت دیکھی؟ مولا دیکھی تو نہیں لیکن تیرے نبی کی بات پہ یقین رکھتے ہیں۔ اور کیا کر رہے تھے؟ جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے۔ کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ مولا دیکھا تو نہیں لیکن تیرے رسول نے بتایا، اس پہ انہوں نے یقین کر لیا۔ اس حدیث کو سارے بیان فرماتے ہیں۔ اب اللہ فرماتا ہے کہ تم گواہ بن جاؤ، میں نے ان کو بخش دیا۔ اب فرشتے سوال کرتے ہیں کہ مولا کریم سارے وہاں ذکر کی نیت سے نہیں آئے تھے۔ کچھ لوگ تو، فلاں بندہ جارہا ہے تو اس کے ساتھ چلتے ہیں تو چلتے چلتے وہاں بیٹھ گئے۔ یہاں وہ جو قانون ہے اس میں استثناء دے دی۔ قانون تھا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ لیکن اس حدیث میں میرا اللہ فرمارہا ہے کہ ان کی نیت نہیں بھی تھی تو تم گواہ رہو کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ آخر میں جو میں نے جملہ کہا ہے لا یشقی بہم جلیسھم۔ ان ولیوں کے پاس بیٹھنے والے بدبخت نہیں رہتے۔ جن کا ذکر اللہ باقی رکھتا ہے ان کے پاس بیٹھنے والے بدبخت نہیں ہوتے۔ وہ جو میں بات کر رہا تھا، سرکار چونکہ آپ کو پتہ ہے 2 بجے بیدار ہو جاتے تھے۔ فرمانے لگے کہ جب میں 2 بجے اٹھا تو وہ پانی لیکر گھڑے میں آ گیا۔ میں نے کہا کہ میں نے تیرے لائے ہوئے پانی سے وضو نہیں کرنا۔ وہ جو اقبال نے کہا تھا،

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

وہ بدمعاش جس سے علاقہ ڈرتا تھا، وہ رو رہا تھا سحری کے وقت۔ کہنے لگا سرکار میں نے پہلے غسل کیا ہے، پھر وضو کیلئے پانی لیکر آیا ہوں۔ میں نے شراب سے توبہ کر لی ہے۔ میں نے ڈکیتیوں سے توبہ کر لی ہے۔ اب کیا کروں مجھے تو کوئی کام بھی نہیں آتا۔ ساری زندگی چوری ڈکیتی کی ہے۔ مجھے تو کوئی کام بھی نہیں آتا۔ سرکار نے فرمایا بکریاں چراؤ۔ وہ علاقہ سارا جانتا ہے، بھائی ثناء اللہ صاحب کو پتہ ہے کہ پھر وہ بکریاں چرایا کرتا تھا اور اللہ اللہ کیا کرتا تھا۔ اور لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اس پہ کسی ولی کی نگاہ پڑی ہے۔ اور اگر ان کے پاس بیٹھ کر بھی کوئی بندہ بدبخت ہی رہے تو پھر اس کی مرضی۔

میں جو بات تربیت کی کر رہا تھا۔ وقت کم ہے۔ میں بس چند اشارے کر جاؤں۔ دہلی میں بڑا نام تھا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا اور سلطان شمس الدین التمش پیر بھائی بھی تھا اور بادشاہ وقت بھی تھا۔ پھر کیا ہوا کہ

ایک دن ایک عورت بادشاہ کے دربار میں ایک بچہ لیکر آگئی۔ کہنے لگی کہ یہ بچہ قطب الدین بختیار کاکی کا ہے، اس نے میرے ساتھ ناجائز تعلقات رکھے تھے، یہ حرام کا بچہ ہے۔ گواہ طلب کیے، گواہ بھی آگئے۔ انہوں نے کہا کہ تہجد کا وقت تھا اور ہمیں تہجد کے بہانے باہر نکالا اور اس عورت کے گھر چلے گئے۔ سازشیں بڑی ہوئیں۔ سلطان التمش بڑا پریشان ہوگیا۔ فرمایا کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ ایک رات کی مہلت دو۔ گھر آئے، اجمیر شریف کی طرف منہ کر کے کہا غریب نواز میں خود تو یہاں نہیں آیا، تیرا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ تُو تو جانتا ہے۔ سو گئے، خواب میں غریب نواز ملے، فرمایا میں کل شام تک پہنچ جاؤں گا۔ شام کی نماز کے وقت غریب نواز آگئے۔ قطب الدین بختیار کاکی ذرا رونے لگے۔ ذرا تصور کریں ناں، کہاں وہ عزتیں اور آج دہلی کی ہر گلی محلے میں چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں۔ آج ہر وقت رسوائی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ قطب الدین بختیار کاکی کی آنکھوں میں آنسو آئے، کہنے لگے کہ میرے مرشد مجھے بتا دینا تھا کہ میرے ساتھ یہ معاملہ بھی ہونا تھا۔ میں ذہنی طور پہ تیار تو رہتا۔ غریب نواز غصہ میں آگئے۔ فرمایا تُو یوسف سے زیادہ عزت والا ہے؟ تُو اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام سے زیادہ عزت والا ہے؟ تُو مریم سے زیادہ عزت والا ہے؟ تیری زبان سے یہ جملے کیوں نکلے ہیں کہ یہ کیفیت کیوں آئی؟ ہمارے بڑوں نے تو ہمیں خیر کا یہاں تک راستہ بتایا ہے۔ حالانکہ یہاں بڑے بڑے تھڑک جاتے ہیں لیکن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی استقامت کیساتھ کھڑے ہوگئے۔ کیا یہ تہمت یوسف علیہ السلام پہ نہیں لگی تھی؟ نہیں، بِيَدِكَ الْخَيْرُ اس کے ہاتھ میں خیر کے سوا کچھ نہیں۔ مجمع لگا، صبح بادشاہ کا دربار لگا۔ خواجہ غریب نواز نے اس عورت سے کہا کہ باقی سب تو جھوٹ بولتے ہیں۔ تجھے تو پتہ ہے، یہ ظلم نہ کر۔ اس نے کہا کہ نہیں جی میں سچی بات کر رہی ہوں۔ گواہ پھر پیش ہوگئے۔ یہ آج نہ سوچا کریں کہ جھوٹے گواہ آجاتے ہیں، اس وقت بھی آجاتے تھے۔ ولیوں کی، نبیوں کی مخالفت میں بڑے بڑے جھوٹے گواہ آجاتے تھے۔ اس اب میرے غریب نواز نے اس دربار میں سر سجدے میں رکھ کر کہا کہ میرے مولا جب یوسف پہ تہمت لگی تھی تو تُو نے عزت بچالی تھی، ایک بچے سے گواہی دلوادی تھی۔ یہ تیرے محبوب کا امتی ہے۔ تیرے دین کی خدمت کرتا ہے۔ اس کو اس دربار میں رسوا نہ کرنا۔ سرکار نے سر سجدے سے اٹھایا اور بچے کو گود میں اُٹھا کر فرمایا تُو ہی بتا کہ تُو کس کا ہے؟ وہاں یوسف علیہ السلام کیلئے بچہ بولا تھا۔ یہاں بابا فرید کے پیر کیلئے بچہ بولا۔ دربار میں ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا، بچے نے کہا کہ میں اس سردار کا بیٹا ہوں۔ بادشاہ کی بھی سانس ٹھیک ہوگئی۔ سلطان التمش بھی بڑا پریشان بیٹھا ہوا تھا۔ خواجہ غریب

نواز نے فرمایا کہ ابھی میدان نہیں چھوڑنا۔ فرمایا تُو بتا یہ جو چار گواہ ہیں، یہ کیا کر رہے ہیں۔ بچے نے کہا یہ چار گواہ ہی نہیں بلکہ قاضی بھی ان کیساتھ ملا ہوا ہے۔

یہ دو باتیں یاد رکھنا، یہ حضرت صاحب قبلہ کا فیض ہے۔ فیض تو ظاہر ہے پاک پیغمبر ﷺ سے ہی چلتا ہے اور سلسلہ بسلسلہ ہم تک پہنچتا ہے۔ کبھی خالق کا گلہ مخلوق کے سامنے نہ کرنا اور اللہ کے ہاتھ میں خیر کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

36۔ جمعۃ المبارک کے فضائل اور مسائل

قرآن: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ-ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورۃ الجمعہ: 9)

ترجمہ: اے ایمان والو جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

خاکہ:

1. اللہ کی طرف بلایا جائے تو پھر دنیاوی نفع ترک کر دو۔
2. اللہ اپنا خاص حکم صرف ایمان والوں کو دیتا ہے۔
3. یہودیوں کی چار باتوں کا جواب
4. جمعہ ک دنوں کا سردار بنایا
5. غسل کرنے کا طریقہ
6. سو کر اٹھ کر ہاتھ دھونا
7. جمعہ کی تیاری کر کے جلدی مسجد جانا
8. جمعہ کی پہلی، دوسری اور تیسری شرط
9. اگر سستی کی وجہ سے تین جمعے چھوڑے تو دل مردہ
10. جمعہ کی مزید شرائط اور مسجد میں بیٹھنے کے فوائد

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز علماء، سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

سورۃ الجمعہ کا درس جو ہے وہ چل رہا ہے اور آج جو ہے یہ جمعہ کی حکم والی آیت تلاوت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اے لوگو جو ایمان لائے ہو اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ جب جمعہ کی نماز کیلئے ندا دی جائے، آواز دی جائے فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تو ترجمہ تو اس کا یہ کیا جاتا ہے کہ دوڑ کر اللہ کے ذکر کی طرف آؤ۔ لیکن فَاسْعَوْا کا معنٰی ہے سعی کرنا، کوشش کرنا۔ یہ بڑھیا مفہوم ہے اس لفظ کا۔ کیونکہ پھر اس میں آپ کی جتنی بھی کوشش ہے نیت سے لیکر کپڑے پہننے تک، مسواک کرنے تک، مسجد تک سفر کرنے تک، سعی میں وہ ہر چیز شامل ہو جائے گی۔ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تو سعی کرو، اللہ کی یاد کی طرف، اللہ کے ذکر کی طرف۔ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ اور کاروبار چھوڑ دو۔ خرید و فروخت، جو کچھ بھی کر رہے ہو چھوڑ دو۔ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ یہ نہ سوچنا کہ بازار میں ریٹ بڑا الگ رہا تھا اور بڑا فائدہ ہو رہا تھا۔ نہیں۔ کام چھوڑ کر جمعہ کی طرف آنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

اچھا یہ قرآن کریم کا اسلوب ہے، طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثلاً جمعہ کیطرف بلایا ہے تو شروع کیا ہے ایمان والوں سے۔ روزے کا حکم دیا ہے تو فرمایا ہے ایمان والو، نماز کا حکم دیا تو فرمایا ایمان والو اور اگر میلاد پہ شکر کرنے کا حکم دیا تو فرمایا ایمان والو۔ حالانکہ اللہ نے اپنا جو تعارف کروایا ہے وہ ہے اِلٰهِ النَّاسِ ۔مَلِكِ النَّاسِ۔ وہ انسانوں کا مالک ہے۔ انسانوں کا معبود ہے۔ قرآن کریم کی باری آئی تو فرمایا هُدًى لِّلنَّاسِ۔ یہ انسانوں کیلئے ہدایت ہے۔ جب میرے پاک پیغمبر ﷺ کا تعارف کروایا تو فرمایا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔ جو ہستی انسانوں کیلئے کافی ہے وہ میرے رسول کی ذات ہے۔ تو وہ معبود بھی تمام انسانوں کا ہے۔ پیغمبر بھی تمام انسانوں کیلئے۔ کتاب بھی تمام انسان کیلئے ہے۔ لیکن ہر حکم تمام انسانوں کیلئے نہیں ہے۔ کبھی کبھی آپ کو پتہ ہے کہ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کہہ کر بھی قرآن مخاطب کرتا ہے۔ کبھی یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ کہہ کر بھی مخاطب کرتا ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے کوئی خصوصی حکم دیا ہے تو تب انسانوں کو نہیں مخاطب کیا۔ مالک وہ سب کا ہے، معبود سب کا ہے۔ لیکن جب کوئی خاص حکم آتا ہے تو پھر وہ اایمان والوں کو پکارتا ہے۔ یہ ایک خاص تعلق ہے اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں کیساتھ۔ جمعہ کیلئے بھی سب کو نہیں بلایا، ایمان والواں کو بلایا۔ جو نہی

آواز دی تو کاروبار چھوڑنا ہے، دنیا کا نفع چھوڑنا ہے۔ اس میں جو حکمت میں دیکھتا ہوں کہ لوگ پوچھتے ہیں ایمان والا، تو میں کہتا ہوں کہ اللہ نے خود ہی تو فرما دیا کہ جو دنیا چھوڑ کر اللہ کی طرف آجائے وہی تو ایمان والا ہے۔ بھائی جس نے اللہ کی خاطر دنیا چھوڑ دی وہی ایمان والا ہے اور جو دنیا کی خاطر اللہ کو چھوڑ دے، اسکو ایمان والا نہیں کہا جا سکتا۔

ہم نے پیچھے جو یہودیوں کی چار باتیں پڑھی تھیں۔ ایک تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم اللہ کے بڑے لاڈلے ہیں، ہم اللہ کے بیٹے ہیں، اللہ ہم سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی نفی فرمائی کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو پھر موت کی تمنا کرو۔ ملاقات کی بھی تو تمنا کرو۔ یہ تو کوئی بات نہیں کہ اللہ کو دوست بھی کہتے ہو اور اللہ سے ملاقات بھی نہیں کرنا چاہتے۔ عجیب دوستی ہے یہ؟ صحابہ کرام کیا کہا کرتے تھے، جس جنگ میں گئے ہیں، کفار نے للکارہ ہے تو بَڑھیا جملہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے۔ ایک ہی جملہ کہا کرتے تھے، ہمارا تمہارا کیا مقابلہ ہے؟ ہم موت سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی تم زندگی سے کرتے ہو۔ بھائی مسلمانوں کا کفار کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مسلمان، موت سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی کافر اس دنیا سے کرتے ہیں۔ اس لیے پھر ان سے کہا گیا تھا کہ تم پھر موت کی تمنا کرو، اللہ سے ملاقات کی تمنا کرو۔ دوسرا انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے پاس کتاب ہے اور یہ مکہ والے جو ہیں اُمیین ہیں، انکے پاس کتاب نہیں ہے۔ یہ انہوں نے اپنی فضیلت بیان کی تھی۔ یہ سارا پچھلے رکوع میں ہے۔ تو اللہ نے کیا فرمایا تھا؟ اللہ نے فرمایا کہ کتاب تو ہے لیکن ایسے ہی ہے جیسے گدھے پہ لادی ہوئی ہے۔ اگر تم نے اس کتاب سے ہدایت ہی نہیں لی، اس کے مطابق عمل ہی نہیں کیا تو گدھے پہ ہی کتاب ہے۔ اس کو اللہ نے یوں condemn کیا۔ تیسری جو انہوں نے بات کہی کہ نبی تو آہی صرف بنی اسرائیل میں سکتے ہیں اور کہیں بھی نہیں آسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر ہم نے اُن اُمیین میں اپنے رسول کو بھیجا۔ چوتھی بات انہوں نے کی تھی کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ہفتے میں ہمیں ایک دن عبادت کیلئے دیا ہے۔ یوم السبت۔ ہفتے کا دن۔ ہم اتنے لاڈلے ہیں کہ اللہ نے ایک دن ہمیں اپنی عبادت کا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اس کے جواب میں، یہ چاروں چیزیں میں نے بیان کی تھیں تو یہ جو چوتھی چیز بیان کی جا رہی ہے کہ اگر تمہیں ہفتہ کا دن دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو جمعہ کا دن عطا کیا۔ یعنی

وہ جو اپنی برتری بیان کر رہے تھے ناں، اس برتری کو اللہ نے توڑا ہے۔ جس جس برتری کا یہودیوں نے ذکر کیا تھا ناں، اس سورۃ پاک میں یہی ان کے جواب دیے گئے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، یہ مسند امام احمد میں روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خود سوال کیا کہ تمہیں پتہ ہے جمعہ کیا ہے؟ تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہی جو صحابہ کا طریقہ تھا واللہ اعلم ورسولہ۔ پھر دوسری دفعہ پوچھا پھر تیسری دفعہ پوچھا۔ میں نے تینوں دفعہ یہی جواب دیا۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان، جمعہ کا دن وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ آدم کو پیدا فرمایا[1]۔ اچھا جب میں اس حدیث کو دیکھتا ہوں کہ اتنی فضیلت والا دن، سید الایام ہے جمعہ کا دن۔ تمام دنوں کا سردار۔ اللہ تعالیٰ نے دن دیتے ہوئے بھی نسبت دی کہ جس دن تمہارے باپ پیدا ہوئے۔ اس دن کی بھی عزت کیا ہے کہ اس دن تمہارے باپ آدم پیدا ہوئے۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان جو شخص اس دن وضو کر کے گھر سے نکلے، مسواک کرے، وہ جو سعی کی میں نے بات کی تھی ناں، ساری چیزیں اس میں آجاتی ہیں، اور پھر میسر ہے خوشبو لگائے اور پھر اللہ کے ذکر کی طرف چلا جائے، مسجد میں چلا جائے، نماز جمعہ ادا کرنے کیلئے، وہاں پر خاموشی سے بیٹھے۔ یہ بڑی اہم بات ہے اس حدیث میں۔ یہاں تک بیٹھے کہ امام اپنی نماز مکمل کرلے۔ یہ تین چار چیزیں ہیں اس حدیث میں کہ وضو کرے، طہات حاصل کرے، مسواک کرے، اس دور میں آپ کو پتہ ہے کہ مسواک کی جگہ برش آگیا، برش آپ کرلیں، خوشبو لگائیں۔ میں کئی دفعہ اپنے بچوں سے یہ بات کرتا ہوں کہ یہ اتنی تیاری، اتنا اہتمام۔ اوہ بھائی! جب تم اپنے رشتہ داروں کو ملنے کیلئے جاتے ہو تو کیا تیاری کرتے ہو۔ کسی شادی پہ جانا ہو تو تیاری نہیں کر کے جاتے؟ خوشبو نہیں لگاتے؟ نئے لباس نہیں پہنتے؟ اور اللہ سے ملاقات کیلئے آنا ہے تو ایسے ہی چلے آؤ؟ فرمایا جو اس اہتمام کیساتھ مسجد میں آتا ہے اور خاموشی کیساتھ بیٹھ جاتا ہے، اتنی دیر بیٹھتا ہے کہ امام اپنی

[1] صحیح مسلم:1977

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین دن جس میں سورج نکلتا ہے جمعے کا ہے اسی دن آدمؑ کو پیدا کیا گیا تھا اور اسی دن انھیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی میں انھیں اس سے نکالا گیا (خلافت ارضی سونپی گئی) اور قیامت بھی جمعے کے دن ہی برپا ہوگی۔

نماز مکمل کرلے۔ فرمایا سلمان پتہ ہے اسکو حاصل کیا ہو گیا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ بتائیں۔ فرمایا اگر کسی شخص نے اس طریقے سے جمعہ ادا کیا تو ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے دوران یہ جو آٹھ دن ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادیگا۔ سوائے ایک گناہ کے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کونسا گناہ ہے ؟ فرمایا خون ریزی کرنا۔ خون بہانا۔ اس کو مذاق نہیں سمجھنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اتنا مہربان ہے کہ سارے گناہ معاف کردے گا لیکن جس نے یہ فساد کیا، خون بہانے کا، وہ گناہ معاف نہیں کرے گا۔ پھر میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ جو ہے یہ مساکین کیلئے حج ہے [1]۔ اب یہودی کیا دیکھیں؟ یہودیوں کو یہ سب کچھ دیا تھا؟ وہ جی ہمیں ہفتہ کا دن مل گیا عبادت کیلئے۔ مسلمانوں کو جو دن ملا ہے۔ ایمان والوں کو جو دن ملا ہے۔ الجمعۃ حج المساکین۔ جو سمجھتے ہیں کہ ہم غریب ہیں، مساکین ہیں، ہم جا نہیں سکتے، حرم کا سفر اختیار نہیں کرسکتے۔ مدینہ پہنچ نہیں سکتے، زادِ راہ نہیں ہے۔ اب عام مومنوں کیلئے اور ثواب ہے اور جو مسکین تیاری کرکے آتا ہے اس کے لیے حج کا ثواب ہے۔ یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی۔

لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت ہے اس میں اور چیزیں بیان ہوئی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو روایت کی ہے اس میں غسل کا ذکر ہے۔ اگر کوئی شخص جمعہ والے دن ایسے غسل کرے، جیسے غسلِ جنابت کیا جاتا ہے۔ بھائی ایک آپ نہاتے ہیں، گرمی ہو تو ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے نہاتے ہو، غسل کرتے ہو۔ ایک ہوتا ہے کہ آپ نے ویسے کہیں جانا ہو تو آپ کہتے ہیں کہ ذرا صاف ستھرا ہو جاؤں۔ ایک غسل آپ پہ واجب ہوتا ہے اس کو غسلِ جنابت کہتے ہیں۔ آپ کو احتلام ہو گیا، بیوی کے پاس سے ہو کے آئے، آپ پہ غسل واجب ہو گیا۔ غسل جنابت میں تین فرض ہیں۔ آپ نے تین دفعہ غرارہ کرنا ہے۔ پانی حلق تک آجائے۔ تین دفعہ ناک میں پانی ڈالنا ہے کہ نرم ہڈی تک آجائے اور پھر سارے جسم پہ پانی بہانہ ہے کہ کوئی بال خشک نہ رہ جائے۔ اگر ایک بال بھی خشک رہ گیا تو پاکیزگی حاصل نہیں ہوگی۔ اصل میں مصیبت یہ ہے کہ ہم یہ پہلی شرائط پوری نہیں کرتے تو عبادات کا بھی ہمیں فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں ہماری رہنمائی یہ کی گئی ہے کہ اگر جسم خشک ہو، کئی دفعہ ہوتا ہے کہ جسم پہ خشکی ہوتی ہے، آپ پانی بہاتے ہیں تو جسم جذب نہیں کرتا۔ تو پھر آپ جیسے تیل ملتے ہیں تو ایسے پہلے پانی کو ملیں تاکہ

[1] مسند الشہاب:79

وہ جسم میں جذب ہو۔ پانی بہائیں۔ کانوں کے پیچھے بال ہوتے ہیں تو کئی دفعہ یہ جگہ خشک رہ جاتی ہے۔ اس جگہ کو اچھی طرح دھونا ہوتا ہے۔ پھر یہ جو کان کی بناوٹ ہے۔ ایک ہوتا ہے کہ گیلا کرنا اور ایک ہوتا ہے دھونا۔ غسل میں میں آپ نے جسم کو گیلا نہیں کرنا بلکہ دھونا ہے۔ غسل کی تعریف یہ ہے کہ پانی کا بہنا، اگر اس پہ آپ پانی کا تنکہ رکھیں تو وہ بہہ جائے۔ وضو میں بھی آپ نے اعضاء کو دھونا ہے، گیلا نہیں کرنا۔ جو اعضاء دھونے والے ہیں۔ تو پانی ہتھیلی میں لیکر کان کیساتھ، تاکہ وہ مس نہ ہو بلکہ اس کو دھویا جائے۔ پھر آپ کی یہ بغلیں ہوتی ہیں، یہاں پانی نہیں پہنچتا۔ یعنی یہ غسل جنابت آپ نے اچھی طرح کرنا ہوتا ہے۔ ایک بال بھی خشک نہ رہ جائے۔ پھر آپ کو پاکیزگی نہیں ملے گی۔ پھر آپ پالیدگی کی حالت میں نماز پڑھیں گے، قرآن کی تلاوت کرینگے۔ اس کا پھر فائدہ کی بجائے گناہ ہوتا ہے۔ اس لیے نبی پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس کا وضو جتنا اچھا ہوتا ہے، اتنی ہی اسکی نماز اچھی ہوتی ہے۔ کئی دفعہ ہمارے بوڑھے ہوتے ہیں تو انکی جلد لٹک جاتی ہے تو اس کے نیچے والا حصہ خشک رہ جاتا ہے۔ پھر اپنی ناف کے اندر پانی بہائیں۔ پھر اگر آپ بیٹھ کے غسل کر رہے ہیں تو ٹانگیں جڑی ہوئی ہوتی ہیں، انکو ذرا کھول کے نیچے سے اچھی طرح دھوئیں۔ یہ وہ خاص جگہیں ہوتی ہیں، اگر آپ جلدی جلدی نہائیں گے تو خدشہ ہوتا ہے کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

پانی کیلیئے میں نے بتایا تھا، ویسے سنت میں بڑے فائدے ہیں، یہ نبی پاک ﷺ کا عام معمول اور حکم بھی یہی تھا کہ جب بھی سو کر اٹھیں تو سب سے پہلے آپ نے اپنے ہاتھ دھونے ہیں۔ اگر آپ اٹھتے ہی یہ کام کر لیں گے تو اگر آپ جُنبی بھی تھے، پالید تھے، تو بالٹی میں، پانی میں آپ نے ہاتھ ڈال لیا ہے تو وہ پانی پلید نہیں ہوا۔ لیکن آگر آپ نے ہاتھ نہیں دھوئے تھے تو اگر آپ کی انگلی اس پانی کو لگ گئی، اب اگر آپ اس پانی سے نہائیں گے تو آپ پاک نہیں ہونگے۔ انگلی کا اتنا حصہ تو پاک ہو گیا جو پانی میں ڈوبا تھا لیکن پانی سارا پلید ہو گیا۔ اس لیے اگر آپ نے بالٹی کے پانی سے نہانا ہے تو اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ آپ کے پلید جسم کا کوئی حصہ اس میں داخل نہ ہو۔ ہاں، اس کا بھی حل ہے۔ اگر کبھی خدانخواستہ ایسا ہو گیا ہے کہ آپ نے پہلے ہاتھ نہیں دھوئے تھے تو اب اگر نل کھول کر اس بالٹی میں پانی ڈالنا شروع کریں کہ پانی بہنے لگ جائے۔ چونکہ بہتا ہوا پانی پاک ہوتا ہے تو جب اس میں سے پانی بہنا شروع

ہو جائے گا تو پھر وہ پانی پاک ہو جائے گا۔ پھر آپ اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔ (اب یہ نہیں کرنا کہ پانی بہتے جا رہا ہے اور آپ ساتھ ساتھ نہائے، ایک دفعہ بس پانی بہنا شروع ہو جائے تو پھر آپ نل یا ٹونٹی بند کر کے اس کو استعمال کر لیں) یہ اس کا حل شریعت نے بتایا ہے۔

تو بات وہ چل نکلی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ایسے غسل کیا حالانکہ وہ جنبی نہیں تھا۔ پھر بھی ایسے غسل کیا جیسے غسل جنابت کیا جاتا ہے۔ یعنی پورے اہتمام کیساتھ غسل کیا اور باقی معاملات میں نے آپ کو بتائے ہیں کہ وہ مسواک کرے، خوشبو لگائے، نئے کپڑے پہنے۔ فرمایا اگر وہ شخص جس نے غسل جنابت کیا ہے، ساری تیاری کی ہے، وہ مسجد میں جمعہ پڑھنے آیا ہے۔ تو پہلی ساعت میں، پہلی گھڑی میں، پہلی ساعت بلا کیا ہوتی ہے؟ زوالِ آفتاب کے فوراً بعد، جو نہی زوال ختم ہوتا ہے تو اس کو پہلی ساعت کہتے ہیں۔ بھائی ایک وہ بندہ جو تقریر ختم ہوئی ہے تو آیا ہے اور وہ کہے کہ مجھے بھی وہ ثواب مل جائے جو پہلے کو ملا ہے تو یہ تو نہیں نہ ہو سکتا۔ یہ تو عدل کے خلاف ہے۔ جو پہلی ساعت میں آئے گا اسکو اللہ تعالیٰ ایک اونٹ کی قربانی کا ثواب عطا کرے گا۔ جو اس کے بعد آئے گا اس کو ایک گائے کی قربانی کا ثواب۔ پھر اس کے بعد جو آئے اس کو دو سینگوں والا جو دنبہ ہے اسکی قربانی کا ثواب۔ پھر جو اس کے بعد آئے گا اس کو ایک مرغی کے صدقے کا ثواب۔ اور جو آخر میں آئے گا اس کو ایک انڈے کے صدقے کا ثواب ملے گا۔ اب آیت کی سمجھ آئی کہ کاروبار چھوڑ کر مسجد میں آنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ ابھی آیت کی تشریح تو کی نہیں، وہ جو فضائل تھے میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے بیان فرمائے وہ میں آپ کو عرض کر رہا ہوں۔ اب جب منبر پہ بیٹھ گیا امام، خطبہ شروع ہو گیا۔ اب فرشتے بھی خطبہ سننے کیلئے بیٹھ گئے۔ اب انہوں نے اپنا وہ رجسٹر جو ہے وہ بند کر لیا۔

اب اس کے لیے جو میں شرائط عرض کر تا رہتا ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہاں جو لوگ آتے ہیں ان کی علمی صلاحیت جو ہے وہ بڑھنی چاہئے۔ ان کو اپنے روزمرہ کے جو معاملات ہیں ان کا پتہ ہونا چاہئے۔ جمعہ جو ہے اس کی ایک بڑی بنیادی بات ہے کہ جمعہ آپ اکیلے نہیں پڑھ سکتے۔ کوئی بھی شخص اکیلا جمعہ نہیں پڑھ سکتا۔ اکیلا نماز پڑھ سکتا ہے۔ مثلاً اب اگر جمعہ کی نماز کی جماعت ہو جائے گی تو اس کے بعد کوئی بندہ مسجد میں آئے گا تو وہ کیا کرے گا؟ وہ

ظہر کی نماز پڑھے گا۔ کوئی بھی اکیلا بندہ جمعہ نہیں پڑھ سکتا۔ یہ ایک خاص پروٹوکول ہے جمعہ کا۔ پہلی شرط جمعہ کی یہ ہے کہ حاکمِ وقت جمعہ پڑھائے۔ آپ کے صدر صاحب جمعہ پڑھائیں، وزیر اعظم صاحب پڑھائیں۔ یا انکے مقرر کردہ نمائندے جو ہیں وہ جمعہ پڑھائیں۔ آپ کے شہر میں AC صاحب جمعہ پڑھائیں، سیشن جج صاحب جمعہ پڑھادیں۔ اب اگر یہ دونوں صورتیں موجود نہیں ہیں تو پھر عوام جس کو اپنا امام منتخب کرلے۔ بھائی عوام کو بھی اختیار ہے ناں۔ آپ کے صدر صاحب تو جمعہ نہیں پڑھا رہے، وزیر اعظم صاحب نہیں پڑھا رہے۔ اب عوام نے اپنا امام مقرر کرلیا کہ ٹھیک ہے ہم آپ کو اپنا امام، اپنا قائد مقرر کرتے ہیں آپ جمعہ پڑھا دیں۔ یہ پہلی شرط ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جہاں پہ جمعہ پڑھایا جائے وہاں بازار ہو۔ روزمرہ کی استعمال کی چیزیں وہاں سے مل جاتی ہوں۔ اس لیے کہتے ہیں کہ شہروں میں جمعہ ہے۔ اسی لیے آیت میں ہے ناں کہ خرید و فروخت چھوڑ دو، کاروبار چھوڑ دو۔ کاروبار چھوڑ کر مسجد میں آؤ۔ لیکن حاکم وقت کو اجازت ہے، وہ کسی جنگل میں بھی جمعہ پڑھائے گا تو ہو جائے گا۔ وہ کسی گاؤں میں بھی پڑھائے گا تو ہو جائے گا۔ آپ کے AC صاحب کہیں کہ ہم نے فلاں جگہ جمعہ پڑھنا ہے تو ہو جائے گا۔ اب یہ نہیں ہے کہ اب شرائط پوری نہیں ہو رہی تو ہم جمعہ ہی چھوڑ دیں۔ پہلی شرط تو یہی ہے کہ حاکم وقت جمعہ پڑھائے اور باقی شہروں میں اس کے مقرر کردہ نمائندے جمعہ پڑھائیں۔ اب یہ اگر دونوں صورتیں نہیں ہیں تو عوام اپنے طور پہ کسی کو منتخب کرلے۔ اپنا امام بنالیں۔ دوسری شرط میں نے عرض کی کہ وہاں بازار ہو، خرید و فروخت کے سارےchances موجود ہوں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ نماز جمعہ ظہر کے وقت پڑھی جائے۔ اس کے علاوہ کسی اور وقت میں نہیں پڑھی جائے گی۔ یہ بھی شرائطِ جمعہ میں سے ہے۔ یہ ظہر کے وقت پڑھی جائے گی۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ نماز سے پہلے خطبہ دیا جائے گا اور دو خطبوں کے ے درمیان میں بیٹھنا یہ سنت ہے۔ یہ میں آپ کو فرائض اور واجبات بتارہا ہوں۔

یہ نماز جمعہ واجب ہے، یہ نہیں ہے کہ میں نہ پڑھوں گا تو خیر ہے۔ حکم اتنا سخت ہے کہ اگر کسی نے سستی کی وجہ سے تین جمعہ لگاتار چھوڑ دیے تو اس کا دل مردہ ہو جائے گا۔ اس کے اندر ہدایت لینے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔ ہاں یہ جمعہ واجب ہے، اسکا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ یہ نصِ قطعی ہے، قرآن میں اللہ نے اس کا حکم دیا

ہے۔ ہاں صرف چار لوگوں کو استثناء ہے: عورت پہ جمعہ فرض نہیں، بچے پہ نہیں، بیمار پہ نہیں اور غلام پہ نہیں۔ ان چار لوگوں پہ جمعہ فرض نہیں۔ اچھا آج کل یہ بھی بڑی مصیبت ہے، جب میں یہ مسائل بیان کرتا ہوں تو یہ جی گھروں کے نوکر؟ بھائی یہ غلام نہیں ہیں۔ آج کل جو لوگ ہمارے گھروں میں ملازمت کرتے ہیں یہ غلام نہیں ہیں۔ غلام وہ ہوتا تھے اس دور میں جن کو قیمتاً خریدا جاتا تھا، انکی اپنی مرضی نہیں ہوتی تھی۔ یہ تو اپنی مرضی سے جہاں جی چاہے ملازمت کرسکتے ہیں، تنخواہ لیتے ہیں۔ یہ اس غلام کی تعریف میں نہیں آتے۔ لیکن ھدایہ میں جو آگے فتویٰ ہے کہ مسافر پہ بھی نہیں ہے۔ مسافر پہ بھی جمعہ فرض نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی بندہ لگاتار تین جمعہ چھوڑے گا تو اس کا دل مردہ ہو جائے گا۔ ہدایت قبول کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ اسکو توبہ کرنا پڑے گی، استغفار کرنا پڑے گی۔ اس لیے اللہ نے پکارہ ہی ایمان والوں کو ہے۔ دوسرے لوگوں کو پکارہ ہی نہیں ہے۔

چوتھی شرط میں نے عرض کردی کہ خطبہ ہوگا۔ پانچویں یہ ہے کہ خطبہ مجمع کے سامنے ہوگا۔ یہ نہیں ہے کوئی اکیلا ہی بندہ کہے کہ میں خطبہ دے کے آگیا ہوں، چلو جمعہ پڑھیں۔ نہیں۔ آن لائن نہیں ہوگا۔ مجمع کے سامنے ہوگا۔ اب یہاں جمعہ شروع ہوگیا ہے ناں، تو جب شروع ہو تو اجتماع اتنا ہو کہ کفار آپ کا مذاق نہ اڑائیں۔ کوئی مذاق نہ اڑائے کہ مسلمان کتنے رہ گئے؟ اوہ جی! دو چار ہی رہ گئے۔ لیکن جب شروع ہو جائے تو پھر کم از کم امام کے علاوہ تین لوگ موجود ہوں خطبہ سننے کیلئے۔ کم از کم تین لوگ موجود ہوں جب امام خطبہ دے۔ پھر اس کی آخری شرط یہ ہے کہ جمعہ کی اذان کسی خاص بندے کیلئے نہ ہو، عام عوام کیلئے ہو۔ مثلاً سارے دروازے کھول دیے جائیں۔ جمعہ ہے ناں، اجتماع ہے، اکٹھے ہوں سارے لوگ۔ آجکل تو وہ سلسلہ ہی نہیں رہا۔ عام نماز کیلئے بھی نبی پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ نماز پڑھ کے اٹھ کے چلے نہ جایا کرو۔ نماز والی جگہ پہ کچھ دیر بیٹھ کے اللہ کا ذکر کیا کرو۔ اگر آپ کچھ بھی نہیں نہ پڑھ رہے، مسجد میں بیٹھے ہیں، اللہ کے گھر میں، کچھ بھی نہیں پڑھ رہے لیکن سانس تو لے رہے ہیں ناں۔ تو یہ سانس لیتے ہوئے جو پانی کے ذرات باہر نکلتے ہیں، یہ نظر بھی نہیں آتے۔ جب ہم سانس لیتے ہیں تو پانی کے ذرات (بخارات) باہر نکلتے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے ناں کہ ہتھیلی پہ آپ سانس لیں گے تو ہتھیلی گیلی ہو جائے گی۔ وہ ذرات جو تجھے نظر بھی نہیں آتے اگر تُو نماز کے بعد اللہ کے گھر میں اس کی خوشنودی کیلئے بیٹھا رہتا ہے تو ایک ایک پانی کے

ذرے کے برابر نیکیاں عطا ہو نگی۔ اس لیے پچھلی حدیث میں کیا تھا کہ جب تک امام نماز مکمل نہ کر لے خاموشی کیساتھ بیٹھارہ۔ لیکن آج کل تو ہمیں بڑی جلدی ہے، اور کام بہت ہیں۔ مجبوری ہو تو جا بھی سکتے ہیں لیکن عام نماز کیلئے بھی یہ حکم ہے کہ نماز پڑھ کے کچھ دیر اس جگہ پہ بیٹھے رہو۔ اللہ کا ذکر کرو، وہی ثواب ملے گا بیٹھنے کا جتنا نماز میں ملا ہے۔ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ ایمان والوں یہی بہتر ہے تمہارے لیے۔

ایک بات یہ بھی تھی کہ اس شہر میں ایساحاکم موجود ہو جو مظلوموں کا حق دلواسکے اور ایک عالم ایساموجود ہو جو شرعی مسائل کا حل بتاسکے۔ یہ شرائط جمعہ آپ کے ذہن میں ہونی چاہئے۔ آج کل ہمارے علماء یہ کہتے ہیں کہ جہاں پہ یونین کونسل کا دفتر ہو، وہاں بھی فیصلے ہوتے ہیں، تو اس کو عدالت کا سمبل ہم قبول کر لیں گے کہ یہ شرط جو ہے یہ پوری ہورہی ہے۔ ہم یہ جو جمعہ پڑھ رہے ہیں ناں، یہ تذکیر کیلئے ہے، نصیحت کیلئے ہے۔ چونکہ ہم کہتے تو ہیں کہ یہ اسلامی ریاست ہے لیکن اسلامی ریاست اس وقت ہو گی جب حاکم وقت جمعہ پڑھایا کرے گا۔ یہ ہماری مجبوریاں ہیں۔ ہماری پاس وہ پہلی شرط جو ہے وہ کسی جگہ پوری نہیں ہورہی کہ ہمارے حاکم اس قابل نہیں ہیں۔ اس شرط کو میں کئی دفعہ بیان کرتا ہوں کہ جب ہم ووٹ بھی دیتے ہیں تو کبھی سوچا ہے کہ کم از کم اس کو ووٹ دیں جو جمعہ تو پڑھا سکے۔ کبھی ہم نے یہ تو نہیں سوچا؟ بھائی حاکم کیلئے پہلی شرط ہی یہی ہے کہ وہ جمعہ پڑھانے کے قابل ہو۔ تو جب یہ نظام صحیح ہو گا تو، آج تو ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی جگہ ایک شرط بھی پور ہورہی ہو تو جمعہ پڑھ لیں تاکہ جمعہ کے فوائد لوگوں کو حاصل ہوں۔ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک لوگوں کے گناہ معاف ہوتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

37۔ دین میں استقامت اللہ کی رحمت کیساتھ ہے

قرآن: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً-اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ(سورة آل عمران: 8)

ترجمہ: " اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بے شک تو ہے بڑا دینے والا۔"

خاکہ:

1. ربوبیت کا تقاضا۔
2. نبیوں کا ذکر عبادت اور ولیوں کا ذکر گناہوں کا کفارہ۔
3. میرے محبوب ﷺ کی امت ہے تو بہترین تو ہو گی۔
4. جتنا ایمان مضبوط اتنے اعمال مضبوط
5. غوث اعظم درمیان اولیاء
6. نبوت اور ولایت میں فرق
7. سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کا واقعہ
8. سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کی وصیت
9. بہترین امت کون ہیں؟

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

آج میں نے سورۃ آل عمران سے یہ 8 نمبر آیت جو اکثر آپ اپنی دعاؤں میں اللہ رب العزت کے سامنے التجا کرتے ہیں۔ اور اس میں بڑی اہم بات یہ ہے کہ یہ دعا کا طریقہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے سکھایا اور اس میں جو بات اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے وہ یہ ہے رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔ اے ہمارے رب ہدایت کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر۔ یعنی یہ کتنا اہم جملہ ہے کہ جتنا دل ٹیڑھے ہونے کا خطرہ ہدایت کے بعد ہے وہ ہدایت سے پہلے نہیں۔ چونکہ پہلے تو وہ ہے ہی گمراہی کے راستے پر۔ انسان کا جو اصل امتحان ہے وہ ہدایت حاصل کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اچھا یہ خزانہ جو ہوتا ہے ناں ہدایت کا، یہ شاید کسی موقع پہ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ سورۃ فاتحہ میں بھی جب ہم یہ پڑھتے ہیں ناں اھدنا الصراط المستقیم، اس کا ترجمہ یہ نہیں ہے کہ یا اللہ ہمیں سیدھے راستے پہ چلا۔ چونکہ وہ سورۃ دھر میں اللہ تعالیٰ بیان فرما چکا ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا [1]۔ ہدایت تو اللہ نے تمہیں دے دی ہے۔ یہ اس کی ربوبیت کا اس کی تربیت کا تقاضہ تھا کہ وہ جس کو بھی بھیجے ہدایت دیکر بھیجے۔ اب تمہاری مرضی ہے کہ تم شکر کرتے ہو کہ کفر کرتے ہو۔ تو جب ہم سورۃ فاتحہ میں یہ دعا مانگتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم۔ تو اس کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ یا اللہ وہ جو ہدایت تُو نے ہمیں دی ہے اس پہ استقامت عطا کر۔ یعنی اس ہدایت سے میرے قدم ڈگمگائیں نہ۔ تو یہاں بھی یہ بات ہے کہ یا اللہ ہدایت کے بعد میرے دل کو ٹیڑھا نہ کر۔ وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً۔ اور یہ جو هَبْ لَنَا ہے ناں۔ اسکو میں سادہ زبان میں عرض کروں، اپنی طرف سے رحمت انڈیل دے میرے اوپر۔ اب تھوڑی بہت رحمت نہیں۔ ایس ہدایت تے قائم رہن لئی مینوں تیری واہوا رحمت دی ضرورت اے۔ یعنی یہ انتہائی عجز بھی ہے اس میں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کی طلب بھی ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ یہ وھاب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

---

[1] سورۃ الدھر:3

یہ چونکہ ربیع الثانی، حضور شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ، آپ کے حوالے سے، آپ کا چونکہ وصال ہوا اس مہینے میں۔ تو یہ میں نے حدیث آپ کو پہلے از بر کروائی ہوئی ہے کہ نبیوں کا ذکر عبادت ہے اور ولیوں کا ذکر گناہوں کا کفارہ ہے۔ جہاں اللہ کے ولیوں کا ذکر ہوتا ہے وہاں گناہوں کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے اور وہ جو ملا علی قاری نے حدیث روایت کی ہے کہ جہاں اللہ کے ولیوں کا ذکر ہوتا ہے وہاں الہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ باقی وہ جو ابدالوں والی حدیث ہے کہ ان ولیوں کے ذکر سے ہی اللہ تمہیں رزق عطا کرتا ہے۔ مثلاً یہ جو ہمیں رزق مل رہا ہے ناں یہ ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے نہیں مل رہا۔ بارشیں ہوتی ہیں تو ان اللہ کے ولیوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اس کو علامہ اقبال نے حضور داتا صاحب کے ہاں کھڑے ہو کر کہا تھا ناں۔

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

ہمارے سلسلہ عالیہ میں جب آپ شجرہ شریف پڑھتے ہیں ناں تو آخر میں جا کر حضرت ابراہیم ادھم کا ذکر آتا ہے۔ یہ چونکہ بلخ کے بادشاہ تھے تو وہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے جہاں طالب علم قرآن کریم کا علم حاصل کرتے تھے۔ جیسے آپ بھی قرآن سیکھنے کیلئے آتے ہیں۔ یہ محفل ہماری قرآن فہمی کیلئے ہوتی ہے۔ تو ایک چودھری صاحب آ گئے اور انہوں نے بچوں کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔ سرکار ابراہیم ادھم کو وہ جانتا نہیں تھا کہ یہ بادشاہ رہے۔ اس وقت ظاہر ہے آپ اپنی فقیری کی لباس میں بیٹھے تھے۔ تو جب اس کو دیکھا ناں کہ یہ طالب علموں کو جھڑک رہا ہے تو آپ نے فرمایا ان سے کیوں بدتمیزی سے پیش آ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس مدرسے کھانا بھیجتا ہوں، انکی ضروریات پوری کرتا ہوں۔ ان کو یہ بھی نہیں پتہ کہ چودھری صاحب آئیں تو اٹھ کے استقبال کریں، انکا گھوڑا پکڑ کے باندھیں۔ میں نے اس مدرسے کے تمام اخراجات اٹھائے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم ادھم مسکرائے۔ آپ نے فرمایا تجھے غلط فہمی ہوئی ہے، تیرے پاس جو رزق ہے وہ ان کی وجہ سے ہے۔ تو کہتا ہے کہ تُو ان کو دیتا ہے، نہیں بلکہ تجھے اللہ انکی وجہ سے دیتا ہے۔ تو یہ بندے کو کئی دفعہ غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ میں تو سحری وقت سویا ہوتا ہوں اور وہ جو سحری وقت چٹائی پہ بیٹھ کے روتے ہیں، رزق تو ہمیں انکی وجہ سے مل رہا ہے۔ تو رزق ان ولیوں کی وجہ سے تقسیم ہوتا ہے۔ یہ میری باتیں نہیں ہیں، یہ احادیث کی باتیں آپ کو سنا رہا ہوں۔

اب سلسلہ کوئی بھی ہو، تمام سلاسل کے بزرگانِ دین کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ، محبوب سبحانی، آپ ولیوں کے سردار ہیں۔ اچھا ایک غلط فہمی میں، وہ جی ان کو ولیوں کا سردار کیوں بنایا گیا؟ ولی تو بڑے بڑے ہیں لیکن یہ جملہ کہنا کہ میرا تو ہر ولی کی گردن پہ قدم ہے۔ یہ کوئی چھوٹا جملہ ہے؟قدمی هذه علی رقبۃ کل ولی اللہ۔ میں ان سے یہ کہا کرتا ہوں کہ جب تم یہ آیت پڑھ کے لوگوں پہ رعب ڈال رہے ہوتے ہو كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ[1]۔ اب کان کا جو صیغہ ہے یہ ماضی کا صیغہ ہے۔ اب بیوقوف اس کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ تم بہترین امت ہو۔ لفظ ہے کنتم تو یہ کان ماضی کا صیغہ ہے۔ ہے کا نہیں، تھے۔ اللہ فرماتا ہے کہ تم بہترین امت تھے۔ امت ابھی پیدا نہیں ہوئی اور اللہ فرمارہا ہے کہ تم بہترین امت تھے۔ ابھی کوئی نفل نہیں پڑھے، کوئی ریاضتیں نہیں کیں۔ بھائی امت تھے تو پہلے نبی بھی کہا کرتے تھے ناں کہ یا اللہ اس امت میں پیدا کر۔ پھر وہ دوسری آیت بڑی پڑھیں گے۔ یہ آیات کا حوالہ اس لیے کہ آپ کے ذہن میں بات clear ہو۔مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ‌-وَ الَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ تَرٰٮهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانًا‌-سِيۡمَاهُمۡ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ‌-ذٰلِكَ مَثَلُهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ‌- وَ مَثَلُهُمۡ فِى الۡاِنۡجِيۡلِ[2]۔ اللہ فرماتا ہے کہ اس امت کی مثالیں، نبی پاک کے غلاموں کی مثالیں تو ہم نے تورات اور انجیل میں بھی بیان کی ہیں۔ آپ کوئی پیدا ہو کر بہترین امت نہیں بنے بلکہ اللہ نے تو آپ کو پہلے ہی، پیدا ہی بہترین امت کیا۔ آپ کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی کیا۔ آیات اور بھی ہیں لیکن کم از کم یہ دو آیات ذہن میں رہیں۔ كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ تم بہترین امت تھے۔ پہلے نبی بھی تمہارا ذکر اچھے الفاظ میں کرتے تھے۔ اس وقت میں نے کوئی عبادتیں،، ریاضتیں کیں تھی؟ اس وقت تو ہم تھے ہی عالم ارواح میں، ہم تو پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ لیکن امتوں کو یہی بتایا گیا تھا تِلکَ اُمَّۃُ اَحۡمَدۡ یہ امت بہترین امت اس لیے کہ یہ میرے پیارے احمد کی امت ہے۔ وَ الَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ[3] بھائی ان کا ذکر تورات اور انجیل میں اس لیے ہے کہ یہ میرے محمد کے ساتھی ہیں۔ تو جنہوں نے ابھی ساتھی بننا تھا، آکر ایمان لانا تھا، انکا تذکرہ پہلے ہی کہ یہ بہترین امت ہے۔ تو جب بغیر کوئی عمل کیے اللہ نے بہترین امت پہلی

---

[1] سورۃ آل عمران:110

[2] سورۃ الفتح:29

[3] سورۃ الفتح:29

امتوں میں ہمارا ذکر کیا۔ تو کیوں کیا؟ اس کی مرضی۔ مالک ہے، اس سے کوئی پوچھ سکتا ہے؟ ہیں؟ آیات ذہن میں رہیں۔ اب عبد القادر کو وہ ولیوں کا سردار بنائے اس کی مرضی۔ ہیں؟ بھائی کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ اللہ سے پوچھے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا[1]۔ میں نے نبی کے گھر والوں کو طاہر اور مطہر کر دیا۔ کیوں؟ یُرِیْدُ اللّٰہُ اس کی مرضی ہے۔ اس کا ارادہ ہے۔ اب جب یہ آیات میرے سامنے ہوتی ہیں ناں تو پھر وہ جو بخاری شریف کی حدیث ہے، حدیث قدسی ہے کہ جو اللہ کے ولی سے عداوت رکھتا ہے وہ پھر اللہ سے اعلان جنگ کرتا ہے[2]۔ کیوں؟ بھائی اس کو ولی اللہ نے بنایا ہے ناں۔ اس کی مرضی ہے۔ لیکن ایک چیز ذہن میں رکھنا، یہ ختم نبوت کے حوالے سے، ولایت پہ جو ایمان ہے ناں وہ ختم نبوت کیلئے بڑا ضروری ہے۔ جو ولیوں کو مانتے ہیں ناں وہ کبھی کسی جھوٹے نبی کو نہیں مان سکتے۔ ان کو پتہ ہے کہ نبوت ختم ہو گئی اب قیامت تک ولایت ہے۔ کبھی بھی پوری تاریخ میں دیکھ لیں جس کا ولایت کا عقیدہ صحیح ہے اس کا ختم نبوت کا عقیدہ صحیح ہے۔ ختم نبوت پہ اصل میں یہ ولایت نے ساری دیوار کھڑی کی ہے۔ ہمارا عقیدہ جو ہے وہ الحمد للہ کہ نبی پاک ﷺ پہ نبوت ختم ہو گئی۔ اب قیامت تک یہ سلسلہ دین کی تبلیغ کا ولایت کے ذریعے۔ تو ولیوں کے ماننے والے کبھی بھی کسی جھوٹے نبی کو نہیں مانتے۔ وہ اپنے پیغمبر کے در پہ کھڑے ہیں۔ ولی جتنا جی چاہے بڑا ہو جائے، فیض تو نبی سے ہی لینا ہے۔ نبی کے بغیر تو ولی کی کوئی پہچان نہیں۔

---

[1] سورۃ الاحزاب:33

[2] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو بوجہ تکلیف جسمانی کے پسند نہیں کرتا اور مجھ کو بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔ صحیح بخاری:6502

اب یہاں پہ وہ جو میں بات کر رہا تھا کہ اللہ جب کسی کا انتخاب کر لے تو اس کی حفاظت بھی پھر اللہ کرتا ہے۔ یہ لوگوں کو بڑا بھلیکھا لگ گیا، ہر دور میں ہی لگا، بھائی نبیوں کی بھی مخالفت کیوں ہوئی؟ لوگوں نے سمجھا کہ ہم اپنی سازشوں سے ان کا مقابلہ کر لیں گے۔ ولیوں کے مقابلے بھی اسی لیے ہوئے۔ لیکن ان کو یہ نہیں پتہ کہ جن کا انتخاب اللہ کرتا ہے پھر ان کی حفاظت بھی اللہ کرتا ہے۔ بڑی بڑی سازشیں ہوتی ہیں، بڑے جھوٹ بولے جاتے ہیں۔ یہ آیت جو ہے ناں، میں دور نہ نکل جاؤں۔ ایمان جتنا مضبوط ہوتا ہے اعمال اتنے ہی اس کے مضبوط ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کی جتنی بھی آیات آپ پڑھیں گے ناں الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ایمان کیساتھ عمل صالح جڑے ہیں۔ یہ جو میں بار بار آپ کو کہہ رہا ہوں ناں کہ یہ ایمان آپ نے اسی دنیا میں حاصل کرنا ہے۔ یہ کہیں غلطی نہ کر بیٹھنا کہ دیکھی جائے گی۔ ایمان حاصل بھی کرنا ہے اور پھر اس کی حفاظت بھی کرنی ہے۔ اور حفاظت کی یہ بہترین دعا ہے کہ یا اللہ ہدایت دی ہے تو اب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کرنا۔ اس کی مدد کیساتھ، اسکی مہربانی کیساتھ، اسکی رحمت کیساتھ۔ اب جتنا ایمان مضبوط ہوتا ہے اتنے ہی اعمال مضبوط۔ اب یہ ہو نہیں سکتا ناں کہ بیج دل میں ایمان کا ہو اور اس کو پھل جھوٹ اور بد دیانتی کا لگ جائے۔ اعمال سئیات کا لگ جائے؟ اعمال بد دیانتی کا لگ جائے۔ بھائی اگر بیج ایمان کا ہو گا تو پھل بھی عمل صالح کا لگے گا۔ اس لیے قرآن جہاں بھی بات کرتا ہے تو ایمان کیساتھ عمل صالح جُڑے ہیں۔ اگر عمل صالح نہیں ہیں تو اپنے بیج پہ غور کر۔ پھر وہ تیرا بیج ایمان والا بیج نہیں ہے۔ تو قران کریم نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اگر بیج ایمان والا ہے تو عمل پھر صالح ہو گا۔ اعمال پھر برے نہیں ہو سکتے۔ جب آپ کے اعمال صالح ہوتے ہیں۔ خزانہ بھرا ہوا ہوتا ہے تو پھر ابلیس کا حملہ بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ شاید آپ کو یاد ہو میں نے ایک سال پہلے یہ جملہ کہا تھا اور قرآن کریم کے حوالے سے کہا تھا کہ ابلیس نے کیا کہا تھا قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ [1]۔ ابلیس نے اللہ سے کہا تھا یہ جو تیرا سیدھا راستہ ہے میں اس پہ بیٹھوں گا۔ یعنی ابلیس کہاں بیٹھتا ہے جہاں انسان سیدھے راستے پہ چلتا ہے۔ اب دعا یہ ذہن میں رہے۔ دعا سے آگے پیچھے نہیں ہونا۔ اب جب اس نے خزانہ لوٹنے آنا ہے تو ہم نے اللہ سے کہنا ہے کہ یا اللہ اب ہمیں تُو بچا لے۔ اللہ کی حفاظت کے

[1] سورۃ الاعراف:16

بغیر بندہ بچ نہیں سکتا۔ اس لیے میں نے یہ بات کہی تھی ابلیس شراب خانوں میں نہیں بیٹھا ہوتا۔ وہ کسی سینما گھر میں نہیں بیٹھتا۔ وہ کسی تاش کھیلنے والوں میں نہیں بیٹھتا۔ بلکہ وہ کسی دربار پہ بیٹھا ہوگا، کسی مدرسے بیٹھا ہوگا، کسی مسجد بیٹھا ہوگا۔ جہاں جہاں کسی کا خیال ہے کہ یہاں سے سیدھا راستہ ملتا ہے وہ ان راستوں پہ بیٹھتا ہے یہ قرآن میں لکھا ہوا ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ احتیاط ہوتی ہے ناں وہ ان جگہوں پہ ہوتی ہے۔

اب مقام کیا ہے؟ مقام یہ ہے کہ آپ کے والد محترم صالح جنگیؒ، غوث پاک کے والد، والد کی طرف سے آپ کا نسب جو ہے وہ سرکار امام حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ والدہ صاحبہ کی جانب سے امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ حسنی حسینی سید ہیں۔ شرافت ہے خاندان میں اور مقام یہ تھا کہ آپ کے والد محترم کہتے ہیں کہ مجھے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک فرزند عطا کرے گا، اس کا ولیوں میں وہ مقام ہوگا جو نبیوں میں میرا ہے۔ اب جہاں سے میں نے شروع کی تھی وہ سمجھ میں آئی ناں؟ اب سلسلہ کوئی بھی ہو، ہم چشتیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں، کوئی نقشبندی ہو، سہروردی ہو، سارے امام انہی کو مانتے ہیں۔

غوث　　اعظم　　درمیان　　اولیاء

چوں　　محمد　　درمیان　　انبیاء

نبوت اور ولایت میں بنیادی فرق میں آپ کو عرض کر دوں۔ نبوت وھبی چیز ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی بندہ عبادتیں کر کے نبی نہیں بن سکتا۔ وہ اللہ کا انتخاب ہوتا ہے۔ لیکن ولایت میں کسب ضروری ہے۔ یہ کسبی چیز ہے۔ اس میں محنت ضروری ہے۔ مجاہدہ ضروری ہے۔ امتحان اور آزمائش ضروری ہے۔ ابتلاء ضروری ہے۔ لیکن طریقے دو ہیں۔ کبھی تو اللہ تعالیٰ آزمائشوں کے بعد منصب دیتا ہے اور کبھی منصب پہلے دیتا ہے اور آزماتا بعد میں ہے۔ اس لیے سرکار غوث پاک نے فرمایا کہ جتنے حملے ابلیس نے میرے اوپر کیے ناں وہ کسی اور کے اوپر نہیں کیے۔ بڑے بڑے جال بچھائے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن تو ایسا ہوا کہ ایسے ہاتھ جوڑ کر آکر بیٹھ گیا میرے سامنے۔ کہنے لگا کہ میرے سارے شیطان جو ہیں وہ عاجز آگئے ہیں، تُو قابو نہیں آرہا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ تُو اب کدھر آیا ہے۔ کہنے لگا کہ میں اب آپ کی نوکری کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اس سے کہا کہ کیا سمجھتا

ہے کہ میں تیری اس بات سے trap ہو جاؤں گا؟ میں ایک لمحہ کیلئے بھی تجھ سے غافل نہیں ہوتا۔ فرمانے لگے کہ میرا یہ جملہ کہنا تھا کہ غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اس کے سر پر پڑا اور وہ دُھواں بن کے بکھر گیا۔ یعنی اگر کبھی شیطان آپ سے کہے ناں کہ میں نے تابع فرمانی کرنی ہے تو غافل نہیں ہونا۔ تو یہ بات یاد رکھیں، ولی کو یا تو مجاہدہ پہلے کروایا جاتا ہے اور بعد میں منصب کا اعلان ہوتا ہے۔ یا پھر منصب پہلے دیا جاتا ہے اور مجاہدہ بعد میں کروایا جاتا ہے۔ یہ کہنے کی بات ہے ناں، ذرا کوئی کر کے تو دیکھے چالیس سال عشاء کے وضو سے تہجد کی نماز پڑھنی۔ کوئی کر کے تو دیکھے یہ مجاہدہ۔ ایسے ہی یہ بڑے بڑے منصب نہیں ہوتے۔ میں مثال آپ کو دیتا ہوں کہ اعلان پہلے منصب کا کر دیا جاتا ہے اور مجاہدہ بعد میں کروایا جاتا ہے، آزمائش میں بعد میں ڈالا جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال کربلا والوں کی ہے۔ سرکار امام حسین کو جنت کی سرداری کا منصب کربلا کے بعد میں نہیں ملا۔ منصب ان کو پیدائش کے وقت ہی دے دیا گیا لیکن آزمایا بعد میں گیا۔ غوث پاک سرکار بھی چونکہ انہیں کی اولاد میں سے تھے تو منصب پیدائش کے وقت ہی دے دیا گیا لیکن آزمایا بعد میں گیا۔ ہمارا کوئی مولوی لکھتا تو بڑا اعتراض ہوتا۔ یہ واقعہ اشرف علی تھانوی صاحب نے لکھا ہے، یہ جو دیوبندیوں کے امام ہیں یہ واقعہ انہوں نے لکھا ہے کہ جب قبر میں ان کا غلام گیا اور فرشتوں نے پوچھا کہ من ربک تو اس نے کہا کہ میں تو عبدالقادر جیلانی کا دھوبی ہوں۔ یہ تعارف جو ہے یہ کوئی معمولی تعارف نہیں ہوتا۔ اللہ کے ولیوں کیساتھ تمہاری نسبت۔ یہ تو حدیث شریف میں بھی ہے کہ قیامت والے دن جب جنتی اور جہنمیوں کی لائنیں لگ جائیں گی۔ یہ سورۃ واقعہ میں یہ دائیں طرف والے اور یہ بائیں طرف والے۔ ان جہنمیوں کی لائن سے ایک بندہ نکلے گا اور ان جنتیوں کے سامنے کھڑا ہو گا اور کہے گا کہ کیا مجھے پہچانا نہیں۔ جنتی کہے گا نہیں۔ وہ کہے گا کہ میں نے ایک دفعہ تجھے اللہ کا نیک بندہ سمجھتے ہوئے وضو کروایا تھا۔ یعنی یہ جملہ ایک جہنمی، جنتی سے کہے گا کہ میں نے تجھے اللہ کا نیک بندہ سمجھتے ہوئے وضو کروایا تھا۔ پھر وہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ جنتی اللہ کی بارگاہ میں عرض کرے گا کہ مولا اس نے میری عزت تو نہیں کی تھی، تیری عزت کی تھی۔ تیرا بندہ سمجھ کے وضو کروایا تھا۔ جیسے میرے حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی بندہ آجائے، ظاہر ہے کہ ہم نے پڑھنا تو قرآن ہی ہوتا ہے، لیکن آخر میں یہ ضرور کہنا ہے کہ مولا اگر اس کو بھیجا ہے تو اس کو شفاء بھی دے۔ جو اپنا تعارف کرواتا پھرے وہ ولی نہیں ہوتا۔ ولی کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اللہ کا تعارف کروائے۔ اپنے سوہنے محبوب ﷺ کا تعارف

کروائے۔ اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ فرشتہ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ یہ تو ہر سوال کے جواب میں یہی کہتاہے کہ میں تو سرکار غوث پاک کا دھوبی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب وہ اپنی نسبت میرے ولی کیساتھ جوڑ رہاہے تو وہاں سے اسکو کسی اور رب کا بھی پتہ ملا ہو گا؟

پھر یہ علم کے خزانے بھی اللہ ہی کھولتا ہے ناں۔ کئی میرے دوست پوچھتے ہیں کہ ہم بھی قرآن شریف پڑھتے ہیں، حدیث شریف پڑھتے ہیں لیکن اثر نہیں ہوتا۔ غوث پاک سرکار ایک دن تشریف فرما تھے تو ان کے صاحبزادے عبدالرزاق نے ایک دن آکر کہا کہ ابا جی آج میں نے درسِ قرآن دینا ہے۔ تو انہوں نے جب درس شروع کیا تو لوگ باتوں میں لگے ہوئے تھے، کوئی دھیان سے سن نہیں رہا تھا۔ تو تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے چھوڑ دیا کہ یہ بندے تو اپنی اپنی باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اب سرکار شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ، سرکار نے درس شروع کیا۔ اب درس کیا شروع کیا کہ فرماتے ہیں کہ آج صبح میں نے ناشتہ کرنا تھا۔ اب یہ جملہ کہا تو لوگ خاموش ہو گئے اور بڑی توجہ سے سننا شروع ہو گئے۔ کوئی گھر میں سالن وغیرہ نہیں تھا تو میں نے عبدالرزاق کی والدہ سے کہا کہ انڈہ لے لو، بنالو۔ لوگ بڑے انہماک سے گفتگو سن رہے۔ صاحبزادے نے پوچھا کہ آپ یہ عام سی گفتگو کر رہے تھے اور لوگ بڑی توجہ سے سن رہے تھے اور میں بڑی علمی بات کر رہا تھا اور لوگ میری سن نہیں تھے رہے۔ سرکار نے فرمایا کہ تُو تقریر اس لیے کر رہا تھا کہ لوگ تیری تعریف کریں۔ میں تو ناشتہ بھی کرتا ہوں تو اس کے لیے کرتا ہوں کہ یا اللہ اس کھانے سے جو مجھے طاقت ملے وہ تیری نوکری میں صرف ہو۔ ہم تو کھانا اپنے لیے تھوڑی کھاتے ہیں۔ ہم تو وہ انرجی حاصل کرتے ہیں کہ مولا کریم اس کھانے سے ہمیں وہ طاقت دے جو تیری فرمانبرداری میں خرچ ہو۔ ہم ذائقوں کیلئے کھانے نہیں کھاتے۔

آپ کی وصیت کے متعلق میں ایک جملہ عرض کر دوں۔ یہ آپ کے خطبات ہیں جلاء الخاطر کے نام سے، یہ عربی میں ہیں، ان کا ترجمہ بھی ہو گیا۔ آپ نے اپنے بچوں کو، اپنے مریدوں کو، اپنے خلفاء کو جو وصیت فرمائی۔ آپ نے فرمایا تھا تین صحبتوں سے بچ کر رہنا۔ یہ میں پڑھی ہوئی باتیں کرتا ہوں کوئی سنی ہوئی نہیں کر رہا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ عورتوں کی صحبت سے بچ کر رہنا۔ بچوں کی صحبت سے بچنا اور امراء کی صحبت سے بچنا۔ امیر

لوگوں کے پاس نہ اتنا بیٹھنا۔ کیوں؟ سرکار نے فرمایا تھا کہ امیروں کے پاس بیٹھے گا تو نہ شکرہ ہو جائے گا۔ اگر امیروں کے پاس بیٹھے گا تو تیرے اندر ناشکری پیدا ہو گی کہ اس کے پاس یہ نعمتیں ہیں اور میرے پاس نہیں ہیں[1]۔ اگر غریبوں کے پاس بیٹھے گا تو شکر گزار بن کر رہے گا کہ یا اللہ کتنی نعمتیں ہیں جو اس کے پاس نہیں ہیں اور میرے پاس ہیں۔ یہ انکی تربیت تھی ناں۔ ہمارے گھروں میں جو مسائل پیدا ہوتے ہیں اسی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ میرے مولا علی سرکار نے بھی ایک جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ اگر پتہ چل جائے کہ غریبوں کے پاس بیٹھنے کا کتنا اجر ہے تو لوگ بیٹھا ہی فقیروں کے پاس کریں۔ فقیروں کیساتھ۔ پھر فرمایا عورتوں کی صحبت سے بچو غیر محرم عورتوں کی صحبت سے بچو۔ ابلیس کہتا ہے کہ عورت میں زہریلے تیروں میں سے آخری تیر ہے۔ جب میں کسی سے مایوس ہو جاؤں تو عورت کا حربہ استعمال کرتا ہوں اس کو گمراہ کرنے کیلئے۔ اور اگر چھوٹے بچوں کیساتھ بیٹھے گا تو بے عزت ہو جائے گا۔ کم عقلی تیرے اندر پیدا ہو جائے گی۔ بیٹھنا ہو تو داناؤں اور عقلمندوں میں بیٹھو۔ بزرگوں میں بیٹھا کرو۔ میں نے آپ کی اس وصیت سے بڑا استفادہ کیا۔ اور پھر مجھے اپنے حضرت صاحب قبلہ کا بھی وہ جملہ بڑا یاد آتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے پیر و مرشد صوفی محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ بیٹا اگر کوئی عورت دم کروانے آجائے تو تیری بیوی پاس بیٹھی ہو۔ یہ فیض جو ہوتا ہے ناں اصل میں، وہ دیا تو اللہ رسول نے ہی جلایا ہوا ہے ناں، اب اس کو جو بجھانے کی کوشش کرے گا وہ اللہ رسول کی مخالفت کرے گا۔

یہ فیض کب تک ہے؟ یہ قرآن کریم کی تفسیر ہے تفسیر مظہری اور مفسر ہیں ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ، وہ جو ختم نبوت والا جملہ ہے وہ ذہن میں رہے۔ وہ جو آیت آپ نے سنی ہے ناں كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ، تو ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ تم شرابیوں زانیوں کو وہ بہترین امت نہیں کہہ رہا، وہ غوث پاک کو بہترین امت کہہ رہا ہے۔ وہ بدکاروں کو بہترین امت نہیں کہہ رہا، وہ غریب نواز کو بہترین امت کہہ رہا ہے۔ وہ ابو بکر صدیق کو بہترین امت کہہ رہا، وہ حسین کو بہترین امت کہہ رہا ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ جب نبوت ختم ہو گئی تو آگے ولایت کے ذریعے سے یہ دین کا سلسلہ آگے چلنا ہے، تو نبی پاک ﷺ نے ولایت کے لیے انتخاب کیا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا۔

[1] صحیح مسلم:7430

اسی لیے ہمارے تمہارے سلاسل جو ہیں وہ ان پہ جا کر ملتے ہیں۔ یہ تفسیر مظہری کا حوالہ میں نے اس لیے دے دیا کہ آپ خود بھی جا کر پڑھ سکتے ہیں۔ یہ حضور غوث پاک نے خود فرمایا کہ جب نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ درس دیا کر تو میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ عربی لوگ اپنے آپ کو بڑا علم والا سمجھتے ہیں۔ یہ تو عجمیوں کی گفتگو ہی نہیں سنتے۔ تو نبی پاک ﷺ نے سات مرتبہ اپنا لعاب دہن مجھے عطا فرمایا۔ کوئی شوخی نہیں ماری کہ میں بغداد کے بڑے بڑے مدرسوں سے پڑھا ہوں، میں فلاں شیخ الحدیث سے پڑھا ہوں، میں نے فقہ اور حدیث کا بڑا علم حاصل کیا ہے۔ فرمایا کہ یہ جو کچھ بھی میں دے رہا ہوں یہ میرے پیغمبر کا لعاب دہن ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا ہدایت کے بعد دیہان اُدھر ہی رہے اللہ رسول کی طرف۔ پھر مولا علی سرکار ملے تو انہوں نے چھ مرتبہ اپنا لعاب دہن عطا کیا۔ تو میں نے پوچھا کہ چھ مرتبہ تو آپ نے فرمایا کہ میں پاک پیغمبر ﷺ کی برابری نہیں کر سکتا۔ تو مولا علی سرکار نے پھر یہ منصب آگے حضور شیخ عبد القادر جیلانی کو عطا فرمایا۔ اب ان کے پاس یہ منصب اس وقت تک ہے جبتک ظہورِ امام مہدی نہیں ہو جاتا۔ جب حضرت امام مہدی تشریف لائیں گے تو یہ جو ولایت کی امامت کا منصب ہے یہ ان کے پاس چلا جائے گا۔ یہ تفسیر مظہری میں كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ یہ بات میں نے اس لیے کی ہے کہ مجھے کچھ لوگوں سے یہ بات سننے کو ملی کی غوث پاک جیسا ولی نہ پہلے آیا اور نہ بعد میں آنا۔ یہ جہالت ہے۔ اوہ بھائی ان کے امام مولا علی ہیں اور بعد میں امام مہدی نے پیدا ہونا ہے۔ ان سے پہلے بھی بڑے موجود تھے اور ان کے بعد بھی بڑے موجود ہیں۔ اس لیے میں نے وہ جو جملہ اس مولوی صاحب سے کہا جو یہ جملہ کہہ رہا تھا کہ وہ تو وجد کی کیفیت ہے جب میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا، اوہ! تمہاری کیا شان ہو گی جب عیسیٰ ابن مریم اتریں گے، دو فرشتوں نے ان کو پکڑا ہو گا، عیسیٰ ابن مریم آئیں گے لیکن امام تمہارا ہو گا اور عیسیٰ ابن مریم تمہارے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ یہ شان امام مہدی کی ہو گی۔ اب پتہ چلا کہ نبی کیوں دعائیں مانگتے تھے اس امت میں پیدا ہونے کی۔ وہ کبھی آ بھی جائیں تو امام تو میری سرکار کا ہی ہو گا۔ اسلیے یہ کوشش کیا کریں کہ ان ولیوں کیساتھ نسبت رہے، وابستگی رہے اور پھر قبر حشر میں ان کا ساتھ نصیب ہو۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

38۔ اللہ کی راہ میں بہترین مال خرچ کرنا ہے

قرآن: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۪-وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِؕ-وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔(سورۃ البقرۃ: 267)
اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِۚ-وَ اللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًاؕ-وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (سورۃ البقرۃ: 268)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنی پاک کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) کچھ خرچ کرو اور خرچ کرتے ہوئے خاص ناقص مال (دینے) کا ارادہ نہ کرو حالانکہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم اسے چشم پوشی کئے بغیر قبول نہیں کروگے اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ، حمد کے لائق ہے۔ شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے بخشش اور فضل کا اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

خاکہ:

1. اللہ کے نظام کے مطابق زندگی گزارنا
2. اللہ کے لیے ستھرا اور پاکیزہ مال خرچ کرو۔
3. اصحابِ صفہ، دنیا کا پہلا تھنک ٹینک۔
4. آیت کا شان نزول
5. گھٹیا چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بے حیائی ہے
6. اللہ کا فضل ایک مکمل پیکج ہے۔
7. اللہ کے نظام پر عمل ہو تو فساد نہیں ہوتا۔
8. ایمان اسی دنیا میں حاصل ہو گا، قیامت کو تو اسکا حساب ہو گا۔
9. حاصل بحث

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

یہ جس آیت کو موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے اس کا ہماری پوری زندگی کیساتھ ایک بنیادی تعلق ہے۔ ہم یہ جو پچھلے دو مہینے سے ایک بات آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں کہ جب اللہ ایمان والوں سے کہتا ہے کہ ایمان لے آؤ اور کہتا بھی تقویٰ کے بعد ہے۔ تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے نظام کے اندر آ جائیں۔ مثلاً عیسائی بھی تو کہتے ہیں کہ ہم الہامی مذہب کو ماننے والے ہیں، یہودی بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم الہامی مذہب کو ماننے والے ہیں۔ تو یہاں اللہ تعالیٰ یہ نہیں ہے کہ کافروں کو ایمان کی دعوت دے رہا ہے بلکہ مسلمانوں کو ایمان کی دعوت دے رہا ہے۔ یہ سورۃ حدید کی آیت ہم نے تفصیل سے دیکھی تھی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ[1] اور اس کے آگے یہ تھا کہ اللہ تمہیں وہ نور عطا کریگا، تم جہاں چلو پھرو گے وہ نور تمہارے ساتھ رہے گا۔ تو یہ اسی کا تسلسل ہے کہ جب اللہ ایمان والوں سے کہتا ہے کہ ایمان لے آؤ تو اس کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ صرف زبان سے کہنے سے اللہ ایمان قبول نہیں کرے گا جب تک تم اس کے نظام کے اندر نہیں آتے۔ جو اللہ کا نظام ہے اس نظام کے مطابق زندگی نہیں گزارتے۔ انسان اصل میں یہی چاہتا ہے جو میں بار بار بات کرتا رہتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ پیسے لے لو، کوئی دیگیں وغیرہ پکوالو، یہ جو ایسے کام ہیں ناں یہ کروالو لیکن اللہ کے نظام میں نہیں آنا۔ زندگی میں نے اپنی مرضی سے گزارنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ زندگی قبول نہیں ہے۔ یہ عجیب بات ہے ناں کہ ایک بندہ مومن ہے اور اللہ اسے کہہ رہا ہے کہ ایمان لے آ۔

تو اس آیۃ مبارکہ میں یہی فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ اپنی پاکیزہ کمائی سے جو بہترین ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے بھی خرچ کرو۔ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ اور بھدّی، بری چیزیں، ناقص چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو۔ یہ جو خبیث چیزیں ہیں ناں انکا اللہ کی راہ میں

---

[1] سورۃ الحدید:28

تیمم بھی، تیمم کس کو کہتے ہیں؟ جب وضو نہیں ناں ہوتا تو آپ ایسے ہاتھ جھاڑ کے ایک دفعہ منہ پہ اور ایک دفعہ ایسے بازوؤں پہ، یہ دو ہی چیزیں ہیں تیمم میں۔ تو یہ جو ہلکا سا آپ نے پُچ دینا ہے ناں تو یہ ارادہ بھی نہ کرو کہ ہم اللہ کی راہ میں کوئی خبیث چیز دینگے۔ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِؕ اور اگر بری چیز کوئی تمہیں دے تو کیا آنکھیں بند کر کے قبول کر لوگے؟ تم تو گھٹیا تحفے قبول نہیں کرتے تو اللہ کو کیا سمجھتے ہو؟ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ اور جان لو کہ اللہ تو غنی ہے، بے نیاز ہے اور تعریف کیا ہوا ہے، حمید ہے۔ اس کو کوئی ضرورت نہیں تمہاری بھدّی اور ناکارہ چیزوں کی، گھٹیا اور پلید چیزوں کی۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت انصار کیلئے نازل ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ ہُوا کچھ یوں کہ کچھ صحابہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دور دراز سے علم حاصل کرنے کیلئے آئے۔ جن کو آپ اصحابِ صُفہ کہتے ہیں۔ ان کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چبوترہ بنا دیا۔ اب بھی وہاں موجود ہے، روضہ پاک کے قریب موجود ہے۔ تو یہ لوگ علم حاصل کرتے، قرآن کا، حدیث کا، فقہ کا، وراثت کا، غیر ملکی زبانیں سیکھتے، سفار تکاری کے آداب سیکھتے، یعنی وہ ایک پورا institution تھا، پوری ایک یونیورسٹی تھی۔ یہ جو آپ یورپ اور امریکہ میں تھنک ٹینک کا تصور آپ دیکھتے ہیں ناں کہ ہر وزارت کے پیچھے ایک تھنک ٹینک ہوتا ہے تو وہ تھنک ٹینک یونیورسٹیز سے اہلِ علم لیے جاتے ہیں۔ یہ تصور لوگوں نے اصحابِ صفہ سے لیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فیلڈ کی ایک ٹیم تیار کی یعنی وراثت کا علم کسی کے پاس ہے، قرآن کا، فقہ کا، جہاد کا، یہ سارے علوم جو تھے ان کے علیحدہ علیحدہ تھنک ٹینک تھے جن علوم میں مہارت حاصل کرتے تھے۔ میں اسکی ایک مثال دوں، تفصیل اسکی پھر کبھی اصحاب صفہ کا موضوع آیا تو کرینگے بات، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سربراہی ملی ہے کہ یہ جو ادب والا کام ہے، شاعری والا کام ہے ناں اس کی سرپرستی کرنی ہے۔ اب انکا کام کیا تھا کہ وہ جو مشرکین کے شعراء اسلام اور بانی اسلام اور قرآن کے خلاف اشعار کہتے تھے انکا جواب اشعار میں دینا۔ یعنی اس سے دیکھیں ناں کہ ہر فیلڈ کا جواب وہی فیلڈ والا دے۔ اور ایک موقعہ پہ تو سرکار نے یہ بھی اشارہ فرما دیا کہ ان کفار کو تلوار سے وہ تکلیف نہیں پہنچتی جو تیرے شعر سے پہنچتی ہے۔ اب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی ہے ناں کہ یہ جو شعر و ادب میں اسلام کی مخالفت کرتے ہیں انکا مقابلہ کرو۔ تو ساری

زندگی نبی پاک ﷺ نے حضرت حسان کو پھر تلوار نہیں پکڑائی۔ جو جس فیلڈ کا بندہ ہے اس سے وہی کام لیا۔ یہ میں ماحول تھوڑا سا اصحابِ صفہ کا عرض کر دوں۔ جس سے سفارتکاری کا کام لیا تو پھر اس سے وہی کام لیا۔ تو یہ ماہرین وہاں پاک پیغمبر ﷺ نے پیدا کیے۔ جنہوں نے پھر آگے جا کر پوری دنیا پہ حکومت کی اور لوگوں کو سکھایا کہ حکومت کیسے کی جاتی ہے۔ اب یہاں ایک بڑا ٹیکنیکل سا پوائنٹ ہے وہ میں آپ کو عرض کر دوں۔ یہ جو لوگ ماہرینِ علم تھے، وہ کسی فیلڈ کے بھی تھے، یہ نہیں ہے کہ وہ جو قرآن حفظ کرنے آیا، یا حدیث سیکھنے آیا تو ٹھیک ہے، جو وراثت کا علم سیکھنے آیا وہ بھی انہیں میں شامل ہے، جو غیر ملکی زبانیں سیکھتا وہ بھی اسی گروہ میں شامل ہے، جو جہاد سیکھتا، جو شاعری سیکھتا۔ اب حکم یہ تھا کہ یہ جو لوگ علم میں اپنا وقت دے رہے ہیں انکی ضروریاتِ زندگی دوسرا معاشرہ پوری کرے۔ بلکہ ایک موقع پہ جب ایک بندے نے شکایت لگائی ناں کہ یا رسول اللہ ﷺ میں تو سارا دن مزدوری کر کے روٹی کماتا ہوں اور یہ میرا دوسرا بھائی یہاں قرآن سیکھنے میں لگا رہتا ہے، یہ تو کمائی کرتا نہیں ہے۔ تو پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ تیرے پاس جو کمائی ہے وہ اسی کی وجہ سے تو ہے۔

اب یہ جو ماحول تھا، اس پر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم انصار کے پاس تو ظاہر ہے کہ کھجوروں کے باغ تھے تو صحابہ کرام کیا کرتے کہ کھجوروں کے گچھے توڑ کے ادھر مسجد میں لٹکا دیتے تھے۔ اب ان اصحابِ صفہ کو جب کھانے کی ضرورت پڑتی تھی تو یہ چھڑی کیساتھ وہ کھجوریں اتار لیتے تھے۔ آپ بھی وہاں جائیں گے تو وہ کھجوریں اور قہوہ ہی پیش کرتے ہیں۔ ان کا وہی ماحول ہے۔ لیکن اب وہ جو کمزور ایمان والے تھے ناں انہوں نے کیا کیا کہ اب بھدی اور گلی سڑی کھجوریں وہاں لٹکا دیں۔ تو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت پھر اس موقع پہ نازل ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں دونوں باتوں کا ذکر کیا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ۔۔ کہ اے ایمان والو! اپنی طیب اور پاکیزہ کمائی سے جو بہترین ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یعنی وہ چیز پہلے ہی پاکیزہ ہے، بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن اس میں سے بھی پھر یہ دیکھنا ہے کہ جو بہترین ہے وہ لا کر دو۔ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ اور کبھی بھی ارادہ نہ کرنا،، نیت بھی نہ کرنا کہ ہم کوئی گھٹیا چیز، بھدّی چیز اللہ کی راہ میں خرچ

کریں گے۔ اور اگلا جو جملہ ہے وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِؕ کہ اگر کوئی گھٹیا چیز تمہیں کوئی دے تو کیا تم آنکھیں بند کر کے لے لو گے؟

میں کئی دفعہ جب یہ آیت دیکھتا ہوں تو ہمارا جو رویہ ہے کہ ہم نے مانگنے والوں کو اپنا پرانا سوٹ دے دیا اور دل میں یہ خواہش بھی کی کہ اللہ ہمیں نیکی بھی دے گا، ہم غریبوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ جو کھانا بچ گیا، وہ دینا اور پھر کہنا کہ ہمیں وہاں سے ثواب بھی ملے گا۔ پہلی تو شرط یہ ہے کہ تمہاری کمائی پاکیزہ ہو اور پھر اس کمائی میں سے جو بہترین چیز ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اگلی آیت میں فرمایا اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ۔ یہ تم بھلا یہ حرکت کرتے کیوں ہو؟ اب دیکھئے وہ جو کھجور کے باغ ہیں اس میں محنت تو سب نے کی ہے۔ کمائی تو طیب ہے سب صحابہ کرام کی لیکن اس میں جو گلی سڑی کھجوریں ہیں وہ انتخاب غلط ہو اناں۔ اب اللہ فرماتا ہے کہ انسان یہ کام کرتا کیوں ہے کہ اعلیٰ چیز اپنے لیے رکھتا ہے اور بھدّی چیز اللہ کی راہ میں۔ یہ کیوں کرتا ہے؟ اس کا جواب اگلی آیت میں اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ اصل میں شیطان تمہیں ڈراتا رہتا ہے کہ اگر اچھی چیز تم نے اللہ کی راہ میں دی تو تم غریب ہو جاؤ گے۔ یہ شیطانی وسوسہ ہوتا ہے کہ اگر میں نے یہ اچھا سوٹ دے دیا تو میں کیا کرونگا؟ میرے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ، گاؤں میں اگر کوئی مدرسے کے بچوں کی دعوت کرتا تھا ناں، مثلاً شادی ہے تو دعوت پہ بلانا۔ تو میرے حضرت صاحب پتہ کیا کہا کرتے تھے؟ حضرت صاحب کہا کرتے تھے کہ بارات سے پہلے اگر یہ بچے کھانا کھائیں گے تو پھر دعوت قبول ہے۔ یہ نہیں ہے کہ جب بارات کھانا کھا کر چلی جائے تو پھر درس کے بچوں کو کھانا کھلاؤ۔ یہ کیا طریقہ ہے؟ اگر اپنے مہمانوں پہ اللہ کے مہمان کو عزت دینی ہے تو پھر دعوت قبول ہے۔ یہ نہیں ہے کہ تم اللہ کے فقیر کو گھٹیا سمجھو کہ جب تمہارے مہمان کھا کر چلے جائیں تو باقی جو بچے وہ درس میں دے آؤ۔ اگر اچھے کھانے سے بھی اللہ کی راہ میں دینا ہے تو اپنے کھانے سے پہلے دو، بچا ہوا نہ دو۔ اب مصیبت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے جب دینا ہوگا تو شیطان یہ کہے گا کہ اب تُو کیا کریگا؟ شیطان تجھے ڈراتا ہے کہ اگر اچھی چیزیں تُو نے اللہ کی راہ میں دے دی تو تُو فقیر ہو جائے گا، تنگ دست ہو جائے گا۔ وَ یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ اس لیے وہ تجھے بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ یہاں بے حیائی اس کو کہا گیا ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں گھٹیا چیزیں خرچ کرنا اور پھر اپنے آپ کو سخی سمجھنا یہ بے حیائی ہے۔ اگر تجھے اللہ کی حیاء ہوتی تو تُو یہ کام

کرتا؟ یہ پچھلی آیت ذہن میں رہے کہ اگر تجھے کوئی گھٹیا چیز دے تو تُو قبول کرلیگا؟ تو اللہ نے فرمایا کہ شیطان تیرے اندر یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تُو نادار ہو جائے گا، تنگ دست ہو جائے گا اور وہ تجھے بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ ایک موقع پہ میں نے اپنے حضرت صاحب قبلہ سے یہ بات پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ بیٹا اصل میں ہوتا یہ ہے کہ جب تم مسجد کیلئے چندہ دینے لگو، کسی غریب کی خدمت یعنی اللہ کے حکم پہ جب تم خرچ کرتے ہو تو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ تیرا مال کم ہو جائے گا اور جہاں کہیں کنجر خانہ لگا ہو اور وہاں پیسے لٹانے ہوں تو پھر شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تیری عزت کا مسئلہ ہے یہاں خرچ کر۔ یعنی آپ اکثر یہ دیکھیں کہ جہاں شیطانی کام ہوتا ہے تو وہاں پیسے اُڑ رہے ہیں، ڈالر اُڑ رہے ہیں اور اب تو لوگ موبائل بھی پھینکنا شروع ہو گئے ہیں۔ اب انہیں لوگوں سے وہ جو لاکھوں کروڑوں خرچ کر رہے ہیں ان سے اگر کہا جائے ناں کہ مسجد کیلئے دو ہزار روپیہ دیں، آپ ان سے یہ کہیں کہ حق مہر اللہ کا حکم ہے، کہیں گے کہ پانچ سو روپیہ بہت نہیں؟ یعنی نکاح میں پیسہ خرچ کرنے کا حکم تو صرف حق مہر ہے ناں، تو جہاں بھی اللہ کا حکم آئے گا وہاں یہ خوشی سے خرچ نہیں کرینگے کیونکہ یہ شیطان کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور شیطان کہتا ہے کہ تو غریب ہو جائے گا۔ اس لیے پھر وہ تجھے بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

وَ اللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًاؕ اب شیطان نے تجھے کہا تھا کہ اگر تو اللہ کی راہ میں اچھی چیز خرچ کریگا تو نادار ہو جائے گا اور تُو یہ بھول گیا کہ اللہ نے تجھ سے فضل کا وعدہ کیا۔ اللہ نے بھی تو تجھ سے وعدہ کیا ہے ناں کہ تیرے ایک کو میں دس گنا کر دونگا، ستر گنا کر دونگا، سات سو گنا کر دونگا۔ تو شیطان نے جب یہ وسوسہ ڈالا تھا تو تجھے اللہ کا وہ وعدہ بھول گیا کہ تیرے اللہ نے بھی تجھ سے کوئی وعدہ کیا تھا اور اس نے تو بخشش کا وعدہ بھی کیا تھا۔ اچھا یہ جو لفظ فضل ہے ناں، یہ عام استعمال ہوتا ہے۔ عرب بھی فضل اسی کو سمجھتے تھے جس کو ہم سمجھتے ہیں۔ یعنی کسی کے پاس بڑی دولت ہے تو اللہ کا فضل ہے، اولاد ہے تو اللہ کا فضل ہے مکان اچھا ہے، کوئی منصب ہے۔ عرب بھی اسی کو فضل سمجھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ اس فضل کو بہت وسیع معنوں میں قرآنِ کریم میں بیان کیا کہ تُو صرف اپنی جسمانی ضرورتوں کو اس کا فضل سمجھتا ہے۔ تُو یہ سمجھتا ہے کہ میرے جسم کی ضرورتیں اگر پوری ہو رہی ہیں تو یہ اللہ کا فضل ہے اور تو کمائی بھی اسی لیے کرتا ہے اور اسی کو اللہ کا فضل سمجھتا ہے۔ لیکن وہ جو گیارھویں پارے میں اللہ نے بات

ارشاد فرمائی قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا[1] جب اس کا فضل ہوتا ہے تو پھر وہ تیری جسمانی ضرورت نہیں دیکھتا بلکہ وہ تیری روحانی ضرورت کو بھی دیکھتا ہے، تیری ذہنی ضرورت کو بھی دیکھتا۔ اس کا فضل مکمل پیکج ہوتا ہے پھر آدھا نہیں ہوتا۔ اس نے اگر تجھے نبی عطا کیا ہے تو وہ اس کا فضل ہے۔ اس نے تجھے ہدایت دی ہے تو یہ بھی اسکا فضل ہے۔ اس نے قرآن دیا ہے تو یہ بھی اس کا فضل ہے۔ اس لیے ہمارے فقہاء نے اس بات سے سختی سے منع کیا ہے کہ اگر آپ نے اپنی عمارت حرام کے پیسوں کی بنائی ہے تو اسکے اوپر هذا من فضل ربی نہیں لکھنا۔ رزق حرام اللہ کا فضل نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ سے بغاوت ہے۔ یہ بہت بڑا جرم ہے کہ آپ حرام کے پیسوں کا مکان بنائیں اور اس پہ هذا من فضل ربی لکھ دیں۔ یہ آیت پھر ذہن میں رہے کہ کیا بری چیز تم قبول کرتے ہو؟ یہ میں نے آیات کا تھوڑا سا ترجمہ عرض کر دیا۔ فضل کے بارے میں، چلو آج تھوڑی سی تشریح کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ-وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا-[2]۔ نبی پاک ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں، ایمان لاتے ہیں، جنہوں نے سچے دل سے اللہ کے نظام کو تسلیم کیا ہے ان کی بڑی نشانی پھر قرآن نے بیان کی فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا۔ وہ اللہ کا فضل تلاش کرتے ہیں کہاں سے؟ اس کی مرضی سے۔ آیت میں کیا تھا؟ مَا كَسَبْتُمْ کسب ہوتا ہے جو آپ اپنے ہاتھوں سے کماتے ہیں۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ[3] یہاں بھی لفظ کسب آیا ہے۔ جو تمہیں خشکی اور تری پہ، سمندروں اور براعظموں پہ فساد ظاہر ہوا ہے ناں یہ انسانوں کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔ یہ فساد انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کمایا ہے۔ اگر اللہ کے نظام میں رہتے تو یہ فساد کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ واقع ملتا ہے ناں کہ آپ نے ایک شخص کو قاضی مقرر کیا اور وہ سال بعد آ گیا کہ حضور کیس ہی کوئی نہیں آتا۔ ایک سال میں کوئی کیس نہیں آیا۔ بھائی جو اللہ کے نظام کے تحت رہے گا اس کو کیا ضرورت ہے چوری کرنے کی، حرام کمانے کی، کسی کا بُرا سوچنے کی۔ یہ سارے کام تو اس نے کرنے ہیں جو اللہ کے

---

[1] سورۃ یونس:58

[2] سورۃ الفتح:29

[3] سورۃ الروم:41

نظام سے نکل جاتا ہے۔ بہت خوبصورت جملہ ہے اس موقع پہ، فرمایا جو لوگ اس بات پہ یقین رکھتے ہوں کہ میری آنکھ کی خیانت کو بھی میرا اللہ جانتا ہے اور میرے دل سے گزرنے والے برے خیال کو بھی اللہ جانتا ہے تو کیا وہ چوری کرے گا؟ وہ اپنی کسی ماں بہن بیٹی کی طرف بری نگاہ اٹھائے گا؟ جس کو پتہ ہو کہ میری نگاہ کی خیانت کو میرا اللہ جانتا ہے۔ اس لیے اس دنیا میں جتنے بھی نظام آئے وہ سارے برباد ہو گئے۔ انسانوں کو امن نہیں دے سکے اور اس نظام نے انسانوں کو امن دیا تھا۔ جو اللہ کے نظام کے اندر آ گئے۔ وہ نظام تھا جہاں بیٹی ماں کے سامنے کھڑی ہو جاتی تھی کہ اماں دودھ میں پانی نہیں ملانا اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ اس نظام میں پھر آپ کو یہ ادارے بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میرا اللہ فرماتا ہے کہ یہ جو میرے محمد کریم ﷺ کے ساتھی ہیں، جو حضور پر ایمان لائے۔ کیونکہ یہ کمائی کافر نہیں کرتے؟ مشرک نہیں کرتے؟ فاسق و فاجر نہیں کرتے؟ بھائی محنت تو سارے ہی کرتے ہیں ناں۔ اپنے لیے رزق کی تلاش کون نہیں کرتا؟ ساری دنیا ہی کرتی ہے۔ پھر فرق کیا ہے؟ فرق قرآن بیان کر رہا ہے يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا۔ یہ جو ایمان والے ہیں یہ جب کمائی بھی کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے؟ یعنی یہ اپنی کمائی کو اللہ کی رضا میں تلاش کرتے ہیں۔ اب یہ آیت ذہن میں رہے گی ناں کہ شیطان کہتا ہے کہ تُو تنگ دست ہو جائے گا اپنی کمائی میں ملاوٹ کر لے اور اپنی کمائی بڑھا لے۔ جھوٹ بول کے کمائی کر لے۔ بھدی چیزیں اللہ کی راہ میں دے دے اور اچھی اچھی چیزیں خود رکھ لے۔ اور تجھے اس وقت یہ بھول جاتا ہے کہ تیرے اللہ نے بھی تجھ سے کوئی وعدہ کیا ہے۔ جب شیطان یہ وسوسہ ڈالے تو اس کو کہہ دینا کہ مجھے اپنے اللہ کے وعدے پہ یقین ہے۔ پھر کبھی تُو شیطان کے وسوسے میں نہیں آئے گا۔

یہ ایمان جو ہے ہم نے اسی دنیا میں حاصل کرنا ہے اور اسی ایمان کی بنیاد پہ میری آخرت کا فیصلہ ہونا ہے۔ میری قبر حشر کا فیصلہ ہونا ہے۔ اس کے لیے چار چیزیں ہیں: عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات۔ یہ چار چیزیں ہیں جو انسان نے حاصل کرنی ہیں۔ سب سے پہلے عقیدہ ہوتا ہے۔ میرا توحید کا عقیدہ۔ یہاں بھی وہ عقیدہ ہی بیان ہو رہا ہے کہ ایک بات اللہ نے بیان کی تھی اگر عقیدہ مضبوط ہوتا تو تُو شیطان کے وسوسے میں نہ آتا۔ یہ جو شیطان نے تجھے کہا تھا ناں کہ دو نمبر طریقے سے مال اکٹھا کر لے کہ کہیں تُو تنگ دست نہ ہو جائے تو تُو اس کے فریب میں کیوں آ گیا؟ اس

لیے کہ تیرا اللہ پہ عقیدہ ٹھیک نہیں تھا۔ عقیدہ ٹھیک ہو پتہ ہے مولا علی سرکار نے عید کے موقع پہ اپنے غلام سے کیا کہا تھا کہ ایک سوٹ میرے لیے لے آ اور ایک اپنے لیے لے آ۔ قنبر، غلام تھا مولا علی سرکار کرم اللہ وجہہ الکریم کا، اس نے سوچا کہ آپ تو امیر المومنین ہیں، بادشاہِ وقت ہیں تو آپ کیلئے ذرا اچھا لباس ہونا چاہئے اور میں غلام ہوں تو میرے لیے ذرا ہلکا لباس بھی ہو گا تو ٹھیک ہے۔ دیکھئے جن کا اللہ پہ ایمان ہوتا ہے ناں، جب اس نے کپڑے لا کر رکھے تو مولا علی سرکار نے پوچھا کہ یہ تُونے کیا کیا ہے۔ کہنے لگا کہ حضور میں نے سوچا کہ آپ سے تُو بیرونِ ممالک سے ملنے سفیر آتے ہیں، بادشاہ آتے ہیں تو آپ کا لباس اچھا ہونا چاہئے۔ میں غلام ہوں میرا گھٹیا بھی ہو گا تو کوئی بات نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، اب فیصلہ یہ ہے کہ جو تُو میرے لیے لیکر آیا ہے وہ تُو پہنے گا اور تیرے والا میں پہنوں گا۔ شیطان یہی وسوسہ ڈالتا ہے ناں کہ اگر اچھا دے دیا تو تیرا کیا بنے گا؟ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ۔ شیطان نے تجھے وسوسہ ڈالا کہ تُو تنگ دست ہو جائے گا لیکن مولا علی اپنے عمل سے بتا رہے ہیں کہ نہیں جو میرے اللہ نے وعدہ کیا ہے وہ حق ہے۔ وہ سچا ہے۔ یہاں پہ نفسیات والوں نے بڑا جملہ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مولا علی علم نفسیات کے بھی اتنے ماہر تھے کہ آپ نے سوچا کہ میرا غلام کہیں یہ نہ سمجھے کہ علی نے میرے اوپر کوئی احسان کر دیا۔ بھائی یہ تو نہیں نہ ہو کہ وہ لباس تو پہن لے لیکن ذہنی طور پہ وہ پریشان ہی ہو کہ یہ میرے اوپر احسان کر دیا۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ یہ جو مولا علی سرکار کا اگلا جملہ جو تھا وہ اس کو نفسیاتی طور پہ آزاد کرنے کیلئے تھا۔ آپ نے فرمایا قنبر دیکھو میں بوڑھا آدمی ہوں تو بوڑھا آدمی اگر ہلکا لباس بھی پہن لے تو ٹھیک ہے، تم جوان آدمی ہو تیرے جسم پہ یہ اچھا لگے گا۔ بوڑھے آدمی کو اچھا نہیں لگتا یہ۔ یعنی وہ جو جملہ کہ خیرات بھی دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یا اللہ اس منگتے کا بھلا ہو۔ خیرات بھی دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مولا اس منگتے کا بھلا بھی ہو۔

تو یہ جو آیات ہیں ان میں یہ چاروں چیزیں آئیں گی۔ عقائد بھی، عبادات بھی، معاملات بھی اور اخلاقیات بھی۔ اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ عقیدہ، عبادت اور معاملات، یہ تینوں اس لیے ہیں کہ بندہ کا اخلاق ٹھیک ہو جائے۔ یہ تینوں جو محنتیں ہیں ناں یہ اس لیے ہیں کہ انسان کا عقیدہ ٹھیک ہو جائے۔ اگر اس کا عقیدہ توحید ٹھیک ہے، اگر وہ اللہ کو اپنا رازق سمجھتا ہے، اللہ کو اپنا خالق سمجھتا ہے تو پھر یہ جو شیطانی وسوسے ہیں انکا مقابلہ کر سکتا ہے۔ تو

ترجمہ ایک دفعہ پھر سن لیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی سے جو بہترین چیز ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اور جو کچھ زمین سے اللہ نے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں جو بہترین ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ اور بری، بھدی اور گھٹیا چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو۔وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِؕ اور اگر یہ کوئی گھٹیا چیزیں تمہیں دے تو کیا تم آنکھیں بند کرکے لے لوگے؟ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ اور جان لو کہ اللہ غنی ہے اور تعریف کیا ہوا ہے۔اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ شیطان تو تمہیں ڈراتا ہے کہ اللہ کی راہ میں اگر اچھی اچھی چیزیں خرچ کروگے تو تنگ دست ہو جاؤگے۔وَ یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ۔اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔شیطان تمہیں تنگ دستی سے، فقر سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔وَ اللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًاؕ۔اور اللہ تم سے اپنے فضل کا وعدہ کرتا ہے اور بخشش کا وعدہ کرتا ہے۔وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ ہی واسع ہے اور علیم ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

39۔ اللہ کی مخلوق سے ہاتھ روکنا فحاشی ہے

قرآن: اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ-وَ اللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًاؕ-وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (سورة البقرة: 268)

ترجمہ: "شیطان تمہیں محتاجی کا اندیشہ دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی طرف سے بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔"

خاکہ:

1. اللہ کی راہ میں بہترین خرچ ناں کرنا بے حیائی ہے مگر کیسے؟
2. اللہ کو اپنی مخلوق سے کتنا پیار ہے؟
3. امام زین العابدین، جن کو سب پہچانتے ہیں۔
4. سائل کو جھڑکنا نہیں ہے۔
5. شیطان کیا وسوسہ ڈالتا ہے۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

ہماری گفتگو مال جمع کرنے کے حوالے سے چل رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے جو بہترین چیز ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ-وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِؕ-وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ[1]۔ پہلی شرط یہ ہے کہ تمہارا رزق حلال کا ہو۔ اس حلال رزق میں سے جو بہترین ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور جو کوئی اس نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے۔ اس حوالے سے عشر اور زکوۃ کے معاملات جو تھے وہ بیان کر دیے تھے۔ اور بُری، بھدّی اور ناکارہ چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو، سوچو بھی نہ۔ اگر یہی بری چیز کوئی تمہیں دے تو قبول کر لوگے؟ آگے سوال کیا ہے اللہ تعالیٰ نے۔ اور جان لو اللہ تعالیٰ غنی ہے، بے نیاز ہے اور تعریف کیا ہوا ہے، اسکو تمہاری تعریف کی ضرورت بھی نہیں۔

اس سے اگلی آیت، اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ شیطان تو تمہیں ہر وقت یہی وسوسہ ڈالتا ہے کہ تم فقیر ہو جاؤ گے، تنگدست ہو جاؤ گے۔ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے، فحاشی کا حکم دیتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ معاملہ ہے خرچ کرنے کا اور اللہ تعالیٰ اس کو تشبیہ دے رہا ہے بے حیائی سے۔ مثلاً جب کوئی خرچ کرنے کا معاملہ آئیگا تو تمہیں تمہارا مستقبل یاد کرائے گا کہ آنے والے وقت میں تم کیا کرو گے اگر تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ تم غریب ہو جاؤ گے، تمہارے ابھی کرنے والے بڑے کام رہتے ہیں۔ پھر یہ وسوسے یہاں تک نہیں رہتے، پھر وہ تمہیں یہاں تک کہتا ہے کہ سوال کرنے والے کو جھڑک دو۔ میں نے جتنی بھی تفسیریں دیکھیں، سب نے ایک ہی وجہ لکھی کہ اللہ نے اس کو بے حیائی سے رکنے کا کیوں کہا ہے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب تم یہ سوچتے ہو کہ میرا مستقبل میں کیا بنے گا؟ شاید میں نے پہلے یہ بات بھی کہ تھی کہ اللہ پھر یہ بھی پوچھتا ہے کہ تیرے باپ کو کس نے پالا تھا؟ تیرے دادا کو کس نے پالا تھا؟ جس اللہ نے تیری پچھلی نسلیں پالیں، وہ تیری پچھلی نسلیں نہ پالے

[1] سورۃ البقرۃ:267

گا؟ تُو کیوں سوچتا ہے کہ تیرے بچوں کا کیا بنے گا؟ رب تُو ہے یا وہ اللہ ہے جس نے پالنا ہے۔ تو جملہ بڑا اکمال کا ہے، تفسیر تبیان القرآن میں یہ جملہ انہوں نے لکھا کہ اگر مجھے 2 روٹیوں کی ضرورت ہے تو وہ اللہ مجھے صرف 2 ہی دیتا ہے یا 2 سے زیادہ دیتا ہے؟ اللہ مجھے ناپ تول کے کہ اتنی ضرورت ہے تو اتنی ہی دوں؟ وہ ہمیشہ مجھے میری ضرورت سے زیادہ ہی دیتا ہے۔ تو جب وہ حکم دے کہ مال تو میرا ہی ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو پھر تجھے اپنی ضرورتیں کیوں یاد آجاتی ہیں؟ تو یہ سب سے بڑی بے حیائی ہے کہ انسان اللہ کی عطا کو ہی بھول جائے۔

اس آیت کو جب بھی میں دیکھتا ہوں تو سرکار امامِ حسن مجتبیٰ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ ، میں سمجھتا ہوں کہ اس کی تفسیر کیلئے امامِ حسن سے بڑا کوئی جملہ نہیں ہو سکتا۔ جب ایک شخص نے پوچھا تھا کہ حضور جب کوئی مانگنے والے آتے ہیں تو آپ گھر کا سارا سامان ہی دے دیتے ہیں۔ آپ نے کبھی اپنے لیے بچا کہ نہیں رکھا۔ امام نے فرمایا کہ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میں نے اس کی مخلوق سے ہاتھ روکا تو کہیں وہ نہ روک لے۔ اگر اللہ روک لے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ اور حکم پتہ کتنا سخت ہے؟ نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم رحمت اللعالمین ہیں۔ ہر ایک کیلئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ یہ حکم اتنا سخت ہے۔ سورۃ الضحیٰ تو آپ سب کو آتی ہو گی۔ سورۃ الضحیٰ کی بھی جب میں تلاوت کرتا ہوں تو میں کہتا ہوں کہ اللہ کو اپنی مخلوق سے کتنا پیار ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ اپنے محبوب سے کہہ رہا ہے وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ[1] محبوب جب کوئی سوالی آجائے تو جھڑکنا نہیں۔ ذرا تصور تو کریں کہ جس ہستی نے کبھی کسی کو جھڑکا ہی نہیں، رحمت ہی رحمت ہیں۔ اس اللہ کو اپنی مخلوق سے کتنا پیار ہے کہ اللہ اپنے محبوب سے کہہ رہا ہے کہ کسی سوالی کو جھڑکنا نہیں۔ تو ہم کون ہوتے ہیں اس کی مخلوق کو جھڑکیں؟

سرکار نے اماں عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا سے فرمایا کہ جب بھی کوئی سائل آئے تو عائشہ تم سفارش کیا کرو کہ اس کو عطا کر دیں۔ مجھے کہا کرو۔ اماں جی نے مسکرا کر کہا کہ یا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آپ کسی کو نہ کرتے ہی نہیں۔ یہ نوبت ہی نہیں آتی کہ آپ نہ کریں تو میں سفارش کروں۔ پتہ ہے ناں یہ فرزدق شاعر نے جب بنو امیہ کا بادشاہ طواف کر رہا تھا خانہ کعبہ کا، تو وہ حجر اسود چومنے کیلئے آگے بڑھا تو لوگوں نے راستہ نہ دیا۔ ظاہر ہے بیت اللہ شریف کا

---

[1] سورۃ الضحیٰ:10

ایک اپنا جلال ہوتا ہے۔ لوگ طواف کرتے رہے کسی نے توجہ نہ دی۔ اتنے میں امام زین العابدین تشریف لائے تو لوگ پیچھے ہٹنا شروع ہوگئے تو امام زین العابدین سرکار نے آگے جا کر ہجرِ اسود کو بوسا دیا۔ تو اب وہ بادشاہ نے کہا کہ یہ کون ہے؟ میں تو بادشاہ تھا اور مجھے تو لوگوں نے راستہ نہیں دیا۔ تو فرزدق شاعر وہاں بیٹھا ہوا تھا، وہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اس کو زمین بھی جانتی ہے آسمان بھی جانتا ہے۔ اس کو تو مکہ کے پہاڑ بھی جانتے ہیں اور یہ ہجرِ اسود بھی جانتا ہے۔ اسکو تو گل و گلزار، جن و بشر سب جانتے ہیں۔ تو اس نے جو جملہ آخر میں کہا، اصل میں جو بات آپ کو بتانی تھی۔ اس نے کہا پتہ ہے ان کو کیوں لوگ جانتے ہیں؟ یہ لا صرف کلمہ میں پڑھتے ہیں۔ یہ نہیں ہے ناں، "لا" صرف کلمہ میں پڑھتے ہیں باقی انہوں نے کبھی کسی کو نہ نہیں کہا۔ تُو پوچھتا ہے کہ یہ کون ہیں؟ تو اماں عائشہ صدیقہ ﷞ نے بھی کہا کہ آپ کونسا کسی کو نہ کرتے ہیں۔

ملتا نہیں کیا کیا دو جہاں کو ترے در سے
اک لفظ نہیں ہے کہ ترے لب پہ نہیں ہے

سرکار نے فرمایا کہ عائشہ میں تو کسی کو نہ نہیں کرتا لیکن تمہیں تو کہنے کا ثواب مل جائے گا۔ اپنے گھروں کا یہ ماحول بناؤ۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تو احیاء العلوم میں یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی سائل آجائے تو اپنے بچوں کے ہاتھ خیرات بھیجا کرو۔ اپنے چھوٹے بچوں کے ہاتھ خیرات بھیجو تاکہ وہ بچپن سے ہی سخاوت سیکھیں۔ تو یہ بھی طریقہ سرکار نے سکھایا کے جب کوئی سائل آجائے تو آپ کے گھر والے سفارش کریں کہ اسکو دو جی۔ تو یہ جو شیطان جو آپ کو وسوسہ ڈالتا ہے ناں کہ سائل کو جھڑک دو۔ اس سے تو اللہ نے اپنے محبوب کو بھی منع کر دیا۔ میرے حضرت صاحب قبلہ بھی یہی فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا نہیں خدمت کر سکتے تو معذرت کرلیں، معافی مانگ لیں۔ امام حسن کا وہ جملہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ اگر وہ اللہ ہی تجھ سے روک لے تو کیا کرلے گا کہ تو اس کی مخلوق کو جھڑکتا ہے۔ تو اس کو قرآن کریم نے اس کو بے حیائی کہا ہے کہ اللہ تو تجھے تیرے ضرورت سے زیادہ دیتا ہے اور جب اس کی مخلوق کی باری آئے تو تُو اسکی عطا کو بھول جائے؟ اس نے ہمیشہ تجھے تیری ضرورت سے زیادہ ہی دیا ہے اور پچھلی آیت بھی ذہن میں رہے کہ حلال کمائی ہو اور اس میں سے جو بہترین چیز ہے وہ ہو۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

40۔ اسلام کا نظام معیشت (حصہ اول)

قرآن: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ-وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِؕ-وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ(سورۃ البقرۃ: 267)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنی پاک کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) کچھ خرچ کرو اور خرچ کرتے ہوئے خاص ناقص مال (دینے) کا ارادہ نہ کرو حالانکہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم اسے چشم پوشی کئے بغیر قبول نہیں کروگے اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ، حمد کے لائق ہے۔"

خاکہ:

1. عدل اور معیشت کا تعلق۔
2. اسلام گداگر پیدا نہیں کرنا چاہتا۔
3. ظالم کی تعریف کرنا اللہ کو سخت ناپسند۔
4. مطلقاً حرام اور بالسبب حرام۔
5. معاوضہ محنت کا ہوگا، سرمایہ کا نہیں۔
6. جس سے آپ وقت لیں تو اسکی خدمت بھی کریں۔
7. روح کی پاکیزگی تمہاری پاکیزہ کمائی سے
8. اسلام کا نظامِ معیشت زمین پہ عدل کا نفاذ

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

نظام معیشت انسانوں کا ایسا نظام ہے کہ اگر اس نظام میں عدل ہو گا تو زمین پہ عدل ہو گا اور اگر اس نظام میں عدل نہ ہو تو پھر آپ جتنی جی چاہے کوشش کریں، پھر آپ امن قائم نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کو یاد ہو تو کسی موقعہ پر میں نے یہ بات کی تھی کہ یہ بات تو علماء بیان کرتے رہتے ہیںوَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ[1] اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔ یعنی مقصدِ تخلیق جو ہے وہ اللہ کی بندگی ہے، عبادت ہے۔ اور پاک پیغمبر ﷺ نے اس بندگی کو جوڑا ہے نظامِ معیشت کیساتھ کہ وہ بندگی کر ہی نہیں سکتا جو معیشت کے نظام میں عدل نہیں کر سکتا۔ اس لیے فرمایا کہ تم اپنی عبادتوں کے دس حصے کرو (مکمل نظام کے) تو نو حصے عبادت رزق حلال ہے اور باقی ایک حصہ جو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ہے، یہ بھی رزقِ حلال کیساتھ جڑا ہوا ہے۔ اگر آپ نے حرام کے رزق کیساتھ روزہ افطار کیا تو وہ قبول نہیں ہو گا۔ حرام رزق سے حج کیا تو وہ قبول نہیں ہو گا۔ تو بندگی کا جتنا بھی پیچ ہے وہ اسلام کے نظامِ معیشت کیساتھ جڑا ہوا ہے۔

اب یہ جو ہم نے پچھلے جمعہ دو آیات سیکھی تھیں۔ اگر اس پہ آپ نے غور کیا ہو تو اس میں بڑی ایک کمال کی بات ہے کہ خرچ بعد میں کرنا ہے، اللہ کی راہ میں خرچ بعد میں کرنا ہے۔ پہلا حکم کیا ہے کہ جو تم نے اپنے ہاتھوں سے پاکیزہ کمائی کی ہے۔ یہ میں نے آج اس کی تفصیل میں نہیں جانا، نہیں تو موضوع اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے۔ یہ سوال اصل میں اٹھتا ہے اسلام کے نظامِ معیشت پہ کہ یہ جو قرآن میں آیات آئی ہیں کہ اپنے قریبیوں کا خیال رکھو، فقراء کا خیال رکھو، مساکین کا خیال رکھو، جو محتاج ہیں معاشرے کے ان کا خیال رکھو۔ اس کا مطلب ہے کہ اسلام گداگر پیدا کرنا چاہتا ہے؟ یہ اسلام کے جو دشمن ہیں وہ سوال اٹھاتے ہیں۔ اگر یہ چیز لوگوں کو بتائی جائے گی کہ آپ نے دینا ہی دینا ہے، تو معاشرہ تو گداگر ہو جائے گا، مانگنے والا ہو جائے گا۔ تو اسلام کیا لوگوں کو گداگر بنانا چاہتا ہے؟ ہم ان لوگوں کو یہ بتاتے ہیں کہ اسلام تو شروع ہی کمائی سے کرتا ہے۔ جو دین کمائی سے شروع ہو وہ لوگوں کو گداگر نہیں بناتا اور

[1] سورۃالذریٰت:56

پھر اس نظام کا نتیجہ کیا ہے؟ اگر اس نظام نے گداگر پیدا کرنے ہوتے تو اس نظام کے نتیجے میں جو معاشرہ تشکیل پایا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز تک، میں پہلی صدی کی بات کر رہا ہوں، پہلے سو سال، جب یہ نظام نافذ ہوا تو لوگ زکوٰۃ وصدقات گلیوں میں لیکر پھرتے تھے تو کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔ کوئی صدقہ لینے والا نہیں ملتا تھا۔ اسلام تو گداگری کو ختم کرنیوالا مذہب ہے، لوگ تو کہتے تھے کہ ہمارے پاس ایک وقت کا کھانا موجود ہے، اس لیے ہم نے صدقہ نہیں لینا۔ ظاہر ہے اسلام دشمن طاقتیں یہ سوال اٹھاتی ہیں، یہ آپکو پتہ ہونا چاہئے۔ دیکھئے ناں یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اگر ہر وقت دینے کی بات ہو گی تو لوگ مانگنے پہ آجائیں گے کہ بس ٹھیک ہے میں گھر بیٹھا رہوں۔ نہیں آیت شروع کہاں سے ہوئی تھی؟ جو تُو نے پاک رزق کمایا ہے اس میں سے جو بہترین ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر۔ یہ ایک علیحدہ پورا موضوع ہے کہ شریعت نے کس بندے کو اجازت دی ہے کہ وہ دست سوال دراز کر سکتا ہے۔ ایک جملہ میں صرف کہہ دوں، ہمارے پاک پیغمبر ﷺ کی شریعت میں جس بندے کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہے وہ سوال نہیں کر سکتا۔ یا جس کسی کے جسم میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ایک دن کی روزی کما سکے ہے تو وہ بھی سوال نہیں کر سکتا۔ اسلام گداگری ختم کر رہا ہے۔ اس لیے جو معاشرے نبی پاک ﷺ نے بنائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک وقت کا کھانا ہے، ہم نے صدقہ نہیں لینا۔ اس لیے اسلام پہ کوئی اعتراض نہ اٹھائے کہ اسلام گداگر پیدا کرنا چاہتا ہے۔

تو بات شروع ہوئی ہے تھی، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ، یہ ایک تسلسل ہے پچھلے جمعہ کا، تو جس نے پچھلا جمعہ سمجھا ہے اسی کو بات سمجھ آئے گی، اے ایمان والو! اپنی بہترین کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو، وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اور جو کچھ تمہارے لیے اللہ نے زمین سے نکالا ہے وہ خرچ کرو۔ وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ، اور بری چیزیں، گھٹیا چیزیں، بھدی چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو۔ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ اگر یہی گھٹیا چیز کوئی تمہیں دے تو تم قبول کر لو گے؟ تو پھر اللہ کو تم نے بڑا کیا سمجھا؟ ہمارے ہاں یہ بھی ایک چیز ہے، آپ شادیوں میں بھی جاتے ہیں، عقیقوں پہ جاتے ہیں، اپنے رشتہ داروں میں ایک دوسرے کے پاس جاتے ہیں، وہاں پہ آپ پیسے بچوں کو دیتے ہیں، دولہا کو دیتے ہیں، بہو کو دیتے ہیں۔ ان پیسوں کو ہم کیا کہتے ہیں ہدیہ، تحفہ۔ یہ بات ذرا ٹیکنیکل ہے۔ کیونکہ جس کے پاس ایک دن کا رزق ہے اور وہ اگر سوال کرتا ہے تو

اس کی کمائی حرام ہے۔ جس کے جسم میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ایک دن کی روزی کما سکے، اگر وہ سوال کرتا ہے تو اس کی کمائی حرام ہے۔ اور اس حرام میں پیسے دینے والا بھی اس حرام میں شریک ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ جو آپ دوستوں میں، بہن بھائیوں میں خرچ کرتے ہیں وہ تحفہ خرچ کرتے ہیں۔ تحائف کا حکم ہے کہ دو۔ یہ باتیں ذہن میں رکھا کریں۔ ایک دن ایک بندے نے پوچھا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ جو حکم ہے کہ جو ظالم کا ساتھ دے، اللہ بھی اس سے بری اور اس کا رسول بھی اس سے بری۔ اب نہ اللہ اسکی ذمہ اٹھائے گا اور نہ اس کے رسول، وہ دفعہ ہوئے جہاں جی چاہے وہ جائے، جہنم میں جائے۔ اللہ نے اپنے آپ کو اس سے دور کر دیا۔ یارسول اللہ ﷺ اس کی چھوٹی سے چھوٹی حد کیا ہے؟ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی حد یہ ہے کہ تمہیں پتہ بھی ہو کہ فلاں بندہ ظالم ہے اور تُو پھر اس کی تعریف میں کوئی جملہ کہے۔ یعنی تجھے پتہ بھی ہو کہ فلاں بندہ ظالم ہے اور تُو اس کی تعریف میں ایک جملہ بھی کہے گا تو اللہ کہتا ہے کہ دفعہ ہو جا۔ تُو ظالموں کیساتھ کھڑا ہو گیا ہے؟ میرا تیرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ تُو میرے دشمنوں کیساتھ کھڑا ہو گیا؟[1] تو فرمایا کہ تم نے اللہ کو کیا سمجھا ہے؟ کوئی گھٹیا چیز تمہیں دے اور تم قبول نہ کرو اور اللہ کی راہ میں گھٹیا چیزیں خرچ کرو۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ اور جان لو بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے، بے نیاز ہے اور حمید ہے، تعریف کیا ہوا ہے۔ اس کو تمہاری تعریف کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب یہ جو چیزیں، اس کا شانِ نزول پچھلے جمعہ ہو گیا تھا، تمہیدی باتیں جو تھیں وہ پچھلے جمعہ ہو گئیں تھیں۔ چیز جو حرام ہوتی ہے ناں وہ دو وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ حکم ہے ناں کہ یہ حرام، ناکارہ اور خبیث چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرنی۔ ایک تو فِی نَفسِہٖ کوئی چیز حرام ہوتی ہے۔ مطلقاً حرام ہوتی ہے اور ایک سبب کیوجہ سے حرام ہوتی ہے۔ میں نے آج لمبی تفصیل نہیں عرض کرنی، اتنا جو یاد رہ جائے۔ مثلاً خنزیر کا گوشت ہے تو خنزیر فی نفسہ حرام ہے۔ کتا فی نفسہ حرام ہے۔ یعنی اس کی ذات ہی حرام ہے۔ شراب ہے وہ فی نفسہ حرام ہے۔ یہ آپ کی مرغی ہے، بھیڑ، بکری ہے، یہ فی نفسہ حلال ہے۔ لیکن اگر یہی بکری آپ چوری کر کے

[1] احیاء علوم الدین، کتاب الحلال والحرام

"اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی نہیں پھر مدد نہ پاؤ گے" سورۃ ھود:113

لے آئیں تو وہ فی نفسہ تو حلال تھی لیکن سبب نے اسکو حرام کر دیا۔ اب وہ جو چیز فی نفسہ حلال تھی لیکن اس کو سبب نے حرام کر دیا۔ دودھ ہے، حلال ہے لیکن اگر آپ نے سود کے پیسوں سے خریدا تو سبب نے اسکو حرام کر دیا۔ تو یہاں جو چیز اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے ناں اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ چیز فی نفسہ تو حلال ہو اور تم نے اپنی کمائی میں کوئی کمی بیشی نہ کی ہو کہ سبب کیوجہ سے وہ چیز حرام ہو جائے۔ یعنی اس کا سبب بھی حرام کا ہونا چاہیئے۔ یہ باتیں شاید میں نے پہلے کی ہیں کہ نہیں کیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایالَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا[1] اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تم سے رزق کا سوال نہیں کرے گا۔ کیوں؟ نَحْنُ نَرْزُقُكَ رزق ہم دیتے ہیں۔ بلکہ فرمایاماؤں کے پیٹ میں وہ جیسے چاہتا ہے رزق عطا کرتا ہے۔ وہاں کیا تم اپنی کمائی کر کے رزق کھاتے ہو؟ سوال پھر کیا کریگا؟ سوال کریگا کہ سبب کونسا اختیار کیا تھا رزق حاصل کرنے کا۔ کیونکہ سبب ہی فی نفسہ حلال کو حرام کر دیتا ہے۔ رشوت سبب ہے حلال کو حرام کرنے کا، سود سبب ہے حلال کو حرام کرنے کا۔ ملاوٹ، دھوکہ بازی، یہ سارے سبب ہیں۔ ایک شخص نے پوچھا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ بہترین رزق کیا ہے؟ فرمایا جو تم اپنے ہاتھ سے کماتے ہو یا تجارت سے کماتے ہو[2]۔ وہ بہترین رزق ہے۔ اب اس میں سے جو تم نے کمایا ہے جو بہترین ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

اسلام کے نظامِ معیشت میں یہ بنیادی چیز سمجھ لیں۔ اسلام سے پہلے جو نظام تھا وہ سودی نظام تھا۔ اسلام نے سود کو اس مقام پہ لا کر کھڑا کر دیا فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ[3] کہ جس نے سود لیا، اس نے اللہ اور اسکے رسول سے اعلان جنگ کیا۔ لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس سودی نظام کو ختم کرنے سے پہلے اسلام نے اپنا ایک نظام دیا۔ پہلے اسلام نے اپنا نظامِ معیشت دیا اور جتنے بھی قوانین نافذ ہوئے ہیں، ان میں جو سب سے آخر میں نافذ ہوا ہے وہ سود کے خاتمہ کا اعلان حجۃ الوداع پہ کیا گیا۔ اتنا انتظار کیا گیا۔ پہلے جو اسلام کا نظامِ معیشت

---

[1] سورۃ طٰحٰہ:132

[2] اطیب الکسب عمل الرجل بیده، وکل بیع مبرور

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سی کمائی بہترین (اور پاکیزہ) ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر مبرور بیع (تجارت) کرنا بہترین کمائی ہے۔“

[3] سورۃ البقرۃ:279

ہے اس کو نافذ کیا گیا۔ اچھا اسلام کے نظام معیشت کی بنیاد کیا تھی؟ آیت آپ سورۃ نجم کی اکثر سنتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں لیکن اس پہ شاید کبھی غور نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی بات یہ ارشاد فرمائیوَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی [1]۔ یہ اسلام کی نظام معیشت کی بنیاد ہے کہ معاوضہ محنت کا ہو گا، سرمایہ کا نہیں ہو گا۔ سود خور کیا کرتا ہے کہ کسی کو 100 روپیہ دیتا ہے، 200 روپیہ دیتا اوپر 20 روپیہ لے لیتا ہے۔ وہ معاوضہ سرمایہ پہ لیتا ہے۔ اللہ نے اب یہ قانون نافذ کر دیا کہ معاوضہ محنت پہ ہو گا، سرمایہ پہ نہیں ہو گا۔ یہ اسلام کے نظامِ معیشت کی بنیاد ہے۔ اب اس آیت کو کتنی دفعہ آپ نے پڑھا اور سُنا۔ اب میں آپکو ایک اور بات بتادوں۔ زمین پہ جتنے بھی فساد ہیں۔ جو فساد کرنے والے لوگ ہیں ناں، یہ وہی ہیں جو محنت نہیں کرنا چاہتے۔ جو محنت کے بغیر لوگوں کا مال ہتھیانا چاہتے ہیں فساد ہمیشہ وہ برپا کرتے ہیں۔ اب یہ بنیادی چیز تھی کہ معاوضہ اگر کسی کو ملے گا تو وہ محنت کا ملے گا، سرمایہ کا نہیں ملیگا۔

اب محنت میں دو چیزیں بیان کر دی گئیں۔ ایک محنت ہے جسمانی اور ایک ہے ذہنی۔ یہ ہمارا مزدور جو ہے یہ جسمانی محنت کرتا ہے اور ایک استاد جو بچوں کو پڑھاتا ہے وہ ذہن کی محنت کرتا ہے۔ ایک ڈاکٹر، ایک وکیل، ایک جج اپنے ذہن کی محنت کرتا ہے۔ اور ذہن کی محنت، جسم کی محنت سے بڑیا ہوتی ہے۔ اب معاوضہ جو ہو گا وہ محنت کا ہو گا وہ جسمانی محنت کرے یا ذہنی کرے۔ سرکار عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کسی کام بھیجا، یعنی وقت لیا اس سے۔ آج اگر یہی چیز واضح ہو جائے۔ محنت میں بنیادی چیز کیا ہے؟ وقت ہے۔ معاوضہ وہ جو آپ نے وقت دیا ہے کسی کو جسمانی طور پہ دیا ہے یا ذہنی طور پہ۔ آپ کا ذہن استعمال ہوا ہے یا جسم استعمال ہوا ہے۔ تو ایک شخص کو کسی کام سے بھیجا تو وہ جلدی جلدی کام کر کے واپس آ گیا۔ تو سرکار عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو دو درہم دیے۔ اس نے کہا کہ یہ تو معمولی سا کام تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تم سے وقت لیا ہے۔ آپ جسے وقت کہتے ہیں ناں کہ یہ گھڑی چل رہی ہے، یہ سیکنڈ، یہ منٹ، یہ گھنٹے۔ اسلام اس کو وقت نہیں کہتا۔ اسلام میں وقت میری زندگی کو کہتے ہیں۔ یعنی جو بندہ تمہیں وقت دے رہا ہے، وہ اپنی زندگی کا کچھ حصہ تمہیں دے رہا ہے۔ اس لیے سب سے بڑا اس بندے کیلئے ہے جو بغیر کسی لالچ کے اپنے بھائی کو ملنے جاتا ہے۔ چونکہ جتنی بھی اس دنیا کی چیزیں ہیں ان میں سب سے قیمتی چیز میری

[1] سورۃ النجم:39

زندگی ہے۔ اور اسلام وقت کو زندگی کہتا ہے کہ جس نے تمہیں وقت دیا اس نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ تمہیں دیا۔ ایسے ہی منہ نہ بنالینا کہ مہمان آگیا۔ وہ تیرے گھر سے کچھ کھانا پینا لیکر جارہا ہے لیکن وہ تمہیں اپنی زندگی دے کر جارہا ہے۔ فرمایا جس سے ہم وقت لینگے اس کی خدمت کرینگے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کہا تھا۔ سرکار نے مجھے بھی کسی کام بھیجا تو میں واپس آیا تو سرکار نے مجھے پیسے دیے۔ میں نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، یہ تو معمولی سا کام تھا۔ تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے وقت لینگے تو پھر اسکی خدمت بھی کرینگے۔ یہ بات میں اس لیے سمجھا رہا ہوں کہ اگر آپ نے کسی کو پابند کر دیا ناں تو پھر اس سے آپ ذہنی یا جسمانی کوئی بھی خدمت نہ لیں، ویسے بھی بٹھا دیں۔ وقت لے لیا ہے تو اس کو معاوضہ دینگے۔ تو یہ ہے اسلام کا بنیادی اصول کہ اب سرمایہ پہ کسی کو نفع نہیں ملے گا۔ نفع ملے گا تو محنت پہ ملے گا۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ آپ اپنے چاروں طرف نظر دوڑائیں، اگر کسی گھر میں کوئی بھائی فساد کرتا ہے تو اس وجہ سے کہ محنت کے بغیر دوسروں کا حق کھانا چاہتا ہے۔ جو بندہ بھی محنت پہ یقین رکھتا ہے وہ کبھی فساد نہیں کرتا۔ تو یہ جو سودی نظام ہوتا ہے اس میں لوگ سرمایہ پہ قبضہ کرتے ہیں۔ یہ جو آج کل آپ کا capitalism ہے، یہ جو نظام معیشت ہے یہودیوں کا کہ سرمایہ پہ قبضہ کرو تو معاوضہ محنت کا نہیں، سرمایہ پہ لو۔ تو اسلام نے بڑی محنت کیساتھ اس کو یہاں تک لا کر کھڑا کیا۔

اب دیکھئے یہاں دو باتیں ہیں، اگر آپ ان کو follow کر پائیں۔ اب زکوٰۃ کا لغوی معنٰی ہے پاک کرنا۔ دوسرا اس کا معنٰی ہے نشو نما growth ۔ عربوں کیلئے یہی تو مسئلہ تھا کہ 100 روپے میں سے اڑھائی روپے دے رہے ہیں، تو اسلام کہتا ہے کہ یہ نشو نما ہوئی ہے، بڑھا ہے، کم نہیں ہوا۔ زکوٰۃ سے چیزیں بڑھیں گی، کم نہیں ہونگی۔ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى [1]۔ اگر تو اپنی روح کی پرورش چاہتا ہے۔ جسم کی گروتھ کیلئے تو تُو گوشت کھاتا ہے، سبزیاں کھاتا ہے، گھی کھاتا ہے، بڑی energetic خوراک کھاتا ہے۔ تو قرآن کہتا ہے کہ اگر تُو اپنی روح کو energetic کرنا چاہتا ہے، اس کا صرف یہی حل ہے کہ اپنی پاکیزہ کمائی اس کی راہ میں خرچ کر، پھر تیری روح کو گروتھ ملے گی۔ اگر یہ

[1] سورۃ الیل:18

تیرے اندر بات نہیں ہے تو پھر تیری روح کو گروتھ نہیں ملے گی۔ اور اگلی بات اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی [1] کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اسلام کا نظامِ معیشت دیکھیں کہ کیا ہے۔ بھائی کوئی اپاہج ہے، معذور ہے، نابینا ہے اس کا تو بوجھ معاشرہ اٹھائے گا۔ بوڑھا آدمی ہو گیا ہے، کام نہیں کر سکتا اسکا بوجھ اٹھائیں گے۔ محتاج ہے، محنت پوری کرتا ہے، اخراجات پورے نہیں ہوتے، اس کا بھی اسلام بوجھ اٹھائے گا۔ بلکہ جب اسلام کا نظامِ معیشت نافذ کیا گیا تو حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ جو شیر خوار بچوں کا ماؤں کو وظیفہ مقرر کیا گیا۔ یہ جو آج کہتے ہیں کہ یورپ میں وظیفہ لگتا ہے ماؤں کا، تو یہ حضرت عمر فاروق نے شروع کروایا تھا کہ کوئی ماں خوراک کی وجہ سے کمزور نہ رہ جائے کہ اپنے بچے کو دودھ نہ پلا سکے۔ اگر اسلامی ریاست میں کوئی مقروض مر گیا ہے تو اسکا قرض مملکت ادا کرے گی۔ اسلام نے نظامِ معیشت یہ دیا ہے۔ میں کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ہر کوئی اپنا اپنا بوجھ خود اٹھائے گا۔ پھر اس کے بعد یہ جو معاشرے میں کمزور، ناتواں، محتاج، معذور، نابینا، special لوگ ہیں انکی خدمت پھر ہم اپنی کمائی سے کرینگے۔ مصیبت یہ ہے کہ اسلام کے اس نظامِ معیشت کو ہم سمجھنا نہیں چاہتے۔ ہم سرمایہ میں ہی سارا کام کرنا چاہتے ہیں۔

اگلے جمعہ ہم مزارعت اور مضاربت پہ گفتگو کرینگے۔ ہوا کیا تھا کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جو زراعت کا قانون نافذ ہوا تھا۔ جو بندہ تین سال تک اپنے کھیت میں ہل نہیں چلاتا تھا تو حکومت اس سے کھیت واپس لے لیتی تھی اور اس شخص کو دے دیتی تھی جو بندہ محنت کرتا تھا اور فصلیں اگاتا تھا۔ لیکن ان سودی لوگوں نے کیا کیا؟ انہوں نے مزارعت کا ایک نظام دیا کہ اپنے سرمایہ سے زمینیں خرید لو اور پھر ان مزارعوں سے کہو کہ تم محنت کرو اور آدھی فصل تم لے لو اور آدھی ہمیں دے دو۔ پہلے وہ 100 کے 10 روپیہ دیتا تھا، اب 50 دینے لگ گیا۔ پھر آگے مضاربت کا نظام۔ اس پہ کچھ جائز چیزیں ہیں، وہ ہم آگے گفتگو کریں گے۔ لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ سودی لوگ کس طرح سے اس نظام پہ حملہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر آپ نے قرآن کے اس اصول کو مدنظر رکھا لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ اب ہر انسان کیلئے معاوضہ وہی ہے جس کی وہ محنت کرتا ہے۔ اگر کسی نے محنت کے بغیر، کسی

---

[1] سورۃ النجم:38

کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہے یا جسم میں اتنی طاقت ہے کہ ایک دن کی روزی کما سکتا ہو تو اس نے اگر اس نے یہ پیسے لیے تو اس نے حرام کا کام کیا۔ یہ جو ایک لفظ ہے مَا کَسَبْتُمْ اگر آپ کو سمجھ آجائے۔ اسی لیے اسلام آپ کو کہاں لا کر کھڑا کرتا ہے، پچھلے جمعہ جو میں نے آپ کو مثال دی تھی کہ اصحابِ صفہ سے ذہنی کام لیا ناں تو باقی معاشرے سے کہا کہ انکی جسمانی ضروریات تم نے پوری کرنی ہیں۔ لیکن معاوضہ محنت پہ ہو گا، سرمایہ پہ نہیں ہو گا۔ یہ میں سادہ زبان میں آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ سود والا محنت نہیں کرنا چاہتا لیکن اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے۔ معاوضہ لینا ہے تو اپنی محنت پہ لو۔ یہ پاکیزہ ماحول جب بنتا ہے، جب نظامِ معیشت اسلام کا نافذ ہوتا ہے تو پھر زمین پہ فساد نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

41۔ اسلام کا نظام معیشت (عشر اور خراج)

قرآن: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۪-وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِؕ-وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ(سورۃ البقرۃ: 267)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنی پاک کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) کچھ خرچ کرو اور خرچ کرتے ہوئے خاص ناقص مال (دینے) کا ارادہ نہ کرو حالانکہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم اسے چشم پوشی کئے بغیر قبول نہیں کرو گے اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ، حمد کے لائق ہے۔"

خاکہ:

1. حاکمیت اللہ کی ہے تو نظامِ حکومت بھی اُسی کا نافذ ہو گا۔
2. زمین دو قسم کی ہوتی ہے عشری اور خراجی۔
3. اسلامی ریاست کی ذمہ داری۔ عدل، تعلیم اور صحت
4. عدل کا تقاضا۔ فوری، مفت اور کمزور کی دہلیز پر۔
5. کافروں سے جنگ کا اسلامی اصول
6. عشر مسلمان سے وصول کیا جاتا ہے اور خراج کافروں سے
7. عشر زمین کی پیداوار کے حساب سے
8. اللہ کا ترازو کیسا ہو گا؟
9. پاکستان کی زمین، عشری یا خراجی؟

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

ہماری گفتگو اسلام کے نظام معیشت پہ چل رہی تھی اور ہمارا موضوع اس اعتبار سے بڑا اہم ہے کہ جب ہم دین کی بات کرتے ہیں تو پھر وہ مکمل نظام جو ہے اس جسم پہ نافذ ہوتا ہے۔ partial نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے اس طرف جو توجہ دلوائی ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً [1] اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ یہ نہیں ہوگا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد میرے جسم پہ کچھ نظام اللہ کا چلے گا اور کچھ اللہ کے علاوہ چلے گا۔ لا الہ پہ ہم گفتگو کر چکے ہیں (جلد اول) کہ الہ کا معنیٰ صرف معبود نہیں ہوتا۔ الہ کا معنیٰ حاکم ہوتا ہے۔ اب حکومت جو ہے وہ اللہ کے سوا کسی کی نہیں چلے گی۔ تو حکومت کیلئے نظام جو ہے وہ ضروری ہوتا ہے۔ نظام، جس کو حاکم مانتے ہیں اسی کا چلے گا۔ اس حوالے سے ہم یہ آیۃ مبارکہ دیکھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ اللہ کی راہ میں حلال کمائی میں سے جو پاکیزہ چیزیں ہے وہ خرچ کرو۔ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اور جو کچھ زمین میں سے تمہارے لیے نکالا گیا اس میں سے خرچ کرو۔ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ اور بھدّی، بُری چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو۔ سوچنا بھی نہ کہ اللہ کی راہ میں بری چیز خرچ کرنی ہے۔ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ یہی بری اور بھدی چیز کوئی تمہیں دے تو کیا آنکھیں بند کر کے لے لوگے؟ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ اور جان لو اللہ غنی ہے، بے نیاز ہے، اسکو تمہاری چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں اور وہ تعریف کیا ہوا ہے۔ پچھلے دو جمعہ سے ہم اسی آیت پہ گفتگو کر رہے تھے۔ اور میں نے کہا تھا کہ یہ جو آیہ مبارکہ کا حصہ ہے وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ جو کچھ زمین سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نکالا ہے، اس پہ گفتگو کرینگے۔

پیچھے جو آیت میں آپ نے پڑھا تھا " طَیِّبٰتِ "۔ تو ہم طیب کا معنیٰ پاک کرتے ہیں، عمدہ۔ کچھ اس کا معنیٰ حلال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی چیز پاک اور عمدہ ہو نہیں سکتی جب تک وہ حلال نہ ہو۔ کیونکہ حکم یہ ہے کہ

---

[1] سورۃ البقرۃ:208

اپنی حلال کمائی میں سے جو عمدہ ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اب اس پہ پیچھے دو جمعہ ہو گئے تھے۔ اب زمین میں سے جو اللہ تعالیٰ نے نکالا۔ جب مولا علی کرم اللہ وجہ سے پوچھا گیا اس آیہ مبارکہ کے حوالے سے، تو آپ نے فرمایا کہ زمین سے اجناس حاصل کرو، سبزیاں حاصل کرو، پھل حاصل کرو، جو کچھ بھی تم پاکیزہ چیزیں حاصل کرتے ہو وہ تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنی چاہئے۔ اس کے لیے یہ ذہن میں رکھنا کہ زمین جو ہے یہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک عشر والی ہوتی ہے اور ایک ہوتی ہے خراج والی۔ عشر والی جو زمین ہے وہ مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے اور خراج والی زمین جو ہے وہ کافروں کی ملکیت ہوتی ہے۔ اب ایک چیز ہم تھوڑی سی بھول جاتے ہیں کہ عشر کو "زکوٰۃ العرض" کہتے ہیں، زمین کی زکوٰۃ۔ اب زکوٰۃ کا جو بنیادی معاملہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر اسلامی سٹیٹ ہو گی تو زکوٰۃ اور عشر جو ہے وہ حکومت اکٹھا کرے گی۔ یہ تو جو ہم انفرادی طور پہ زکوٰۃ اور عشر دیتے ہیں یہ اسلامی تصور نہیں ہے۔ اس لیے وہ جو آیت ہے زکوٰۃ والی کہ زکوٰۃ کے پیسے آپ نے کہاں کہاں خرچ کرنے ہیں اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ[1]۔ تیسرا نمبر ہے عاملین۔ فقراء پہ خرچ کرو، مساکین پہ خرچ کرو اور ان لوگوں پہ خرچ کرو، جن کی تم نے ڈیوٹی لگائی ہے عشر اور زکوٰۃ اکٹھا کرنے پہ۔ یعنی جو ملازم رکھیں اس زکوٰۃ میں سے انکو بھی حصہ دینا ہے، تنخواہ دینی ہے۔ وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ اور جو لوگ نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں، ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈالنے کیلئے۔ وَ فِي الرِّقَابِ اور جو غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں انکو آزاد کروانے میں۔ وَ الْغٰرِمِيْنَ اور جو قرض میں پھنس گیا ہے، زکوٰۃ میں سے اس کا قرض ادا کرو۔ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور جہاد کیلئے جو لوگ نکلے ہیں ان پہ خرچ کرو۔ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ اور مسافروں پہ۔ یہ دسویں پارے میں تفصیل سے ذکر ہے، یہ 8 جگہیں ہیں جہاں خرچ کرنا ہے۔ لیکن آج جو ہم انفرادی سطح پہ زکوٰۃ اور عشر خرچ کرتے ہیں وہ اس لیے کرتے ہیں کہ حکومت اسلامی نہیں ہے۔ اگر حکومت اسلامی ہے تو پھر یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ زکوٰۃ اور عشر اکٹھا کرے اور اس کے عوض اپنی رعایا کو صحت، تعلیم اور عدل عطا کرے۔ اور پچھلے جمعہ میں نے عرض کیا تھا کہ جب اسلامی ریاست بن گئی تھی تو پھر شیر خوار بچوں کے وضائف انکی ماؤں کیلئے، یہ جتنے بھی

[1] سورۃ التوبہ:60

آج آپ یورپ میں دیکھتے ہیں ناں یہ سارا سسٹم اسلام کا دیا ہوا ہے۔ اور اگر کوئی بندہ مقروض مرے گا تو اس کا قرض بھی حکومت ادا کرے گی۔

عدل کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ حکومت فراہم کرے گی۔ اسلامی حکومت ہو گی تو وہ فراہم کرے گی۔ عدل کیلئے پھر آگے تین چیزیں ہیں کہ عدل وہ جو فوری طور پہ ہو۔ اگر عدل میں تاخیر ہوتی ہے تو آپ ظالم کی مدد کر رہے ہیں۔ مظلوم کی دہلیز پہ ہو۔ مظلوم کو دوڑیں نہ لگانی پڑیں کہ وہ ہر روز تھانے کچہری جائے بلکہ اس کے دروازے پہ آئیں عدل پہنچانے کیلئے۔ اور تیسری اسلام کی شرط یہ ہے کہ وہ عدل مفت ہو۔ یہ تین چیزیں ہیں۔ یہ جو حکومت زکوٰۃ اور عشر اکٹھا کرے گی، اس کے عوض عدل عطا کرے گی اپنی رعایا کو۔ عدل فوری ہو گا، مظلوم کی دہلیز پہ ہو گا اور مفت ہو گا۔ اگر کوئی مقروض مرے گا تو حکومت اس کا قرض ادا کریگی۔ اگر کسی بچے کو ضرورت ہے تو حکومت خیال کرے گی۔ یہ ایک اصلاحی نظام تھا جو زکوٰۃ اور عشر کے عوض حکومت نے عوام کو دینا ہے۔

اب یہ چیزیں اچھی طرح سمجھنے والی ہیں کہ ہماری کمائی حرام ہو جاتی ہے۔ جب ہم زکوٰۃ اور عشر ادا نہیں کرتے تو ہماری کمائی حرام ہو جاتی ہے۔ اسی کمائی سے پھر میلاد کی محفل کرواتے ہیں تو الٹا گناہ ہوتا ہے۔ اسی سے پھر گیارویں کا ختم دلواتے ہیں تو ثواب کی بجائے گناہ ملتا ہے۔ اسی سے صدقہ و خیرات کرتے ہیں تو گناہ ہوتا ہے۔ پہلے آپ کا رزق حلال کا ہو۔ آپ نے نماز کی شرائط پڑھی ہیں ناں جگہ پاک ہو، جسم پاک ہو، لباس پاک ہو۔ بھائی پاکیزگی کے بغیر تو نماز نہیں ہوتی تو پالید مال کیساتھ اللہ کیسے خوش ہو جائے گا۔ کوئی بھی عبادت پلیدی کی حالت میں آپ نہیں کر سکتے، یہ بنیادی اصول ذہن میں رکھنا۔

اچھا حکم یہ ہے، شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب بھی کسی کافروں کے ملک پہ حملہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے ان کو جا کر اسلام کی دعوت دینی ہے۔ اگر وہ لوگ اسلام کو قبول کر لیں تو جنگ نہیں کرنی۔ دوسرے نمبر پہ اگر وہ اسلام کو تسلیم نہیں کرتے تو تم نے کہنا ہے کہ ہتھیار پھینک دو، مسلمانوں کی حکومت کو تسلیم کر لو، جیسے مسلمانوں کے حقوق ہیں ویسے ہی تمہارے حقوق ہیں۔ ان سے پھر خراج لیا جائے۔ انکو ذمی کافر کہتے ہیں۔ کافروں کی دو قسمیں ہیں ایک حربی کافر اور ایک ذمی کافر۔ حربی کافر وہ ہے جو دینِ اسلام کو ختم کرنے کیلئے میدان میں آ گیا ہے۔ یعنی جنگی

کافر، اسکو نہیں چھوڑنا۔ ذمی کافر، جو اسلامی حکومت کو تسلیم کر لے اور اس میں رہنا شروع کر دے تو اس کی جان مال اور عزت کی حفاظت ویسے ہی ہے جیسا کہ ایک مسلمان کی۔ اگر وہ دونوں چیزیں نہیں مانتا تو تیسری جو چیز ہے کہ پھر جنگ کیلئے تیار ہو جائے۔ یہ سلیقہ ہے، یہ طریقہ ہے کافروں کیساتھ جنگ کرنے کا۔ میں مثال پہلے عرض کر دوں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے دور میں، اسلامی افواج نے ایک شہر پہ شب خون مارا اور قبضہ کر لیا۔ ان کا ایک پادری بڑا پڑھا لکھا، سمجھدار آدمی تھا، اسلام کو سمجھتا تھا۔ اس نے کہا کہ خلیفہ وقت کو خط لکھو کہ ایسے مسلمانوں کی فوج نے آکر ہمارے شہر پہ قبضہ کر لیا ہے۔ دوسرے پادری کہنے لگے کہ یہ فوج بھی اسی خلیفہ کی ہے ناں تو وہ انکے خلاف کیا اقدام اٹھائے گا۔ اس نے کہا کہ وہ خلیفہ راشد ہے تم ایک دفعہ خط تو لکھو۔ ایک بندہ خط لیکر امیر المومنین کے پاس چلا گیا۔ جب وہ شہر پہنچا تو اس نے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ اس گلی میں ان کا مکان ہے۔ وہاں جب پہنچا تو حضرت عمر بن عبد العزیز اپنے گھر کی چھت کی لپائی کر رہے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں اسلامی حکومت ایشیا، یورپ، افریقہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ تو اتنی بڑی ریاست کا مالک اپنے گھر کی لپائی کر رہا ہے۔ وہ واپس آگیا، اس نے کہا کہ تم نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں یہی ہمارے امیر المومنین ہیں۔ اس نے جا کر اپنے پادری کا وہ خط دیا۔ اسلام کے اندر یہ چیز ہے کہ جہاں پہ تم نے حملہ کرنا ہو تو پہلے جا کر ان کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ دعوت قبول نہ کریں تو پھر خراج کیلئے کہو اور تیسرا ہے جہاد کرنیوالا۔ آپ کے سپہ سالار نے نہ تو ہمیں اسلام کی دعوت دی اور نہ خراج کا مطالبہ کیا اور راتوں رات حملہ کر کے ہمارے شہر پہ قبضہ کر لیا۔ اس خط پہ یہ لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس خط کی الٹی جانب یہ لکھا کہ قاضی کو جا کر دے دو۔ خط واپس آگیا۔ اب وہ عیسائی بیٹھ کے کہنے لگے کہ یہ قاضی بھی تو انہیں کا ہے۔ ایک پادری نے کہا کہ یار دو تم قاضی کو خط۔ قاضی کو امیر المومنین کا خط چلا گیا۔ انہوں نے سپہ سالار کو بلا لیا۔ قاضی نے کہا کہ کیا تم نے اسلام کے حکم کے مطابق شہر والوں کو اسلام کی دعوت دی تھی؟ اس نے کہا کہ نہیں دعوت تو نہیں دی۔ دعوت دیتا تو یہ پہلے ہی بندوبست کر لیتے۔ یہ جنگی معاملات ہوتے ہیں۔ قاضی صاحب آپ کو اس بات کا کیا پتہ۔ یہ پہلے ہی تیار ہو جاتے تو مسلمانوں کا نقصان ہو جاتا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ مجھے ادھر ادھر کی باتیں نہ سناؤ۔ مجھے بتاؤ کہ کیا تم نے اسلام کے حکم کے مطابق ان کو اسلام کی دعوت دی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں جی۔ خراج کی بات کی ہے؟ اس نے کہا کہ

نہیں جی۔ حملہ کیا ہے۔ قاضی نے کہا کہ عصر تک کا وقت ہے اسلامی فوج اپنا سامان باندھے اور شہر خالی کر دے۔ دیکھئے میں نے اس دن کہا تھا کہ یہ اسلام علم اور کردار سے پھیلا ہے۔ اب سپہ سالار مجبور ہو گیا اور اسلامی افواج نے شہر خالی کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ جب اسلامی افواج شہر سے نکل رہی تھیں۔ تو وہی شہر والے رو رو کر کہہ رہے تھے کہ ہمارے شہر سے نہ جاؤ۔ کیسے عدل کرنیوالے ہیں۔ ایسا انسانیت کا احترام کرنیوالے ہیں۔

تو پہلا کیا درجہ ہے کہ اسلام کی دعوت دی جائے۔ اب اگر وہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو مسلمانوں کا عشر ہے۔ اسکی ذلت نہیں کی جائے گی۔ عشر عبادت ہے۔ خراج جرمانہ ہے۔ عشر مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اور خراج کافروں سے لیا جاتا ہے۔ اب وہ جو لوگ دعوت پہ مسلمان ہو جائیں گے تو ظاہر ہے سارا کچھ ریاست کے under ہے تو جو مسلمان اپنی زمین کے مالک ہونگے ان سے عشر لیا جائے گا اور جن کافروں سے کہا جائے گا کہ تم بھی اپنی اپنی زمینوں پہ رہو، ان سے خراج وصول کیا جائے گا۔ یہ terms کا آپ کو پتہ ہونا چاہئے۔ اگر کوئی مسلمان کسی کافر سے وہ زمین خرید لے جس پہ وہ خراج دیتا تھا تو وہ زمین عشری نہیں بنی، اب چاہے مسلمان مالک ہے تو وہ خراج ہی ادا کریگا۔ جو زمین جنگ کے ذریعے سے آپ حاصل کرتے ہیں وہ مال غنیمت ہوتا ہے۔ وہ ریاست کی مرضی ہے کہ وہ کسی کو ہدیہ دے، کسی کو مالک رہنے دے، نہ رہنے دے۔ اب عشر کے متعلق حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ ابن عمر، مختلف صحابہ نے روایت کی ہے کہ پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہاری زمینوں کو بارش سیر اب کرے، چشمے سیر اب کریں اور وہ دریا سیر اب کریں جو کسی کی ملکیت نہیں ہے تو پھر تم نے 10 / 1 حصہ عشر ادا کرنا۔ 10 من میں سے ایک من عشر ادا کرنا۔ اس دور میں چونکہ یہ سلسلہ تھا کہ اگر تم ہاتھوں سے پانی کھینچ کر، یا کسی کو مزدوری دیکر فصلوں کو پانی لگاتے ہو، یا اونٹ جو ہیں وہ رہٹ چلا کر پانی دیتے ہیں، قیمتاً پانی لیتے ہیں تو پھر عشر نصف ہو گا 20 / 1 ہو گا[1]۔ بیس من میں سے آپ ایک من دینگے۔ یہ ہے عشر کی مقدار۔ اس کو سادہ زبان میں یوں سمجھیے کہ اگر آپ نے صرف محنت کی ہے اور پانی اللہ نے برسا دیا، جس کو ہم بارانی کہتے ہیں تو پھر آپ عشر دسواں حصہ ادا کرینگے۔ اور اگر آپ نے محنت بھی کی ہے اور پانی بھی قیمتاً لیا ہے مثلاً تیل ڈال کے نکالا ہے تو پھر عشر بیسواں حصہ

[1] صحیح مسلم: 2272، سنن ابی داؤد: 1597

ہو گا، یعنی آدھا ہو گا۔ اب یہ سادہ سادہ باتیں تاکہ سبق یاد رہے۔ اب دوسری طرف ہے خراج جو کافروں سے لیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر خراجی زمین کوئی مسلمان بھی لے لے گا تو وہ پھر بھی خراجی کے درجے میں ہی رہے گی۔ خراج کیلئے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جو صحابہ کے سامنے زمین رکھی گئی تھی وہ یہ تھی کہ اگر تو اناج اگایا ہے تو 30 گز زمین پہ ایک درہم خراج لیا جائے گا۔ اگر کوئی سبزیاں اگا رہا ہے تو اس سے پانچ درہم لیے جائیں گے اور اگر کوئی انگور لگا رہا ہے تو اس سے 10 درہم لیے جائیں گے۔ یہ بھلا کیوں ہے؟ اس لیے کہ جب آپ اناج اگاتے ہیں تو اس میں محنت زیادہ کرتے ہیں۔ جہاں محنت تھوڑی کم ہو گئی کیونکہ اناج کے مقابلے میں سبزیوں پہ کم محنت ہوتی ہے اور انگور کیلئے تو بالکل محنت نہیں کرنا پڑتی تو اس کے لیے خراج زیادہ۔ لیکن یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس دور میں خراج کا تعین ہماری قومی اسمبلی کرے گی۔ حکومت وقت کرے گی۔ امامِ وقت کرے گا۔ یہ ہر دور میں علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے لیکن عشر میں کوئی کمی نہیں کر سکتا کیوں کہ وہ عبادت کے درجے میں ہے۔ یہ خراج اور عشر میں فرق آپ کو عرض کر رہا ہوں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ سورۃ انعام کی آیت ہے كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ[1] جب پھل لگتا ہے اس کو کھاؤ اور اللہ کی راہ میں دو جب تم اس کو کاٹ لو۔ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ اس کا حق ادا کرو جس دن تم اس کو کاٹتے ہو۔ تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فصل کم ہو زیادہ ہو۔ کئی لوگ آکر یہ مسئلہ بھی پوچھتے ہیں کہ خرچ نکالنے ہیں؟ نہیں خرچ تو اللہ نے پہلے ہی نکال دیے ناں۔ بھائی وہ 1/10 اور 1/20 خرچ تو پہلے ہی اللہ نے نکال دیے۔ اب جتنی آپ کی پیداوار ہے اِذَآ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ حق ادا کرو جب تم کٹائی کرتے ہو۔

تو امام اعظم ابو حنیفہ اس آیت کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ عشر جو ہے وہ زمین کی پیداوار کے حساب سے ہو گا۔ کم ہو گی تو کم ہو گا اور زیادہ ہو گی تو زیادہ ہو گا۔ لیکن ہمارے دوسرے جو آئمہ ہیں، امام احمد بن حنبل ہیں، امام شافعی ہیں، امام مالک ہیں۔ وہ اسکی حد مقرر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر فصل پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو گی تو

[1] سورۃ الانعام: 141

عشر لگے گا۔ باقی جو امام ہیں وہ امام اعظم ابو حنیفہ سے اختلاف کرتے ہیں۔ پانچ وسق ہوتے ہیں 32 من۔ اگر فصل 32 من ہو گی تو عشر لگے گا اور اگر اس سے کم ہو گی تو عشر نہیں لگے گا۔ وہ ایک حدیث خبر واحد لاتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ جو زکوٰۃ ہے یہ ایک وسق پہ ہے۔ اب آیت میں کیا تھا مَا کَسَبْتُمْ اب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ماَ عموم پہ ہے۔ جو کچھ بھی تم کماتے ہو۔ اور یہاں پہ ایک بڑا اصول جو اکثر میں آپ کو عرض کرتا ہوں کہ ہمارے آئمہ کتنی احتیاط کرتے تھے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے حکم سے قرآن کے حکم کو نہیں کاٹا جاسکتا۔ ایک تو یہ اصول یاد رکھنا اور دوسرا یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے۔ خبر واحد سے عموم کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ اگر خبر واحد ہے اس میں تواتر نہیں پایا جاتا۔ کم از کم سات لوگوں نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا یا چالیس نے نہیں کیا۔ ایک بندہ حدیث بیان کر رہا ہے، اسکو خبر واحد کہتے ہیں۔ اور اگر حدیث خبر واحد والی ہے تو قرآن کے کسی حکم کو وہ حدیث مخصوص نہیں کر سکتی۔ یہ اصول ہے۔ دوسرا پھر وہ جو امام پاک نے بات سمجھائی وہ بڑی کمال کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث مخصوص ہے اور قرآن عموم کی بات کر رہا ہے۔ مخصوص اس لیے ہے کہ زکوٰۃ سونے اور چاندی پہ مقرر نہیں کی۔ یہ 200 درہم پر مقرر ہوئی[1]۔ اب یہ جو ہم کہتے ہیں ناں کہ ساڑھے سات تولے سونا اور ساڑھے باون تولے چاندی۔ یہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دور میں ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت 200 درہم تھی اور ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت بھی 200 درہم تھی۔ یعنی 200 درہم مقرر کی۔ تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جو حدیث ہے یہ مالِ تجارت پہ ہے، یہ زمین کے اخراج پہ نہیں ہے کہ جو بندہ اناج کا کاروبار کرتا ہے اور اس کے پاس تجارت کیلئے پڑے ہوئے ہیں تو وہ اگر 32 من سے کم پڑے ہوئے ہیں تو پھر اس پہ زکوٰۃ نہیں ہے۔ اناج کی بھی دو قسمیں ہیں ناں ایک وہ جو آپ نے زمین سے حاصل کیے اور دوسرے وہ جو مالِ تجارت کے طور پہ ہیں۔ تو اس وقت ایک وسق کی قیمت بھی 200 درہم تھی۔ تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسکی وضاحت فرمائی کہ اس وقت ساڑھے سات تولے سونا بھی 200 درہم کا تھا، ساڑھے باون تولے چاندی بھی 200 درہم کی تھی اور ایک وسق، 32 من بھی 200 درہم کا تھا۔ اس لیے وہ حدیث مخصوص ہے مالِ تجارت کیلئے۔

[1] سنن ابی داؤد: 1573

عشر کیلئے، عشر جتنا بھی آپ نے زمین میں سے نکالا ہے وہ 10/1 ہو گا یا 20/1 ہو گا اور خراج کیلئے میں نے عرض کیا کہ وہ حکومت وقت طے کریگی لیکن اس کی بھی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کر دی کہ آدھی فصل سے زیادہ خراج نہیں ہو سکتا۔ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ تو زمین سے اللہ نے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے تم نے خرچ کرنا ہے۔ وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ اور بھدی، غیر معیاری، گھٹیا چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو، سوچو بھی نہ۔ یہاں پہ کچھ سادہ لوگ یہ بھی مسئلہ پوچھ لیتے ہیں کہ اگر کوئی بندہ ماڑا ہے تو اس کے پاس چیزیں بھی ماڑی ہیں تو وہ کیا کرے؟ بھائی بات تو ہو رہی ہے کہ جو تیرے پاس ہے اس میں سے جو اچھا ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر۔ اس کو کب اللہ نے کہا کہ کہیں ڈکیتی مار کے آ اور دے اللہ کی راہ میں۔ سرکار ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رزقِ حلال کی ایک کھجور اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ اللہ اپنی شان کے مطابق اپنے دستِ قدرت میں لے لیتا ہے۔ یہ والا ہاتھ نہیں سمجھنا۔ اپنی شان کے مطابق۔ اللہ اس کھجور کو پالتا ہے اور قیامت کے دن جب تُو اللہ کے حضور پیش ہو گا تو ایک کھجور نہیں ہو گی بلکہ ایک پہاڑ کھجوروں کا ثواب کے طور پہ تجھے دے گا[1]۔ یہ نہ گلہ کیا کریں کہ میرے پاس کم ہے۔ قیامت والے دن میزان میں، ترازو میں۔ اب مصیبت یہ ہے کہ جب میزان کا اشارہ کرتا ہوں تو آپ ترازو سمجھ لیتے ہیں۔ بھائی میری نماز ترازو میں کیسے رکھی جائے گی۔ اس ترازو کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اب مصیبت یہ ہے کہ ہم عالمِ محسوسات میں رہتے ہیں اور پانچ حسّوں میں جو چیزیں آتی ہیں انہیں کے حساب سے اپنے تصورات بناتے ہیں۔ وقت ہو گیا ویسے میں اشارہ کر دوں۔ اعمال تولنے کا اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرۃ کے دوسرے رکوع میں ذکر کیا ہے۔ اعمال اللہ کیسے تولتا ہے؟ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ[2] اللہ تعالیٰ نے منافقین سے فرمایا کہ ایسے ایمان لاؤ جیسے صحابہ ایمان لائے ہیں۔ اللہ نے کیسے تولا ایمان کو کہ اپنے ایمان کو صحابہ کے ایمان کے سامنے رکھ کر دیکھو۔ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ[3] انہوں نے کہا کہ کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟ ان کو تو اپنے بچوں کی بھی فکر نہیں ہے، نبی اشارہ کریں تو سارا مال پیش کر دیتے ہیں۔ ان کو تو پتہ ہی نہیں کہ

[1] صحیح مسلم:2342، صحیح مسلم 2343

[2] سورۃ البقرۃ:13

[3] سورۃ البقرۃ:13

مستقبل میں ہمارا کیا بنے گا؟ جنکو تو اپنے بچوں کی فکر نہیں، اپنے مستقبل کی فکر نہیں، نبی کے اشارے پہ گھر کا سارا سامان ہی لا کر رکھ دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کیا ہم ایسے ایمان لائیں جیسے یہ بیو قوف ایمان لائے۔ اَلَآ اِنَّہُمۡ ھُمُ السُّفَہَآءُ[1] میرے اللہ نے فرمایا کہ بیو قوف تو تم ہو۔ نبی کے صحابہ بیو قوف نہیں۔ تو ایمان کا میزان کیا دیا؟ صحابہ کی ذات۔ اللہ کیسے تولتا ہے۔ ایک اشارہ آپ کو دیا۔ وہاں پہ اللہ آپ کی نیت اور ارادہ کو دیکھے گا۔ جس نے ایک درہم خرچ کیا ہے خالص اللہ کیلئے اور جس نے ایک کروڑ خرچ کیا ہے دکھاوے کیلئے تو وہ ایک بھاری ہو جائے گا۔ اس لیے میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ حلال کا رزق ایک کھجور بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو قیامت والے دن وہ پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔ یہ کہ اللہ اسکو اگاتا ہے۔

تو یہ آج میں نے مختصراً ان چیزوں کو، ایک بندہ یہ سوال لیکر آیا تھا کہ پاکستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ کیونکہ ہمارے ملک میں پہلے انگریزوں کا قبضہ تھا اور اب اسلامک سٹیٹ ہے 1947 سے، تو ہماری زمینوں کا status کیا ہو گا؟ تو یہ تاریخ نہیں ملتی کہ جب محمود غزنوی آیا تھا، لودھی آئے تھے یا خاندانِ غلاماں والے تو اس وقت زمین کا کیا status تھا؟ اب ہم ان کو یہی جواب دیتے ہیں کہ مسلمان ہی یہاں آباد تھے، انگریز چلے گئے تو حکومت بھی مسلمانوں کی آگئی۔ اس لیے ہماری ساری زمینیں عشری زمینیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] سورۃ البقرۃ:13

42۔ اللہ راستے کھول دیتا ہے

قرآن: وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَاؕ-وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ(سورة العنكبوت: 69)

ترجمہ: "اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے"

خاکہ:

1. کوشش کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔
2. علمِ وحی اور علمِ لدنی مکمل عطا ہوتے ہیں
3. ہم عرس کن کا مناتے ہیں؟
4. روح کو پیدا ہونے کے لیے جسم کی ضرورت
5. بیج میں استطاعت ہو گی تو نمو پائے گا۔
6. انسان کی ملکیت اس کا ارادہ
7. ارادہ کا اختیار سب کو ایک جیسا دیا گیا

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

جو لوگ اللہ کی راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ وہ تو کوشش کرتے ہیں، ان کیلئے راستے کھولنا ہماری ذمہ داری ہے۔ تم اپنے کام میں غافل ہو سکتے ہو۔ اللہ اپنے کام میں غافل نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ انسان کوشش کرے۔ کوشش کہاں کریں؟ یہ ایک ایک لفظ بڑا قیمتی ہے۔ ہمارے راستے میں کوشش کرے۔ جو راستے ہماری طرف آتے ہیں۔ اللہ کی طرف آتے ہیں۔ یہ بات میں نے کیوں کی ہے؟ سائنس والے کہتے ہیں کہ فطرت select کرتی ہے۔ یہ ذرا تھوڑا مشکل ہو جائے گا لیکن بات سمجھ آجانی چاہیئے۔ فطرت select کرتی ہے اور صرف انسان ہی نہیں، کائنات کی ہر چیز اپنی بقا کیلئے کوشش کرتی ہے۔ ہر چیز اپنی survival کیلئے، بقا کیلئے کوشش کرتی ہے۔ اب یہ دو طرفہ معاملہ ہے۔ فطرت نے select کر دیا، آپ کو انسان بنایا۔ اس میں تمہاری مرضی نہیں۔ فطرت نے select کیا ہے کہ تمہیں انسان ہونا چاہیئے۔ راستے بتا دیے۔ اب اس انسان کے مقام پر باقی رہنا، اس کیلئے جدوجہد کرنا تمہارا کام ہے۔ اب بھائی فطرت اگر مجھے کوئی جانور select کرتی تو قرآن مجھ سے یہ تقاضا ہی نہ کرتا۔ تو راستے چونکہ، یہ بہت سی جگہوں پہ، سورۃ بلد میں بھی یہ فرمایاوَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ[1] ہم نے دونوں راستے تمہیں بتائے۔ جو کفار کی طرف سے لڑتے ہیں، وہ کیا اپنی جان نہیں دیتے؟ وہ بھی تو اپنی جان قربان کرتے ہیں۔ ابو جہل جب غزوہ بدر میں آنے لگا تھا تو کتنے فنڈ دیے تھے لوگوں نے۔ انہوں نے بھی تو پیسہ خرچ کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کر دی کہ کوشش کرنی ہے تو ہمارے راستے میں کرنی ہے۔ کیوں؟ جو کوشش اللہ کی راہ میں کی جائے گی، اس کا اللہ ذمہ دار ہے منزل پہ پہنچانے کا۔ پھر راستے کھولنا اللہ کا کام ہے۔ اور کتنے راستے کھولتا ہے؟ تم ایک قدم چلو تو وہ دس قدم تمہاری طرف آتا ہے۔ تم چل کے جاؤ تو وہ دوڑ کے آتا ہے۔ وہ راستے کھولتا ہے۔

اصل میں یہ جو ڈارون کی تھیوری ہے، نظریہ ارتقاء، ہمارے مذہبی لوگ تو اس کا انکار کرتے ہیں کہ یہ تو غلط ہے۔ اوہ بھائی! اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہی ارتقاء پہ ہے۔ مثلاً کیا مجھے ڈائریکٹ قرآن کریم کا

---

[1] سورۃ البلد:10

ترجمہ آ گیا؟ نہیں آیا ناں۔ پہلے میں کچی جماعت میں داخل ہوا، پھر one میں ہوا، پھر two میں، ایک ارتقاء ہے ناں۔ سوائے دو علوم کے جن میں تدریج نہیں ہے، ارتقاء نہیں ہے۔ ایک وحی کا علم ہے۔ ڈائریکٹ آتا ہے اور مکمل آتا ہے۔ نبی کو کسی سکول کالج میں جا کر کتابیں نہیں پڑھنی پڑتیں۔ اور یہی اللہ کی سچائی ہوتی ہے کہ یہ شخص جس نے تدریجی کوئی علم حاصل نہیں کیا، یہ اللہ کا کمال ہے کہ اتنے علوم اسے عطا کر دیے۔ نبوت تدریجاً نہیں ہوتی، اس میں ارتقاء نہیں ہوتا۔ یا پھر علمِ لُدنی، اللہ نبیوں کو ڈائریکٹ عطا کرتا ہے اور نبی آگے ولیوں کو عطا کرتے ہیں۔ ہاں اس میں ایک غلطی جو ڈارون کی تھیوری میں ہے کہ یہ جسم اور روح، یہ دو چیزیں ہیں۔ ڈارون کی تھیوری میں جو ارتقاء ہے وہ ہے مادہ کا۔ اس کی نظر روح پہ نہیں گئی۔ اس لیے وہ روحانی ارتقاء کی بات نہیں کرتا۔ مادی ارتقاء میں جو جتنی جی چاہے بڑی منزل پہ پہنچ جائے وہ زیرو پہ ہوتا ہے۔ قارون کے خزانے کی کتنی ہی چابیاں کیوں نہ ہوں، قارون کبھی بھی اعلیٰ مقام پہ نہیں جاسکتا۔ ارتقاء، یہ جدوجہد، اللہ کی راہ میں روحانی کوشش کرنی ہے۔ اس کے راستے پر ایک ایک قدم جو اٹھے گا، اللہ اس کیلئے دروازے کھولتا جائے گا۔

یہ عُرس پتہ ہے کہ ہم کن کا مناتے ہیں؟ جنہوں نے اللہ کی راہ میں کوشش کی۔ جنہوں نے اپنی روح کو کمال تک پہنچایا۔ یہ بات تھوڑی سی سمجھ لیں۔ روح کو پیدا ہونے کیلئے جسم کی ضرورت ہے۔ روح نے اس جسم میں پیدا ہونا ہے۔ لیکن روح کو باقی رہنے کیلئے اس جسم کی ضرورت نہیں۔ روح کمال کو ایک دفعہ پہنچ جائے، پھر وہ اس جسم کی محتاج نہیں رہتی۔ یہ جن لوگوں نے یہ کہا تھا ناں کہ مر کے بندہ ختم ہو جاتا ہے۔ ان کی نگاہ مادہ پہ گئی تھی۔ فنا مادے کو تھی ناں۔ میں سادہ سی مثال عرض کر دوں آپ کو۔ آپ نے کسی پھول کے پودے کی قلم لگا دی، گلاب کی، موتیا کی، قلم لگائی آپ نے۔ اس نے زمین میں سے غذا حاصل کی، سورج کی روشنی اس کو ملی، ہوا سے کاربن ڈائی آکسائڈ اس نے لی، پانی حاصل کیا۔ اب روشنی میں بھی خوشبو نہیں تھی، مٹی میں بھی خوشبو نہیں تھی۔ یہ میرا ایک ایک جملہ اگر ذہن میں رہے گا تو بات بنے گی۔ روشنی میں، مٹی میں، ہوا میں بھی خوشبو نہیں تھی، لیکن جب وہ کلی کھلی تو خوشبو کہاں سے آ گئی؟ کسی نے انجیکٹ کی ہے؟ اس کو گلاب کے عطر کا پانی دیا جاتا ہے؟ وہ خوشبو اللہ کے حکم سے پیدا ہوئی ہے۔ بھائی کوئی دعویٰ کرے کہ کہاں سے آئی خوشبو۔ وہ اللہ کے حکم سے آئی ہے۔ لیکن دوسرا جملہ

ذہن میں رہے کہ آئی فطرت کے حکم کے مطابق، اس کو زمین میں جانا پڑا، نظریہ ارتقاء میں سے گزرنا پڑا، اس قلم کو یہاں رکھ دیں گے تو پھول نہیں لگے گا۔ جب تک اس راستے میں جدوجہد نہیں کی۔ اب اس پھول کے اندر جو خوشبو آئی وہ اللہ نے پیدا کی لیکن طریقۂ فطرت سے پیدا کی۔ یہ اچھی طرح بات سمجھنے والی ہے۔ یعنی فطرت نے انتخاب کر دیا، جدوجہد کی، اللہ نے خوشبو کا راستہ کھول دیا۔

اب آیئے ذرا آیت کے اگلے حصے کی طرف۔ ایک علم والا تھا، اس نے کہا کہ اگر اس کی پتیاں گر گئیں تو یہ تو تو زمین کا حصہ بن جائیں گی۔ اس نے کیا کیا، ان پھولوں میں سے عطر نکال لیا۔ باقی سارا پودا زمین کی نظر ہو گیا، خوشبو باقی رہی۔ باقی خوشبو باقی رہی ناں۔ اب جو مادہ کو نظریہ ارتقاء سے دیکھتے ہیں، انہوں نے تو فنا ہی ہونا ہے۔ اب وہ خوشبو کب تک قائم رہے گی؟ روح کو پیدا ہونے کیلئے جسم کی ضرورت ہے، باقی رہنے کیلئے ضرورت نہیں ہے۔ اور جب اللہ کسی جسم سے خوشبو نکال لے، اس روحِ کامل کو نکال لے۔ تو جتنا وہ قدیم ہے، علم والا ہے بڑا ہے، وہ خوشبو بھی اتنی دیر ہی قائم رہتی ہے۔ جب تک اس کی قدرت ہے وہ خوشبو قائم رہے گی۔ پتہ ہے کہ عرس کیوں مناتے ہیں؟ جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کی راہ میں کوشش کی اور اس کوشش کے راستے میں بڑی رکاوٹیں آئیں، صبر کیا۔

آپ دانے زمین پہ بکھیرتے ہیں ناں۔ سارے دانے نہیں اگتے۔ حالانکہ زمین وہی ہے، ہوا وہی ہے، سورج کی روشنی وہی ہے۔ جو دانے نہیں اگتے، ہم کیا کہتے ہیں کہ ان کے اندر استطاعت ہی نہیں تھی۔ کئی دفعہ ہوتا ہے کہ نبی کی بارگاہ میں ایک ہی فضا میں بیٹھ کر استطاعت نہیں ہوتی تو منافق کے منافق ہی رہ جاتے ہیں۔ کافر کے کافر ہی رہ جاتے ہیں۔ فضا تو ایک ہی ہوتی ہے۔ مجلس ایک ہی ہوتی ہے۔ اندر استطاعت نہیں ہوتی۔ کئی دفعہ کیا ہوتا ہے کہ دانے میں استطاعت ہوتی ہے، دانہ بالکل صحت مند ہوتا ہے لیکن زمین بنجر ہوتی ہے۔ دانہ صحت مند بھی ہو، زمین بنجر ہو، دانہ پھر بھی نہیں اُگ سکتا۔ یہ تھی ذمہ داری والدین کی۔ یہ تھی ذمہ داری پیرومرشد کی کہ وہ زمین تیار کر کے دے اس نفس کو۔ زمین اخلاق والی دے۔ زمین دیانتداری والی دے۔ سچائی والی دے۔ اب اگر وہ پروان نہیں چڑھتا تو وہ اس کی استطاعت۔ تم تو اپنا کام پورا کرو۔ بھائی کوئی بھی دانہ ہو، اس کے لیے زمین تو تیار کرنا پڑتی

ہے۔ زمین تیار کرنے کے بغیر دانہ ارتقاء کی منازل سے گزر ہی نہیں سکتا۔ اس دانہ کو پروان اللہ نے چڑھانا ہے، پھول اللہ نے لگانے ہیں، غلہ اللہ نے لگانا ہے لیکن زمین تیار کرنے والے کا اگر احسان بھول گیا تو فیض ختم ہو جائے گا۔ پھل مرشد نے نہیں لگایا، اللہ نے لگایا ہے۔ جب کلی کھلی تھی تو خوشبو اللہ نے عطا کی تھی۔ لیکن احسان مرشد کا یہ ہے کہ زمین اس نے تیار کی تھی۔ اس لیے پھر میرے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتا[1]۔ جس کو ماں باپ کا احسان یاد نہ رہے، پھر کسی اور کا کیا احسان یاد رہنا؟

تو کوشش تو ہر چیز کرتی ہے اپنی بقاء کیلئے۔ کوئی انسان دولت کیلئے کوشش کرتا ہے کوئی شہرت کیلئے کوشش کرتا ہے۔ کچھ اپنے خاندان کیلئے کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ کا وعدہ صرف ان کیساتھ ہے جو اللہ کی راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں کوشش کر کے دیکھو۔ یہ قدم اصل میں ہم نے اٹھایا ہی نہیں ہے ابھی۔ مثلاً کتنی ضرورت کی چیزیں تھی۔ میں نے اس دنیا میں آکر سانس لینا تھا تو ہوا پہلے موجود تھی۔ ماں کی چھاتی میں دودھ اللہ نے پہلے بھیج دیا تھا۔ باپ کے سینے میں شفقت اللہ نے پہلے ڈال دی تھی۔ دیکھنے کیلئے آنکھ عطا کی ہے۔ سننے کیلئے کان عطا کیے ہیں۔ پکڑنے کیلئے ہاتھ عطا کیے ہیں۔ زمین و آسمان کی ساری نعمتیں میرے لیے بنائیں اور ناز پتہ ہے کیا ہے؟ سب کچھ بنایا، میرا تو کچھ بھی نہیں ہے ناں، میرا تو جسم بھی اپنا نہیں ہے۔ انسان کا نہ آسمان اپنا، نہ زمین اپنی۔ نہ روح اپنی، نہ جسم اپنا، نہ دل اپنا۔ کوئی چیز میری نہیں ہے۔ صرف ایک چیز میری ہے، وہ ہے نیت، ارادہ۔ اور پتہ ہے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے؟ یہ اللہ کی صفت ہے مرید۔ آپ کہتے ہیں ناں کہ میں فلاں کا مرید ہوں۔ مرید، اللہ کی صفت ہے، ارادہ کرنیوالا۔ اللہ نے اپنی اس صفت میں سے انسانوں کو ارادے کا فیض عطا کیا۔ یہ میری ہے۔ میں نیت اچھی کرلوں یا بری کرلوں۔ اس پہ مجھے اختیار ہے۔ نیت اچھی رکھوں۔ مرشد کے پاس جاتے بھی اسی لیے ہیں کہ وہ تمہاری نیت کی سمت اللہ کی طرف رکھے۔

---

[1] حدثنا مسلم بن إبراهيم، حدثنا الربيع بن مسلم، عن محمد بن زياد، عن ابي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لا يشكر الله من لا يشكر الناس."
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا اللہ کا (بھی) شکر ادا نہیں کرتا"۔ سنن ابوداؤد: 4811

پھر جب میں کبھی لوگوں کو گلا کرتے دیکھتا ہوں کہ اوہ! دیکھو جی، اللہ نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ ایسے ایسے جملے بھی کہتے ہیں۔ کسی کو زیادہ دے دیا۔ کسی کو کم دے دیا۔ فلاں کو اتنا کچھ دیا۔ مجھے کیا دیا؟ اللہ کہتا ہے کہ ارادہ تو ایک جیسا ہی دیا تھا۔ ارادہ تو تم سب کو ایک جیسا ہی دیا تھا۔ تم نے جھوٹ کا کر لیا، کسی نے سچائی کا کر لیا۔ اس میں اللہ کا کیا قصور ہے؟ اپنے ارادے کو دیکھ۔ اپنی نیت کو دیکھ۔ ارادہ میرے اختیار میں ہے۔ یہ جو ہے جَاهَدُوْا فِيْنَا اس میں یہ ضروری ہے، ارادہ میرے پاس ہے۔ اللہ کہتا ہے اس ارادے کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے جدوجہد کرنی ہے، کوشش کرنی ہے تو اس جدوجہد کیلئے بھی تجھے طاقت دی۔ اس کوشش کیلئے تجھے ظرف وقت کی ضرورت تھی۔ پہلے time and space ہوتا تھا اب and درمیان سے نکل گیا۔ اب time space ہو گیا۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جسم اور روح میں سے "اور" نکل گیا تو باقی کام ٹھیک ہو جائے گا۔ تو ہے تُو روح ناں، انسان بنیادی طور پہ روحانی مخلوق ہے۔ اللہ نے چوبیس گھنٹے سب کو ایک جیسے دیے یا کم و بیش دیے؟ اللہ دونوں راستے سب کو دکھائے یا ایک آدھ کو دکھائے؟ قرآن کہتا ہے کہ جب ارادہ بھی سب کو ایک جیسا دیا، کوشش کی طاقت بھی دی، وقت بھی ایک جیسا دیا، اب کوئی چوبیس گھنٹے اللہ کی راہ میں لگا لے اور کوئی اللہ کی مخالفت میں لگا لے، یہ تو اس کی مرضی ہے۔ وہ تو کسی کا ہاتھ نہیں روکتا۔ وہ جب ارادے کی طاقت دیتا ہے تو پھر ہاتھ نہیں روکتا کہ تُو ارادہ اچھا کر یا بُرا کر۔ پھر کام کرنے کی آزادی دی۔ یہ ایک ایک جملہ پوری پوری تقریر چاہتا ہے۔ ظرفِ وقت دیا اور آزادی دی، اتنی آزادی دی کہ تُو نے اس کے خلیل کو آگ میں ڈالنے کا اہتمام کیا تو تیرا ہاتھ نہیں روکا۔ اتنی آزادی دی اس اللہ نے۔ تُو نے حسین کے گلے پہ چھری چلائی تو اس نے ہاتھ نہیں روکا۔ پھر گلِا کرتا ہے کہ اللہ نے مجھے کیا دِیا؟ اگر تُو نے اپنے چوبیس گھنٹے خود برباد کیے ہیں تو اس میں اللہ کی کیا غلطی؟ اپنا ارادہ تُو نے برباد کیا ہے تو اس میں اللہ کی کیا غلطی؟ اس نے تو سب کچھ تجھے دے کر۔ سارے میرے ناز اُٹھا کر کہا کہ اب بھی کچھ چاہیئے تو دعا کر لیا کر۔ اور مانگ لیا کر۔ اور مجھے اچھا لگتا ہے جو مجھ سے مانگتا ہے۔ وہ ہاتھ نہیں روکے گا تُو نیت اچھی کر یا بُری کر۔ جتنی مہلت تیرے پاس ہے، اس مہلت میں وقت بھی ایک جیسا دیگا، ارادے کی طاقت بھی دے گا، آزادی بھی عطا کریگا۔ اب تیری مرضی ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ

لَئِنْ كَفَرْتُمْ[1] کہ تُو شکر کرتا ہے کہ کفر کرتا ہے۔ لیکن اپنے کام جو ہیں وہ اللہ پہ نہ ڈال۔ اس نے تو تیرے بڑے ناز اٹھائے ہیں۔ اس نے تجھے انسانselect کر کے ہی بڑا احسان کیا ہے۔ تجھے کوئی کُتا select نہیں کیا، کوئی گدھا select نہیں کیا۔ کسی گندی نالی کا کیڑاselect نہیں کیا۔ تجھے انسانselect کیا ہے۔ اب اپنی بقاء کیلئے کوشش تو تُو نے کرنی ہے۔ اپنی بقاء کیلئے کوشش کر، پھر وہ تیرا عطر ایسے اکٹھا کر لیگا۔ پہلے تو جہاں پھول تھا وہی خوشبو تھی۔ اوہ! پہلے تو یہ تھا ناں کہ پودے کیساتھ پھول تھا تو خوشبو وہاں تک ہی تھی۔ جب اس نے عطر کشید کر لیا تو پھر وہ پورے جہاں کو عطا کر دیتا ہے۔ پھر بابا فرید کی خوشبو پاک پتن نہیں رہتی، کلئیر شریف بھی پہنچ جاتی ہے۔ دہلی بھی چلی جاتی ہے۔ پھر وہ خوشبو پوری کائنات میں، قدرت والا ہے ناں، اس قدرت والے نے اس روح کو اپنے پاس بلایا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے راستے میں کوشش کرنی ہے۔ یہ میرے اللہ کا وعدہ ہے۔ اگر ہمیں وہ منزل نہیں مل رہی تو اس کا مطلب ہے کہ ہم نے قدم اُدھر نہیں اٹھایا۔ یہی چوبیس گھنٹے تجھے عالم بھی بنا سکتے ہیں اور یہی چوبیس گھنٹے تجھے عالم سے جاہل بھی بنا سکتے ہیں۔ یہی چوبیس گھنٹے تجھے اخلاق کے اعلیٰ مقام پر بھی لے جاسکتے ہیں اور یہی چوبیس گھنٹے تجھے ذلت اور رسوائی تک بھی لے جاسکتے ہیں۔ عرس ان کے منائے جاتے ہیں، جنہوں نے جہاد کیا اللہ کے راستے میں ،کوشش کی اللہ کے راستے میں، اپنے نفس کے خلاف اور پھر صبر کیا اللہ کی راہ میں۔ اللہ نے پھر اپنا وعدہ پورا کیا۔ ہزاروں سال بھی گزر جائیں، یہ عطر کی خوشبو جاری رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

[1] سورۃ ابراہیم:8

43۔ حکمت: خیر کثیر ہے

قرآن: يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُۚ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًاؕ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورة البقرة: 269)

ترجمہ: **"اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت مِلی اُسے بہت بھلائی ملی اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے"**

خاکہ:

1. حکمت ہی تو خیرِ کثیر ہے۔
2. وسوسے اور الہام میں فرق۔
3. خانہ کعبہ کے سامنے اللہ کو سجدہ کرنا
4. جاہل سے سلام کر کے گزر جاؤ
5. اللہ کی طرف بلانا ہے مگر حکمت سے
6. حکمت آئے گی، کتاب کے علم کیساتھ۔
7. عقل والا کون ہوتا ہے؟

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

اگلی آیت میں اللہ فرماتا ہے کہ جس کو اللہ نے حکمت عطا کی اس کو اللہ نے خیرِ کثیر عطا کر دی، اس کو تو بڑا خزانہ عطا کر دیا۔ اور نبی پاک ﷺ کا اس دنیا میں آنے کا مقصد جو قرآنِ کریم نے بیان کیا۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ[1]۔ نبی پاک ﷺ تمہیں آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور پھر تمہیں پاک کرتے ہیں اور پھر تمہیں کتاب کا علم عطا کرتے ہیں۔ اسی لیے یہ کہتے ہیں کہ جس بندے میں تکبر ہوتا ہے وہاں علم نہیں ہوتا کیونکہ وہ پاک نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر میری گفتگو میں تاثیر ہے تو وہ کس نے دی ہے؟ اللہ نے دی ہے۔ اگر اس کو میں اپنی طرف منسوب کرونگا تو میں جاہل ہو جاؤنگا۔ میرے اندر جتنی بھی صلاحیتیں ہیں وہ میرے اللہ کی عطا کردہ ہیں۔ اس لیے جو بھی بندہ اپنی صلاحیتیں اپنی طرف منسوب کرتا ہے وہ جاہل ہو جاتا ہے، وہاں علم نہیں ہوتا۔ تو سرکار علم کس کو دیتے ہیں، جس کو پاک کرتے ہیں۔ جہاں پلیدی ہوتی ہے وہاں علم نہیں ہوتا۔ اور کتاب کے علم کے بعد پھر آخری درجہ ہے حکمت کا۔ تو اللہ بھی فرما رہا ہے کہ جس کو ہم نے حکمت عطا کی اس کو خیر کثیر عطا کی۔ اور نبی پاک ﷺ بھی کیا آخر میں عطا کرتے ہیں؟ حکمت۔

اس حکمت کی کوئی 25 کے قریب تعریفیں میں نے دیکھیں مختلف تفاسیر میں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جس کے پاس قرآن کا علم ہے اس کے پاس حکمت ہے۔ کچھ کا خیال یہ ہے کہ جس کو محکم اور متشابہ آیات کے فرق کا پتہ ہے۔ کہ حکم والی آیات کونسی ہیں اور متشابہات کونسی ہیں۔ بھائی قرآن میں آیات ہیں دو قسم کی، یہ تیسرے پارے میں[2]، اور فرمایا کہ جن کے دل ٹیڑھے ہوتے ہیں وہ متشابہات آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ایمان والے حکم والی آیتوں کے پیچھے لگے ہوتے ہیں۔ تو جس بندے کو متشابہات اور محکمات میں فرق پتہ ہو وہ حکمت والا ہے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ: 151

[2] هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ۔فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ۔كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا۔وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورة آل عمران: 7)

ایک تعریف یہ ہے کہ جس کو ناسخ و منسوخ کا علم ہو وہ حکمت والا ہے۔ ساری تعریفیں میں بیان کرونگا تو لمبا کام ہو جائے گا۔ مجھے جو بہتر لگی، جو کمال کی تعریف لگی ان 25 میں سے، وہ یہ تھی کہ جس بندے کو وسوسہ اور الہام میں فرق کا پتہ چل جائے اسکو اللہ نے حکمت دے دی۔ کیونکہ وسوسہ بھی دل پہ آتا ہے اور اللہ کا الہام بھی دل پہ آتا ہے۔ اسی لیے تو پناہ مانگی ہے ناں الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ [1]۔ تو جو وسوسہ اور الہام میں فرق کر لے گا اس کو حکمت مل گئی۔ قرآن کریم کی مشہور آیت ہے، اب اللہ فرماتا ہے کہ اس دین کی دعوت وہ دے جس کے پاس حکمت ہے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ [2]۔ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤ حکمت کیساتھ۔ تو دوسری تعریفیں میرے ذہن میں اسلیے جگہ نہیں پا سکیں کہ اگر علم کو ہی حکمت کہا جاتا تو وہ تو قرآن نے پہلے بیان کر دیا کہ نبی پاک پاکیزہ کرتے ہیں اور کتاب کا علم عطا کر دیتے ہیں۔ تو وہ ناسخ منسوخ، محکم اور متشابہ تو یہ ظاہر ہے کہ قرآن کے علم میں ساری چیزیں موجود ہیں۔ حکمت ایک علیحدہ چیز ہے کہ جس کو حکمت ملی اس کو خیر کثیر مل گئی۔

اب اللہ کی طرف کون بلائے؟ جس کے پاس حکمت ہے۔ جس کے پاس حکمت نہیں ہے وہ اللہ کی طرف نہ بلائے وہ دین کا نقصان کریگا۔ وہ بیڑا غرق کریگا دین کا کیونکہ اس کو پتہ نہیں کہ وسوسہ کیا ہے اور الہام کیا ہے؟ تو ہو سکتا ہے کہ وہ وسوسہ کو ہی علم سمجھتا رہے۔ میں ایک اپنا ذاتی واقعہ آپ کو سناؤں۔ بہت بڑے پیر صاحب اور بڑے مرید تھے ان کے۔ وہ مجھے ایک دفعہ ملنے کیلئے آئے، کہنے لگے کہ جب میں نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہوں تو میرے ذہن میں تصور مقام ابراہیم کا آتا ہے کہ میں مقامِ ابراہیم پہ کھڑا ہوں۔ یہ بیت اللہ شریف کے دروازے کے سامنے ہے۔ کہنے لگے کہ جونہی میں نماز کی نیت کرتا ہوں تو میں اپنے آپ کو ایسے پاتا ہوں کہ جیسے میں مقامِ ابراہیم پہ کھڑا ہوں اور سامنے چونکہ خانہ کعبہ کا دروازہ ہے۔ اور سامنے مجھے اپنے پیر و مرشد نظر آتے ہیں اور انکے اوپر اللہ لکھا ہوا ہوتا ہے۔ تو میں اس تصور میں نماز پڑھتا ہوں۔ اور ہم نے آپ کو بات بتائی تھی ناں کہ ہم تو خانہ کعبہ کو بھی سجدہ نہیں

---

[1] سورۃ الناس:5

[2] سورۃ النحل:125
اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُؕ-اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَ ھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ-

کرتے۔ خانہ کعبہ کو سجدہ کرنا شرک ہے۔ خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر اللہ کو سجدہ کرنا عبادت ہے۔ سجدہ اللہ کو ہی کرنا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے مریدوں کو بھی یہی تعلیم دوں تاکہ توجہ مرکوز ہو۔ میں نے ان سے فوراً کہا کہ یہ تو شیطانی وسوسہ ہے۔ کہنے لگے کہ آپ نے فوری طور پہ کہہ دیا؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس لیے کہا ہے کہ جب آپ کے ذہن میں یہ وسوسہ آیا تو آپ کے پیر صاحب زندہ ہیں یاں فوت ہو گئے؟ کہنے لگے کہ فوت ہو گئے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ آپ نے اس وسوسہ کو جھٹک دینا تھا کہ میرے پیر کو موت ہے لیکن میرا اللہ حیّی القیوم ہے۔ اگر پیر پر اللہ لکھا ہوا ہے تو یہ شیطانی وسوسہ ہے کیونکہ میرا اللہ حیّی القیوم ہے اور میرا پیر مر گیا اور اس کو دفن کر دیا گیا۔ اس لیے وسوسہ اور الہام میں فرق کرنا ضروری ہے۔ لوگ پتہ ہے کہ گمراہ کیوں ہوتے ہیں؟ وہ وسوسوں کو الہام سمجھ لیتے ہیں۔ تو جب آپ وسوسوں کی پیروی کرتے ہیں تو پھر آپ دین سے دور ہو جاتے ہیں۔

میری کیا تعریف؟ مثلاً میری گفتگو کی عزت احترام کیوں ہے؟ کہ یہ گفتگو اللہ اور اسکے رسول کے حکم کے مطابق ہے۔ اگر میری ہو گی تو وہ زیرو ہو گی، اسکی تو کوئی اہمیت نہیں ہو گی۔ اس لیے خدائے ذوالجلال کی ذات، اس کی صفات، اس کے اسباب، اسکے افعال، اسکے احکام، ان تمام چیزوں پہ نظر ہونا ضروری ہے۔ تو میں جب پھر اس آیت کو پڑھتا ہوں تو واقعی وجد والی کیفیت ہوتی ہے کہ میرے اللہ نے قرآن میں یہ شرط لگا دی کہ اللہ کی طرف بلاؤ حکمت کیساتھ۔ یعنی اس بندے کو پتہ ہونا چاہئے کہ کہاں میں نے بولنا ہے اور کہاں میں نے خاموش رہنا ہے۔ جس بندے کو یہ بھی نہیں پتہ؟ وہ خاموشی کی جگہ بولنا شروع ہو جائے، اللہ فرمائے کہ جاہلوں سے گفتگو نہیں کرنی اور وہ جاہلوں سے الجھتا پھرے۔ قرآن کہے وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا[1] کہ بھائی جاہلوں سے سلام کر کے گزر جانا، بھائی ان سے بحث نہیں کرنی۔ تو جس کو حکمت عطا ہوئی اس کو اللہ نے خیرِ کثیر عطا کر دی۔

وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ[2] حسنہ وعظ کیساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤ۔ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اگر کبھی موقع آ ہی جائے بحث کرنے کا، جھگڑنے کا تو میرے اللہ نے فرمایا کہ اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ جائے۔ پھر بھی

---

[1] سورۃ الفرقان:63

[2] سورۃ النحل:125

یہ نہ ہو، ظاہر ہے کہ دین کے معاملے میں کبھی بحث بھی کرنی پڑ جاتی ہے۔ لیکن یہ کام کون کریگا؟ جسکو اللہ نے حکمت عطا کی۔ یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وہ اللہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے۔ قرآن تو بڑے لوگوں نے یاد کر لیا۔ جس کو یہ ہی نہ پتہ ہو کہ شادی والے گھر میں کربلا کا واقع نہیں سنانا۔ کسی بندے نے شادی پہ بلایا ہو اور وہاں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بیان کرنا شروع کر دے۔ یہ بیڑا غرق جو ہوا ہے آجکل وہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ حکمت کے بغیر دین کی تبلیغ شروع کر دی۔

حکمت آئے گی، کتاب کے علم کیساتھ۔ علم آئے گا پاکیزگی کیساتھ۔ تو یہ ایک ترتیب ہے اسکے مطابق سارا کام ہونا ہے۔ اگر یہ میرا نفس پاک ہے یا میں نے اس کو پاک کرنے کی کوشش کی ہے تو پھر اللہ کا نور اس میں ضرور داخل ہو گا۔ جب اللہ کا نور اس نفس میں داخل ہو گا تو وہی نور علم بھی ہے اور حکم بھی۔ اور اگر میری خواہشیں غالب ہیں اللہ کے حکم کے اوپر تو پھر اللہ کا نور نفس میں داخل نہیں ہوتا۔ پھر نہ علم ہی ملتا ہے اور نہ ہی حکمت۔ کیونکہ پاکیزگی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ ہم نے تو روزے بھی تمہارے اوپر فرض کیوں کیے تھے تاکہ تمہارا نفس پاک ہو جائے۔ اوہ! یہ نماز بھی اسی لیے ہے کہ تمہارا نفس پاکیزہ ہو جائے۔ ذکر بھی اسی لیے کہ نفس پاک ہو جائے۔ تو یہ ہے وہ اصل خزانہ جو میرا اللہ فرما رہا ہے کہ جس کو حکمت عطا کی اکو خیرِ کثیر عطا کر دی۔ اب اسکی تو صحبت میں بیٹھنے سے تمہارے نفس پاکیزہ ہو جائیں گے۔ انکی صحبت اختیار کرو جنکو اللہ نے حکمت عطا کی ہے۔

وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ بات پھر عقلمندوں کی ہے۔ اُولُوا الْاَلْبَابِ کی ہے۔ تو میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ عقل والا کون ہوتا ہے؟ جو اپنی خواہشوں کے گلے میں رسی ڈال کر اپنے نبی کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ وہ ہوتے ہیں عقل والے۔ کیونکہ عرب، عقال اس رسی کو کہتے تھے۔ یہ امام راغب نے لکھی ہے بات، عقال اس رسی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی نکیل میں ہوتی ہے اور ادھر مالک کے ہاتھ میں۔ جب تک جانور کی رسی مالک کے ہاتھ میں رہے گی وہ لوگوں کی فصلیں خراب نہیں کریگا۔ وہ کسی کو سینگ نہیں ماریگا۔ وہ کسی کے لیے نقصان دہ نہیں ہو گا۔ وہ کب نقصان دہ گا جب وہ مالک کے ہاتھ سے رسی چھڑا لے گا۔ پھر وہ قاتل بھی بن جائے گا۔ پھر وہ دہشت گرد بن جائے گا۔ پھر وہ رشوت لینے والا، سود لینے والا بھی، ملاوٹ کرنے والا بھی۔ جب تک رسّی نبی کے ہاتھ میں ہو گی وہ یہ

حرکتیں نہیں کریگا۔ وہی عقل والا ہے جس نے اپنی خواہشوں کے گلے میں رسی ڈالی اور اپنے پیغمبر کے ہاتھ میں دے دی۔ میرے غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسے رہنا جیسے غسل دینے والے کے سامنے مردہ ہوتا ہے۔ اس غسل دینے والے کی مرضی ہے اسکو سیدھا رکھے، کروٹ پہ لٹائے، آگے کرے پیچھے کرے، جیسے غسال کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے۔ اگر تو اللہ رسول کے سامنے ایسے ہو جائے گا تو حکمت عطا ہو جائے گی۔ علم عطا ہو گا، پاکیزگی عطا ہو گی، خیرِ کثیر عطا ہو گی۔ پھر وہ نورِ ہدایت تیرے نفس کے اندر داخل ہو گا۔ یہ ہے اپنی خواہشوں کے گلے میں رسی ڈال کے اپنے پیغمبر کے ہاتھ میں دینا۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

44۔ وہ سات خوش نصیب جو اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے

قرآن: اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ يُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ- وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ(سورة البقرة: 271)

ترجمہ: "اگر خیرات اعلانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو یہ تمہارے لیے سب سے بہتر ہے اور اس میں تمہارے کچھ گناہ گھٹیں گے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔"

خاکہ:

1. عقل میں ناقص چیز آتی ہے۔
2. اللہ کے رستے میں خرچ کرنا ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے۔
3. فرائض اعلانیہ ادا کرو اور نوافل چھپ کر۔
4. جو دم غافل سو دم کافر۔
5. عادل حکمران عرش کے سایہ میں
6. جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے
7. اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے نفرت
8. خفیہ مدد کرنیوالا
9. رات کو اللہ کی عبادت کرنے والا
10. بوڑھا زانی، غریب متکبر اور ظالم
11. اعلانیہ بھی دو اور خفیہ بھی دو
12. خوشحالی میں بھی دو اور تنگدستی میں

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

اس سے پہلے ہم نے نذر اور وسیلے کے حوالے سے اپنی جو استطاعت ہے اس کے مطابق ہی ہم نے گفتگو کی تھی۔ یہ ایک بات ذہن میں رکھنا کہ اللہ کی ذات کے متعلق تو کوئی گفتگو کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ ذات عقل میں نہیں آتی۔ علم محدود ہے اور تیسری چیز ہوتی ہے کہ مثال دے کے کوئی چیز سمجھانا اور وہ بھی قرآن نے بیان کر دیا لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ[1] اسکی مثل کوئی شے نہیں۔ اس لیے ذات پہ تو کوئی گفتگو کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن اس کی صفات پہ بھی جیسی ہیں ویسی ہم گفتگو نہیں کر سکتے۔ یہ ذہن میں رکھنا۔ صفتِ رحمٰن کو اگر کوئی کہے کہ میں اپنے علم سے بیان کر لونگا تو یہ نہیں ہو سکتا تو ہمارا چونکہ علم بھی محدود ہے، عقل بھی محدود ہے۔ بڑی بات امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمائی، جب کسی نے پوچھا ناں کہ جب اللہ عقل میں نہیں آتا تو اس پہ ایمان کیسے لائیں، جو ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ تو بڑھیا جملہ امام نے فرمایا کہ عقل میں وہ چیز آتی ہے جو عقل سے ناقص ہو، اگر اللہ عقل میں آجائے تو وہ اللہ نہیں رہتا۔ تو یہ دونوں ہستیاں خالق ہونے کے اعتبار سے اللہ کی ذات اور مخلوق میں محمد رسول اللہ ﷺ، یہ دونوں ذاتیں صرف ماننے والی ہیں۔ ان پر ایمان لانا ہے۔ تو یہ جو کچھ بھی ہم بیان کرتے ہیں، جو کچھ ہم نے اپنے بڑوں سے سیکھا، پاک پیغمبر ﷺ کے ذریعے سے جو علم ہم تک پہنچا۔ آگے ہماری اپنی اپنی استطاعت ہے، اپنی اپنی سمجھ ہے۔ تو جتنی استطاعت ہے اس کے مطابق ہم آپ سے گفتگو کرتے ہیں۔

بنیاد جو ہے اس موضوع کی وہ ذہن میں رہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ پاکیزہ کمائی میں سے جو بہترین ہے وہ کرنا ہے۔ بنیاد یہ ہے۔ تو اس حوالے سے پچھلی آیات جو تھیں وہ ہم نے دیکھیں۔ آج ہے اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ اگر تم دکھا کر اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو یہ بھی اچھی چیز ہے وَ اِنْ تُخْفُوْهَا لیکن اگر اس کو مخفی رکھو، چھپا کر رکھو وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ اور فقراء اور ضرورت مندوں کو دو اس میں سے فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اعلانیہ بھی دینے کی اجازت ہے لیکن اگر تم خفیہ دو تو تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ وَ يُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ اور یہ تمہارے

---

[1] سورۃ الشوریٰ: 11

گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور ہم نے ابتدا میں سورۃ بقرۃ میں جو بات پڑھ لی تھی وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ [1] دیا ہوا اسی کا ہے، عطا کرنے والی اسی کی ذات ہے۔ اور اس میں سے اگر تم اس کے بندوں پہ خرچ کرو گے، فقراء پہ، یتیموں پہ، رشتہ داروں پہ، مسافروں پہ تو اس سے اللہ تمہارے گناہ جو ہیں وہ معاف کر دے گا۔ کفارہ ہے تمہارے گناہوں کا۔ کبھی اس موضوع پہ ہم آئیں گے، ابھی ابتدا میں دیکھ لیں، مغفرت، کفارہ، عفو و درگزر۔ اللہ تعالیٰ رؤف بھی ہے رحیم بھی ہے اس کے پیغمبر بھی رؤف بھی ہیں، رحیم بھی ہیں۔ عفو کا لفظ جہاں آتا ہے۔ تو اسکا معنیٰ کر دیتے ہیں معاف کرنے والا۔ عربی زبان میں اسکا معنیٰ یہ نہیں کیا جاتا۔ عربی زبان میں اسکی تشریح یہ ہے کہ اگر ایک طاقتور نے آپ کو مارا ہے، آپ اسکو مار ہی نہیں سکتے، تو آپ کہہ دیں کہ میں نے اس کو معاف کر دیا، اسکو صبر کہتے ہیں۔ عربی زبان میں عفو کا لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب تم اپنے مجرم پہ مکمل غلبہ حاصل کر لو، تم اس سے بدلہ لینے کی صلاحیت رکھتے ہو، پھر معاف کر دو۔ اللہ کیلئے لفظ عفو اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ ہم سب اللہ کے غلبہ میں ہیں۔ اللہ ہم سے انتقام لے سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی عفو سے کام لیتا ہے۔ تو یہ عفو کی مثال ہے کہ تمہارے گناہ جنکی تمہیں سزا ملنی چاہئے تھی اسکی مخلوق کی خدمت کی وجہ سے وہ تمہارے گناہ ہی معاف کر دیتا ہے۔

اس میں دو چیزیں مفسرین نے بیان کیں ہیں کہ یہ جو اعلانیہ خرچ کرنا ہے ناں، یہ جو تمہارے واجب صدقات ہیں، اس میں سب سے بڑا واجب صدقہ جو ہے وہ زکوۃ ہے۔ تو اپنے واجب صدقات جو ہیں یہ اعلانیہ دیا کرو تاکہ لوگوں کو ترغیب دو۔ نیت یہ نہ ہو دکھاوا بلکہ نیت یہ ہو کہ میں یہ فرض ادا کروں تو میری دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اس کو ادا کریں۔ تو فرض کام جب بھی کرنا ہے وہ دکھا کر کرنا ہے۔ اس کی دوسری مثال میں آپ کو عرض کروں۔ مثلاً آپکی نماز میں بھی فرائض ہیں، سنتیں ہیں، نوافل ہیں۔ فرائض کیلئے کیا حکم ہے کہ مسجد میں آؤ۔ راستے میں لوگ تمہیں آتا ہوا دیکھیں، مسجد میں جتنے لوگ ہیں وہ تمہیں دیکھیں لیکن جب نفل پڑھنے ہیں تو وہ گھر چھپ کر ادا کرو۔ یعنی فرض جب بھی ادا کرنے ہیں وہ دکھا کر کرنا ہے اور نیت یہ ہو کہ لوگوں کو ترغیب ملے کہ اللہ کے فرائض جو ہیں وہ آپ نے ادا کرنے ہیں۔ اب یہاں دیکھئے میں تو کئی دفعہ حیران ہوتا ہوں کہ رحمت اللعالمین پیغمبر ﷺ

[1] سورۃ البقرۃ:3

نے کبھی کسی کو لعنت نہیں کی، کبھی کسی کو بُرا بھلا نہیں کہا، کسی کو تکلیف نہیں دی لیکن یہ اتنا اہم معاملہ تھا کہ جس گھر میں اذان کی آواز جاتی ہے اور وہ فرض پڑھنے کیلئے مسجد میں نہیں جاتا تو سرکار فرماتے ہیں کہ اگر مجھے عورتوں اور بچوں کا خیال نہ ہو تو میں نوجوانوں سے کہوں کہ وہ لکڑیاں اکٹھی کریں اور اس گھر کو جلا دیں۔ آج کل لوگ پوچھتے ہیں کہ ہمارے گھروں کو کیا ہو گیا؟ گھروں کو یہی ہو گیا کہ اللہ کا پیغام جاتا ہے اور تم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ تو یہ مثالیں، مثلاً حج بھی کرنا ہے تو جاؤ تمہیں دنیا دیکھے۔ فرض جب بھی ادا کرنا ہے، یہ بنیاد ہے، وہ دکھا کر کرنا ہے۔ اس کے لیے حضرتِ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ملتی ہے کہ جس نے فرض صدقہ، واجب صدقہ، زکواۃ دکھا کر دی اور ایک ہے اس نے خفیہ دی۔ تو دکھا کر جس نے دی اس کو 25 گنا زیادہ اجر ملے گا۔ کہیں پہ دکھاوے کا اجر زیادہ ہے۔ دکھاوہ دنیا کیلئے نہیں، بس اللہ کا حکم ہے کہ مسجد میں آنا ہے تو آنا ہے، لوگ دیکھیں، تو ہر قدم پہ دس نیکیاں ملیں گی۔ تو جس نے نوافل صدقات خفیہ ہاتھ سے دیے تو اس کو اللہ تعالیٰ دکھاوے سے 70 گنا زیادہ اجر عطا کریگا۔ تو یہاں پہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کو منسوب چونکہ حضرت ابن عباس کی طرف کیا جاتا ہے لیکن حضرت ابن عباس اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن نہ لیں۔ تو آیت میں چونکہ دونوں باتیں تھی ناں کہ صدقات دکھا کر بھی دو اور خفیہ بھی دو۔ تو فرائض صدقات آپ نے دکھا کر کرنے ہیں اور نفلی صدقات جو ہیں وہ چھپا کر کرنے ہیں۔

قیامت والا دن، آخرت والا دن، یہاں بھی ایک بات میں واضح کر دوں کہ جب ہم لفظِ آخرت کہتے ہیں ناں تو ہمارا ذہن جاتا ہے موت کے بعد والی زندگی۔ ہم سوچنا یہ شروع کر دیتے ہیں کہ جب مر جائیں گے تو پھر آخرت شروع ہو گی۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ یہ جو میرا ایک سانس شروع ہوا تھا جب یہ مر گیا تو اسکی آخرت ہو گئی۔ آخرت کا مطلب ہوتا ہے بعد میں آنے والی چیز۔ جب یہ میرا دن شروع ہوا ہے تو جب اسکی شام ہو گی تو اس دن کی آخرت ہو گئی۔ مہینہ شروع ہوا تو جب وہ ختم ہوا تو مہینے کی آخرت ہو گئی۔ یہ کبھی کبھی لوگ حضور سلطان العارفین کا وہ شعر پڑھتے ہیں تو اسکا یہی مفہوم تھا۔ جو دم غافل سو دم کافر۔ بھائی جو تیرا سانس غفلت میں گزر گیا تو اس کی آخرت تو ہو گئی۔ اس لیے مومن اپنے ہر لمحے کی حفاظت کرتا ہے۔ ہر دن کی حفاظت کرتا ہے۔ ہر گھنٹے اور ہر منٹ کی حفاظت

کرتا ہے۔ تو ہم آخرت سے اس لیے بھی بے خبر ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ مریں گے تو آخرت شروع ہو گی۔ تو یہ عقیدہ بھی ہمیں خراب کرتا ہے۔ ویسے بھی عربی زبان میں مَیں آپ کو بتاؤں کہ باقی زبانوں میں تو ماضی، حال اور مستقبل ہے۔ تین زمانے ہیں لیکن عربی زبان میں نہیں ہیں۔ عربی میں ماضی اور مضارع ہے۔ مضارع میں حال اور مستقبل دونوں ہیں۔ کہتے ہیں کہ جسے آپ حال کہتے ہیں ناں یہ کوئی زمانہ نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ وقت کی جو اکائی ہے وہ ہے سیکنڈ۔ آج بھی سائنس میں وقت کی جو بنیادی اکائی ہے وہ ہے سیکنڈ۔ تو سیکنڈ کیا ہے کہ مستقبل تھا اور جب گزرا تو ماضی بن گیا۔ حال کہاں گیا؟ بھائی بنیادی چیز تو سیکنڈ تھا ناں پہلے مستقبل میں تھا اور جب ادھر ہوا تو ماضی ہو گیا۔ تو آپ کی زندگی میں حال نہیں ہوتا۔ یاں ماضی ہے یاں مستقبل۔ اس لیے یاں تو آپ عبرت حاصل کریں یاں آنے والی وقت میں غور و فکر کریں کہ کیسے گزارنا۔ آخرت کے حوالے سے یہ نہ سوچا کریں کہ ابھی بڑا وقت پڑا۔ اس لیے تو اللہ تعالیٰ کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں کہ مرینگے تو دیکھ لیں گے۔ تو آخرت کا یہ تصور کبھی نہیں ہے۔ آپ کے ہر سیکنڈ کی بھی آخرت ہے، آپ کے ہر گھنٹے کی بھی آخرت ہے، ہر دن کی بھی آخرت ہے۔

تو پاک پیغمبر ﷺ نے اس آخرت کا وہ جو بڑھیا دن ہے، پچاس ہزار سال کا دن، فرمایا لوگ سائے تلاش کر رہے ہونگے لیکن سات خوش قسمت وہ ہونگے جو اللہ کے عرش کے سایہ کے نیچے ہونگے۔ یہ زندگی ایسے گزارو کہ آپ اللہ کے عرش کے سایہ کے نیچے ہوں[1]۔ سب سے پہلا جس کا ذکر کیا وہ عادل حاکم ہے۔ عدل کرنیوالا حکمران اور جس جس درجے میں کوئی حکمران ہے۔ نبی پاک ﷺ نے کیا فرمایا کہ تم میں سے ایک بکریاں چرانے والا اپنی بکریوں پر حاکم ہے۔ حاکم یہ نہیں سمجھنا کہ جو صدر اور وزیر اعظم ہوتا ہے وہ ہی حاکم ہے۔ جس جس درجے میں کوئی

1 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عرش کے نیچے سایہ دے گا جبکہ اس کے عرش کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہو گا۔ عادل حاکم، نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں جوانی پائی، ایسا شخص جس نے اللہ کو تنہائی میں یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے، وہ آدمی جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں، وہ شخص جسے کسی بلند مرتبہ اور خوبصورت عورت نے اپنی طرف بلایا اور اس نے جواب دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جس نے اتنا پوشیدہ صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ دائیں نے کتنا اور کیا صدقہ کیا ہے۔“ صحیح البخاری:6806

حاکم ہے۔ کوئی اپنے دفتر میں چند ملازمین پہ حاکم ہے۔ باپ اپنے گھر کا حاکم ہے۔ استاد اپنی کلاس کا حاکم ہے۔ تو جہاں جہاں کوئی حاکم ہے اگر وہ عدل کرتا ہے تو خدا کے عرش کے سایہ کے نیچے ہو گا۔ بڑی وسعت ہے اسلام کے اندر۔

دوسرا فرمایا وہ نوجوان جس کا دل مسجد میں **معلق** رہتا تھا۔ بڑی بات، **معلق** رہتا ہے مسجد میں۔ اس نے آپریشن کر کے وہ دل نکال کر مسجد میں نہیں رکھا ہوا۔ نماز پڑھتا ہے، اپنے کام پہ چلا جاتا لیکن دھیان مسجد میں ہی ہے کہ کب اذان ہو اور میں مسجد میں چلا جاؤں۔ ایک نماز پڑھ کے جاتا ہے تو سوچتا ہے کہ کب اگلی اذان ہو اور میں مسجد میں جاؤں۔ اس کے لیے ہمارے فلسفے والے کہتے ہیں، بڑھیا جملہ، وہ کہتے ہیں کہ انسان اصل میں وہیں پر ہوتا ہے جہاں اس کا خیال ہوتا ہے۔ یہ جسم کی حیثیت نہیں ہوتی۔ مجھے ایک بزرگ کا واقعہ یاد آیا، واصف علی واصف صاحب نے لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ وہ عمرے کیلئے گئے، بڑے اہتمام کیساتھ گئے۔ گھر بتا کر گئے کہ میں نے مہینہ رہنا ہے۔ تو عمرہ ادا کیا اور تین دن کے بعد انہوں نے کمپنی سے رابطہ کیا کہ میں نے واپس جانا۔ ساتھ جو عقیدت مند تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت صاحب اتنی جلدی، انہوں نے کہا کہ ہاں بس واپس پاکستان جانا ہے۔ تو وہ عمرہ ادا کر کے آ گئے، وہ جو مہینہ کا دورانیہ وہ وہیں ختم ہو گیا۔ واصف صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ حضور یہ کیا ہوا؟ فرماتے ہیں کہ دو دن تو میری کیفیت یہی رہی کہ میں اللہ کے گھر میں تھا لیکن تیسرے روز جب میں ہوٹل میں آیا تو مجھے گھر کے خیالات آنے شروع ہو گئے تو میں نہیں چاہتا کہ میں مکہ میں رہوں اور میرا خیال گھر میں رہے۔ اس سے بہتر ہے کہ میں گھر میں رہوں اور میرا خیال مکہ میں رہے۔ تو انسان اصل میں وہیں پر ہوتا ہے جہاں اس کا خیال ہوتا ہے، جہاں اسکی سوچ ہوتی ہے، جہاں اسکی فکر ہوتی ہے۔ اگر آپ نماز میں کھڑے ہو کر دکان پہ بیٹھے ہیں تو آپ یہاں نہیں ہیں آپ وہیں پر ہیں۔ اسی لیے ہمارے استاد فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا نماز شروع ہی تکبیر سے ہوتی ہے۔ تکبیرِ تحریمہ سے، اللہ اکبر۔ تو جب کسی جانور کو تکبیر پھر جائے تو اسے اپنی ہوش نہیں رہتی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کو تکبیر پھرے اور اسے اپنی ہوش بھی ہو۔ تو سرکار نے فرمایا کہ وہ اپنے کام کاج کرتا ہے اور دل مسجد میں رہتا ہے۔ کوئی رہے مدینے میں لیکن اگر مدینے میں رہ کر بھی کوئی یہاں ہے تو وہ یہیں ہے۔ ہم اپنے کلاس رومز میں بھی جو بچہ بورڈ کی طرف توجہ سے نہ دیکھ رہا ہو تو اسکو پوچھتے ہیں کہ کہاں کھوئے ہو؟ حالانکہ بیٹھا تو وہ وہیں پر ہوتا ہے لیکن اسکو ہلا کر

پوچھتے ہیں کہ کہاں ہو۔ یعنی تمارا خیال کہاں ہے؟ تو سرکار نے فرمایا کہ جس کا خیال ہر دم مسجد میں رہتا ہے وہ خدا کے عرش کے سایہ کے نیچے ہو گا۔

دو وہ لوگ جو اللہ کیلئے ہی محبت کرتے ہیں اور اللہ کیلئے ہی نفرت کرتے ہیں۔ وہ ملتے ہیں تو اللہ کیلئے، وہ جدا ہوتے ہیں تو اللہ کیلئے۔ محبت بھی کرنی ہے تو اللہ کیلئے اور کسی سے بغض بھی رکھنا ہے تو اللہ کیلئے۔ وہ بھی اللہ کے عرش کے سایہ کے نیچے ہونگے۔ پھر میری سرکار نے اس نوجوان کا خصوصی طور پہ ذکر کیا کہ جس کو کوئی اقتدار والی عورت، بڑے منصب اور عہدے والی، خوبصورت بھی ہو، مال و متاع بھی ہو تو وہ کسی کو برائی کی دعوت دے اور وہ نوجوان آگے سے کہہ دے کہ مجھے اللہ کا خوف ہے۔ وہ بھی اللہ کے عرش کے سایہ کے نیچے ہو گا۔ میں اپنے نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ آپ یہ جو موبائل پہ ساری رات گند دیکھتے رہتے ہیں ناں، یہ اسی دعوت کی طرف اشارہ ہے۔ جب بھی کوئی بے حیائی کی تصویر آپ کے موبائل پہ خلوت میں بیٹھے آجائے تو نظریں جھک جائیں اور دل کہے کہ مجھے اللہ کا خوف ہے۔ جہاں میں آپ کو لیکر آنا چاہتا تھا۔ ارشاد فرمایا کسی بندے نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، اس کے دائیں ہاتھ نے دیا اور بائیں کو بھی خبر نہ ہوئی، وہ بھی اللہ کے عرش کے سایہ میں ہو گا۔ اور ایک بڑا اہم وہ شخص ہے، سرکار نے فرمایا کہ تنہائی میں بیٹھا ہے۔ اللہ کا ذکر کر رہا ہو، اللہ کی تسبیح بیان کر رہا ہو اور اللہ کے خوف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آجائیں۔ کتنا آنسو؟ ایک مکھی کا پر جس سے تر ہو جائے اگر اتنا پانی بھی نکل آئے تو وہ خدا کے عرش کے سایہ کے نیچے ہو گا۔

شاید ان کاموں کی طرف کبھی ہم نے غور نہیں کیا کہ ہماری کامیابی کے ذرائع کیا ہیں؟ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ تین بندوں سے اللہ محبت کرتا ہے اور تین بندوں سے بغض رکھتا ہے۔ یہ روایت امام ترمذی،، امام نسائی، ابو داؤد شریف، تینوں احادیث کی کتب میں ہے، میں اس کو اجتماعی طور پہ عرض کر دیتا ہوں۔ پچھلے جمعہ ہم نے پڑھا تھا وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ[1] ناں ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ تو آپ سوچیں گے کہ لوگ تو ہوتے ہی ظالموں کیساتھ ہیں۔ اکثریت ظالموں کیساتھ ہوتی ہے۔ مظلوم کیساتھ بہت کم ہوتے ہیں۔ تو قرآن کہہ رہا ہے کہ ساری دنیا بھی

[1] سورۃ البقرۃ:270

ظالموں کیساتھ ہو اگر اللہ ساتھ نہیں ہے تو کوئی بھی ساتھ نہیں ہے۔ وہ جس کے ساتھ اللہ ہی نہیں، ساری دنیا بھی اس کے ساتھ ہو جائے تو کیا کر لیگی؟ اس لیے ظالم کو یہ احساس ہونا چاہئے کہ چاہیے ساری دنیا میرے ساتھ لیکن اللہ میرے ساتھ نہیں۔ سرکار نے فرمایا کہ تین وہ لوگ جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔ سائل کہیں چلا گیا۔ ضرورت مند تھا۔ مثلاً ہم یہاں بیٹھے ہیں کوئی بندہ آجائے سوال کرے کہ میں ضرورت مند ہوں، میں بھوکا ہوں۔ تو سرکار نے فرمایا کہ پیچھے سے کوئی بندہ خفیہ طور پہ اٹھتا ہے اور اسکی مدد کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اسکا رشتہ دار نہیں ہے، اسکی برادری کا نہیں، بلکہ وہ اسکو جانتا بھی نہیں۔ لیکن خفیہ ہاتھ سے، صرف اللہ کو پتہ ہو اور اس سائل کو پتہ ہو۔ تو فرمایا اس شخص سے اللہ محبت کرتا ہے۔ یہ جو نفلی صدقات ہیں ان کی میں بات کر رہا ہوں۔

دوسرا فرمایا کہ لوگ سفر کرتے ہیں اکٹھے، رات کو سارے سو گئے اور ایک چپکے سے اٹھا، دوسروں کو خبر بھی نہیں ہونے دی۔ اور اٹھ کے اپنے اللہ کو یاد کرتا ہے، قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس سے بھی اللہ محبت کرتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ یوں ہو گیا، ہم ایک قافلے کیساتھ تھے، اباجی نے اُٹھ کے تہجد پڑھی، سارے لوگ سوئے ہوئے تھے تو میں نے بھی اباجی کیساتھ تہجد پڑھی۔ تہجد پڑھنے کے بعد میں نے اپنے اباجی سے کہا کہ یہ کتنے غافل لوگ ہیں جو سوئے ہوئے ہیں۔ میرے اباجی نے فرمایا کہ سعدی یہ تم سے اچھے ہیں۔ یہ دیکھیں والدین تربیت کیسے کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ تم سے اچھے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے اُٹھ کے تہجد پڑھی ہے اور یہ سوئے ہوئے کیسے بہتر ہو سکتے ہیں؟ شیخ فرماتے ہیں کہ میرے والد محترم نے کہا کہ تو نے اپنی تہجد کا اظہار کیا کہ میں نے پڑھی ہے اور ان کو گھٹیا سمجھا تیری تہجد تو جاتی رہی۔ ساتھ تیری نیند بھی خراب ہوئی، تیرے جسم کو بھی تھکاوٹ ہوئی۔ انہوں نے اپنے جسم کو تھکاوٹ تو نہیں ناں دی، اپنی نیند تو خراب نہیں ناں کی۔ تُو ہر حوالے سے خسارے میں ہے۔ تہجد میں تو لوگ اپنے گھر والوں کو بھی پتہ نہیں ہونے دیتے۔ تو سرکار نے فرمایا وہ جو تنہائی میں بیٹھ کے اللہ کو یاد کرتا ہے، قرآن کی تلاوت کرتا ہے، اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔

تیسرا وہ شخص جو اللہ کی راہ میں یاں تو فاتح ہو جائے یاں شہید ہو جائے۔ اللہ کیلئے۔ جب میری سرکار نے ان تین کا ذکر کیا تو صحابہ کو یہ تھا کہ وہ تین سے جن سے اللہ نفرت کرتا ہے، بغض رکھتا ہے، تو وہ جلدی تھی کہ

یارسول اللہ ﷺ کہ وہ کون لوگ ہیں جن سے اللہ نفرت کرتا ہے؟ سرکار نے فرمایا کہ سب سے زیادہ جس سے اللہ بغض رکھتا ہے وہ بوڑھا زانی ہے۔ جو بڑھاپے میں بدکاری کرتا ہے۔ اس لیے کہ اب تو اس کے جذبات بھی اس کو مشتعل نہیں کر رہے تھے۔ اس کے باوجود وہ برائی کیطرف گیا۔ اور آپ نے شاید وہ روایت بھی سنی ہو کہ شبِ قدر کو جب اللہ تعالیٰ عام معافی کا اعلان کرتا ہے تو وہ جو بوڑھا زانی ہے اس کی اس رات بھی مغفرت نہیں ہوتی جب تک وہ توبہ نہیں کرتا۔ تو وہ میں نے آپ کو روایت آپ کو بتائی ہوئی ہے ناں کہ بدکاری اور زنا سب سے پہلے آنکھیں کرتی ہیں۔ پھر ہاتھ کرتے ہیں، پھر پاؤں چل کے جاتے ہیں۔ آخر میں تو صرف اس بدکاری کی تصدیق ہوتی ہے۔ زنا تو پہلے ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر کسی کو بڑھاپے میں بھی یہ عادت ہے کہ وہ کسی غیر محرم عورت کو دیکھے، اسکو ہاتھ لگائے، اسکی طرف چل کر جائے، یہ ساری بدکاری کی علامتیں ہیں۔ بوڑھا زانی، سرکار نے فرمایا اللہ اس سے بہت نفرت کرتا ہے۔

دوسرا وہ شخص، غریب متکبر، فقر وفاقہ میں ہے لیکن تکبر کرتا ہے۔ اس کے پاس تکبر کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ دولت ہوتی تو بہانہ لگالیتا، کوئی عہدہ مل گیا تو وہ کہتا کہ عہدہ نے متکبر کر دیا۔ جب اس کے پاس تکبر کرنے والی چیز ہی کوئی نہیں تو پھر بھی وہ تکبر کرتا ہے۔ اور تیسرا فرمایا کہ امیر ہو اور ظالم ہو۔ اللہ نے نعمتیں دی ہوئی ہوں اور وہ ظلم کرے لوگوں پہ[1]۔

تو یہ ساری باتوں کا جو نتیجہ میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اس دن کا جب یہ سرکار نے ساری بات بیان فرمائی کہ پچاس ہزار سال کا دن اور یہ پسینے میں شرابور، کوئی گھٹنے تک، کوئی کمر تک، کوئی گردن تک، سب پھنسے ہوئے ہونگے، نفسا نفسی کا عالم ہو گا تو میری سرکار نے فرمایا کہ یہ جو اللہ کی رضا کیلئے صدقہ کرتے ہیں، جب تک حساب نہیں ہو جائے گا یہ صدقہ ان کے اوپر سایہ کر کے رکھے گا۔ اس دن کی یہ حفاظت ہے اسکا صدقہ اس کے سر پہ سایہ کر کے رکھے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو بری موت نہیں آنے دے گا۔ یہ نہیں ہے کہ اس کی مخلوق سے اچھائی کرنے والے کو اللہ بری موت دے۔ بری موت سے مراد پتہ کیا ہے؟ بے ایمانی کی موت۔ یہ نہیں سمجھنا کہ فلاں

[1] سنن ترمذی:2568، سنن نسائیؒ 2571

بندے کو اتنے زخم لگ گئے تو یہ بری موت ہے۔ نہیں۔ نہیں۔ ویسے تو کئی صحابہ اور کربلا والوں کی لاشوں کیساتھ کیا ہوا۔ بری موت سے مراد ہے جس کا خاتمہ ایمان پہ نہ ہو۔ تو صدقہ کرنے والے کیلئے یہ دو چیزیں بڑی اہم ہیں۔ ایک تو اللہ اس کو بری موت نہیں آنے دیگا اور ایک قیامت والے دن صدقہ اس کے سر پہ سایہ کر کے رکھے گا۔ تو فرمایا اعلانیہ بھی دو اور خفیہ بھی دو۔

ایک بات رہ گئی، فرمایا کہ خوشحالی میں بھی دو اور تنگ دستی میں بھی دو۔ میں پڑھ رہا تھا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی ہیں، وہ کہتی ہیں کہ جب میرے گھر میں مفلسی آتی تھی، تنگی آتی تھی تو میں گھر کا سارا سامان بیچ کر صدقہ کر دیتی تھی۔ کسی نے پوچھا کہ وہ کیوں؟ آپ نے کہا کہ اللہ دس گنا تو دے گا ہی ناں۔ کم از کم اللہ دس گنا تو دے گا۔ یقین تھا اللہ کی ذات پہ۔ تقویٰ میں جو صحابی سب سے آگے ہیں وہ پتہ ہیں کون ہیں؟ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ۔ ان کے تقویٰ کا سب صحابی احترام کرتے تھے۔ تو ایک بکری تھی آخری وقت میں بھی۔ مدینے شریف سے جب بدر کی طرف جائیں تو راستے میں انکی قبر ہے ایک کنویں کے قریب۔ سادہ سی قبر ہے کوئی دربار نہیں۔ میں وہاں زیارت کر کے آیا۔ خوشبو ہے وہاں معطر ہے وہ فضا جہاں انکی قبر ہے۔ ایک بکری تھی، دونوں میاں بیوی تھے، ادھر ہی زندگی گزاری۔ اگر کوئی اس دور میں محل بنالیتا تھا ناں تو پوچھتے تھے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی محل بنایا؟ ابو بکر نے کوئی محل بنایا؟ عمر نے، عثمان نے، علی نے کوئی گھر بنایا؟ کیوں دنیا کے پیچھے ایسے پڑ گئے ہو۔ وہ بکری کا دودھ جب دھونا، دونوں میاں بیوی نے دودھ پینا اور آدھا دودھ اس میں سے بھی خیرات کرنا۔ اس ایک بکری کا دودھ۔ جب لوگ پوچھتے تو فرماتے کہ میرے دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو یہ چیزیں آپ کو اس دنیا میں بھی فائدہ دیتی ہیں اور آخرت میں بھی فائدہ دیتی ہیں لیکن بنیاد وہی ہے کہ پاکیزہ کمائی ہو اور اس پاکیزہ میں سے بہترین چیز ہو۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

45۔ عمل اور کردار کی تبلیغ

قرآن: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ-وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْؕ-وَ مَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِؕ-وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (سورة البقرة: 272)

ترجمہ: "لوگوں کو ہدایت دے دینا تم پر لازم نہیں، ہاں اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور تم جو اچھی چیز خرچ کرو تو وہ تمہارے لئے ہی فائدہ مند ہے اور تم اللہ کی خوشنودی چاہنے کیلئے ہی خرچ کرو اور جو مال تم خرچ کروگے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔"

خاکہ:

1. آیت کا ترجمہ اور شانِ نزول
2. آپ کا مقصد اللہ کا پیغام پہنچانا
3. ذمی کافر اور حربی کافر میں فرق اور ان پہ خرچ
4. اللہ کے فقیر کا لنگر سب کے لیے ہوتا ہے۔
5. کسی کے قریب ہوں گے تو کردار کا پتہ چلے گا۔
6. باپ کا وارث وہ ہوتا ہے جس کو باپ کا سبق یاد ہو۔
7. خلاصہ

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

آج کی آیۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے خطاب تو امت سے کیا ہے لیکن مخاطب پاک پیغمبر ﷺ کو کیا ہے۔ ارشاد فرمایا لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ اے میرے رسول ﷺ، ان لوگوں کو ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ جو کچھ بھی تم خیر والی، اچھی چیزیں خرچ کرتے ہو وہ صرف تم اپنی ذات کیلئے ہی کرتے ہو۔ وَ مَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ۔ بڑا محبت والا جملہ ہے۔ ہم تو ساری زندگی کام کرتے رہیں تو پتہ نہیں ہوتا کہ قبول ہوا کہ نہیں ہوا لیکن یہ کتنے عظیم لوگ ہیں کہ اللہ نے فرمایا کہ تم تو جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ کی رضا کیلئے خرچ کرتے ہو۔ تو ان نفوسِ قدسیہ کو اللہ نے ہی سرٹیفیکیٹ دے دیا کہ تمہارا خرچ اللہ کی رضا کیلئے ہے۔ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْكُمْ اور جو تم خرچ کرتے ہو اللہ تمہیں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے گا وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ اور تمہارے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یہ تھا آیہ مبارکہ کا ترجمہ۔ حیران کن بات یہ ہے کہ بات شروع ہوئی ہے ہدایت سے اور بات آگے خرچہ کرنے پہ ہو گئی۔ بات تو شروع ہوئی کہ اے اللہ کے رسول ہدایت کی ذمہ داری آپ کی نہیں ہے، اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ آگے فرمایا کہ تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اپنے لیے ہی کرتے ہو اور اللہ کو یہ بھی پتہ ہے کہ تم خرچ کرتے ہی اللہ کو راضی کرنے کیلئے ہو۔ تو اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، انکا تعارف پہلے بھی میں نے کروایا ہے کہ سرکار مولا علی کے بعد پہلے مفسرِ قرآن۔ صحابہ کرام ان سے قرآن کی تفسیر پڑھا کرتے تھے، تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ ہوا یُوں کہ ہم اپنے مشرکین رشتہ داروں پہ خرچ نہیں کرتے تھے، یہ تو مہاجرین کا معاملہ تھا اور جو مدینہ کے انصار تھے وہ بنو قریظہ اور بنو نضیر، یہ بھی چونکہ مشرک قبائل تھے، انصار بھی ان پہ خرچ نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھنے والی ہے کہ یہ آیت نازل کیوں ہوئی ہے؟ یعنی یہ جو مکہ سے مہاجر آئے تھے وہ اپنے مشرک رشتہ دار یعنی جو بتوں کی پوجا کرتے تھے، اللہ کی مخالفت کرتے تھے، ان پہ خرچ نہیں کرتے تھے اور یہ جو انصار تھے یہ بھی مشرکین پہ خرچ نہیں کرتے تھے۔ اور خرچ کرتے کیوں نہیں تھے؟ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس لیے خرچ نہیں کرتے تھے کہ یہ دین میں داخل ہو جائیں۔ جب ہم ان پہ خرچ نہیں کرینگے تو یہ مجبور ہو کر

اللہ کی طرف آجائیں، رسول اللہ ﷺ کی طرف آجائیں۔ یعنی نیت کتنی اچھی تھی کہ جب ان پہ خرچ نہیں کرینگے تو یہ اللہ رسول کو ماننا شروع ہو جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ بات کہی کہ ہدایت دینا تمہارا کام نہیں ہے۔ اگر اس نیت سے تم کر رہے ہو کہ اگر ہم خرچ نہیں کرینگے تو انکو ہدایت مل جائے گی تو ہدایت تمہارا کام نہیں ہے۔ تم جو بھی خرچ کرتے ہو اپنے لیے کرتے ہو۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ ان لوگوں کیلئے کر رہے ہو حالانکہ اللہ کو اس بات کا علم ہے کہ تم جو بھی خرچ کرتے ہو اللہ کی رضا کیلئے کرتے ہو۔ یہ بھی اللہ کو علم ہے لیکن جہاں تک ہدایت کا معاملہ ہے وہ اللہ کے پاس ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا اے میرے رسول ﷺ آپ پہ جو کچھ بھی نازل ہوا ہے، یہ جو لوگ آپ کی رسالت کا اور اس قرآن کا انکار کرتے ہیں، اسکو نہیں مانتے تو یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے قیامت والے دن اللہ آپ سے پوچھے گا کہ ابو جہل ایمان کیوں نہیں لایا تھا؟ اے ہمارے رسول ہم نے آپ سے یہ نہیں پوچھنا کہ ابو لہب ایمان کیوں نہیں لایا تھا؟ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ[1] آپ کو تو ہم نے بھیجا ہے کہ آپ ہمارا پیغام ان تک پہنچا دیں۔ بلکہ سورۃ طٰہٰ میں تو میرے اللہ نے یہاں تک فرمایا طٰهٰ (1) مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى (2) ہم نے یہ قرآن اس لیے نازل نہیں کیا تھا کہ اے ہمارے پیغمبر آپ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال لیں۔ چونکہ نبی پاک ﷺ کو ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جہنم سے بچ جائیں۔ کسی نہ کسی طریقے یہ جو لوگ ہیں، منافقین ہیں، مشرکین ہیں، اللہ کے منکر ہیں یہ اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔ تو اس محبت میں جو میرے پاک پیغمبر ﷺ کے دل کی جو کیفیت تھی اس کو سورۃ طٰہٰ میں بیان کیا۔ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى (3) آپ نے تو صرف نصیحت کرنی ہے اور اللہ کے عذاب سے ڈرانا ہے۔ آپ اپنے آپکو مشکل میں نہ ڈالیں۔

اب یہاں پہ دو مسئلے ہیں جو سمجھنے والے ہیں۔ ایک تو ہمیں بھی یہ پیغام دیا گیا کہ یہ مت سوچنا کہ آپ کسی پہ خرچ کر رہے ہو تو وہ اللہ کو مان لے گا۔ یاں کسی سے پیسے اس لیے روک لینا کہ میں روک لوں گا تو شاید یہ نماز پڑھنے لگ جائے گا۔ تو اللہ فرماتا ہے کہ یہ تمہارا کام نہیں ہے لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ جو

---

[1] سورۃ الشوریٰ:48

صدقات ہیں، واجب اور فرض۔ ان پہ پچھلے جمعہ بھی بات ہوئی تھی کہ مثلاً یہ جو زکوٰۃ ہے، یہ واجب صدقہ ہے۔ یہ آپ کسی کافر پہ خرچ نہیں کرسکتے یہ مسلمانوں کا حق ہے۔ آپ نے قسم توڑ دی، دس مسکینوں کو کھانا کھلانا تھا وہ کھانا کھلانا واجب ہو گیا۔ روزہ توڑ دیا، مسکینوں کو کھانا کھلانا تھا وہ واجب ہو گیا۔ تو یہ جو واجب صدقات ہیں یہ آپ کسی مشرک اور کافر پہ خرچ نہیں کرسکتے یہ مسلمانوں کا حق ہے۔ مسئلہ کا آپ کو پتہ ہونا چاہیئے۔ زکوٰۃ آپ کسی کافر اور مشرک کو نہیں دے سکتے۔ اس کے علاوہ جو نفلی صدقہ اور خیرات ہے، اس کیلئے یہ نہیں دیکھنا کہ یہ مشرک ہے یا کافر ہے۔ اس کیلئے جو اصطلاحات ہیں وہ پہلے بھی میں نے آپ کو بتائی ہوئی ہیں، چلو یاد دہانی کیلئے۔ ایک ہوتا ہے ذمّی کافر اور ایک ہوتا ہے حربی کافر۔ حربی کافر کو تو آپ نفلی صدقہ بھی نہیں دے سکتے۔ ذمی کافر وہ ہوتا ہے جس کے سامنے آپ نے اللہ اور اسکے رسول کا پیغام رکھا، اسکو سمجھ نہیں آئی بات کی، اس نے دین کو قبول نہیں کیا لیکن اس نے اس دین کی مخالفت بھی نہیں کی۔ اس نے کوئی کوشش نہیں کی کہ میں اس دین کی مخالفت کروں اور آپ کی اسلامی ریاست کے اندر آپ کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ مشرک ہو، وہ کافر ہو، آپ نے اپنے نفلی صدقات اس کو دینے ہیں۔ یعنی ہدایت کے بعد معاملہ آ گیا تھا خرچ کرنے کا۔ اسکو اچھی طرح سمجھ لیں، ایک وہ کافر ہے کہ آپ نے اس کو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا پیغام دیا، اب وہ آگے سے اس دین کو ختم کرنے کیلئے میدان میں آ گیا۔ اس کو حربی کافر کہتے ہیں۔ اس نے جتنی بھی کوشش کی کہ میں اس دین کو ختم کر دوں۔ تو وہ جو حربی کافر ہے اس پہ آپ نفلی صدقہ بھی خرچ نہیں کرسکتے۔ لیکن جو ذمی کافر ہے ان سے آپ روک نہیں سکتے، ان کو واجب صدقہ تو نہیں دینا لیکن جو نفلی صدقہ اور خیرات ہے وہ آپ نے دینا ہے۔ شاید کسی موقع پہ عیسائیوں نے مجھے بلایا تھا اور وہاں یہ مَیں نے بات کی تھی۔ ان کو مَیں نے کہا تھا کہ دیکھو، ہمارے دین کی جو وسعت ہے اسکا اس بات سے آپ اندازہ کریں کہ یہ جو پیغام ہم اللہ اور رسول کا لوگوں کو دے رہے ہیں، اس پیغام کی وسعت یہ ہے کہ ہمارے پاک پیغمبر ﷺ نے ہمیں جو تعلیم دی ہے اس تعلیم کے اندر یہ نہیں ہے کہ آپ نے یہ دیکھنا ہے کہ یہ جو شخص بھوکا ہے وہ کافر ہے یا مسلمان ہے۔ بھوکا، بھوکا ہوتا ہے وہ کافر اور مسلمان نہیں ہوتا۔ پیاسا، پیاسا ہوتا ہے۔ مظلوم، مظلوم ہوتا ہے وہ کافر اور مسلمان نہیں ہوتا۔ ضرورت مند، ضرورت مند ہوتا ہے۔ یہ پہلا پیغام تھا جو میرے اور تمہارے آقا و مولا سرکارِ مدینہ ﷺ نے دیا کہ کوئی بھوکا کافر بھی ہو تو اس کو کھانا کھلانا ہے۔ پیاسا کافر بھی ہو گا تو اس کو پانی

پلانا ہے۔ مظلوم کافر بھی ہو گا تو اس کا ساتھ دینا ہے۔ ظالم مسلمان بھی ہو گا تو اس کا ساتھ نہیں دینا۔ تو یہ جو انسانی فکر ہے۔ بھائی رحمت اللعالمین تب ہی بنیں گے ناں جب عالمین کی فکر کریں۔ اس لیے میرے پاک پیغمبر ﷺ نے اس زمین کو مسلمانوں اور کافروں کیلئے تقسیم نہیں کیا۔ نبی پاک ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ ٹکڑا زمین مسلمانوں کیلئے ہے اور یہ کافروں کیلئے ہے۔ رحمت اللعالمین پیغمبر نے ان جغرافیائی حدود سے انسان کو باہر نکالا ہے۔ تو کبھی بھی یہ نہیں سوچنا میرے خرچ کرنے سے کسی کو ہدایت ملے گی اور میرے خرچ نہ کرنے سے کوئی اِدھر آ جائے گا۔ ایسا نہیں ہوتا۔ تم نے جو خرچ کرنا ہے وہ اللہ کی رضا کیلئے کرنا ہے۔ تو یہ معاملہ کن کیلئے ہے، ذمی کافروں کیلئے۔ حربی کافروں کیلئے نہیں۔ تو ذمی کافروں کیلئے، آپ نے جو نفلی صدقات ہیں جیسے مسلمانوں پہ خرچ کرتے ہیں، ویسے کفار پہ بھی خرچ کرتے ہیں۔ یہ تھا اس میں بنیادی مسئلہ۔

اچھا یہ خرچ کیوں کرنا ہے؟ میں جب اس کی تفسیر دیکھ رہا تھا تو میرے ذہن میں یہ سوال آ رہا تھا کہ ہمارے برصغیر پاک و ہند میں جتنے بھی اللہ کے ولی تشریف لائے۔ انہوں نے اسی آیت پہ عمل کیا۔ یعنی اللہ کے فقیر کا لنگر صرف مسلمانوں کیلئے نہیں ہوتا تھا بلکہ ہندوؤں کیلئے بھی ہوتا تھا۔ انہوں نے یہ روپ کیوں اختیار کیا؟ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ جب ہم کسی پہ خرچ کرتے ہیں تو یہ قدرتی بات ہے، کوئی زیادہ ہی بدنسل نہ ہو کہ جو کھاءپی کر حرام کر جائے، نہیں تو انسان کہیں سے چائے کا کپ بھی پی لیں تو یاد رکھتے ہیں۔ نسلی لوگ یاد رکھتے ہیں کہ فلاں بندہ مجبوری کے وقت میرے کام آیا تھا، اس نے مجھے کھانا کھلایا تھا، مجھے پانی پلایا تھا، مجھے وضو کروایا تھا۔ تو وہ ان احسانات کو یاد رکھتے ہیں۔ یہ خاندانی لوگوں کی بات ہے اور وہ ان احسانات کا بدلہ چکانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ مختصر اس کو یوں سمجھیے کہ جب آپ کسی پہ خرچ کرتے ہیں تو وہ بندہ آپ کے قریب ہوتا ہے۔ اس کو آپ سے محبت ہوتی ہے۔ میں بے نسلوں کی بات نہیں کر رہا۔ آج کل تو لوگ ماں باپ کے کھائے کا احسان بھول جاتے ہیں۔ ایسے ایسے بدبخت بھی ہیں جن کو ماں باپ کا احسان یاد نہیں رہتا، اساتذہ کا احسان یاد نہیں رہتا۔ پیر و مرشد کا احسان یاد نہیں رہتا، جس در سے سب سے بڑی چیز ہدایت ملتی ہے۔ وہ احسان بھول جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا وہ شعر اس لیے مجھے بڑا پسند

ہے۔ انہوں نے اس شعر میں بہت بڑی عکاسی کی تھی کہ لوگ اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی گستاخیاں کرتے تھے۔ ان کو مخاطب کرکے انہوں نے کہا تھا

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

تم تو اس کا بدلہ نہیں دے سکتے کہ اس نبی کے صدقے ہمیں کلمہ نصیب ہوا، ایمان نصیب ہوا۔ اوہ! کم از کم اس احسان کو تو یاد رکھو۔ جب انسان کوئی آپ کے قریب ہوتا ہے تو پھر وہ آپ کے کردار سے واقف ہوتا ہے۔ جب تک کوئی قریب ہی نہیں ہوگا تو اس کو کیا پتہ کہ آپ کا کردار کیا ہے؟ آپ سچے ہیں یا جھوٹے ہیں؟ آپ دیانتدار ہیں یا بد دیانت ہیں؟ آپ وفادار ہیں یا بے وفا ہیں؟ آپ ظالم ہیں یا سخی ہیں؟ کیا ہیں؟ تو قرآن اصل میں آپکو ان کفار کے قریب کرنا چاہتا ہے کہ جو اللہ رسول کے دشمن ہیں، ان پہ خرچ کرو تاکہ وہ قریب ہو کر تمہارا کردار دیکھیں۔ جب وہ محمد کریم ﷺ کے غلاموں کا کردار دیکھیں گے تو ہدایت ان کو مل ہی جائے گی۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میرے کردار کے علاوہ ہی لوگ اسلام کیساتھ محبت کرنا شروع کر دیں۔

6 رجب کو چونکہ خواجہ غریب نواز، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا عرس بھی ہے۔ آج 2 رجب ہے۔ میں نے کسی کتاب میں نہیں پڑھا۔ چونکہ حضرت امامِ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ ہمیشہ میرے سامنے رہتا ہے کہ جب ایک عالمِ دین نے آپ سے اجازت طلب کی کہ میں دین کی تبلیغ کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت دیں کہ میں فلاں علاقے میں جا کے لوگوں کو قرآن اور حدیث سکھاؤں۔ اس نے پوچھا سرکار امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کہ میں اس دین کی تبلیغ کیسے کروں؟ تو امام کا تاریخی جملہ ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھنا کہ تبلیغ کرتے ہوئے تجھے زبان سے کچھ نہ کہنا پڑے۔ تیرا کردار دیکھ کر لوگ کہیں کہ یہ محمد ﷺ کا غلام ہے۔ وہ تبلیغ نہیں ہوتی جو زبان سے کرنی پڑے۔ ایک غریب نواز، ایک سلطان الہند، ایک حسن سنجری اس سرزمین پہ آیا، کسی ایک کتاب میں، مَیں مسجد میں بیٹھا ہوں، مَیں نے نہیں پڑھا کہ انہوں نے ایسے تقریریں کرکے لوگوں کو تبلیغ کی۔ بس لنگر کھولا اور سب کیلئے کھولا۔ لنگر کا شاید معنیٰ بھی ہمیں نہیں آتا، لنگر کا معنیٰ ہوتا ہے "وہ کھانا جو بغیر دعوت کے ہو اور سب کیلئے ہو"۔ کوئی

یہ ناں نہ کہے کہ مجھے دعوت دی گئی اور مجھے نہیں ملی۔ بھائی لنگر کا کھانا ہوتا ہی وہ ہے جو بغیر دعوت کے ہو۔ اس کی اصل میزبانی تو میرے پاک پیغمبر ﷺ کے پاس ہے۔ تو میرے خواجہ غریب نواز لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے اور اپنا کردار انہوں نے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ یہ جملہ وائسرائے ہند نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے، پنجاب یونیورسٹی میں وہ ڈائری پڑی ہوئی ہے، آپ اب بھی جاکر وہاں دیکھ سکتے ہیں، وہ کہتا ہے کہ میں نے خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی قبر کو برصغیر پہ حکومت کرتے دیکھا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ ایک قبر ہے جو لوگوں پہ حکومت کر رہی ہے۔ یہ شفقت صرف مسلمانوں کیلئے نہیں تھی۔ فقیر چونکہ اللہ والا ہوتا ہے اور اللہ تو سب کا ہوتا ہے، اللہ تو رب العالمین ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس قبر کو حکومت کرتے دیکھا میں نے برصغیر پہ۔ اچھا اس کی جو اس نے وضاحت لکھی وہ ایک جملہ میں لکھی۔ وہ کہتا ہے کہ مَیں بڑا حیران تھا کہ لوگ مہینے بعد اپنے باپ کی قبر کو بھول جاتے ہیں، اپنے دوستوں کی قبروں کو بھول جاتے ہیں اور اس کو تو سات سو سال ہو گئے اور لوگ بھول ہی نہیں پا رہے اس بندے کو۔ کہتا ہے کہ میں جاکر دیکھتا کہ یہاں سب ہی آتے، ہندو بھی آتے، مسلمان بھی، سکھ، عیسائی، سب ہی آتے۔ تو میں نے کہا کہ لوگ اس کو بھلا کیوں نہیں پائے؟ تو وہ جو جملہ واسرائے نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ لوگ اس کو کیسے بھلا سکتے ہیں، جس کی تعلیم لوگوں کے پیٹ کے قریب تھی۔ جو لوگوں کی بھوک مٹاتا تھا۔ جو لوگوں کی پیاس مٹاتا ہے۔ اوہ! بس پیٹ کی بھوک ہی نہیں اگر کوئی علم کی پیاس لیکر آتا تھا تو وہ پیاس بھی بجھائی جاتی تھی۔ کوئی معرفت کی پیاس لیکر آتا تو وہ بھی بجھائی جاتی۔ اور اسی زبان میں بات کی، فلسفیانہ گفتگو نہیں کی۔ اسی زبان میں، وہ جو ایک شودر کی زبان تھی اسی زبان میں بات کرتے تھے اور کتنا قریب ہو کر انسان کے ان لوگوں نے دیکھا۔ اس کی ایک میں وجہ بیان کرنے لگا ہوں۔ دنیا کا جو سب سے پرانا مذہب ہے ناوہ ہندوازم ہے۔ اس سے پرانا مذہب اور کوئی نہیں۔ یہ عیسائیوں سے بھی زیادہ پرانا ہے۔ اس کی تاریخ پانچ ہزار سال پرانی ہے۔ اس لیے یہاں جو بھی آتا تھا وہ اس مذہب کا مقابلہ نہیں کرپاتا تھا اور ان لوگوں کو اپنے سادھوؤں سے خوف بھی بڑا تھا کہ پتہ نہیں یہ کیا کچھ کر دیتے ہیں۔ اس مذہب کو آکر غریب نواز نے چیلنج کیا ہے اور وہ کیا کردار ہوگا کہ پانچ ہزار سال پرانا مذہب سرنگوں ہو گیا غریب نواز کے سامنے۔ تو متاثر آپ کے کردار نے کرنا ہے۔ میرے پیغمبر ﷺ کا بھی یہ جملہ جو گیارھویں پارے میں لکھا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا

مِّنْ قَبْلِهٖ[1]۔ پہلا جملہ اس کتاب اور دین اسلام کی حقانیت کیلئے میرے پیغمبر نے پہاڑی پہ کھڑے ہو کے جو ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے اندر ایک عمر گزاری ہے، کسی کو کوئی شک ہے تو اٹھ کر بات کرے۔ طاقت کردار کے اندر ہوتی ہے۔ تو قرآن یہ چاہتا ہے کہ آپ کافروں پہ بھی خرچ کریں تا کہ وہ آپ کے قریب ہو کر آپ کا کردار دیکھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو، ہمارے ایک بہت بڑے تاریخ دان ہیں، کہنے لگے کہ میں نے ایک مجوسی کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ میں نے کونسا مسلمان بننا ہے؟ امام اعظم ابو حنیفہ جیسا یا جو آج کل کے مسلمان ہیں ان جیسا؟ تو کہنے لگے کہ امام اعظم ابو حنیفہ جیسا۔ اس نے کہا کہ اتنی عاجزی تو میرے سے نہیں ہوتی جو امام اعظم ابو حنیفہ کے اندر تھی اور تم سے میں بہتر ہوں، تم جیسا مسلمان میں بننا نہیں چاہتا۔

یہ جو میں کُڑھتا رہتا ہوں، 1994ء سے لیکر آج تک یہ جو بات پیغام ہم نے شروع کیا ہے، آج کا المیہ یہ ہے۔ علامہ اقبالؒ نے یہ جو جملہ کہا تھا ناں "زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن" یہ جو خانقاہیں، شاہینوں کی تھیں، یہاں کوّے بیٹھ گئے، لالچی لوگ بیٹھ گئے۔ انہوں نے دنیا تو کمائی لیکن ان بزرگوں جیسا کردار پیش نہ کر سکے۔ ان کے کردار کے قریب جب کوئی جاتا ہے تو جھوٹ، بد دیانتی، بے وفائی، ہر قسم کا گند ھ جب ان کے اندر نظر آتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جس کو باپ کا سبق یاد نہ ہو وہ باپ کا وارث نہیں ہوتا۔ باپ کا وارث وہ ہوتا ہے جس کو باپ کا سبق یاد ہو۔ ہماری خانقاہ برباد اس لیے ہوئی ہے، ہمارا منبر بھی وہ کام نہیں کر رہا، تربیت کا کام منبر سے بھی نہیں ہو رہا، کیونکہ آپ کسی مولوی کے پاس بھی ہونگے تو کردار نظر نہیں آئے گا۔ پیر کے قریب ہونگے تو کردار نظر نہیں آئے گا اور قرآن کہتا ہے کہ لوگوں کو قریب کرو کہ وہ تمہارا کردار دیکھیں۔ پھر یہ ذہن سے نکال دو کہ اس کو ہدایت ملی ہے کہ نہیں۔ اس کی مخلوق پہ خرچ کرو اس کی رضا کیلئے۔ اللہ تمہیں تمہارا اجر دے گا۔ تم پہ ظلم نہیں کیا جائے گا اور کبھی یہ بھی نہ سوچنا یہ میری وجہ سے سب کچھ ہو رہا ہے۔ یہ بڑھیا جملہ اس لیے میرے اللہ نے فرمادیا۔ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بات تو ہم سے ہو رہی تھی جو خرچ نہیں کرتے تھے، بات تو ہم سے ہو رہی تھی لیکن بتا یہ دیا گیا کہ ہم نے تو اپنے رسول سے بھی یہ بات کہہ دی ہے کہ لوگوں کو ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں

[1] سورۃ یونس:16

ہے۔ اس لیے میں بھی اکثر یہ جملہ آپ سے کہتا ہوں کہ ہدایت میرے اللہ کے پاس ہے۔ ہدایت ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہم تو اللہ رسول کا پیغام آپ تک پہنچا سکتے ہیں اور کردار کیلئے پھر ہم آپ سے معذرت ہی کر سکتے ہیں۔ ہم تو وہ مثالی کردار نہیں آپ کے سامنے نہیں رکھ سکتے کہ جس کردار کو دیکھ وہ ہندو نے کہا تھا اور عجیب جملہ کہا تھا۔ جب ایک مسلمان نے کہا کہ یہ تو مسلمانوں کے بزرگ ہیں، مسلمانوں کے پیر اور امام ہیں، تُو ایک ہندو ہو کر یہاں کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے تو لکھا دیکھا تھا غریب نواز تو میں بھی غریب ہوں، لکھا دیکھا تھا کہ یہ غریبوں کو نوازتا ہے تو اس لیے اس کے در پہ آ گیا۔ نہیں پوچھتے تھے کہ شودر ہے، بٹوال ہے تو کمیں س ہے، امیر ہے غریب ہے؟؟ کیونکہ یہ رزق اللہ کا ہے اور ہر ضرورت مند تک وہ پہنچتا ہے۔ اسلیے لنگر سے کسی کو اٹھایا نہیں جا سکتا۔ ایک جگہ بیٹھ کر جب امیر غریب کھاتے ہیں، ایک دوسرے کے کردار کو جب قریب سے دیکھتے ہیں تو متاثر ہمیشہ کردار کرتا ہے۔ اچھا کردار بھی اور برا کردار بھی۔ جھوٹا آدمی کبھی بھی کسی کو اللہ کا پیغام نہیں دے سکتا۔ جھوٹ پہ اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ سچ کی طاقت ہے۔ ہر دور میں سچ کی طاقت ہے اور اسی نے قائم رہنا ہے۔

تو یہ دو تین مسائل تھے اس آیت کے اندر کہ ذمی کافروں کیساتھ آپ نے ویسے ہی حسن سلوک کرنا ہے جیسا کہ مسلمانوں کیساتھ۔ حربی کافر پہ آپ نہ واجب صدقات خرچ کر سکتے ہیں اور نہ نوافل صدقات۔ اس دین کو ختم کرنے کیلئے جو میدان میں آجائے اس کیساتھ پھر آپ نے محبت کا رشتہ نہیں رکھنا۔ لیکن یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کلمہ پڑھ کر اس دین کی توہین کرے تو اس کیساتھ بھی محبت کا رشتہ نہیں رکھنا۔ ہاں یہ نہیں ہے کہ یہ کلمہ پڑھ کر جو جی چاہے دین کی توہین کرتا پھرے۔ اس سے قطع تعلقی کا زیادہ حق ہے کہ جو اس دین کی مخالفت میں کھڑا ہو گا ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ باقی جو ضرورت مند ہے، بھوکا بھوکا ہے وہ کوئی بھی ہو اس کو کھانا کھلانا ہے۔ ضرورت مند کوئی بھی ہو اس کی ضرورت پوری کرنی ہے۔ اس لیے کہ وہ رب العالمین ہے اور آقا رحمت اللعامین ہیں اور فقیر پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہوتا ہے۔ فقیر، روپ ہی اپنے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اختیار کرتا ہے۔ وہی رحمت اس کی بارگاہ سے لوگوں کو ملتی ہے، وہی پیار ملتا ہے، نفرت نہیں ملتی۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ اجر ہم آپکو دینگے، ہمیں پتہ ہے کہ تم اللہ کی رضا کیلئے خرچ کرتے ہو۔ لیکن یہ ذہن سے نکال دو کہ تم کسی کو ہدایت دے سکتے ہو یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

46۔ اسلام گداگری کے خلاف ہے

قرآن: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ-يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِۚ-تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْۚ-لَا يَسْــٴَـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًاؕ-وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ(سورة البقرة: 273)

ترجمہ: "ان فقیروں کے لیے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے نادان انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑ گڑانا پڑے اور تم جو خیرات کرو اللہ اسے جانتا ہے۔"

خاکہ:

1. اللہ کی راہ میں خرچ کن پر کریں؟
2. اسلام کا تھنک ٹینک کا تصور
3. پہلے جب نبی قوم سے علیحدہ ہوتے تو قوموں پر عذاب آجاتا
4. بھوکا بھوکا ہوتا ہے
5. رہبر اور راہنما میں فرق
6. لیڈر کون ہوتا ہے؟
7. حضرت ابوہریرہ کا صحابہ سے سوال کرنے کا واقعہ
8. قبر پر بیٹھنا آگ پر بیٹھنے کے برابر
9. اللہ کی یاد سے غفلت معیشت تنگ ہونے کا سبب

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

گذشتہ جمعہ ہم نے ہدایت پہ گفتگو کی تھی کہ اللہ فرماتا ہے کہ کسی کو ہدایت دینا تمہارا کام نہیں ہے۔ اللہ کی مرضی ہے جسے چاہے ہدایت دے، تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ اللہ کو پتہ ہے کہ تم اللہ کی رضا کیلئے کرتے ہو، اللہ کو ان ساری چیزوں کا علم ہے۔ تم اپنا کام کرو، یہ ہدایت تمہارے ذمہ نہیں ہے۔ تو یہ تفصیلاً گفتگو ہوئی تھی پچھلے جمعہ۔ اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور تفصیل بیان فرمائی لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یہ جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو، سب سے زیادہ حق ان لوگوں کا ہے اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیا ہے۔ حصر، آپ اکثر یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اسی سے لفظ محاصرہ ہے، گھیر لینا۔ تو جس نے اپنی خواہشوں کو گھیر لیا ہے کہ میں صرف اپنے اللہ کی راہ میں زندگی بسر کرونگا۔ ان کا سب سے زیادہ حق ہے۔ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ وہ اپنے اس کام کی وجہ سے، اللہ کی راہ میں زندگی گزارنے کیوجہ سے وہ تجارت نہیں کرسکتے، یعنی اپنی اس مشغولیت کی وجہ سے زمین پہ سفر نہیں کرسکتے، تجارت کیلئے کہیں آگے پیچھے نہیں جاسکتے۔ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ ان کا ظاہری رہن سہن جو ہے۔ انکی ظاہری گفتگو جو ہے یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ جو جاہل ہیں وہ حساب لگاتے ہیں کہ یہ بڑے غنی ہیں۔ یہ بھی خودداری ایمان والوں کی قرآن نے بیان کی کہ انتہائی ضرورت مند ہیں لیکن ظاہری شکل وصورت ضرورت مندوں والی نہیں بناتے۔ اپنی گفتگو سے کسی کو اندازہ ہی نہیں ہونے دیتے لیکن اللہ نے فرمایا جو ان کو نہیں پہچان پاتے وہ جاہل ہیں۔ تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمٰھُمْ حالانکہ آپ انکے چہرے کو دیکھ کر معرفت حاصل کرسکتے ہیں کہ یہ کتنے ضرورت مند ہیں۔ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ وہ گڑگڑا کر، رورو کر سوال نہیں کرتے۔ یہ لحاف آپ اردو زبان میں بھی استعمال کرتے ہیں، اوڑھنے کیلئے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ ہیں جو کہ تمہارے زکوٰۃ وصدقات کے زیادہ مستحق ہیں۔

اس میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اصحابِ صفہ ہیں۔ ان کا تعارف میں نے آپکو تفصیلاً عرض کر دیا تھا کہ یہ اصل میں تھنک ٹینک تھے وہاں پہ، جس سے آج یورپ اور امریکہ نے استفادہ کیا ہے۔ مختلف علوم کے ماہرین تھے، یہ نہیں تھا کہ صرف قرآن حفظ کرنے کیلئے آتے تھے، یا حدیث کا علم یا تفسیر کا علم حاصل کرنے بلکہ ان میں کچھ لوگ وہ تھے جو غیر ملکی زبانیں سیکھتے تھے۔ کچھ سفارتکاری سیکھتے تھے، کچھ معیشیت کے معاملات سیکھتے تھے۔ لیکن ان کے وہاں گھر نہیں تھے، انکے وہاں قبیلے نہیں تھے، انکے پاس وہاں مال نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔ یقین جانیے میں ترمذی شریف کی جب روایت دیکھتا ہوں، وہ جو اللہ نے کہاناں کہ جاہل لوگ ان کو پہچان نہیں پاتے کہ کئی دفعہ ان کی بھوک کا عالم یہ ہوتا تھا کہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو گر پڑتے یعنی قیام نہیں، کھڑے نہیں ہو پاتے لیکن یہ انتہا کی بھوک اور افلاس ان کو اللہ کی راہ سے غافل نہیں ہونے دیتی۔ کبھی انہوں نے غفلت کا اظہار نہیں کیا۔ یہ تو عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول۔ انکی تعداد 400 تھی۔ کچھ نے بیان کیا کہ انکی تعداد 70 تھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو غزوات میں شریک ہوئے، غازی بنے، کسی کی ٹانگ کٹ گئی، کسی کا بازو کٹ گیا، مفلوج ہوگئے، زمین پہ سفر نہیں کر سکتے، تجارت نہیں کر سکتے، انہوں نے جو اپنے جسموں کو مفلوج کیا وہ اللہ کی راہ میں کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان فقراء سے مراد یہ لوگ ہیں۔ ایک صحابی کا قول یہ ہے کہ وہ لوگ ہیں جو مکہ میں ہی رہ گئے تھے کفار نے ان کو گھیر لیا تھا، کہیں آگے پیچھے نہیں جانے دیتے تھے۔ شاید کسی موقع پہ میں نے یہ بات عرض کی تھی، سورۃ فتح کا یہ دوسرا اور تیسرا رُکوع ہے اس میں یہ بات تفصیل سے ہے۔ آج ہمارا یہ موضوع نہیں ورنہ اس پہ میں تفصیل سے بات کرتا کہ پہلی امتوں کیلئے قانون یہی تھا، قرآن کریم نے جتنے بھی احوال بیان کیے ہیں کہ جب نبی شہر چھوڑتا تھا تو عذاب آجاتا تھا۔ یہ قومِ لوط کو دیکھیں، نوح علیہ السلام کو دیکھیں، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھیں، سوائے حضرت یونس علیہ السلام کے وہ استثناء ہے، انہوں نے بعد میں پھر توبہ کی۔ قانون یہ تھا کہ جب نبی شہر چھوڑ دیتا تھا تو عذاب آجاتا تھا۔ اب مشرکین مکہ نے یہ بھی سوال کیا۔ ایک وہ تو 9 ویں پارے میں ہے ناں کہ اگر آپ اللہ کے سچے نبی ہیں تو ہمارے اوپر پتھروں کی بارش کیوں نہیں ہوتی؟ ہمارا اوپر عذاب کیوں

نہیں آتا؟ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ [1] یہ قرآن کریم نے بیان کیا۔ ایک یہ سورۃ فتح میں ہے کہ اگر یہ سچے نبی تھے تو شہر چھوڑ دیا تو اب عذاب کیوں نہیں آرہا؟ تو اس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ اب اگر مکہ محفوظ ہے تو محمد کے ان غلاموں کی وجہ سے جو ادھر موجود ہیں۔ وہ ایمان والے جو ظاہراً اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے، کافروں نے گھیرے ہوئے تھے، اب اگر مکہ محفوظ ہے تو حضور کے غلاموں کی وجہ سے۔ ورنہ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ مکہ بچ جاتا۔ تو ان کے متعلق ہے کہ جن کو گھیر لیا گیا تھا۔ لیکن زیادہ صحابہ اور تابعین کا جو رحجان ہے وہ اصحاب صفہ کی طرف ہے کہ اس آیت کے مصداق جو ہیں وہ اصحاب صفہ ہیں۔

پچھلے جمعہ یہ گفتگو ہوئی تھی کہ ایک حربی کافر ہے اور ایک ذمی کافر ہے۔ اگ آپ کا رشتہ دار ذمی کافر ہے تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں اب اس پہ خرچ نہ کروں۔ آج بھی یہی اصول ہے جو ہم عالمِ کفر کو بیان کرتے ہیں کہ اصول اگر دیا ہے تو وہ رحمت اللعالمین پیغمبر ﷺ نے دیا ہے کہ بھوکا بھوکا ہوتا ہے وہ کافر اور مسلمان نہیں ہوتا۔ آپ نے بھوکے کو کھانا کھلانا ہے چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، آپ نے پیاسے کو پانی پلانا ہے، آپ نے مظلوم کا ساتھ دینا ہے چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ تو یہ عالمین کا وژن وہی دے سکتا تھا جو رحمت اللعامین ہو۔ جس کی سلطنت کیلئے اللہ نے اعلان کیا تھا کہ وہ رحمت اللعالمین ہے۔ تو عالمین کی بات وہی کر سکتے تھے۔ حربی کافر کیلئے یہ چیزیں استعمال نہیں ہو سکتیں۔ یہ پچھلے جمعہ تفصیل سے بیان ہو گیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ ہمارا حال یہ ہوتا تھا کہ ہم پیٹ پہ پتھر باندھتے تھے بھوک کیوجہ سے۔ پتھر باندھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی کمر کو سیدھا رکھنا۔ یعنی یہ جملہ آپ سنتے ہیں کہ پتھر کیوں پیٹ پہ باندھتے تھے۔ بھوک کی وجہ سے کمر جھک جاتی تھی تو کمر کو سیدھا رکھنے کیلئے وہ اپنے پیٹ پہ پتھر باندھتے تھے۔ آجکل شوق تو بڑا ہے لوگوں کو لیڈر بننے کا۔ ہر مولوی کو شوق ہے، ہر پیر کو، ہر سیاستدان کو، چند ٹکے کسی کے پاس آجائیں، بڑا شوق ہے لیڈر بننے کا۔ مارگریٹ تھیچر انگلینڈ کی وزیر اعظم بنیں، اس کا میں انٹرویو سن رہا تھا، یہ گیارہ سال برطانیہ کی وزیر اعظم رہی ہیں، عورت تھی اور بڑی کامیاب وزیر اعظم تھی۔ تو صحافی نے پوچھا کہ تم نے اتنی دیر برطانیہ پہ

[1] سورۃ الانفال:32

حکومت کی ہے تو بتاؤ کہ رہنما اور لیڈر کون ہوتا ہے؟ کیسے ہم پہچانیں کہ یہ ہے لیڈر؟ بھائی دو لفظ ہیں ناں: رہبر اور رہنما۔ رہبر، راہ دکھانے والا ہوتا ہے اور رہنما، لیکر چلنے والا ہوتا ہے۔ کچھ وہ ہیں جو راہ بتا دیتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو لیکر چلتے ہیں اور منزل پہ پہنچاتے ہیں۔ دنیا میں رہبر بھی ہوتے ہیں اور رہنما بھی ہوتے ہیں اور یہ میرے آقا ﷺ کی شان ہے کہ جو ان کے دامن سے وابستہ ہو جائے اس کیلئے رہبر بھی ہیں اور رہنما بھی ہیں۔ ورنہ یہ دونوں خصلتیں اکٹھی کم ہی ہوتی ہیں۔ یہ اوصاف میرے آقا و مولا سرکار مدینہ ﷺ کے ہیں اور ان کے صدقے کسی کو عطا ہو جائیں۔

میں اگر اپنے نوجوانوں کیلئے عرض کر دوں، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات چھپے تو اس کا دیباچہ قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ اُس میں انہوں نے یہ جملہ لکھا، ہم نے جب ابتدا میں یونیورسٹی دور میں پڑھا تو اس وقت اس کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ تو قائداعظم فرماتے تھے کہ میں علامہ اقبال کی فکر کا ایک چھوٹا سا سپاہی ہوں۔ یعنی رہبر اقبال ہے اور محمد علی رہنما ہے۔ اگر آپ اس کو سادہ طریقے سے سمجھیں، پاکستان کی راہ علامہ اقبال نے دکھائی اور قوم کو منزل تک محمد علی جناح نے پہنچایا۔ تو مار گریٹ تھیچر سے پوچھا گیا کہ لیڈر کون ہوتا ہے؟ یقین جانیے اس کے الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔ اس نے کہا کہ لیڈر کا کل بھی وہی معیار تھا آج بھی وہی معیار ہے۔ لیڈر کا معیار چودہ سو سال پہلے محمد رسول اللہ نے قائم کر دیا تھا اور اگلا جملہ شاید اس پہ ہم پورے نہیں اترتے، اس نے کہا لیڈر وہ ہوتا ہے کہ اگر عوام کے پیٹ پہ ایک پتھر ہو، تو رہنما کے پیٹ پہ دو بندھے ہوئے ہوں۔ اگر لیڈر اور عوام کی زندگی میں فرق ہو تو وہ لیڈر نہیں ہوتا۔ مت کہا کریں کہ یہ ہمارے رہنما ہیں جو ہمارے ساتھ زمین پہ بیٹھ نہیں سکتے۔ اگر یہاں میں قرآن کا درس دے رہا ہوں کہ زمین پہ بیٹھ کر کھانا کھانا میرے پیغمبر ﷺ کی سنت ہے اور میرے گھر میں تین لاکھ کا ڈائننگ ٹیبل پڑا ہو تو میری بات میں کیا اثر ہے؟ ہماری باتوں میں اثر اس لیے نہیں، وہ ہمارے سیاستدان ہوں، ہمارے جاگیردار ہوں، ہمارے مولوی ہوں، پیر ہوں، کوئی بھی طبقہ ہو، ہمارے رہنما تو یہ ہیں کہ عوام کی زندگی اور ہوتی ہے اور رہنما کی زندگی اور ہوتی ہے۔ اور مار گریٹ تھیچر نے کہا تھا کہ نہیں

لیڈر وہی ہوتا ہے جس کی زندگی عام کی زندگی کے ساتھ مماثلت رکھتی ہو۔ آج بھی یہی معیار ہے، باقی تو سب دو نمبر لوگ ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات میں عرض کر رہا تھا، ارشاد فرمایا کہ ہم پتھر باندھتے تھے، ایک دن بھوک نے بڑا ستایا، یہ میں آیت کا صرف وہ جملہ آپ تک پہنچا پاؤں اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ میں راستے میں بیٹھ گیا۔ خودداری تو آیت نے بیان کر دی ہے کہ دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔ لپٹ لپٹ کر بات نہیں کرتے۔ گڑگڑاتے نہیں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گزرے، میں نے یہ آیت پڑھ کر اس کا معنیٰ پوچھا اور دل میں خیال تھا کہ مجھے گھر لے جائیں گے اور کھانا کھلا دینگے۔ سوال بھی نہ کرنا پڑے گا اور میری حاجت بھی پوری ہو جائے گی۔ کہتے ہیں کہ میں نے ابو بکر سے یہ آیت پوچھی، انہوں نے اس کا معنیٰ اور مفہوم بتایا اور چلے گئے اور میری بھوک کا کوئی حل نہ نکلا۔ کہتے ہیں کہ میں اپنا جگر زمین پہ لگاتا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے، ان سے بھی آیت کا مفہوم ایسے ہی پوچھا۔ سرکار ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اگلے جملے جب میں پڑھتا ہوں تو یقین جانیے کہ بے تاب ہو جاتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ اتنی دیر میں میرے سردار آ گئے، امام الانبیاء تشریف لائے، ابو القاسم آ گئے، مجھے کسی آیت کا مفہوم نہ پوچھنا پڑا، مسکرا کر فرمایا، ابو ہریرہ میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ، جو غلاموں سے واقف نہ ہوں وہ آقا ہوتے ہی نہیں ہیں۔ اس کو آقا کہلانے کا کوئی حق نہیں۔ میں جب یہ پیروں سے کہتا ہوں کہ تم جب لوگوں کو آیات پڑھ پڑھ کے سناتے ہو کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تمہارے اندر جو اولو الامر ہیں انکی اطاعت کرو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ حکمران تو شرابی، زانی ہیں تو اب اولو الامر ہم ہیں، ہمیں اولو الامر مانو۔ پھر میں ان سے کہتا ہوں کہ تمہیں پتہ ہے کہ حضرت عمر نے کیا فرمایا تھا کہ فرات کے کنارے ایک کتا بھی پیاسا مر گیا تو اس کا ذمہ دار میں ہوں۔ پیر بننے کا تو بڑا شوق ہے، اگر ایک مرید بھی پیاسا مر گیا تو تمہاری جان نہیں چھوٹے گی۔ ایک مقتدی بھی ایسے مر گیا کہ اس کو دوائی نہیں ملی تو تمہاری ساری پیری نکل جائے گی۔ اولو الامر بننے کا شوق ہے اور پتہ نہیں کہ اس کے تقاضے کیا ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے۔ میں نے بھی اجازت طلب کی۔ اندر گئے تو دودھ کا ایک پیالہ پڑا تھا۔ میں دل

میں سوچ رہا تھا کہ سرکار مجھے حکم فرمائیں گے اور میری پیاس اور بھوک مٹ جائے گی۔ سرکار نے فرمایا کہ ذرا اَصحاب صفہ کو بلاؤ۔ حکم تھا، میں اصحابِ صفہ کو بلا لایا۔ وہ ستر لوگ بیٹھ گئے۔ حضرت ابوہریرہ نے ستر بتایا ہے۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ مجھے حکم دیں۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ یہ پیالہ لو اور باری باری ان کو پلاؤ۔ اب میں پلاتا جاتا اور کبھی کبھی یہ بھی خیال آتا کہ میرے لیے بچے گا کہ نہیں۔ انسان ہے ناں، انسانی فطرت تو ظاہر ہے۔۔ فرماتے ہیں کہ جب سب نے پی لیا۔ اچھا یہاں پہ ایک مسئلہ ذہن میں رکھنا۔ کئی دفعہ لوگ پوچھتے ہیں سوال کرنے سے متعلق، اسلام نے گداگری سے سختی سے منع کیا ہے۔ دیکھئے ناں یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پہ خرچ کرنے کا حکم دیا ہے جو گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔ جو لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ سرکار نے فرمایا تھا کہ اگر کسی نے فاقے کے بغیر کسی سے سوال کیا، یا اپنے گھر والوں کے فاقے کے بغیر کسی سے سوال دراز کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے فاقوں کے دروازے کھول دیتا ہے[1]۔ یہ اتنا سخت حکم ہے۔ بندہ ضرورت مند نہیں ہے اور سوال کی جو ہمارے محدثین اور فقہاء نے لائن ڈرا کی ہے وہ یہ ہے کہ جس بندے کے پاس ایک وقت کا کھانا موجود ہے وہ سوال نہیں کر سکتا۔ اگر وہ سوال کرے گا تو حرام کا مرتکب ہو گا۔ یا کسی انسان کے اندر اتنی طاقت ہے کہ وہ ایک دن کی روزی کما سکتا ہے تو وہ بھی سوال نہیں کرے گا۔

میں پتہ ہے اکثر یہ آپ سے باتیں کرتا ہوں کہ جتنا وقت ہم نے اس قوم کا نور بشر کے جھگڑے میں ضائع کیا ہے اگر یہ قرآن انکو سناتے تو یہ قوم آئیڈیل قوم بن گئی ہوتی۔ ان کے معاملات سیدھے ہو گئے ہوتے لیکن ہم نے انکو علم غیب پر رکھا، نور بشر کے جھگڑوں پہ رکھا، قوم کا ہم نے وقت ضائع کیا ہے۔ یہ خودداری، اگر ہم اسکو تھوڑا expand کر کے دیکھیں، ایک فرد کی بات کی ہے کہ اگر ایک فرد فاقوں کے بغیر سوال کرے گا تو اس پہ فاقوں کے دروازے کھول دیے جائیں گے، اس کا فاقہ ختم نہیں ہو گا اور اگر کوئی قوم یہ فیصلہ کر لے کہ ہم نے مانگنا ہی مانگنا ہے تو اس قوم کے فاقے کیسے ختم ہو سکتے ہیں۔ وہ IMF اور World Bank سے کیسے چھٹکارہ حاصل کر سکتی ہے؟ کیا

[1] سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے جو شخص بھی اپنے اوپر مانگنے کا دروازہ کھولے گا اللہ اس پر فقر و محتاجی کا دروازہ کھول دے گا۔“ مسند الشھاب: 822 (تخریج الحدیث: «إسناده حسن، وأخرجه ابن حبان فی «صحیحه» برقم: 3387»)

ہمارے پاس اللہ نے اتنا اناج نہیں دیا؟ ہمیں پینے کیلیئے میٹھا پانی عطا نہیں کیا؟ اور یہاں جو بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ اگر کسی نے اپنا مال بڑھانے کیلیئے سوال کیا تو اس نے آگ کا سودا کیا۔ اگر کوئی اس لیے سوال کرتا ہے کہ میرے مال میں اضافہ ہو تو اس نے آگ کے انگاروں کا سودا کیا[1]۔ جب اس حدیث کو بھی لوگ بیان کرتے ہیں بڑا محدود سا معنیٰ لے لیتے ہیں۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قبر پر بیٹھتا ہے۔ وہ ایسے ہی ہے کہ جیسے وہ آگ پہ بیٹھا اور آگ نے اس کو بھسم کر دیا، جلا دیا[2]۔ اس کے ہمارے بزرگوں نے تو دونوں مفہوم بیان کیے ہیں کہ ایک یہ ہے کہ ظاہراً قبر پہ بھی، آج کل جاتے ہیں جنازوں پہ تو لوگ قبر پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ بڑا سخت حکم ہے، قبر کا احترام ہے۔ لیکن ہمارے بزرگوں نے جو، سینہ بہ سینہ جس علم کی میں بات کرتا ہوں، جو ہمیں سینہ بہ سینہ علم ملا، ایک تو انہوں نے کہا کہ ایک تو اس کا ظاہری حکم ہے کہ قبر پر نہیں بیٹھنا اور دوسرا اس کا مفہوم یہ ہے کہ قبر پر کمائی کیلیئے نہیں بیٹھنا۔ اسی لیے کوئی بندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر پر کوئی انکا بیٹا بیٹھا ہو کمائی کیلیئے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر پر کوئی بیٹا بیٹھا ہو، امام حسن کی قبر پر کوئی بیٹھا ہو۔ تو وہ جن کے پاس دین تھا وہ اس حدیث کو اس حوالے سے بھی دیکھتے تھے کہ کبھی بھی کسی قبر کو روزگار کا ذریعہ نہیں بنانا۔ اسی کو علامہ اقبالؒ نے جوابِ شکوہ میں لکھا ہے، "بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو"[3]۔ چلے ہو تم دنیا کی رہنمائی کیلیئے اور اوقات تمہاری یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی قبریں بیچ کھاتے ہو۔ غیرت کا یہ عالم ہے؟ یہ حضرت عمر بن عبد العزیز تک کی میں بات کر رہا

---

1 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص مال بڑھانے کے لئے لوگوں سے ان کا مال مانگتا ہے وہ آگ کے انگارے مانگتا ہے، کم (اکھٹے) کر لے یا زیادہ کر لے۔" صحیح مسلم:2399

2 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کسی کا آگ کے شعلہ پر جو اسے جلا دے بیٹھنا اس کے لیے قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے“۔ سنن ابن ماجہ:1566

3 جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہوا
بجلیاں جس میں ہوں آسُودہ، وہ خرمن تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو
ہو نِکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مِل جائیں صنَم پتھّر کے

ہوں۔ 101 ہجری میں حضرت عمر بن عبد العزیز کا وصال ہوا۔ آپ کے دور تک مسلمانوں کا یہ عالم تھا کہ لوگ گلیوں میں زکوٰۃ اور صدقات لیکر پھرتے تھے اور کوئی اگر کسی کو بتایا جاتا کہ یہ شخص مستحق ہے اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا تو وہ یہی کہتا کہ میرے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہے میں زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔ اسی لیے ہمارے محدثین نے یہ لائن ڈرا کی ہے کہ جو بندہ ایک دن کا کھانا رکھتا ہے وہ سوال نہیں کر سکتا۔ بہر حال بات سوال کی طرف نکل گئی۔ حضرت ابو ہریرہ جو مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے جاتے ہی پوچھا کہ یہ دودھ کیسا ہے؟ تو اماں جی نے بتایا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ فلاں صحابی نے تحفہ بھیجا ہے، ہدیہ بھیجا ہے۔ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے تو حضور اصحابِ صفہ کی طرف بھیج دیتے اور اگر کوئی کہتا کہ یہ تحفہ ہے تو حضور خود بھی استعمال کرتے اور اصحاب صفہ کو بھی بھیجتے۔ اس لیے یہ دودھ سرکار نے آخر میں مجھے دیا تو میں نے پی کر بس کیا اور حضور نے فرمایا، ابو ہریرہ اور پیو، اور پیو اور پیو۔ کیوں جنابِ ابو ہریرہ، کیسا تھا وہ جام شیریں۔ پھر آخر میں نبی پاک ﷺ نے خود پیا[1]۔ میں جب کبھی اس حدیث کو پڑھتا ہوں تو آج کسی کی جرات ہے، کوئی ہے ایسا لیڈر جو سب کو پلا کر آخر میں خود پیے؟ شوق بڑا ہے کہ مجھے مانو۔ نبی پاک کے نام پہ شوق بڑا ہے۔

وقت ہو گیا، مجھے آخری حج کا وہ واقعہ بڑا یاد آتا ہے۔ میرے سرکار کے اخلاق اگر آج اس امت میں منتقل ہو جاتے تو آج یہ رہنما ہوتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ ﷺ پانی پلانے کی جگہ تشریف لائے اور پانی مانگا ۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فضل! اپنی ماں کے یہاں جا اور ان کے یہاں سے کھجور کا شربت لا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہی پانی پلاؤ۔ عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہر شخص اپنا ہاتھ اس میں ڈال دیتا ہے۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ یہی فرمایا کہ مجھے یہی پانی پلاؤ[2]۔ ڈھونڈنے کو یہ چیزیں نہیں ملتی۔ قرآنِ کریم نے دوسرا جو معیشیت کا مسئلہ بیان کیا ہے وہ بھی ذہن میں رکھنا، وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا[3] جو بھی ہماری یاد

[1] صحیح البخاری: کتاب الرقاق، حدیث: 6452

[2] سلسلہ احادیث صحیحہ: 1635

[3] سورۃ طٰحٰہ: 125

سے تنگ ہو جائے، ہم اسکی معیشت تنگ کر دیتے ہیں۔ جتنے جی چاہے پیکج آپ دنیا کے لے لیں، جب تک بے حیائی ہے، جھوٹ ہے، بد دیانتی ہے، لعنت ہے اللہ کی، معیشت ٹھیک نہیں ہو سکتی۔

دونوں عالم میں تجھے مقصود گر آرام ہے
اس کا دامن تھام لے جس کا محمد نام ہے

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

47۔ ایمان خبر پہ اور اطمینان مشاہدے پہ ہوتا ہے

قرآن: وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ-قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْؕ-قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ-قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًاؕ-وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (سورة البقرة: 260)

ترجمہ: "ور جب ابراہیم نے عرض کی: اے میرے رب! تو مجھے دکھادے کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ فرمائے گا؟ اللہ نے فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں؟ ابراہیم نے عرض کی: یقین کیوں نہیں مگر یہ (چاہتا ہوں) کہ میرے دل کو قرار آجائے۔ اللہ نے فرمایا: تو پرندوں میں سے کوئی چار پرندے پکڑلو پھر انہیں اپنے ساتھ مانوس کرلو پھر ان سب کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں پکارو تو وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

خاکہ:

1. ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔
2. اللہ سود کو گھٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔
3. کُلِ ایمان کس ہستی کو کہتے ہیں؟
4. ایمان خبر پہ ہوتا ہے اور اطمینان مشاہدے پہ ہوتا ہے۔
5. حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقع
6. کسی قابلِ اعتبار کو تلاش کر، اس سے پوچھ کہ خبر کیا ہے؟
7. مولا علی کرم اللہ وجہہ کا یقین
8. اورنگ زیب عالمگیر کا واقعہ
9. امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

ہماری گفتگو صدقہ و خیرات کے حوالے سے ماشاء اللہ تفصیلاً چل رہی ہے اور اسکے جتنے بھی اسرار و رموز تھے میرے علم کے مطابق وہ میں نے آپ تک پہنچائے کہ رزق کیسا ہونا چاہئے، کفار تک صدقہ و خیرات، ذمی کافر، حربی کافر، نذر اور انفاق، ان پہ گفتگو ہو گئی۔ اس کے آگے جو موضوع ہے وہ سود کا ہے۔ دونوں موضوعات کو اللہ تعالیٰ نے اکٹھا رکھا ہے، پہلے صدقات و خیرات اور آگے سود کی جو حرمت ہے اس پہ۔ اسکی وجہ میں آپکو کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ یعنی جب سورۃ بقرۃ شروع ہوتی ہے تو پہلی پانچ آیات میں ایمان والوں کا ذکر ہے اور ساتھ ہی کفار کا ذکر ہے۔ جہاں نور کا ذکر ہے ساتھ ہی ظلمات کا ذکر ہے۔ تو جب تک آپ ضد کو نہیں پہچانیں گے، آپ حقیقت کو نہیں پہچان سکتے۔ یہ چونکہ اصول ہے، اس لیے پہلے صدقات و خیرات کو بیان کیا ور پھر سود کی حرمت پہ بات کی۔ اس میں جو بنیادی بات تھی، اُس دور میں بھی جب میرے پاک پیغمبر ﷺ ان آیات کو بیان فرماتے تھے تو انسانوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی، وہاں چونکہ سودی نظام تھا۔

آخری حج کے موقع پہ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے اس پہ تفصیل سے گفتگو فرمائی کہ لوگ کسی مجبور کو اگر پیسے دیتے تھے تو اس سے اضافی رقم وصول کرتے اور جب مدت پوری ہوتی تو اصل رقم کا مطالبہ کرتے، اگر وہ نہ دے پاتا تو وقت میں اگر اضافہ ہوتا تو سود میں بھی اضافہ ہوتا۔ یہ نظام تھا وہاں پہ، تو اس کے مقابلے میں نبی پاک ﷺ جو نظام پیش کر رہے تھے، اس میں یہ ہے کہ مظلوم کی مدد کرنی ہے، ضرورت مند کی مدد کرنی ہے، خدا ترسی سے کام لینا ہے۔ اب یہ جو کام تھا صدقات و خیرات والا۔ اس میں یہ بات تھی کہ ظاہراً اس کے مال میں کمی واقع ہوتی ہے۔ سود جو ہے کہ کسی نے 100 دینار لیے اور واپس 110 کرنے ہیں تو ظاہراً تو اضافہ ہو رہا ہے مال میں۔ وہ سمجھتے تھے کہ سود میں انسان کا نفع ہے اور صدقات و خیرات میں تو مال کم ہو جاتا ہے۔ اور اللہ فرماتا ہے یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ[1]۔ اللہ سود کو گھٹاتا رہتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا رہتا ہے۔ تو یہ تھا بنیادی نقطہ کہ جو انسانی

---

[1] سورۃ البقرۃ:276

عقل سمجھتی تھی کہ اس میں کمی آ رہی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے الٹ لوگوں کو بتا رہا ہے۔ اب یہ ہے وہ نقطہ جس کو ہم ایمان کہتے ہیں۔ یہاں مَیں آپ لوگوں کو لیکر آنا چاہتا تھا کہ کون ہے جو ضرورت مند کو دیکھ کر کون اپنا مال کم کرے گا؟ جسکو ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ ورنہ تو ظاہراً تو عقل کہتی ہے کہ تیرا مال کم ہو رہا ہے، نہ خرچ کر۔

ایمان کے حوالے سے میرے پاک پیغمبر ﷺ نے جس ہستی کو کلِ ایمان کہا وہ علی المرتضیٰ کی ذات ہے۔ یہ غزوہ خندق کے موقع پہ جب حضرت علی مقابلہ کیلئے گئے تو اُدھر سے بھی جو آیا تھا اس کو کلِ کفر کہا ہے، اِدھر سے جو گیا ہے وہ کل ایمان گیا ہے۔ تو چونکہ 13 رجب کو آپکی ولادت کا دن تھا تو جس ہستی کو میرے پیغمبر ﷺ کُلِ ایمان کہیں تو اسکا ذکر تو ضروری ہے۔ دوسری چیز اکثر میرے ذہن میں آتی رہتی ہے، یقین جانیے اس کو میں اکثر سوچتا رہتا ہوں کہ اس امت کو اپنے مقام کا علم ہی نہیں ہے۔ اس امت کو پتہ ہی نہیں ہے کہ ہماری نسبت کس آقاو مولا سرکار مدینہ ﷺ کیساتھ ہے۔ اگر اس بات کا پتہ چل جائے گا تو یہ جو شیطانی راستے ہیں یہ ویسے ہی ہم چھوڑ دینگے۔ ہم اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلائیں تو ہمارا نفس باغی نہ بنے، وہ اطاعت کیلئے راضی ہو۔ لیکن چونکہ وہ ظاہری نفع اور نقصان جو مشرکینِ مکہ کے ذہن میں ہوتا تھا وہی ہمارے ذہن میں ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرینگے تو مال کم ہو جائے گا۔

ایمان، سورۃ بقرۃ کے آغاز میں ہی فرما دیا گیا الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ(3) وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَۚ-وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ(4) ۔ ایمان خبر پر ہوتا ہے۔ اتنی سی تعریف ذہن میں رکھنا۔ ایمان کا تعلق خبر کیساتھ ہے۔ یعنی خبر کو آپ سچا مانتے ہیں تو اس کو آپ ایمان کہتے ہیں۔ یعنی خبر ہے، ابھی مشاہدہ نہیں ہے، اس پہ آپ نے یقین کر لیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ خبر دینے والا سچا ہے۔ ایمان کا تعلق خبر سے بھی ہے اور خبر دینے والے سے بھی۔ جس نے خبر دی ہے اگر اس پہ ہی اعتماد نہ ہو تو ایمان تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اب اگر خبر دینے والے پہ اعتماد ہے پھر یہ نفس سرکش ہو ہی نہیں سکتا۔ ویسے فلسفے والے کہتے ہیں کہ ایمان کا تعلق چونکہ خبر سے ہوتا ہے، جب تک خبر رہے ناں اس وقت تک ذہن منتشر رہتا ہے۔ جب انسان مشاہدہ کر لے تو اطمینان نصیب ہو جاتا ہے۔ لیکن پہلی امتوں میں تھا، اس امت میں نہیں ہے۔ یہاں خبر ہی اطمینان دے

دیتی ہے۔ یہاں خبر سے ہی انسان مطمئن ہو جاتا ہے۔ پہلے انبیاء کا ذکر کیا ہے قرآن نے اس حوالے سے۔ جملہ اصل میں جب میری نظر سے گزرا سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا اور لکھا بھی مفتی شفیع صاحب نے جو دیوبندیوں کے بہت بڑے مفتی ہیں تفسیر معارف القرآن میں، مولا علی سرکار فرماتے ہیں کہ میری نظر کے سامنے سے غیب کے سارے پردے بھی ہٹ جائیں تو میرے یقین اور اطمینان میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔ اگر غیب کے پردے اٹھ جائیں اور میرے مشاہدے میں اور اضافہ ہو جائے تو میرے یقین اور اطمینان میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا جتنا مجھے محمد رسول اللہ کی خبر پر یقین اور اطمینان ہے۔ جو اطمینان خبرِ محمد پر ہے ناں، اگر غیب کے سارے پردے بھی اٹھ جائیں تو میرے اطمینان میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔ یہ فرق ہے اس امت کا اور پہلی امتوں کا۔

آیت میں چونکہ دیکھ رہا تھاوَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ اور کیا آغاز ہے اس آیت کا۔ اللہ تعالیٰ نے کس محبت سے اس آیت کا آغاز کیا اور فرمایا وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ میرے محبوب یاد کرو اس واقعہ کو کہ جب ابراہیم نے اپنے رب سے کہا کہ میرے رب مجھے دکھاكَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ تو مردوں کو کیسے زندہ کریگا؟ اللہ فرما رہا ہے کہ اے محبوب اس واقعہ کو یاد کرو جب ابراہیم نے مجھ سے کہا اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کریگا۔قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْؕ میرے اللہ نے فرمایا کہ تیرا ایمان نہیں ہے؟ تیرا ایمان نہیں ہے کہ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں؟ یہاں پہ اہلِ علم نے جو نقطہ لکھا ہے کہ اللہ نے یہ سوال کیوں کیا؟ کیا اللہ کو نہیں پتہ کہ ابراہیم کا ایمان کامل ہے؟ اللہ تو علیم ہے۔ اللہ کو تو پتہ ہے کہ میرا خلیل ایمان کے کس درجے پہ ہے۔ تو پھر یہ سوال کیوں کیا کہ کیا تیرا ایمان نہیں ہے؟ اہل علم اس کا جواب دیتے ہیں کہ اگر اللہ یہ سوال نہ کرتا تو بعد میں آنے والے لوگ حضرت ابراہیم کے ایمان پہ سوال کرتے۔ جو باتیں بعد میں لوگوں نے کرنی ہیں وہ میں خود ہی سوال کر دوں اور یہ نہیں ہے کہ اللہ کو علم نہیں ہے۔قَالَ بَلٰى فوری طور پہ جواب آیا مولا کیوں نہیں، ایمان تو مکمل ہے، تُو مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ بس اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے دل کو اطمینان دینا چاہتا ہوں۔ میں نے بار بار جملہ دہرانا نہیں ہے، میں نے ابتداء میں بات کہہ دی ہے کہ ایمان خبر پہ ہوتا ہے اور اطمینان مشاہدے پہ ہوتا ہے۔ اصول یہی ہے۔ ایمان ہے لیکن مشاہدے سے اطمینان چاہتا ہوں۔ اس کیفیت کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ کس طرح تو یہ

سارا معاملہ کرتا ہے زندہ کرنے والا۔قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فرمایا پھر جانوروں میں سے کوئی چار پرندے لو، پھر انہیں اپنے ساتھ مانوس کرو۔ یعنی ایسے پرندے ہوں جن کیساتھ تمہاری انس پیدا ہو، تم ان کو بلاؤ تو وہ آجائیں۔ چونکہ اسرائیلی روایت ہے، ہمارے مفسرین اس کو زیادہ نہیں لیتے کہ اس میں ایک مرغ تھا، ایک مور تھا، کوا تھا اور کبوتر تھا۔ ان کو پالا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور ان سے اتنی محبت ہو گئی کہ جب آپ بلاتے تو وہ آجاتے۔ پھر فرمایا فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ان کو آپس میں ملالو۔ یعنی انکی ہڈیاں، انکے پُر، انکا گوشت اور خون۔ ذبح کر کے مکس کر دو۔ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا پھر پہاڑوں پر ان کے علیحدہ علیحدہ جو وہ گوشت جو وہ ملا ہوا ہے وہ رکھ دو۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ پھر انکو بلاؤ۔يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وہ دوڑتے ہوئے تیری طرف آئیں گے۔ تم مرغ کو بلاؤ گے تو پتہ ہو کہ یہ وہی مرغ ہے، اللہ نے کوئی اپنی طرف سے نیا تخلیق کر کے نہیں بھیج دیا۔ جس کو پہلے بلاتے تھے تو آجاتا تھا ناں۔ اب وہ پر سے پر جڑا، گوشت سے گوشت جڑا، خون سے خون جڑا اور وہ سارے ذرات اکٹھے ہوئے اور پھر وہ گردن کیساتھ آکر جڑ گئے۔ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اور جان لو بیشک اللہ غلبہ والا ہے، عزیز ہے اور حکیم بھی ہے۔ اس میں بڑی وسعت ہے لفظِ حکیم میں۔ یعنی تُو نے اس کی قدرت دیکھ لی ناں کہ کیسے اللہ تعالیٰ ان ذرات کو اکٹھا کرتا ہے اور پھر ان کو اللہ نے زندگی بخشی اور وہ دوڑتے ہوئے تیرے پاس آئے۔ یہاں ایک نقطہ بڑا مفسرین نے لکھا ہے کہ پرندے تُو اڑ کے آتے ہیں ناں۔ پہلے بھی کہا تھا اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ چار اڑنے والا پرندے۔ تو یہاں یہ نہیں حکم دیا کہ وہ اُڑتے ہوئے تیرے پاس آئیں گے، فرمایا وہ دوڑتے ہوئے تیرے پاس آئیں گے۔ تو یہاں بھی یہ ادب کا پہلو ہے کہ نبیوں کی طرف اُڑ کے نہیں جانا، دوڑ کے جانا۔ عاجزی ہے انکساری ہے۔ جن کو بڑا ہوتا ہے ناں اُڑنے کا شوق وہ بھی نبیوں کے سامنے دوڑتے ہوئے جاتے ہیں۔ حکیم ہے، سب کو نہیں دکھاتا کہ ایسے میں کرتا ہوں۔ حکیم کا یہاں پہ معنٰی یہ لکھا ہے۔ سارے ابراہیم نہیں ہیں کہ میں کہوں گا کہ ایسے کرو میں تمہیں بھی مشاہدہ کروا دیتا ہوں۔ ہر کوئی مشاہدے کے قابل نہیں ہوتا اس لیے ایمان غیب کی خبر پہ ہوتا ہے۔ مشاہدے کے قابل سارے کوئی نہیں ہوتے۔ ہر کوئی یہ نہ کہے کہ میں بھی ابراہیم ہوں مولا مجھے دکھا کہ تُو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ نہیں۔ مشاہدے کیلئے صرف چند لوگ ہوتے ہیں جنکو مشاہدہ کروایا جاتا ہے۔ جن کو دکھایا جاتا ہے۔ جن کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

اسکی سادہ سی مثال اگر آپ اپنے ماحول سے لیں کہ آپ کسی بندے کو کہیں آؤ اُدھر جمعہ پڑھیں گے، درسِ قرآن سنیں گے۔ قرآن کا درس ہوتا ہے اور وہاں بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ تو یہ خبر ہے۔ لیکن جو بندہ یہاں آ کر درس سنے گا۔ اس کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ یہ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ خبر کبھی بھی مشاہدے کے برابر نہیں ہوتی[1]۔ خبر جو ہوتی ہے ناں وہ مشاہدے کے برابر نہیں ہوتی۔ جنہوں نے دیکھا ہوتا ہے ان کا مقام اور ہوتا ہے۔ سننے والوں کا مقام اور ہوتا ہے۔ ایمان جو ہوتا ہے اس کی خبر پہ جس نے مشاہدہ کیا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ نہ کہا کریں کہ نبی ہماری طرح کے ہوتے ہیں۔ وہ جو میں آپکو لیکر جاتا ہوں ناں۔ کیوں؟ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ آج بھی تُو ان لوگوں کو تلاش کر جن پر اعتبار کر سکے۔ اللہ یہ بھی کہہ سکتا تھا صراط القرآن، صراط الحدیث۔ اللہ فرماتا ہے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ کیوں کہ خبر یقین کے قابل ہوتی اس وقت ہے جب خبر دینے والا قابلِ یقین ہو۔ جھوٹے کی خبر پہ کون یقین کریگا؟ اس لیے بار بار کہا گیا ہے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہ تُو جس دور میں بھی ہے اس دور کے کسی سچے کو تلاش کر۔ کسی قابلِ اعتبار کو تلاش کر، اس سے پوچھ کہ خبر کیا ہے۔

اب وہ جملہ جو سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ میرے اطمینان اور یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا اگر غیب کے سارے پردے بھی ہٹا دیے جائیں۔ اس لیے آپ کو پتہ ہے کہ سرکار مولا علی کے نام کیساتھ کیا آتا ہے؟ کرم اللہ وجہہ تعالیٰ۔ باقی صحابہ کیساتھ کیا آتا ہے، رضی اللہ تعالیٰ۔ اچھا یہ بحث ہمارے علمائے عراق میں رہی ہے۔ جو علماء دوسری تیسری صدی کے علماء ہمارے گزرے ہیں۔ ایک آج کل آپ یہ بھی سنتے ہیں کہ سب سے پہلے اسلام کس نے قبول کیا؟ تو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے گھر آ کر نبی پاک ﷺ نے حضرت خدیجہ کو خبر دی تھی۔ حضرت خدیجہ سب سے پہلے ایمان لائیں۔ کچھ لوگوں کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ کچھ کہتے ہیں کہ حضرت زید، نبی پاک ﷺ کے منہ بولے بیٹے بھی تھے، غلام تھے وہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ اور حضرت علی کا ذکر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ پھر اس کو حل یوں کرتے ہیں کہ اس میں جھگڑنے کی کوئی بات نہیں۔ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ، جوان مردوں میں سب سے پہلے

---

[1] مسند الشھاب:1182

حضرت ابو بکر صدیق، غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی۔ تو یہ ایک سلسلہ ہے کہ سارے پہلے نمبر پر ہیں۔ لیکن علماء کی ایک خاص بحث ہے جو کہ میں آپ کے سامنے عرض کرنے لگا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ باقی تینوں کیلئے تو یہ لفظ استعمال کرو، لیکن مولا علی کیلئے یہ لفظ استعمال نہ کرو کہ وہ پہلے ایمان لائے ہیں۔ یہ بھی انکی توہین ہے۔ کہنا کہ علی پہلے ایمان لائے یہ بھی انکی توہین ہے۔ ایمان وہ لاتا ہے جو پہلے کسی اور مذہب میں ہو۔ اس نے اس مذہب کو چھوڑا اور اسلام کو قبول کیا۔ علی نے تو پہلی نگاہ ہی کھولی اور محمد رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو دیکھا۔ وہ تو پہلے کسی اور مذہب میں تھے ہی نہیں۔ اس لیے ان کے لیے یہ لفظ نہ استعمال کرو کہ بچوں میں سب سے پہلے وہ ایمان لائے۔ اس لیے ان کے نام کیساتھ آئے گا کرم اللہ وجہہ۔ پوچھا تھا میرے پاک پیغمبر ﷺ نے چچا جان سے۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا تو اللہ نے دیا ہے لیکن آنکھیں نہیں کھولتا۔ اب کئی دفعہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ دیکھو جی اللہ نے انکو سارے مشاہدے کروائے۔ بھائی اسی لیے کروائے ناں کہ ہم نے انکی وجہ سے ایمان لانا تھا۔ آج دنیا کا ہر ولی کہاں جھکتا؟ علی کے دروازے پر ہی جھکتا ہے ناں۔ اور بیت اللہ شریف میں بھی پیدا ہونے کا کیا مطلب بیان کیا جاتا ہے؟ قیامت تک یہ جان لینا کہ اللہ اور علی کا گھر ایک ہے۔ اس کی خبر پہ یقین رکھنا۔ اس کے چہرے پہ اللہ کا کرم ہے۔ اس نے پہلے دن سے ہی کسی اور کو قبول ہی نہیں کیا۔ اور جب پوچھا گیا تھا کہ آپ آنکھیں کیوں نہیں کھولتے تھے؟ اچھا آپ یہ روایت تو سنتے رہتے ہیں لیکن میں جس خاص نقطے کی طرف غور کرتا ہوں، کسی کتاب میں مجھے یہ لکھا نہیں ملا۔ یہ اللہ تعالیٰ میرے ذہن میں القاء کر دیتا ہے جب کبھی میں یہ سوچتا ہوں۔ شاید کسی کتاب میں لکھا بھی ہو، میں نے کونسا ساری کتابیں پڑھ لی ہیں۔ اب دیکھئے یہ بڑی عجیب بات ہے کہ بچہ ہے معصوم دو تین دن کا۔ اس کو کس نے بتایا کہ یہ جن ہاتھوں نے تجھے اٹھایا ہوا ہے یہ ابو طالب کے ہاتھ ہیں، یہ تیری ماں فاطمہ بنت اسد کے ہاتھ ہیں، یہ تیرے بھائی عقیل کے ہاتھ ہیں۔ اور جب محمد رسول اللہ ﷺ اٹھائیں تو اس کو پتہ ہو کہ یہ محمد رسول اللہ کے ہاتھ ہیں، اب میں نے آنکھیں کھولنی ہیں۔ تو جس شخص کو اللہ نے حکمت کے اس درجہ پہ رکھا ہوا تھا کہ پیدا ہوتے ہی فرق کر سکتا تھا کہ یہ میری ماں کے ہاتھ ہیں اور یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ ہیں۔ کہا یارسول اللہ ﷺ کیسے میں کسی اور کیطرف دیکھ لیتا، اپنی ماں کیطرف، باپ کیطرف دیکھ لیتا؟

آج تو دور ہی عجیب آ گیا۔ اورنگ زیب عالمگیر کا ایک واقعہ میں پڑھ رہا تھا۔ اس کا ایک غلام تھا محمد حسن۔ ایک دن اس نے آواز دی حسن۔ تو دو غلام کھڑے تھے۔ بس اس نے اتنا ہی کہا حسن۔ تو اس نے فوری طور پہ برتن میں پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ دوسرے غلام نے کہا کہ بادشاہ نے آواز دی ہے جا کر بات تو سنو ناں کہ بادشاہ کیا کہنا چاہتا ہے؟ اس نے کام تو کوئی بتایا نہیں اور تو نے پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے دوسرے ساتھی کو کہا کہ بادشاہ کو پانی کی ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ بادشاہ نے کہا تو نہیں ہے کہ پانی کی ضرورت ہے؟ کہا کہ بادشاہ جب وضو سے ہوتا ہے تو محمد حسن کہتا ہے۔ آج اس نے محمد نہیں کہا تو اس کا مطلب ہے کہ اسے وضو کی ضرورت ہے۔ کبھی ہمارا یہ بھی معیار تھا۔ کبھی ہم اس درجے پہ بھی تھے۔ ہم اپنے نبی سے اتنی محبت کرتے تھے۔ یہ فیض ہے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا کہ جو پیدا ہوتے ہی ہاتھوں کو بھی پہچانتا ہو اور چہرے کو بھی پہچانتا ہے۔ اس کو میرے آقا فرماتے ہیں کہ یہ کل ایمان ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جو بات میں نے عرض کرنی تھی کہ اللہ کے خلیل کہہ رہے ہیں کہ مولا مجھے مشاہدہ کروا کہ میں اس کیفیت کو دیکھوں کہ تُو قیامت کے دن لوگوں کو کیسے زندہ کریگا۔ سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ[1]۔ میرے اللہ نے فرمایا محبوب کریم ﷺ ہم نے آپ کو اپنی نشانیاں آفاق میں دکھائیں اور تمہاری اپنی ذات کے اندر بھی نشانیاں موجود ہیں۔ یہ ہے اس امت کا مقام۔ وہ جتنے ذرات، پَر، گوشت، چونچ، خون اکٹھے ہوتے دیکھے ناں۔ اور پھر وہ اس گردن کیساتھ آ کر جُڑ گئیں۔ ہمارے پیغمبر ﷺ نے ہر امتی کو یہ مشاہدہ کروایا ہے۔ یہ ہے مقام اس امت کا وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ۔ تیری ذات میں کیا پوری دنیا کے ذرات اکٹھے ہو کر نہیں آتے تیری خوراک کے؟ یہ جو تُو نے آج سیب کھایا ہے وہ کہاں لگا تھا؟ وہاں سے چل کر وہ تیرے بدن کا حصہ بنا۔ یہ جو تو نے آج دوائی کھائی ہے، وہ برطانیہ سے آئی ہے، جرمنی سے آئی ہے۔ کہاں سے چلی وہ جڑی بوٹی اور تیرے جسم کا آ کر حصہ نہیں بنی؟ جو تو نے دودھ پیا ہے، کتنی جڑی بوٹیاں اس جانور نے کھائی ہیں۔ مشرکین مکہ نے سوال کیا تھا کہ جب بندہ مر گیا، اس کے ذرات ہوا میں بکھر گئے، ہڈیاں بکھر گئیں تو کیسے ان ذرات کو اللہ اکٹھا کریگا؟ میرے رسولؐ نے یہ آیت پڑھ کے

[1] سورۃ حم سجدہ:53

بتایا کہ تیرے بدن کے اندر ساری دنیا سے ذرات اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ جتنے تُو پھل کھاتا ہے، جتنی تو خوراک کھاتا ہے، ایک گندم کے دانے پہ اگر 100 بندے کا نام لکھا ہے، تو اس دانے کے 100 ہی ذرات بنیں گے اور جس جس جگہ اس ذرے نے پہنچنا ہے وہ پہنچے گا۔ تُو نے اپنی ذات کے اندر نہیں دیکھا کہ کیسے وہ منتشر ذروں کو تیری جان کے اندر اکٹھا کر دیتا ہے۔ اب تُو مر گیا، تیری ہوا بکھر گئی، ہوا نے ذرات اُڑا دیے۔ اس لیے پہلے وہ نشر کرتا ہے پھر وہ حشر کریگا۔ پھر تیرے ذرے بکھریں گے تو پھر وہ ان ذروں کو ایسے ہی اکٹھا کریگا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم آپ کو آفاق میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں اور تمہاری اپنی ذات کے اندر بھی۔ یہ مشاہدہ تو ہم نے تمہیں کروادیا ہے۔ بات صرف غوروفکر کی ہے۔ کبھی توجہ کر اپنے اوپر۔ یہ ڈرائی فروٹس کہاں کہاں سے آتے ہیں۔ اللہ کیسے ان ذرات کو اکٹھا کرتا ہے۔ اس لیے مولا علی سرکار فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو تو یہ تھا کہ مشاہدہ کرواکہ اطمینان مل جائے لیکن میرے پیغمبر ﷺ نے ایک دفعہ بھی یہ سوال نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے جب مخاطب کیا تو ابراہیم نے کہا کہ اللہ ایمان تو ہے لیکن اطمینان بھی دے۔ تو محمد رسول اللہ کیلیئے فرمایا يَآَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ(27) ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً[1](28)۔ جب میرے نبی کی باری آئی تو فرمایا اے نفس مطمئنہ، پلٹ آ اپنے رب کی طرف۔ یہ محمد رسول اللہ ہیں۔ وہ جملہ اس دن والا یہ امام الانبیاء ہیں۔ نہ انکے آگے کوئی کھڑا ہو سکتا ہے نہ انکے برابر کوئی کھڑا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھائی ہمارا اہلِ ایمان کیساتھ بھی ایسے ہی رابطہ رکھے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

[1] سورۃ الفجر